

وَأَقْرَبُكُمْ تَقَرُّوا وَابْتِغَاءَ مَخَطَاكُمْ وَأَوْلَاكُمْ الْبَيْتِيَّةَ ط وَابْتِغَاءَ مَخَطَاكُمْ وَأَوْلَاكُمْ الْبَيْتِيَّةَ ط وَأَوْلَاكُمْ الْبَيْتِيَّةَ ط وَأَوْلَاكُمْ الْبَيْتِيَّةَ ط

نوٹ: سرورق ثانی کی پشت یعنی صفحہ ۷ پر مطالعہ کتاب کے پہلے اطلاق عام ضروری ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِالْحَبْلِ الَّذِي جَمَعْنَا وَلَا تَفْرَقُوا  
اور سب مل کر خدا کی راہداری کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا رسوۃ آل عمران - ۱۰۲ پارہ ۱

کتاب

# التفریق والتخريف

## في الاسلام

جس میں

اس تاریخی مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ اُمتِ اسلامیہ میں تین فرقوں میں کیوں تقسیم ہو گئی جبکہ اسلام کا مقصد دنیا کی ایک مرکز پر متحد کرنا تھا اس تقسیم تفریق کے سبب سے کیا تھے۔ کس شخص یا جماعت نے اختلاف کی ابتداء کی کب کی؟ کیوں کی؟ اور کس کی؟ اصل جماعتِ اسلامیہ اور اہل جماعت کون ہیں؟ اس جماعت کے جدا ہونے والے کون ہیں؟ اصل جماعتِ اسلامیہ کی تقسیم کیا ہے اور کس بنا پر ہے۔

### تصنيف

خان صاحب آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ سیشن جج ریٹائرڈ، مؤلف البلاغ المبين، عراط مستقیم نور المشرقین من جياة الصادقين، کتاب سیرۃ فاطمہ الزہراء علیہا السلام، حب و وطن، تاریخ ارتقاء تحصیل جازہ حبیب طبع قوم لاٹری، وغیرہ وغیرہ سابق صدر شیعہ مجلس اوقاف دہلی، سابق پریزیڈنٹ انجمن شیعہ الصفا پر انشل شیوہ کانسٹریس، سابق ممبر اوکورتا ریونیورسٹی دہلی، سابق ممبر جنرل کونسل انگریز سرکس کالج اینڈ سکول سو سائٹی دہلی، سابق سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول با اختیارات دفعہ ۳ ضابطہ فرجاری، سابق آنرییری سکریٹری پرائیونٹل سول سروس ایسوسی ایشن جوڈیشل برانچ وغیرہ وغیرہ۔

مارچ ۱۹۵۹ء

باروم

پندرہ ماہیہ کتب خانہ لائبریری عیوبی - موچی رازہ  
قیمت سات روپے مجدد لائٹی ڈا ایڈیٹر سنہری ساٹھ آٹھ روپے صرف

فتر ع لکم مرسا لیل بین ما وصی بہ نوحا و الذی وجبت الیاءکم و ما وصی الیاءکم و ما وصی الیاءکم و ما وصی الیاءکم  
آئینہ دنیا سے لے کر دین کا بھی راستہ مفکر کیا جس کے اختیار کرنے کا حکم نوح کو دیا تھا اور جسکی راہ محمد نے لیا جس سے تم نے اس طرف وہی پہنچی جہنم اور جہانم میں اور عیسیٰ کو گناہ رکھنا اور اس کو نہ گناہ رکھنا اور اس کو نہ گناہ رکھنا اور اس کو نہ گناہ رکھنا

# اطلاع عام

اگرچہ تاریخی تنقید اور تحقیق سے مذہبی جذبات کا متغیر ہونا عام طور سے جائز نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن اسلام میں بہت سے تاریخی مسائل مذہب میں داخل ہو گئے ہیں۔ لہذا بذریعہ اطلاع ہذا گزارش ہے کہ اس کتاب میں خلافتِ صدرِ اولیٰ یعنی حکومتِ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان پر نہایت مہذب پیرایہ میں تاریخی تنقید کی گئی ہے لہذا وہ فرقے جو اس حکومت کے اراکین اور خلفاء پر یہ تنقید نہ نہیں فرماتے اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس امر کو مد نظر رکھیں۔ کیونکہ کسی کی بدل آزار ہی مطلوب نہیں۔ اظہارِ حق مقصود ہے۔

اس کتاب میں شیعی نقطہ نظر کی حمایت کی گئی ہے جو حضرت علیؑ کو خلیفہ بنا فصل رسول سمجھتے ہیں اور محض اس ہی فرقہ (امامیہ اثنا عشریہ) کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	تقسیم انسان کرتی ہے۔	۲	اطلاع عام
۵۰	اصلی تقسیم صرف خیر و شر سے ہوتی چاہیے	۱۲	طبع دوم
۵۱	اسلام میں ایپریٹیزم جو بھیللا ہوا شائع اسلام کے نشاے کے خلاف تھا۔	۱۵	نذر حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۵۲	<b>باب دوم</b>	۱۷	دیباچہ
	پہلے اسلام صلح سے کس قسم کا	۳۱	مقدمہ
	نظام حکومت قائم کیا تھا اور	۳۷	<b>باب اول</b>
	اس میں قیام مرکزیت کا کیا	۳۷	خرابی اقوام و ملل کے اسباب
	انتظام تھا۔	۳۷	تشخیص مرض
۵۳	آل رسول کو اسلامی حکومت الہیہ کے	۳۸	احکام قرآن
	مرکزیت قائم کیا۔	۴۲	آیات کا حاصل
۵۵	حکومت الہیہ میں محض ایک شخص کو		(۱) ظلم
	حاکم مقرر کیا گیا۔		اصلی نفس کشی
۵۷	حکومت الہیہ کے حکام کیسے ہونے	۴۲	(۲) فرقہ بندی
	چاہئیں۔	۴۵	(۳) توہین تحقیر انبیاء اور اعلیٰ تعلیم سے اعراض
	رسول اور صاحبان امر کا معصوم ہونا		اقوام عالم کے تشریح کے اسباب
۶۱	ضروری ہے۔ ورنہ ظلم ہوگا اور ظلم کا ثبوت	۴۶	اقوال رسول قیام مرکزیت
	بھی حکومت الہیہ میں نہیں رہ سکتا۔	۴۹	موجودہ تہذیب جو انفرادی حدود سے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱	اس جماعت نے اپنے ساتھ منافقین کو ملا لیا۔	۶۵	پایہ سوم
۸۲	منافقین کو حضرت علی سے کیوں عداوت تھی۔	۶۵	تفرقہ کی ابتداء
۸۳	وحدانیت خدا و نبوت محمد و ولایت علی آپس میں وابستہ ہیں۔	۶۶	جماعت مخالفین کی سعی کی بناء رسول خدا سے اختلاف اور بیلحدگی کرنے پر تھی
۸۳	عداوت علی و دونوں جماعتوں کا جوہر مشترک تھا۔	۶۷	حضرت عمر کے مکالمے جن سے ان کے خیالات کا راز سرسبتہ ظاہر ہوتا ہے۔
۸۴	جماعت منافقین جماعت حکومت میں مدغم ہو گئی۔	۶۸	جناب سوگند کے بارے میں حضرت عمر کے خیالات
۸۵	دوسری تدبیر۔ آنحضرت کے افعال و اقوال پر نکتہ چینی۔	۶۹	ان مکالموں سے کیا راز سرسبتہ معلوم ہوئے
۸۶	اس نکتہ چینی کے اغراض	۷۰	وجہ اختلاف حکومت تھی۔
۸۷	بخوی۔ سدا بواب	۷۱	یہ اختلاف کب سے ہوا اور کس نے پیدا کیا۔
۸۸	تیسری تدبیر۔ تحلف عن جیش اسامہ	۷۲	پایہ چہارم
۹۰	جیش اسامہ میں بڑے بڑے مہاجرین انصار تھے۔	۷۳	حکومت سقیانی کا مدار قیام و استقامت تقسیم و تفریق امت پر۔
۹۱	حضرات شیخین ماتحت اسامہ	۷۴	پہلی تدبیر۔ اپنی علیحدہ جماعت بنانا۔
۹۵	چوتھی تدبیر۔ قضیہ قرطاس۔	۷۵	حضرت علی کے جہاد سے لوگوں کو عناد پیدا ہوا۔
۹۶	صحیح مسلم میں اس واقعہ کا ذکر۔	۷۶	جماعت مخالفین کی موجودگی
۹۸	صحیح بخاری میں اس واقعہ کا ذکر سات جگہ	۷۷	آنحضرت کو اس جماعت کی موجودگی کا علم تھا۔
۱۰۰	اس قضیہ کے بعد آنحضرت علی کو	۷۸	آپس میں سازش کرتے ہیں۔
		۸۱	حضرات شیخین اس جماعت کے سردار تھے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۴ تا ۱۵۴	اس وجہ سے حضرت عمر آخر تک انصار کے دشمن رہے سوائے ان معدود چند انصار کے جو ان کی طرف تھے۔	۱۰۰	بلاتے ہیں لیکن حضرت عائشہ و حفصہ رکاوٹ ڈالتی ہیں۔
۱۳۱	سقیفہ میں کیا ہوا۔	۱۰۱	آخر کا حضرت علی آئے اور حضرت نے ان سے راز کی باتیں کیں۔
۱۳۱ - ۱۳۸	سوائے ان تین کے اور کوئی ہاجر سقیفہ میں نہ تھا۔	۱۰۲	ان الریحل لیجر کے کہنے والے حضرت عمر خدا ان سے بہت خوش ہیں (رضی اللہ عنہ)
۱۳۸	سعد ابن عبادہ کا تخلف عن بیعت ابی بکر۔	۱۰۴	اس غزوہ کی تاویل معنی کی کوششیں آنحضرت کیا لکھوانا چاہتے تھے۔
۱۳۸	حسد بشر کی وجہ سے بیعت ابی بکر حضرت عمر اس بیعت کو فلتتہ کہتے ہیں۔	۱۰۶	آنحضرت نے زبانی وصیت حضرت علی کے حق میں فرمادی۔
۱۴۲	بیعت ابی بکر پر اجماع نہ تھا۔	۱۱۰	عمر اجماعی غلطی
۱۴۳	اس تدبیر پر تنقید۔	۱۱۱	ابلیس کی تتبع
۱۴۴	عام ہاجرین اور انصار کو علم تھا کہ آنحضرت کے بعد علی خلیفہ ہونگے۔	۱۱۳	پانچویں تدبیر و ساء جماعت کا طرز عمل بوقت رحلت رسول۔
۱۴۶	انصار بیعت ابی بکر سے نادم ہوئے۔	۱۱۴	حضرت عمر کا انکار موت رسول
۱۵۰	خالد بن ولید حضرت علی کے پرانے دشمن اور ابوبکر کے پرانے دوست تھے۔	۱۱۵	حضرت ابوبکر کا قوم کو انتخاب خلیفہ پر اگسانا۔
۱۵۲	بیعت ابی بکر کی وجہ سے ہاجرین انصار میں دشمنی اور فرقہ بندی۔	۱۱۵	حضرت ابوبکر کے خطبے پر تنقید ہی نظر
۱۵۲	حضرت علی انصار کی تعریف کرتے ہیں	۱۲۰	امت کو حبیب رسول سے روکنا۔
۱۵۶	واقعات سقیفہ پر تنقید۔	۱۲۱	چھٹی تدبیر ہنگامہ سقیفہ نبی ساعده
.....	.....	۱۲۲	حضرت شعیب مجبور سقیفہ میں نہیں گئے بیکر
.....	.....	۱۲۳ تا ۱۲۸	اس کی پہل انہوں نے ہی کی انصار کی اکثریت حضرت علی کی طرف تھی

مضمون	صفحہ	مضمون
مرحله اول - احادیث رسول کی	۱۵۹	حضرت عباس کو رشوت پیش کرتے ہیں۔
۱۹۶ اشاعت بند - اعتراض اول	۱۶۱	رشوت کا عام جال۔
۲۰۰ غلطی کا ڈراسن کا موجب نہ تھا۔		جماعت مخالفین نے ایک مسلح جماعت
۲۰۱ محض احادیث فضائل علی کی اشاعت	۱۶۲	اپنی مدد کے لئے سقیفہ کے اندر بلائی۔
۲۰۱ کو روکنا مقصد تھا۔ اعتراض دوم		حضرت عمر نے کیوں عام مہاجرین کو اپنے
۲۰۲ عذر کہ پیغمبر کے اقوال کی پیروی میں	۱۶۳	ساتھ نہ لیا اور صرف ابو عبیدہ کو لے کر
قرآن کو نہ چھوڑیں محض دھوکہ تھا		گئے۔
مرحله دوم - چند قسم کی احادیث رسول پر	۱۶۴ تا	ساتھ تین تدبیر حضرت علی سے جبراً بیعت
۲۰۵ انحصار۔	۱۶۶	لینے کی کوشش اور تصد احراق بیعت
مرحلہ سوم و چہارم - فضائل علی کی	۱۶۹	حضرت عمر کا تصد احراق بیعت فاطمہ
۲۰۶ احادیث کی ممانعت اور فضائل دشمن	۱۷۶	آٹھویں تجویز - مقدمہ فدک کا فیصلہ۔
۲۳۱ میں احادیث وضع کرنے کا حکم		نویں تجویز - ارتداد کا الزام لگا کر اپنے
۲۱۲ توثیق ابن ابی الحدید۔	۱۷۷	مخالفین کو قتل کرنا۔
۲۱۳ توثیق ابوالحسن علی المداینی		اس کے نتیجے ظلم محض - مالک ابن
	۱۸۲	نذیرہ۔
۲۱۴ توثیق ابن عرقہ	۱۸۹	دسویں تدبیر - وضع احادیث
۲۱۵ توثیق ابن جعفر اسکافی		خالد بن سعید اس وجہ سے امیری لشکر
۲۲۲ گیارھویں تجویز - جمع قرآن۔	۱۹۳	سے معزول کئے گئے کہ انہوں نے کچھ
۲۳۲ علی سے اعراض اور زید بن ثابت		عرصہ بیعت ابی بکر سے تخلف کیا تھا۔
۲۳۳ کی طرف رجوع۔		خلافت بکری و عمری و امیہ و عباسیہ
۲۳۴ کس طریقہ سے قرآن جمع ہوا۔	۱۹۳	سب ایک اصول پر مبنی اور ایک ہی
۲۳۷ اعتراف اہلسنت جماعت باغلاط قرآن		سلسلے میں نساک ہیں۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۲	حضرت عمر کی ہدایات -	۲۴۱	جناب رسول خدا کی توبین
۲۹۶	عبدالرحمن ابن عوف کا فعل ناجائز اور اختیارات سے باہر تھا۔	۲۴۱	آنحضرت نے جمع قرآن کا کام اپنے وصی خليفة حضرت علی کے سپرد کیا تھا۔
۳۰۰	علامہ شہرستانی کی عبارات جن سے ان تدابیر کا باعث تفریق و تقسیم امت ہونا ثابت ہے۔	۲۴۲	جامع قرآن کیٹی کے ممبران -
۳۱۵	اس عبارت کی روشنی میں سوال تفریق و تقسیم پر غور و نحوص۔	۲۴۵	جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی۔
۳۲۵	اس تفریق و تقسیم اور ان واقعات سے جماعت مخالفین علی کی غرض امت دین و شریعت نہ تھی۔	۲۴۶	طریقہ جمع قرآن ناقص تھا۔
۳۳۳	حسبنا کتاب اللہ۔	۲۴۷	حضرت علی نے اپنے زمانہ حکومت میں اپنا جمع کیا ہوا قرآن کیوں نہ جاری کیا۔
۳۳۵	اگر حضرات شیخین نہ ہوتے تو خلافت خانان رسالت میں جاتی :-	۲۴۹	اہل شام کی جہالت
۳۳۶	باب پنجم امامت کو حکومت ملکی میں بطرز حکومت یونانیہ تبدیل کرنا	۲۵۳	بارھویں تجویز - استخلاف عمر -
۳۳۷	اس تبدیلی کی غرض و غایت	۲۵۴	طریقہ استخلاف -
۳۳۸	خداوند تعالیٰ کے معیار اتقاء سے گریز ڈوپا رٹیاں -	۲۵۵	اس سے امت میں تفرقہ پیدا ہوا۔
۳۳۹	جناب رسول خدا کا مقرر کردہ نظام	۲۵۶	استخلاف عمر کے مختلف پہلو
۳۳۹	اس نظام کا اعلان	۲۵۹	تیرھویں تجویز - شوری
		۲۶۱ تا ۲۸۸	شوری میں کیا ہوا اور کس طرح ہوا۔
		۲۶۳	اردو ترجمہ ابن خلدون کی عمداً غلطی
		۲۶۴	عثمانیوں کی سازش
		۲۶۸	حضرت علی اس چال کو پہچان گئے۔
		۲۸۳	ان واقعات پر تنقید
		۲۸۴	ترکیب و ساخت شوری۔
		۲۹۱	حضرت عمر پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہونگے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۷	امراء کی حکومت	۳۲۰	عرب پر دوسرے ممالک کی تہذیب و تمدن کا اثر
۳۲۸	فوجی اثر		
"	امامت	۳۲۱	تجارت بھی ایک ذریعہ تھا۔
"	شرطِ امامت۔	۳۲۱	عرب تمام دنیا کے مذاہب تہذیب کا مرکز
۳۲۹	قولِ علی	۳۲۲	اسیرا، بابل و مصر قدیم کے اثرات
"	شرائط و صفات امام بقول حضرت علی		عرب پر۔
"	نیت۔	۳۲۲	سحر بابل و کہانت۔
"	نصبِ امام۔	۳۲۳	عربوں کی فطرت۔
۳۵۰	امامت بالنسب	۳۲۴	عربوں کی عصبیت۔
"	خاندان نبوت۔	۳۲۵	جماعت حکومت کی آسانیاں۔
"	یونانی طرز حکومت۔	۳۲۵	حضرت عمر کا غور و فکر۔
"	اس کے ابتدائی مراحل	۳۲۵	امامت کے تخیل کو لوگوں کے دلوں سے
"	بادشاہت۔		محو کرنا۔
۳۵۱	رہنمائی	۳۲۶	اوس کی بجائے یونانی فلسفہ حکومت
"	حسب اقتدار کی حیثیت۔		کی طرف لئے جانا۔
"	اسلام میں انسانی جان کی قدر و منزلت	۳۲۶	امامت و حکومت مکی میں شرق۔
۳۵۲	امراء کی حکومت	۳۲۶	حکومت کے ابتدائی مراحل
"	رومانوی حکومت یونانی ابتداء	"	بادشاہت۔
"	عربوں پر اسلام محض رومیوں نے لبادہ	"	شہری حکومت۔
"	روم پر یونان کی تہذیب کا غلبہ	۳۲۷	قانون کی ابتداء
"	پھر بھی ایک فرق رہا	"	رہنمائی۔
۳۵۳	شہر روم کی وسعت ذہنی۔	"	عرب کی شیخانی حکومت۔



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۲	قتل علیؑ کی کوشش	۳۵۳	خلافت صدراوہل کی نقل یونان
۳۶۳	اپنا جانشین مقرر کرنا رسول کا فرض	"	مدینہ کو وسعت نہ دی
"	تمکنت و غرور	"	عربوں کی عصبیت اس کا نتیجہ
"	ٹیٹ کی ابتداء	"	حکومت کا نام تبدیل کرنا اس کی صلیت
"	ٹیٹ کو حکومت کا حق کیونکر حاصل ہوا	۳۵۴	قائم رکھی۔
۳۶۴	پارٹی گورنمنٹ کی حماقت	"	یونان و عرب کی تمدنی یکگانگت۔
۳۶۴	سقیفہ میں خدا و رسول و قرآن کا ذکر	"	یونان میں اعلام
"	کیوں نہ آیا	۳۵۵	روم میں اعلام
۳۶۵	شریعت اسلامیہ کا اصول	"	لیکن اپنے ابتدائی زمانہ میں مسیحیت اس سے
"	امامت کا مقصد کس طرح حاصل ہو سکتا	۳۵۶	بڑی تھی
۳۶۵	ہے۔	"	مسلمان خلفاء میں اعلام
۳۶۶	حضرت علیؑ کا دعویٰ علم	"	شراب نوشی
"	حضرت علیؑ کا دعویٰ علم قرآن	"	جماعت حکومت نے ان امور سے کس طرح
۳۶۷	حضرت علیؑ کا دعویٰ برتری و رہنمائی	"	فائدہ اٹھایا
۳۶۸	اختیاری امام اور امام منصوص من اللہ	۳۵۷	علیؑ سے مخالفت
"	میں فرق	"	جدول امتیازیہ
"	مقصدا امامت کی تکمیل مبنی بر صفات امام	۳۵۸	تشریح اصول ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴
۳۶۹	قرآنی تحریف بر اطاعت امام	۳۵۹	آنحضرتؐ کے احکام و اوقیہ کے
۳۷۰	آیت تطہیر	۳۶۱	امام کی قدر و منزلت گرائی جاتی ہے
"	آیت لیلۃ القدر	"	آئمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک امام خلیفہ رسول بھی تھا
۳۷۳	اسلام میں صحیح امامت ایک نعمت ہے	"	تکمیل قومیت
"	آیت تکمیل	"	اسلام اور مسیحیت میں فرق
۳۷۵	آنحضرتؐ کو مخالفین علیؑ کا علم تھا	"	اختیار نصیب امام
		"	اس کی خرابیاں
		"	بیعت ابی بکرؓ ناگہانی مصیبت

مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۰ کتاب الخریف	۳۷۵	امامت منصوص من اللہ
"	۳۷۶	حضرت سلیمان کی دعا
"	"	اصل سنگ قانون سازی
"	۳۷۷	خلفاء عاقل و دوم کا طریقہ قضا
"	۳۷۸	یہ طریقہ غلط تھا
"	۳۷۹	غیر مسلم مورخین اس طریقہ کو اپنی نکتہ چینی کی بنا قرار دیتے ہیں
۲۰۱	۳۸۰	۸ اصول ۵-۶
"	"	غس
"	۳۸۱	جزئیہ
"	"	تقسیم ثمنیت دیگر آمدنی
"	۳۸۲	ہیت المال
"	"	اراضیات
۲۰۵	۳۸۳	موتقہ القلب
"	"	فدک
۲۰۶	۳۸۴	مدعا بیان
"	۳۸۵	ہول ۱۹۸۷ء ہم عیارات حکومت یونانیہ
۲۰۷	"	امامت کو حکومت یونانیہ میں تبدیل
"	۳۸۶	کرنے کی چند خرابیاں
۲۰۸	۳۸۷	جہاد رسول و فتوحات خلافت
"	۳۸۸	فتوحات خلافت صدر اول کی خرابیاں
۲۰۹	۳۸۹	اسلام و قرآن نے عربوں کی فطرت کو
"	۳۹۰	نہیں بدلا
"	۳۹۱	اس بحث کے نتائج
۲۱۰	۳۹۲	آجکل امام کس طرح مقرر ہو سکتا ہے
۲۱۱	۳۹۳	
۲۱۲	۳۹۴	
۲۱۳	۳۹۵	
۲۱۴		
۲۱۵		
۲۱۶		
۲۱۷		
۲۱۸		
۲۱۹		
۲۲۰		

مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۱ مولوی شبلی کی حمایت عمری اور اسکے احباب	۲۱۷	فوج ، خزانہ ، فتوحات
۲۵۸ فتوحات کی خرابیاں - دولت و ثروت	۲۱۷	فوج
اسلام کو ساری دنیا کا غالب مذہب	۲۲۲	فتوحات ملکی
بنانے کی تدبیر جو آنحضرتؐ نے اور	۲۲۵	ان کی خرابیاں
قرآن شریف نے تجویز کی تھی۔	۲۲۹	مخالفین ابو بکر کو مانعین زکوٰۃ مرتدین کا
بیت المال	۲۲۹	لقب دے کر ان سے جنگ کرنا
عدالتی اور انتظامی صیغوں کی علیحدگی	۲۳۳	غنیمت کا شوق
حضرت عمرؓ حضرت کے نظام حکومت	۲۳۴	حضرات شیخین کی جنگوں کی غرض و غایت
الہیہ کے سمجھنے سے قاصر رہے	۲۳۸	جناب رسول خدا کے اصول و مہمانی جہاد
<b>باب ہفتم</b>		میں تغیر
<b>تکمیل تشریف</b>		ایران و روم پر فوج کشی اسلام کے مفاد
نبوت اور نبی کی شان کو گنا اور فوجین پر غلبہ کرنا	۲۵۸	اور اس کے اصول کے مطابق نہ تھی
کون کون سے امور سوائزہ نبوت سے	۲۶۱	غلط تاویل آیات
باہر تھے۔	۲۶۲	آنحضرتؐ کے جہاد
امور فقہ کی تعلیم میں حضرت عمرؓ حضرت	۲۶۳	مفتوحہ اراضیات کی تقسیم یا انتظام کے
پر سبقت کرتے ہیں۔	۲۶۳	متعلق قرآن شریف میں کوئی حکم نہ ہونا
سزائے شراب غوری میں ترمیم	۲۶۴	ثابت کرتا ہے کہ فتح ممالک اسلام کی
ارکان حج درمل میں ترمیم	۲۶۴	غرض نہ تھی۔
فقہ اسلامی کی تفریق	۲۶۸	حضرت عمرؓ اور جناب رسول خدا کے طرز عمل میں مخالفت
قیاس عقول عامہ کو اجازت مداخلت	۲۶۸	پر صریح مخالفت مذہب کے خلاف تھی
عقل کی مداخلت	۲۷۰	اہل مذہب اراضیات بغداد و عراق کو
تغییر فقہ	۲۷۰	غرض سمجھتے ہیں۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	مرضی کے مطابق فتوے صادر کرنے۔	۴۹۹	قیاس کی مداخلت
۵۱۹	قاضی محمد ابو یوسف	۵۰۰	حضرت عمر کی تعلیم
۵۲۲	قاضی ابو البختری	۵۰۲	حضرت عمر نے کن کن امور میں مداخلت کی
	قاضی محمد ابو یوسف اور قاضی ابو البختری	۵۰۳	دارۃ نبوت کے اندر کچھ نہ رہا۔
۵۲۲	بادشاہ کو اپنے فتووں سے خوش کر کے	۵۰۴	حضرت عمر نے فقہ کیوں بدلا
	قاضی القضاة کا عہدہ پاتے ہیں	۵۰۵	حضرت عمر کا مذہب تفریق و تقسیم پر مبنی تھا
	خلافت ایک وصیت تھی جو نسلاً بعد	۵۰۶	شریعت محمدی کو حضرت عمر کیسا خیال کرتے
۵۲۳	نسل انبیاء و اوصیاء میں منتقل ہوتی		تھی۔
	رہی۔	۵۰۷	آنحضرت کی توہین۔
۵۲۴	مختلف فرقوں کے پیدا ہونے کا طریقہ		آنحضرت پر معاذ اللہ شیطان غالب آگیا۔
	حضرت عمر کے دو بنیادی اصول	۵۰۸	تمک الغرائق العلی
۵۲۷	موجب تفرق و تحریف را، تجویز نبوت سے	۵۰۹	شرب نبید
	(۲) مداخلت عقل و قیاس۔	۵۱۰	حضرت عمر کی شان کو بڑھانے کے لئے
	مسئلہ جبر و قدر	۵۱۳	آنحضرت کی شان کو گھٹایا گیا
۵۲۸	خدا کی خواہش کہ کون ایمان لائے اور	۵۱۵	باب ۱۴
	کون ایمان نہ لائے۔		عقائد جو تفریق و تحریف فقہ و
	یہ سب عقائد سیاسی ضرورت پر مبنی	۵۱۵	شریعت سے پیدا ہوئے اور
۵۳۲	تھے اور اختلاف عقائد کی ابتداء		جنہوں نے مسیح اسلام کو مکمل کر دیا
	سیاست ملکی سے ہوئی۔		وہ مضر اصول، تفریق نبوت و مداخلت
۵۳۴	ایمان و عمل۔ نیک مقصد کے لئے	۵۱۵	عقل و قیاس۔
۵۳۸	بہ ذرائع استعمال ہو سکتے ہیں	۵۱۸	حکومت پرستی
۵۴۰	عقل۔ مذہب۔	۵۱۹	حکومت کو خوش کرنے کے لئے حاکم کی

صفحہ	مضمین	صفحہ	مضمین
۵۴۹	مسلمانوں کے تنزیل کے اسباب	۵۴۱	متعہ النساء
۵۴۷	مسلمانوں کی موجودہ حالت کا نقشہ	۵۴۰	باب یازدہم
۵۴۵	ان تمام خرابیوں کی جڑ		مسلمانوں کی موجودہ حالت کا جائزہ
۵۴۴	اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا۔	۵۴۳	اسباب عروج و زوال کا اثر مسلمان کے لئے یکساں اور اٹل ہیں۔
	امام ہدیٰ کا ظہور یقینی اور ان کا انتظار لازمی ہے۔	۵۴۲	عروج و زوال کا زمانہ اپنی کوشش سے کم و بیش ہو سکتا ہے۔
			بانی مذہب کے طریقہ اور تعلیم کو چھوڑ کر اسکے بعد کے آنے والے چند لوگوں کی تقلید کرنا
			اوپان سابقہ میں بھی ہو چکا ہے۔

# طبع دوم

اس طبع دوم کے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس میں درستی اغلاط کے علاوہ جو بہت اہم اضافہ ہے وہ باب پنجم ہے۔ ہماری رائے میں یہ بالکل اچھوتا مضمون ہے اور بہت غور و فکر چاہتا ہے۔ ناظرین باتمکین سے التجا ہے کہ اس کو غور و خوض سے پڑھنے کے بعد اگر ان کو مجھ سے کسی امر میں اختلاف ہو تو مجھے مطلع فرمائیں کہ حق کی تلاش ہی طرح ایک دوسرے کی مدد سے کی جاتی ہے۔ اور اگر ان کی رائے میرے مطابق ہے تو اس سے بھی مجھے اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ عین اللہ ماجور ہونگے اور میرے شکریتہ کے مستحق۔

خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اپنے معاینین کرام کا احسان مانتے ہوئے

عاجز عاصی

محمد سلطان مرزا

سنی سائڈ بلڈنگ۔ اے۔ ایم سٹ۔ کراچی۔

میرزا ۲۴ ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء

## نذر

حضرت سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آقائے دو جہاں! جو صدرِ حضور کو اپنے بسترِ مرگ پر دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی اُمت کی ایک جماعت سے اِن الرجل لیجرسُن کر ہوا تھا جس کا اظہارِ حضور نے قوم و اعننی کے حکم سے فرمایا۔ اور جو صدقات بعد وفات حضور کی رُوح اقدس کو اپنی اُمت سے پہنچتے رہے مثلاً جب آپ کے مقرر کردہ وصی و ولی و خلیفہ سے حکومت چھیننے کے لئے لوگ حضور کے جسد اطہر کی بے غسل و کفن چھوڑ کر چلے گئے، جب آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے آگ جمع کر کے آپ کی پیاری بیٹی کو اُن کا گھر جلانے کی دھمکی دی، اور آپ کی بیٹی نے آپ کا نام لے کر فریاد کی، جب آپ کا ہبہ کیا ہوا فدک آپ کے بچوں سے چھین لیا گیا، جب آپ کے ایک نواسے کو آپ کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ جب انہی واقعات کے سلسلہ میں اور اس ہی سیاست کی بناء پر آپ کے دو سرے نواسے کو کربلا کے میدان میں مع بچوں اور دوستوں کے اس ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیا گیا اور جب اپنے مقاصد و نیاویہ حاصل کرنے کے لئے آپ کے جان سے زیادہ محبوب دین کے ٹکڑے کئے گئے اور آپ کی اُمت میں تفرقہ پیدا کیا گیا وہ صدقات کفر و نفاق و احسان تراوشی کی بدترین مثالوں کا ثبوت دیتے ہیں۔ اُمت کا یہ طرز عمل اُس دین کے اوپر بہت بدناماوار ہے جس کے نام میں یہ سب کچھ کیا گیا۔ لہذا آپ کے ہر ایک نام لیا کا فرض ہے کہ وہ ہنسنا پر

ظاہر کر دے کہ آپ کی اصلی جماعت کون سی ہے اور وہ قوموا عنی والی جماعت کون سی ہے جس سے آپ دُنیا سے ناراض گئے۔ اور ثابت کرے کہ جس اسلام کے نام میں یہ ظلم و ستم کیا گیا ہے وہ آپ کا لایا ہوا اسلام نہیں ہے بلکہ اس قوموا عنی والی جماعت نے اصلی اسلام کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے دین کو ترمیم و تنسیخ کر کے ایک نیا دین بنا لیا ہے جو انہوں نے دُنیا میں رائج کیا۔

اسلام کے مظلوم اول! اس غلام نے اس رسالہ میں اپنے اسی فرض کے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ زہے قسمت کہ وہ کامیاب ہو جائے۔

اے سرچشمہ جو دو سنا! یہ فقیر ازلی اپنی ساری عمر کی کماٹی حضور کے قدموں میں پیش کرتا ہے۔ ایک نظر قبول اُس کے دونوں جہان کے بیڑے کو پار لگا دے گی۔ یہ گنہگار حضور کے فیض لا تنہا ہی سے اُمید رکھتا ہے کہ جس طرح حضور نے اس کا ہاتھ اس دُنیا میں پکڑا ہے اسی طرح آخرت میں اس کو اپنے قدموں سے جدا نہ فرمائے گا۔

یہ کتاب دیگر قسم کی کتب کا پتہ

مینج کتب خانہ انشاء عشری  
(رجسٹرڈ)

لاہور۔ مغل حویلی



## دیباچہ

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے  
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے  
جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے  
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب

پرویس میں وہ آج غریب الغریب ہے  
اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے  
اُس دین میں خود بھائی سلب بھائی جدا ہے  
اب معترض اُس دین چوہر ہرزہ سرا ہے

(حالی)

شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی مرحوم نے نہایت صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اُس استعجاب و حیرت کا جو ایک طالب علم الا دیان کو اسلام کی تاریخ پر پڑھ کر ہوتی ہے۔ پہلا سوال جو اُس کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ قصور دین کا ہے جس نے شاید سونے کا دھوکہ دے کر مجمع پیش کیا یا اُس دین کے قبول کرنے والوں کا ہے جنہوں نے ظاہر تو دین قبول کیا اور دراصل نیت دُنیا حاصل کرنے کی تھی۔ اس خیال کے اُٹھتے ہی فوراً اُس کا دماغ دین پیش کرنے والے اور اُس کے گھر والوں کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُن لوگوں کے واقعات اپنے دل میں دہرانے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جس دین کا پیش کرنے والا محمد جیسا صاحب ہمت و استقلال و خلوص مرد ہو، جس نے علی جیسا خدا نما انسان پیدا کیا ہو، جس کی پیداوار کر بلا والے لوگ ہوں وہ دین تو ناقص ہو نہیں سکتا۔ بقول علامہ

حالی مرحوم سے

ہے دین تراپ بھی وہی چشمہ صافی

دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

اب دین قبول کرنے والوں کے واقعات پر نظر ڈالتا ہے تو وہاں بھی پہلے پہل ایک

نہایت تعجب انگیز واقعہ اُس کے سامنے آتا ہے۔ جس لمحہ میں رسول خدا کی آنکھ بند ہوتی ہے اُس لمحہ ہی کے دوسرے حصہ سے اہل بیت رسالت پر اُمت کا ظلم شروع ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص مع اپنے رشتہ داروں کے جسرا طہر رسول کے پاس بیٹھا ہوا اُن کے سوگ و ماتم میں مبتلا ہے اور وہ لوگ جو اپنے تئیں یاران رسول کہتے تھے رسول کی پیدا کی ہوئی حکومت پر قبضہ کرنے مسجد رسول سے دُور سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے جاتے ہیں۔ جس بحث سے لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر حکومت حاصل کی وہ عجیب ہے اور جن طریقوں سے لوگوں سے بیعت لی وہ عجیب تر اب جو سلسلہ آل رسول پر مظالم کا شروع ہوتا ہے، قصدا حراق بیت فاطمہ و غصب فدک سے لے کر آخر دم تک جب تک اس لوگوں کی کھڑی کی ہوئی خلافت میں آخری سانس رہی، وہ نہایت ہی دردناک ہے۔ مورخ جو چاہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ اُمت کی اکثریت کو آل رسول سے اتنی دشمنی کیوں ہے۔ محمد مصطفیٰ نے جو عرب پر احسانات کئے تھے، دین حق دکھایا، راہ ہدایت بتائی، معاشرتی اصلاحات کیں، عربوں کے قبائل کو بلا کر ایک قوم و ایک ملک بنایا۔ اُن کے لئے اتنی عظیم الشان سلطنت حاصل کی۔ کیا ان تمام احسانات کا یہ ہی جائز بدلہ تھا جو ان کی اُمت کی اکثریت نے اُن کی اولاد کو دیا۔ ان تمام استعجابات اور سوالات کا جواب تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ایک بے تعلق مورخ کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

اُمت اسلام کی اکثریت کا نظریہ قدرتی طور سے اس کتاب کے نظریہ سے مختلف ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اُن کی بحث کا مدلل جواب اس میں آجاوے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جس تسلسل بیان اور منطقی گفتگو کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی اُس میں کسی اعتراض کے اٹھنے کا موقع ہی نہیں باقی رہتا۔ ہر ایک سوال پر اُس کے ہر ممکن پہلو سے ایسی مدلل و مفصل بحث کی گئی ہے کہ کوئی اعتراض باقی ہی نہیں رہتا۔ جب یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے تو گھسیانے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اچھا فرض کر دو ہم تو گمراہ ہی ہیں ہیں۔ وہ جماعت

تسک بالثقلین کا دعویٰ کرتی ہے وہ تو اپنی حالت کا جائزہ لے لے اور بتائے کہ اُس نے اس راہِ حق میں کیا کار نمایاں کئے۔ اس جماعت کو بھی ہم دیکھتے ہیں۔ یہ وہ علیؑ کی ہم خیالی جماعت ہوگی جس نے حضرت علیؑ علیہ السلام کی تاسی میں کسی خلیفہ کی بیعت نہ کی ہوگی۔ یہ جماعت بہت قلیل تھی۔ اول اول تو بہت سے لوگ تھے جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ لیکن سقیفہ و اہل بیعت کے بعد حکومت کی دھمکی و ڈانچ کے زیرِ نظر بہت لوگوں نے بیعت کر لی کہتے ہیں کہ بہت سے نبوہا شہم نے بھی بیعت کر لی۔ اگرچہ پیرا تحقیق میں یہ بات نہیں آئی بہر صورت اصحاب میں سے تو حضرات ابوذر غفاریؓ، عمار یا مسر، مسلمان فارسی، مقداد بن اسود کے علاوہ ایسے لوگ کوئی اور نظر نہیں آتے ہاں آگے چل کر حکومت کے مظالم جو اہل بیت پر ہوتے گئے اُن کو دیکھ کر اس جماعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بدترین مظالم جو اہل بیت پر ہوئے وہ کر بلا میں ہوئے لہذا اس جماعت کی زیادہ سے زیادہ تعداد وہیں مل سکتی ہے۔ میدانِ کر بلا میں یہ لوگ اہل بیت رسالت کے علاوہ ۴۲ بیان کئے جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ تعداد ۵۲ یا ۵۳ ہے۔ یہ جماعت کیسی تھی اور اپنی استقامت و صبر و اسلام کا کیسا ثبوت کیا دُنیا جانتی ہے۔ ہم کیا بیان کریں یہ تو ۵۲ یا ۴۲ تھے۔ اور کُل بہتر تھے۔ اُمتِ اسلامیہ کی اکثریت باوجود اپنی تعداد کے اپنے کُل زمانہ تاریخ میں آج تک چار آدمی بھی ایسے پیش نہیں کر سکتی۔ و آدمی بھی نہیں پیش کر سکتی۔ ایک بھی نہیں پیش کر سکتی۔ محمدؐ تو بہر حال حسینؑ سے افضل تھے۔ نبی تھے۔ رسول تھے۔ اُمت اُن کا کلمہ پڑھتی تھی۔ جو لوگ اُحد و حنین میں محمدؐ کو دشمنوں کے ترغیب میں چھوڑ کر بھاگ گئے اُن سے وہ لوگ بدر جہا افضل تھے جو حسینؑ کو کر بلا میں چھوڑ کر نہ بھاگے۔ اور یقینی موت کا مقابلہ اُس کی شکل دیکھ کر کیا۔ حکومتِ الیہ کے قائم کرنے والے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔

اس کا جواب معترض ممکن ہے کہ یہ دے کہ (۱) اُن بہتر کے علاوہ اور لوگ بھی تو اس جماعت میں ہوں گے وہ حسین علیہ السلام کی مدد کو کیوں نہ آئے۔ (۲)

یہ جماعت کیا یہیں ختم ہو گئی۔ اگر نہیں تو آگے چل کر اس جماعت کی حالت کیسی رہی اور ۲۲ ہجری میں اب تو اس کو نہایت ہی گرمی ہوئی حالت میں پلٹے ہیں۔ پیروی اہل بیت نے ان کی حالت سنوارنے میں آخر تک ساتھ نہیں دیا۔ ان میں سے ہر ایک اعتراض کا جواب ہم دیتے ہیں۔

**اعتراض اول :-**

ہمارا یہ جواب ہے کہ اس وقت یہ جماعت صرف اتنی ہی تھی جتنی کہ کربلا میں موجود تھی، سوائے اہل بیت رسالت میں سے ان بزرگوار کے جن کو امام حسین علیہ السلام نے یا خود ان کے اصرار کے مدینہ میں اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ ہر ایک تاریخی واقعہ پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ غور کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام اپنی نصرت کے لئے حبیب ابن مظاہر جیسے ضعیف العمر شخص کو تو بلا پایا اور بہت سے اصحاب رسول موجود تھے انہیں نہ بلا یا۔ نوزین منزل عذیب الہجانات پر جبکہ آپ کربلا کے نزدیک پہنچ گئے تھے اور جہاں آپ کو خبر ملی کہ آپ کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور آپ کے قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کو ابن زیاد نے قتل کر دیا ہے۔ آپ کو طرمح بن عدی بن حاتم طائی ملے۔ انہوں نے امام علیہ السلام کو بتایا کہ آپ پہاڑوں پر میرے ساتھ چلیں وہاں محفوظ رہیں گے۔ حوین بن یزید جو آپ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی اس تجویز کی مخالفت نہ کی لیکن پھر بھی آپ نے ان کی نصرت قبول نہ کی۔ راستہ میں بھی اور عین شب قتل بھی آپ نے اپنے ساتھیوں کو اجازت دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ لیکن روز قتل جب آپ کے ناصر و مددگار کام آچکے تو آپ نے یہ استغاثہ بھی فرمایا کہ **هَلْ مِنْ فَاصِرٍ يَنْصُرُنَا هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَغِيثُنَا**۔ ظاہر ہے آنکھ اس طرز عمل میں تضاد دیکھتی ہے معترض کہتا ہے کہ جب آپ کو نصرت مل رہی تھی تب تو قبول نہ کی۔ زمانہ حج قریب تھا کہ مکہ چھوڑ دیا۔ موسم حج میں استغاثہ کرتے تو آپ کو نصرت بھی مل جاتی۔ اب جبکہ خود آپ نے نصرت کو ٹھکرا دیا تو نصرت نہ ہونے کی فریاد کرتے ہیں۔ یہ کیا

معنی۔ مولوی صاحبان بڑی ڈاڑھیوں والے یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب نصرتِ ملی ہی تھی تو قبول کرنی چاہئے تھی۔ امام کا فرض ہے کہ نصرتِ ملنے پر ناحق کے خلاف جہاد کرے کیوں نہ آپ نے نصرتِ طلب کی تا کہ ناحق کو مغلوب کر سکتے ہ

اب فرمائیے ان اعتراضات کا کیا جواب ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی لڑائی یزید سے اصول کی لڑائی تھی۔ شخصی لڑائی نہ تھی۔ جن اصول کی بناء پر یزید تخت پر ستمگن تھا۔ جن حالات نے یزید کو حکومت دلائی تھی، جس سیاست کا نتیجہ یزید کی حکومت تھی حسین علیہ السلام کی مخالفت ان اصول، ان حالات اور اس سیاست سے تھی۔ حسین علیہ السلام ان لوگوں ہی کو دعوتِ نصرت دے سکتے تھے جن کی نسبت آپ کو یقین تھا کہ آپ کی طرح وہ لوگ بھی یزیدیت موجودہ اور سابقہ کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ ہی آپ کی نصرت میں اُستوار اور قائم رہ سکتے تھے ایسے صرف چند ہی افراد تھے لہذا چند ہی افراد کو دعوتِ نصرت دی۔ طراح بن عدی سیاست سابقہ کو قبول کر چکے تھے، جو لوگ موسمِ حج میں جمع ہونے والے تھے ان سب نے اس سیاست کو قبول کر لیا تھا جس کا نتیجہ موجودہ یزیدیت تھی۔ پھر بھلا اپنے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ یزید سے کس دل سے لڑتے۔ اگر لڑتے تو بددلی سے لڑتے اور نتیجہ وہ ہی ہوتا جو صحیفین میں حضرت علی کے ساتھ ہوا۔ عین وقت پر حضرت علی کو چھوڑ دیا۔ معاویہ نے ان کو بتایا کہ جو اصول میرے ہیں وہ ہی تو تمہارے ہیں۔ اور وہ اصول یہ ہیں کہ البیت رسالت میں حکومت نہ رہے۔ یہی میرا اصول ہے یہ ہی تمہارا ہے۔ ہمارے مشترک رہنے صاف رسول خدا سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں تمہارے اہل بیت کی ضرورت نہیں ہے حسب کتاب اللہ اسی کتاب اللہ کو اب میں پیش کرتا ہوں بس کیا تھا۔ بگڑ گئے۔ پہلے تو حکم مقرر کرتے وقت علی علیہ السلام کو مجبور کیا اور جب حکم مقرر ہو گئے تو علی سے یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے کہ تم نے غلطی کی۔ اِحکم اللہ اگر وہ مصنوعی نصرت جو امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تھی قبول کر لی جاتی تو اس کا بھی آخر کار یہ ہی خشر ہوتا۔ حضرت علی کے پاس تو اس وقت

حکومت تھی۔ بادشاہ کی حیثیت سے واپس آگئے۔ اگر میدان کر بلا میں یہ ہی واقعہ ہوتا تو حسین کے پاس تو بادشاہت نہ تھی وہ کس حیثیت سے واپس آتے۔ نتیجہ وہی ہوتا جو اب ہوا۔ اور اُس کی عظمت جاتی رہتی۔ لوگ کہتے کہ لشکر مہیا کر کے سلطنت لینے چلے تھے شکست کھائی۔ مارے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی صغیر سے واپس ہو گئے اور امام حسن علیہ السلام نے صلح کر لی۔ یہ دونوں بزرگوار وہ نہیں کر سکتے تھے جو حسین نے کیا۔ اگر کرتے تو اُس کی عظمت نہ ہوتی۔ لوگ کہتے کہ بادشاہت کے لئے لڑے تھے اسلام کے لئے نہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں طرمح ابن عدی یاد گیر دنیا کے لوگوں نے اصلی نصرت پیش نہیں کی۔ اُن کی نصرت میں استقامت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے اصول و عقائد بالکل وہی تھے جو مخالفین حسین کے تھے، حسین سے ذاتی محبت ان کو تھی۔ لیکن حسین علیہ السلام کے اصول اور اُن کے وجہ مقابلہ کو نہ وہ سمجھے تھے اور نہ اُن سے مدد دی تھی۔ جب آخر وقت تک صحیح نصرت انہی ہی پیش ہوئی کہ جو ہوئی تو امام حسین علیہ السلام اُس نصرت کے ختم ہونے کے بعد کہہ سکتے تھے کہ ہَلْ مَرَّ بِمَنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا انہوں نے صحیح اور اصلی نصرت کو کبھی رد نہیں کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد دیگر ائمہ علیہم السلام میں سے کسی نے تیار نہیں اُٹھائی۔ بہت سے موقعے آئے کہ ظاہر میں شخص کہہ سکتا تھا کہ اگر اُس وقت کے موجودہ امام نوار اُٹھاتے تو کامیاب ہو جاتے۔ لیکن جو حشر انجام کار اُن تحریکیوں کا ہوا وہ بتا رہا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے جو کیا درست کیا اور اگر وہ بھی شامل ہو جاتے تو پھر خاندان رسالت کا ایک بچہ بھی بچتا۔ ایسی تین تحریکیں بہت زبردست نظر آتی ہیں۔ ایک تو مختار کا خروج جو سر نوامیہ کے خلاف تحریک جس میں آخر کار بنو عباس کامیاب ہوئے۔ اور تیسرے زید شہید رحمۃ اللہ کا خروج۔ ان تینوں تحریکیوں کا جو انجام ہوا وہ ہمارے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ مختار خود اور اُن کے ساتھی اُس ہی سیاست کے مقلد تھے

ہیں نے یزید کو پیدا کیا تھا۔ اگرچہ ذاتی طور سے امام حسین علیہ السلام کے مظالم کو وہ برا جانتے تھے اور اُس کا بدلہ لیا۔ لیکن ان مظالم کو وہ محض یزید اور اُس کے کارکنوں کی ذاتی کاوش کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اس سے گہرا نہ اُنہوں نے سوچا اور نہ سوچ سکتے تھے۔ مختار کے خلاف تو بہت سی رائیں خود علماء شیعہ کی ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اُنہوں نے امام وقت حضرت زین العابدین علیہ السلام کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اُنہوں نے اپنے عروج کے لئے محض بنو ہاشم کو ذریعہ بنایا تھا اور جو کچھ کر رہے تھے وہ خود اپنے و نیادی عروج و ترقی کے لئے تھا اگرچہ اُس میں نیت امام حسین کے قائلوں سے بدلہ لینے کی بھی تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ امام زین العابدین کو یا محض بنو ہاشم کو برسرِ حکومت لانے کے لئے کوشش کر رہے تھے اور اُن کے ساتھی تو محض ایسے تھے جنہوں نے آخر کار خود اُن کو چھوڑ دیا۔ بنو امیہ کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی وہ کئی دہکات سے جن میں سے ایک شہادتِ امام حسین علیہ السلام تھی کامیاب تو ضرور ہو گئی۔ لیکن کس کے لئے کامیاب ہوئی۔ بنو فاطمہ کے لئے نہیں بلکہ بنو عباس کے لئے۔ ابو مسلم نے جو غداری خاندانِ رسالت کے ساتھ کی وہ ہمیشہ تاریخِ اسلام پر ایک نہایت بڑا دھبہ رہے گی شروع سے یہ بنو عباس کے لئے کیوشش کر رہا تھا۔ لیکن ظاہر یہ کر رہا تھا کہ میں بنو فاطمہ کا داعی ہوں۔ کتنی غلطی ہوتی اگر امام جعفر صادقؑ اُس کی باتوں میں اُن کو اُس سے مل جاتے۔ یہ شخص پہنے اُن کو اور اُن کے خاندان ہی کو قتل کرتا۔ آخر وقت تک لوگ سمجھتے رہے کہ یہ بنو فاطمہ میں سے کسی کو خلیفہ بنائے گا۔ لیکن جب مسجدِ کوفہ میں اُس کے جنرل ابو سلمہ نے ابو العباس عبداللہ کو خلافت کے لئے پیش کیا تو اس غداری کا انکشاف ہوا لیکن کوفیوں نے کیا کیا۔ نہایت خوشی سے نعرہ تکیہ بلند کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر مہر امیر علی اپنی تالیف میں لکھتے ہیں :-

*But the proverbial fickleness of the Iraqians was now proved. Again and again they had risen in arms*

in support of the fatimide cause, and as often betrayed those whom they had pledged themselves to help or whose help they had invoked, swayed by the passing whim of the moment, they had shown themselves equally to be traitors as the defenders of truth, no sooner had the words passed from the lips of Abu Salma proposing Abul Abbas as the caliph, than they burst forth with loud acclamations of the Takbir, signifying their approval (Amir Ali's short history of the Saracens, p. 179)

### ترجمہ

لیکن عراقیوں کی مشہور و معروف تلون مزاجی پھر ثابت ہوئی اس سے پہلے بھی بسا اوقات انہوں نے اولادِ فاطمہ کی حمایت کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔ لیکن ہر مرتبہ کہ وہ اولادِ فاطمہ کی حمایت میں اٹھے۔ انہوں نے اولادِ فاطمہ سے غداری کی اور ان کو چھوڑ دیا۔ وقتی اور عارضی جذبات سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنے تئیں حق کا حامی بھی ظاہر کیا اور حق سے غداری بھی کی۔ ابھی ابو سلمہ کے منہ سے ابوالعباس کو خلیفہ مقرر کرنے کے الفاظ نکلے ہی تھے کہ کوفیوں نے اپنی رضامندی تکبیر کے فلک بوس نعروں سے ظاہر کر دی۔



ہر ایک مؤرخ کا فرض ہے کہ وہ وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کیوں ایسا ہوا۔ یہ کہہ دینا کہ عراقی متلون مزاج تھے کافی نہ ہو گا یہ وہی تو عراقی تھے۔ شیعوں نے حضرات خلفاء ثلاثہ کی حکومت کو مستقل مزاجی سے برداشت کیا۔ یہ وہی عراقی تھے جو مسلسل صدیوں تک بنو عباس کے حامی رہے۔ کیا یہ تلون مزاجی فقط بنو فاطمہ ہی کی مدد کے وقت پیدا ہو جاتی تھی۔ جسٹس امیر علی جیسے مؤرخ اپنے آبائی مذہب کے معتقدات کی وجہ سے اصلی وجہ نہ دیکھ سکے یا اگر اصلی وجہ معلوم کر لی تھی تو اس کو بیان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور سب کچھ تلون مزاجی کے سر منڈھ دیا اصلی وجہ یہ تھی کہ جب کبھی یہ اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی کی مدد کو اٹھے ہیں تو محض اُس کی ذاتی محبت و شخصیت کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ شاید ان کے ساتھ بہت لوگ ہو جائیں اور یہ برسر حکومت آجائیں تو ہم خوب مزے اُڑائیں گے۔ ان کو اہل بیت علیہم السلام کے مذہبی و اصولی عقائد سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مذہب و راصل ان کا وہی تھا جو حضرات شیخین نے مرتب و راج کیا تھا۔ اور جو اہل بیت کے مذہب سے بالکل علیحدہ تھا۔ جب کبھی سختی پڑی اور شکست نظر آنے لگی فوراً ان لوگوں کو اپنے مذہب کے عقائد یاد آگئے۔ اور اولی الامر کی تفسیر جو حضرات شیخین نے راج کی تھی ان کی مدد کو آگئی۔ کہنے لگے کہ ہمارا صاحب امر تو خلیفہ وقت ہے ہم اُس سے بخاری کر کے کیوں جہنم میں جائیں۔ بس معاملہ ختم ہو گیا۔ اولادِ فاطمہ کو چھوڑ کر اولادِ حکومت کی طرف چلے گئے۔ اہل بیت علیہم السلام اور حضرات شیخین کے مذہب میں دیگر اختلافات ہیں سے یہ ایک بہت بڑا اختلاف تھا اہل بیت علیہم السلام کے مذہب میں صاحب امر ولی امر وہ شخص تھا جس کو خداوند تعالیٰ نے اپنا امر بذریعہ رسل تفویض کیا تھا اور وہ بہ شکل وصیت ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اُس کو اور صرف اُس کو ہی لوگوں کی جان و مال پر اختیار تھا۔ وہ یہی لوگوں سے بیعت لینے کا مجاز تھا۔ جو اُس کے خلاف بیعت لے یا بیعت کرے وہ حکومتِ انبیاءِ اسلامیہ کا باغی تھا۔ برخلاف اس کے حضرات شیخین نے یہ مذہب راج کیا تھا کہ ولی امر وہ شخص ہے جو جبر یا لوگوں کی رائے سے حکومت پر قبضہ کر سکے۔ مقدمہ لڈکر

نقطہ خیال کے بموجب یزید باغی اور حسین حق پر تھے۔ مرنے والے ذکر کندہ نگاہ کے مطابق حسین باغی تھے اور یزید حق پر تھا حسین کے ساتھ محض وہ شخص ہو سکتے تھے جو حسین کو صاحب امر سمجھتے تھے یزید کے حامی اپنے عقائد کے بموجب ان سب کو ہونا چاہتے تھے اور وہ تھے جو حضرات شیخین کو اور یزید کو صاحب امر سمجھتے تھے اس ہی وجہ سے جناب ائمہ علیہم السلام کو کہنا پڑا کہ جس شخص کے دل میں سفیدی و ایش کے برابر بھی حضرات شیخین کی محبت ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز اور ان کے ہم خیال دیگر علماء یہ کہہ کر اصلی مضمون بحت کو ضبط کرنا چاہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں ان کو بھی شیعیان اہلبیت کہتے تھے جن کو اہل سنت و جماعت کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز شحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں :-

ایدانست کہ شیعہ اولیٰ کہ فرقہ سنیہ۔ تفضیلیہ در زمان سابق بشیعہ ملقب بودند  
یعنی جاننا چاہئے کہ زمانہ سابق میں فرقہ سنیہ اور تفضیلیہ کو شیعہ کہتے تھے۔

ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ بھری فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے :-

تشیع صرف اثنائے کہ علی سے محبت کریں اور اسیاے شیخین کے دیگر صحابہ پر ان کو ترجیح دیں۔ غالی شیعہ وہ ہے جو حضرت علی کو شیخین پر بھی فضیلت دیتا ہے اس کو رافضی بھی کہتے ہیں۔ اور اگر شیخین پر فضیلت نہ دے تو وہ صرف شیعہ ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ہی کوئی شیخین پر لعن کرے اور ان سے دشمنی رکھے تو وہ غالی رافضی ہے اور اگر اس کے ساتھ وہ رجعت امام کا بھی قائل ہے تو وہ غلو فیض میں بھی شدت کرتا ہے :-

اس تدریف کی رو سے محض شیعہ وہ ہے جو حضرت علی علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور شیخین سے محبت رکھتے ہیں اور حضرت علی پر ترجیح دیتا ہے اور اگر تفضیلیہ ہو یعنی حضرات شیخین پر حضرت علی کو فضیلت دیتا ہے تو غالی شیعہ یا رافضی ہو گیا۔ لیکن اصلاً اور واقعاً وہ اہل سنت و جماعت ہی رہا کیونکہ حضرات شیخین کی خلافت کو برحق جانتا رہا اور اس

اصول کا حامی رہا جس اصول کی بناء پر حضرات شیخین نے اہل بیت رسالت کو حکومت سے خارج کر کے اپنے تئیں صاحب امر کی مسند پر آراستہ کر لیا تھا۔ گویا خاص امر متنازعہ میں تو وہ حضرات شیخین کا مقلد ہے۔ اور اگر شخصی حیثیت سے اُس نے علی سے نفرت نہ کی یا علی کو حضرات شیخین سے افضل بھی سمجھا تو اُس کے اصل مذہب پر فرق نہ پڑا۔ ایسا شخص اگر امام حسین کو بگلاتا ہے اور دعویٰ نصرت کرتا ہے اور ذرا سا زور پڑنے پر حسین کو چھوڑ دیتا ہے تو نہ تو کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ کوئی یہ طعنہ دے سکتا ہے جو اکثر دیا جاتا ہے کہ حسین کو تو شیعوں نے قتل کیا۔ بقول شاہ عبدالعزیز بزاز ابن حجر کی روئے تو اہل سنت و جماعت تھے۔ اب اگر اُن کو چاہو تو شیعہ یا رافضی یا ناصبی یا خارجی کہو۔ صرف نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصلی شیعہ علی اور اصلی اہل سنت و جماعت میں ماہ الا تمیاز فقط اولی الامر کے معنی کا ہے۔ فضیلت علی یا فضیلت شیخین ماہ الا تمیاز نہیں ہے۔ اگر زید حضرت علی کو شیخین سے برتر جہا افضل سمجھتا ہے لیکن اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد ولی امر حضرت ابو بکر تھے حضرت علی نہ تھے تو چونکہ اُس کا اختلاف حضرت علی علیہ السلام سے اصول و عقیدہ میں ہو گیا، وہ اپنے تئیں ولی امر سمجھتے تھے زید ابو بکر کو ولی امر سمجھتا ہے تو زید شیعہ علی نہ کہلائے گا۔ بلکہ اُس کو شیعہ ابو بکر و عمر کہیں گے۔

اس معیار پر جب ہم پرکھتے ہیں تو شیعہ بیان علی کی جماعت شروع شروع میں بہت قلیل نظر آتی ہے۔ اس جماعت کا اپنے تئیں قائم رکھنا اور اپنے خیالات کی اس قدر پھیلاؤنا کہ موجودہ زمانے میں دنیا کا کوئی حصہ یا ملک نہیں جس میں شیعہ علی علیہ السلام نہ ہو ایک معجزہ ہے۔

شیعہ علی و شیعہ شیخین کا فرق نہایت نمایاں طریقہ سے جس نے لوگوں پر ظاہر کیا اور اس جماعت کو وسعت و ترقی و تنظیم دی وہ شہادت امام حسین علیہ السلام تھی۔ اس جماعت کو نمایاں اور باقی اُمت اسلام سے ممتاز کرنے کے لئے واقعہ کربلا کو بہت دخل ہے۔ اس سانحہ عظیم نے جس میں آل محمد کا سچا سچ ذبح کر دیا گیا کو نہ کہہ کرے وہ صحیح نظر نہیں کرتا اور ذبح کیا گیا، دو امیر کو نہایت واضح طور سے لوگوں کی نظروں کے سامنے

لا کر رکھ دیا۔ (۱) امام حسینؑ کا اصرار کہ بیعت یزید نہ کریں گے۔ (۲) اُمتِ اسلامیہ کی اکثریت کی عداوت آلِ رسولؐ سے + اہل بیت رسالت کو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد یہ پہلا موقع ملا تھا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی جان کی بھی پرواہ نہ کر کے اُس نظام کے خلاف احتجاج بلند کریں جو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد قائم ہو گیا تھا اور جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو منقلب کر دیا گیا تھا۔ احتجاج تو حضرت علیؑ علیہ السلام نے بھی کیا تھا اور بہت لمبھی طرح کیا تھا۔ لیکن تلوار اٹھانی تین وجوہات سے مناسب نہ سمجھی +

(۱) اگر اس وقت تلوار اٹھاتے تو اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا اور لوگ فوراً کفر سابق کی طرف رجوع کر جاتے۔

(۲) چونکہ حکومت کا سوال تھا لوگوں کو خیال پیدا ہوتا کہ علیؑ نے حکومت کے لئے لڑے تھے۔ مارے گئے اور اپنے بچوں کو بھی حکومت کی خاطر ہلاکت میں ڈالا۔ لہذا اس احتجاج کا جو مقصد حق کو ظاہر کرنے کا تھا وہ نہ پورا ہوتا۔ یہی اشتباہ امام حسنؑ علیہ السلام کی حالت میں ہو سکتا تھا لہذا انہوں نے صلح کر لی +

(۳) حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے زمانہ کے حکام ایسے تھے جنہوں نے اپنی اصلی نیت کو ظاہر اسلامی لباس کے نیچے پنہاں کر رکھا تھا۔ بلکہ لوگوں میں اسلام ہی ایسا راج کر دیا تھا جس میں وہ سرشار نظر آتے تھے۔ اگر ان کے خلاف احتجاج کیا جاتا تو معاملہ بحث و مباحثے میں پڑ جاتا اور اصلی مقصد فوت ہو جاتا۔ امام حسینؑ علیہ السلام کی حالت میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش ہی نہ تھی +

اب امام حسینؑ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ باتیں نہ تھیں۔ یزید نے اپنے تئیں منصبِ ط و مستحکم پا کر ظاہر داری کی چادر اوڑھنی مناسب نہ سمجھی اور صاحبانِ غور و فکر نے دیکھ لیا کہ جس نظام کی پیروی ہم اب تک کیتے آئے ہیں وہ یزید جیسے اولوالامر اور لشکریانِ یزید جیسے دشمنانِ اہل بیت پیدا کرتا آیا ہے اور کرے گا۔ لہذا ان میں جو حق کے جو یا تھے اس جماعت میں آئے۔ لیکن اس جماعت کو اکثریت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور حکومت پر اس کا کبھی قبضہ نہیں ہوا۔ قوم کے خرد و حال حکومت و

اکثریت ہی سے بنتے ہیں۔ لہذا اسلام اور مسلمانوں کا نقشہ جو دُنیا نے دیکھا وہ وہی تھا جو  
یہ اکثریت پیش کر سکی۔ چونکہ اُس اسلام اور اُن مسلمانوں میں بہت سے نقائص تھے لہذا  
دُنیا نے اُن کی نکتہ چینی اور عیب جوئی کی اور حضرت حاجی کو کہنا پڑا کہ

اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

غرض کہ ساخہ کر بلانے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور شیعہ علی کی جماعت میں اضافہ  
ہو گیا۔ لیکن چونکہ حکومت اور اکثریت حاصل نہ ہوئی۔ یہ جماعت کُل قوم پر اپنا رنگ نہ  
جما سکی۔ اس حالت میں بھی اس جماعت میں ایسے ایسے علماء پیدا ہوئے جو آسمان اسلام پر  
مہر و ماہ ہو کر چکے۔ جو قرابانیاں اس جماعت نے کیں، اور جن مخالف حالات کے اندر  
انہوں نے حق کی شمع کو اپنے دامن کے نیچے لے کر باو مخالف کے جھونکوں سے بچا یا وہ  
ہمیشہ اور ہر قوم میں بنی نوع انسان کو ایثار نفس، نصرت حق، جرات، ہمت، شجاعت  
اور موت سے نہ ڈرنے کا سبق پڑھاتے رہیں گے۔ شیعیاں علی زندہ دیاروں میں چھنے  
گئے، جلاوطن کئے گئے، کوزہ کونہ سے ڈھونڈ کر نکالے گئے اور قتل کئے گئے۔ ان  
میں سے بعض کو اُن کے بیوی بچوں کے سامنے، اُن کو اور بعض کی بیوی بچوں کو اُن کے  
سامنے پیرردی کی حالت میں قتل کیا گیا، کسی کی زبان گڈی گئے پیچھے سے نکالی گئی۔  
کسی کو زندہ تکا بیٹی کیا گیا۔ کسی کو زندہ دفنا دیا گیا۔ کسی کو سولی دے کر مہینوں  
اُس کی لاش کو سر راہ ٹکا رہنے دیا۔ جو علی کا نام لیتا تھا وہ قتل کیا جاتا تھا،  
جس جماعت نے ایسے حالات میں اپنے اصول و مذہب کو نہ چھوڑا ہے اس جماعت  
کی نسبت یہ کہنا کہ تمک بالثقلین کرنے کا کیا نتیجہ ہوا۔ اثنزبے معنی اور تعصب لاطائل  
کی آخری حد ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں، ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

اقبال مرحوم نے اس شعر کو موجودہ اسلام کی اکثریت کے متعلق کہہ کر  
اپنے شعر کی بھی وقعت کھوئی۔ سو بار تو بہت ہوتے ہیں، ایک دفعہ ہی

بتاویں کہ کب باطل کے غلبہ کے سامنے یہ ٹھہرے ہیں اُحدِ جنین سے لے کر آج تک  
 دیکھ لو۔ نہ دینے کی صفت اُس وقت زیرِ عمل آتی ہے کہ جب غلبہ فریقِ مخالف کا ہو۔  
 اگر غلبہ اپنا ہے تو پھر دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اکثریت کو تو ہمیشہ غلبہ ہی رہا  
 ہے۔ اور جب غلبہ نہ رہا تو بقول حضرت حالی اُن کی اصلی حالت نمایاں ہو گئی ہے  
 حکومت تھی گویا کہ اک جھویل تم پر کہ اڑتے ہی اُس کے نکل آئے جو ہر  
 غضب تو یہ ہے کہ اصلی واقعات تو سب معلوم کر لیتے ہیں۔ تعصب پیدا کشتی اُن کو  
 اُن کے رجحانات اصلی نہیں دیکھنے دیتا۔

## مقدمہ

راز ہائی دہر تو بہت ہیں۔ اور اتنے ہیں کہ انبیاء کے علاوہ شاید ہی کسی اور نے ان سب راز ہائے سر بستہ کو سمجھا ہو۔ انبیاء میں ان کے اوصیاء اور خلفاء بھی شامل ہیں۔ چنانچہ حافظ نے کہا ہی دیا کہ

حدیث از مطرب دعا گو در راز دہر کمتر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معتمہ را

لیکن دعویٰ بہت لوگوں نے کیا۔ اور کیوں نہ کرتے۔ جب ان کی ہمت کی بلندی کے آگے خدائی اور مسجیت تک کی حد کچھ نہیں تو یہ تو محض راز ہیں۔ چنانچہ حضرت اقبال جن کی پرستش کرنے والوں کی تعداد بڑھ ہی رہی ہے فرماتے ہیں

سر آمد روزگار این فقیرے

وگر دانائے راز آید نہ آید

ان تمام راز ہائے سر بستہ کے انکشاف کا کام ان بزرگوں کے سپرد کر کے اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں صحیح طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لئے دنیا یا دہر کے چند رازوں کا علم صاحبان غور و فکر کے لئے ضروری ہے یہ بات دوسری ہے کہ ان چند رازوں کے علم کی وجہ سے کچھ لوگوں کا ظرف چھدک گیا اور وہ سمجھے کہ ہم کو سب راز معلوم ہو گئے۔ ان چند ضروری رازوں میں سے ایک یہ راز معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ دنیا میں ہر حقیقی شے اور تصور کے ساتھ اس ہی سے ملتی جلتی مصنوعی شے ضرور ہوتی ہے۔ افلاطون اور شاہ ولی اللہ جیسے دانشمندان راز نے اس دنیا ہی کو مصنوعی قرار دے کر کہہ نئی اور حقیقی دنیا کا انکشاف کیا ہے۔ اس اصول سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ان ہی میں سے ایک معجزہ ہے کہ ابتدائی نبوت سے یہ اُس کے ساتھ ساتھ رہا ہے۔ اس کے کئی معجزات ہیں جو سحر کو معجزے سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں ایک ماہر الاتیاز یہ ہے کہ معجزہ ہستی شے کو معدوم کر سکتا ہے سحر میں یہ طاقت نہیں۔ جب ساحران فرعون نے دیکھا کہ اُن کے وہ عصا جن کو انہوں نے لوگوں کی نظروں میں سانپ دکھایا تھا موسیٰ کے عصا کی وجہ سے معدوم ہو گئے تو وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ کا معجزہ ہے۔ سحر نہیں۔ اور بھی کئی معجزات ہیں۔ مردے کو زندہ کرنا یعنی معدوم کو ہستی میں دوبارہ لانا، اُن امراض کو اچھا کرنا جو طب زمانہ کی طاقت سے باہر تھے وغیرہ وغیرہ۔ اُن میں سے ایک پیشینگونی بھی ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ پیشینگونی سچی ہو جائے حالانکہ جبے پیشین گونی کی گئی تھی اُس وقت موجود لوگوں میں سے کسی کو اُس کے سچا ہونے کے امکانات و اسباب نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ جناب رسول خدا نے بھی ایسی پیشینگونیاں ارشاد فرمائی ہیں :

جناب رسول خدا کی پیشین گوئیوں میں سے فی الحال ہم صرف دو پیشینگوئیاں کا ذکر کرتے ہیں جو یقیناً معجزہ تھیں۔ ایک تو دعوت ذی العشرہ پر جو اعلانِ خلافت اپنے فرمایا اور دوسرے حدیث ثقلین۔ دعوت ذی العشرہ کے اعلان کو لیجئے۔ حضرت علی کی عمر اُس وقت کم سے کم گیارہ سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کی تھی۔ اُس وقت تک حضرت علی کی دماغی اور جسمانی قوتوں کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت آنحضرت کہتے ہیں کہ یہ کم سن بچہ میرے اس اہم کارِ نبوت میں میرا شریک ہے۔ وزیر ہے خلیفہ ہے۔ تم لوگ اُس کی اطاعت کرو۔ اس پر غور کیجئے۔ یہ کتنا بڑا اعلان ہے۔ آپ نے بغیر تجربہ ظاہری کے ایک کم سن نوجوان کو اس اہم کارِ نبوت میں شریک کہا ہے بغیر اس عالم الغیب والشہادت کے انتخاب کے آنحضرت یہ بات کیونکر حضرت علی کے متعلق کہہ سکتے تھے۔ اگر فرض کروا گئے چل کر وہ نہایت بزدل ثابت ہوتے۔ ہر ایک لڑائی کی گرمی سے بھاگ جاتے۔ رسول خدا کتنے تنہا میدان جنگ میں چھوڑ کر چلے جاتے یا فرض کروا محاذ اللہ بد چلن ہوتے۔ عیش و عشرت کے سراگ



اور بات سے سروکار نہ رکھتے۔ زہد و ریاضت کی طرف سے ان کی طبیعت ہی نہ مائل ہوتی۔ جس پر رسول اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر وہ بھی دنیاوی وجاہت کے حصول کے لئے چلے جاتے تو آپ کی نبوت پر حرف آتا یا نہ آتا۔ کفار کہتے دیکھو وہ خلیفہ وزیر رسول میدان جنگ سے بھاگا جا رہا ہے۔ اس کو تو حشر و نشر و جنت و دوزخ پر یقین نہیں ورنہ اس طرح اپنی جان بچا کر کیوں بھاگتا۔ دیکھو جس پر رسول اطہر ٹپا ہوا ہے اور اس کا خلیفہ و وزیر دنیاوی وجاہت کے حصول میں مشغول ہے۔ یا دیکھو اس کے ایسے کر توت ہیں۔ محمد (صلعم) کو تو دعویٰ ہے کہ خداوند تعالیٰ سے براہ راست ان کے پاس سلسلہ تعلق ہے۔ خدا نے بھی یہ نہ بتایا کہ جس کو تم خلیفہ و وزیر کر رہے ہو اس کے تو یہ کر توت ہوں گے۔ کفار تو کفار مسلمانوں کو آپ کی نبوت سے انکار ہو جاتا۔ اب جبکہ واقعات اور حضرت علیؑ کے کارناموں نے آپ کے اعلان کو صحیح ثابت کر دیا تو اس کا اس طرح صحیح ثابت ہونا ہی آپ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ہر ایک غور و فکر کرنے والے کے لئے قیامت تک اس اعلان کا صحیح ہونا آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کرتا رہے گا۔

اب حدیث نقلین کو لیجئے۔ اس حدیث کی پیشینگوئی بھی آپ کا ایک معجزہ ہے جو قیامت تک آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کرتا رہے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے میری عترت اہل بیت کا دامن چھوڑ دیا، ان سے سبقت کی اور اپنے پیسے ان پر مقدم رکھا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ امت نے اہلبیت علیہم السلام کا دامن چھوڑ دیا اور ان پر سبقت کر کے خود خلیفہ بن گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی پیشین گوئی متذکرہ بالا پوری ہوئی یا نہیں اگر پوری ہوئی تو اس کا سچا ہونا آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔ اور اگر پوری نہیں ہوئی تو آپ کے نبی برحق ہونے میں شبہ کا پیدا ہونا انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ہماری اس کتاب کا مقصد محض اس پیشین گوئی کی صداقت کو ثابت کرنا ہے۔ کہ امت محمدیہ کی اکثریت بلکہ کل امت باستثناء معدودے چند مومنین کے جناب رسول خدا کے انتقال کرتے ہی

جاوے مستقیم سے ہٹ کر گمراہ ہو گئی۔ اس گمراہی کو ہم نے اس کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حدیث کی ہر ایک کتاب میں ایک عنوان ہے کتاب الفتن کے نام سے۔ وہی اس گمراہی کا بہن ثبوت ہے۔ ہر ایک مسلمان مانتا ہے کہ اسلام دنیا کو امن و راحت دینے آیا تھا اور نبی نورغ انسان کو تفرقہ اور افتراق سے بچا کر ایک مذہب پر لانا اس کا مقصد تھا کیا اُمت کی گمراہی کا اس سے زیادہ کوئی اور ثبوت ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ وہی چیزیں معلوم نظر آتی ہیں۔ آنحضرت کے بستر مرگ ہی پر ایک جماعت نے افتراق پیدا کر دیا۔ اور وہ تفرقہ آگے بڑھتا ہی گیا۔ اس ایک تفرقہ کی وجہ سے بہت سی تقسیم و تفریق کرنی پڑی اور اسلام میں تخریف ضروری سمجھی گئی۔ خرقہ اسلام تو یوں پارہ پارہ ہوا۔ امن و چین کو لیجئے۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد ہی سے جو خونریزی شروع ہوئی وہ اس وقت تک جاری رہی جب تک بدن میں ایک قطرہ خون بھی باقی تھا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کر لیا۔ اور تم کو ظاہر ہو جائے گا کہ مملکت اسلامیہ سے امن و چین معدوم تھا۔ نائبان رسول کی عیش و عشرت کی کہانیاں سننی ہوں تو ابوالفرج کی کتاب الاغانی کا مطالعہ کیجئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ کا زمانہ ٹھیک اسلامی زندگی کے مطابق تھا۔ اس زمانہ کے امن و راحت کی حالت یہ تھی کہ کوئی خلیفہ اپنی قدرتی موت نہیں مرا۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ ہی سے مسلمانوں کا قتل عام مانعین زکوٰۃ کے بہانہ سے شروع ہو گیا۔ حضرت عثمان چالیس دن تک اپنے محل میں محصور رہے۔ سوائے علی مرتضیٰ کے کوئی مسلمان ان کی مدد کو نہ آیا۔ آخر کار قتل کر دئے گئے۔ جب حضرت امیر نے مجبوراً مندر حکومت پر قدم رنجہ فرمایا تو قاتلان عثمان ہی قصاص خون عثمان کے بہانہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور خلیفہ برحق کے خلافت جو خلافت حاصل کرنے کی امیدیں وہ بغاوت پھیلانی کہ مملکت اسلامیہ کا امن و چین مفقود ہو گیا۔ اپنے پیغمبر و محسن کے پیارے نواسے کو اس بے رحمی سے میدان کربلا میں قتل کر کے اُمت اسلامیہ نے اپنے اخلاق و کمال ایمان کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اب تک دنیا حیرت میں ہے۔ اس کے بعد آخر زمانہ خلافت اسلامیہ تک جو خون ریزیاں ہوتی رہیں وہ تاریخ کے صفحات میں

محفوظ ہیں۔ اسلام کے دونوں مقصد ممالکیت اسلامیہ میں شرع ہی سے پورے نہیں ہوئے اور یہی گمراہی ہے۔ ہم نے اس کتاب میں کتب تواریخ و حدیث اہلسنت و جماعت سے ثابت کیا ہے کہ یہ گمراہی محض دامن آل رسول کے پھوڑنے سے ہوئی اور اس طرح جناب رسول خدا کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی۔

کہا جاسکتا ہے کہ اس پیشینگوئی کا دوسرا حصہ بھی ہے اور وہ یہ کہ جو تکسیر اہلبیت و قرآن کریم کا یہ کبھی گمراہ نہ ہو گا مسلمانوں کی ایک جماعت کا جن کو شیعیان علی کہتے ہیں یہ دعویٰ ہے کہ وہ آل رسول کا دامن پکڑے ہوئے ہیں وہ کیوں گمراہ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔

کسی قوم کی گمراہی یا صداقت اس کی اکثریت کی حالت سے دیکھی جاتی ہے اور اس کی ہی بنی ہوئی ہے۔ اور اسلام کو کامل ترین دین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور آنحضرت کی نبوت میں حکومت شامل ہے۔ حکومت ایک ایسا رکن ہے جس پر رعایا کے اخلاق و مذہب کا دار و مدار ہوتا ہے۔ یہ نہایت سچا مفقود ہے کہ الناس علیٰ دین ملیکہم گویا کسی جماعت پر اثر کرنے والے دو اسباب ہوئے۔ اکثریت اور حکمت۔ اور یہ دونوں شرع سے امت اسلامیہ میں ان کے قبضہ میں تھے جو راہ مستقیم سے علیحدہ ہو چکے تھے اور جن کی اس علیحدگی کی جناب رسول خدا نے اپنے آخری الفاظ قوموا عنی کہہ کر دنیا پر ظاہر کر دیا تھا۔ جب صورتِ حالات یہ ہو تو اس جماعت کی اقلیت کس طرح اپنے تئیں گمراہ ہواؤں کے جھونکوں سے بچا سکتی ہے اکثریت نے اس اقلیت کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا اور سوء عمل میں دونوں کا اتحاد ہو گیا۔ اور یہ اتحاد دونوں کو تعزیر مذمت میں لے گیا۔ شیعیان علی ہونے کا زبانی دعویٰ کبھی کارگر نہیں ہو سکتا۔ جب تک عمل بھی اس کے مطابق نہ ہو۔ عمل کی صورت یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح دنیاوی و جاہست پر جان دیتے ہیں جو ان کی اکثریت کا طرز عمل سقیفہ نبی ساعدہ بواسطہ دن اور مابعد کے زمانہ میں رہا ہے۔ اسی طرح عدل سے یہ بھی گریز کرتے ہیں۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام کو ہر سال روتے ہیں لیکن ان کے قاتل سے

محبت کرتے ہیں۔ اُن کا قاتل ظلم تھا اور یہ بھی ظلم کو پسند کرتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد کے تعلقات میں ظلم، میاں بیوی کے تعلقات میں ظلم۔ بھائی بھائیوں میں، دوستوں میں غرض ہر جگہ ظلم ہی ظلم ہے اعتقاداً منفعہ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ عملاً یہ حالت ہے کہ زنا اچھا اور منفعہ بُرا۔ جب ہر ایک امر میں یہ اپنی اکثریت کی پیروی کرتے ہیں تو اکثریت کے ساتھ ہی فقرِ ندلت میں گرنا بھی ضروری تھا۔ یہ تصویرِ شیعہ جماعت کے اکثریت کی ہے۔ ورنہ اگر افراد کو دیکھو گے تو ہرزمانے میں ان میں ایسے بزرگ ملیں گے جو واقعی قولاً، فعلاً، اعتقاداً اپنے امام کے قدم بقدم چلتے تھے تو ان کی حالت بھی یہ تھی کہ جہاں تک شخصیت کا تعلق تھا ان کی شخصیت ہر ایک پر غالب تھی۔

غرض کہ آج کل کی پستی کے زمانے میں ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اعتقاد و عمل کا جائزہ لے اور جس میں نقص دیکھے اُس کو صحیح کرنے کی کوشش کرے اس سعی میں مدد کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

وَمَا نُوَفِّئُكَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

رنگسن روڈ وہلی۔ ۱۰ نومبر ۱۹۴۶ء

# کتاب التفریق

## باب اول

### خرابی اقوام و ملل کے اسباب

لِكُلِّ دَاعٍ دَوَاءٌ عِنْدَ عَالِمِهِ مَنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا لَمْ يَدْرِ مَا الدَّاءُ (ابوالقاسم)

حکیم کے پاس ہر مرض کی دوا ہوتی ہے لیکن جو حکیم ہی نہیں اُسے کیا معلوم کہ مرض کیا ہے

اقوام عالم کے عروج و زوال کے تذکرے اور ان کے اسباب و علل انسانی درس زندگی کا نہایت اہم اور مفید سبق دیتے ہیں۔ مورخین احوال ماضی سے تاریخی اصول و قواعد مستنبط کرتے ہیں۔ مدبرین ملک ماضی کی بناء پر حال کو قائم کرتے ہیں حکماء دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ علماء مذہب و عبادت خداوندی اور عذاب الہی کا نمونہ دیکھتے ہیں۔ مصلحین ملک و ملت کو ان سے اصلاح حال کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بہر صدمت گزرے ہوؤں کا ماجرا و درسِ عبرت تو ہوتا ہی ہے۔ بہت خوش قسمت اور عقلمند ہیں وہ تو ہیں اور وہ افراد جن کو خداوند تعالیٰ نے دوسروں کی مصیبت دیکھ کر اپنی اصلاح حال کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے اوپر سے بھی بہت سے عسریہ پیر کے زمانے گزرے۔ فاتح بھی ہوئے۔ مفتوح بھی ہوئے اور اُس حالت کی بھی پہنچے کہ جس میں وہ اب ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک انہوں نے اپنے زوال کے

اسباب پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ اگر غور کرتے تو اسباب معلوم ہو جاتے اور جب اسباب مرض معلوم ہو جاتے ہیں تو ازاں مرض تو دونوں کی بات رہ جاتی ہے مہینے بھی نہیں لگتے تاہم یہ ہم کیونکہ کہیں کہ غور نہیں کیا۔ اسباب زوال معلوم کرنے کی کوششیں تو اب نہیں بلکہ صدیوں پہلے سے جاری ہیں۔ لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مریض کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ اس سے ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ابھی صحیح تشخیص نہیں ہوئی۔ اب تک جتنا معلوم ہو سکا وہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے صحیح اسلام کو چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے اس قدر مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ علت اول تو نہیں ہے۔ یہ تو نتیجہ ہے کسی اور سبب کا۔ یہی تو مرض ہے کہ مسلمانوں نے شارع اسلام کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کو چھوڑ دیا ہے معلوم تو یہ کرنا چاہیے کہ صراطِ مستقیم کے چھٹنے کے کیا اسباب تھے۔ قبل اس کے کہ ہم آگے چلیں ہمیں یہ ایک معمہ حل کرنا پڑ گیا کہ مسلمانوں میں خدا کے فضل سے بڑے بڑے عالی دماغ لوگ گزرے ہیں۔ صدیوں سے یہ غور ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے کیوں اور کب صراطِ مستقیم کو چھوڑا۔ اور پھر صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتے۔ آخر اس رُکاوت کی کیا وجہ ہے۔ جب حکیم دیکھتا ہے کہ باوجود سخت ہونے کے جلاب کار گر نہیں ہوا تو وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ضرور کہیں سخت سدا اٹکا ہوا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی معلوم کرنا پڑا کہ یہ دماغی سدا کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اعتقادات جنہوں نے مذہب کا درجہ حاصل کر لیا ہے اس رُکاوت کا باعث ہیں۔ بہر صورت جہاں لوگوں نے کوشش کی ہم بھی کرتے ہیں۔

کیا فرض ہے کہ سب کے ایک جواب آؤں ہم بھی سیر کریں کہ وہ طور کی

اسلام مبنی ہے احکام قرآن اور اقبال رسول پر۔ اور ان دونوں کی طرف ہم مسلمانوں کے زوال معلوم کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں۔

### احکام قرآن

قرآن شریف نے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ صراطِ مستقیم کون سی ہے۔ مندرجہ ذیل

آیات غور طلب ہیں :-

(۱) وَلَا تَقْرَبُوا أَمْوَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا  
الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا تُكَلِّمُوا نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا جَ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا  
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ جَ وَيَعْتَدِ اللَّهُ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَصَلُّوا بِهِ لَعَلَّكُمْ  
تَتَذَكَّرُونَ ۗ وَإِنَّ كَهَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ جَ وَلَا تَتَّبِعُوا  
السَّبِيلَ فَتَقَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَلُّوا بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(سورة الانعام پارہ ۱۷ ع ۱۹)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ  
شَتَانُ قَوْمٍ عَلَىٰ آخَىٰ تَعْدُوا لُوَاطِئَ عَدُوِّكُمْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

(سورة المائدہ پارہ ۱۷ ع ۲)

(۳) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۗ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ  
عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ وَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

(سورة آل عمران پارہ ۱۷ ع ۱۱)

(۴) شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا  
إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ  
وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۗ (سورة الشوری پارہ ۱۷ ع ۲)

(۵) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ  
هُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۗ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ  
وَسُودٌ ۗ وَسُودٌ ۗ فَامَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ فَكَفَرْتُمْ بَعْدَ  
إِيمَانِكُمْ فَاذْكُرُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۗ (سورة آل عمران پارہ ۱۷ ع ۱۱)

(۶) وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ ۗ

(سورة الشوری پارہ ۱۷ ع ۲)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ

سُورَةُ الْبَيِّنَاتِ پارہ ۳۱ ع ۱

### ترجمہ

(۱) اور پیغم کے مال کے پاس بھی نہ جانا۔ مگر ایسے طریقے سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک

کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ ادر تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو

ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے لیکن اس کی طاقت کے مطابق۔ اور جب کسی کی نسبت کوئی

بات کہو تو انصاف سے کہو۔ اگرچہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔ اور خدا کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا

خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور یہ کہ یہ ہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ تم اسی پر چلنا۔

اس کے سوا اور راستوں پر نہ چلنا کیونکہ ان پر چل کر خدا کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔

(۲) اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جا یا کرو۔ اور

لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔ انصاف

کیا کرو۔ کیونکہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں

کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

(۳) اور سب مل کر خدا کی رہدایت کی، رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔

اور خدا کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے

دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

(۴) اُس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوح کو

حکم دیا تھا اور جس کی راے محمدؐ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ

اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اُس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

(۵) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے اور صریح احکام آنے کے بعد ایک

دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو رقیامت کے دن، بڑا

عذاب ہو گا جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔ تو جن لوگوں کے

منہ سیاہ ہو گئے ان سے خدا فرمائے گا، کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو اب



اس کفر کے بدلے غراب کے مزے چکھو ۛ

(۲) اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم (حق) آپکنے کے بعد۔ آپس کی ضد سے  
(ہوئے ہیں)

(۳) اور اہل کتاب جو متفرق (و مختلف) ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آنے کے بعد  
(ہوئے ہیں)

یہ ترجمہ مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کا ہے جو تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کے  
مطبوعہ قرآن شریف کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ ان آیات پر اچھی طرح  
غور کرو خود بخود نتیجے نکلتے چلے آئیں گے۔ قرآن شریف کی بلاغت اور  
جامعیت کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کی عبارت ظاہری معانی کی بھی حامل ہے  
اور باطنی و تمہیدی مطالب کو بھی برداشت کرتی ہے اور اس طرح دُنیا کی  
ترقی و رفتار کے ساتھ ساتھ قرآن شریف کی ہدایت جاری رہتی ہے۔ دن میں  
کئی دفعہ سورہ فاتحہ پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس میں ایک لفظ ہے رَبُّ الْعَالَمِينَ  
یہ اُس زمانہ میں بھی بامعنی اور قابل فہم تھا۔ جب اس دُنیا کے علاوہ کسی اور عالم سے  
لوگ واقف نہ تھے کیونکہ اس ہی ایک عالم یعنی دُنیا میں پرندوں کا عالم، چوپایوں کا  
عالم، جنوں کا عالم، سمندریں رہنے والوں کا عالم سینکڑوں عالم تھے اور لوگ  
ان سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ خداوند تعالیٰ ان سب کا رب ہے۔ اور اب کہ  
ہماری دُنیا کے علاوہ اور کئی عالم معلوم ہو گئے ہیں۔ بہت سے سیارے ہیں جن میں ہماری  
طرح کی مخلوق خدا آباد ہے۔ اس دُنیا کی طرح بہت سی اور دُنیا ہیں۔ جن کا  
نظام شمسی ہی علیحدہ ہے۔ ان سب کا رب ہمارا خداوند تعالیٰ ہے اور یہ لفظ اسی طرح  
پُر معنی ہے۔ اسی طرح اُوفا الکیل و المیزان بالفسط کو لو۔ یہ فقرہ بزازوں کے  
کپڑا ناپنے اور بنیوں کے دال چاؤل تولنے پر حاوی ضرور ہے لیکن ان پر ختم  
نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کے معنی یہ بھی ہیں کہ آپس کے معاملات میں لوگوں کو ذلت و  
حقارت اور آبرو و عزت کے ساتھ دیکھنے میں، اُن کے فضیلت و رذالت کے

مدارج مقرر کرنے میں، غرضکہ ہر اس چیز میں جو تم لوگوں کو دے سکتے ہو، خواہ وہ اجناس و اشیاء کی صورت میں ہو، خواہ وہ عزت و آبرو کی شکل میں ہو انصاف کے ساتھ میزان کر کے دو۔ یہ وہ میزان یا ترازو ہے جس میں اشیاء بھی ٹل سکتی ہیں بڑے بڑے محل و قصر بھی تولے جاسکتے ہیں اور اعمال بھی تکتے ہیں۔ میدانِ حشر میں جو ترازو نصب ہوگا اس میں تو فقط اعمال ہی تلیں گے۔ کتنی بڑی جہالت ہوگی اگر اس میزان کو تم بزاز اور بنٹے کی دکان ہی میں محدود کر دو گے اس تھیدی نوٹ کی روشنی میں ان آیات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :-

(۱) خداوند تعالیٰ کی صراطِ مستقیم عدل پر مبنی ہے۔ سب کے ساتھ عدل کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔ آپس میں عدل کرو یہاں تک کہ ایک دوسرے کو ذکر کرنے میں، روزانہ گفتگو میں بھی انصاف کے جلوہ سے انحراف نہ ہو۔ ایک طرف تمہارا دشمن ہو۔ دوسری طرف تمہارا قریبی رشتہ دار ہو۔ تب بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑو۔ خواہ اُس سے تمہارے رشتہ دار کو نقصان پہنچتا ہو۔ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کرو۔ لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا وِشْرًا وَلَا وِشْرًا نَفْسًا۔ اگر اپنے نفس سے اُس کی وسعت سے زیادہ اُمید رکھو گے تو وہ اُس کے ساتھ بے انصافی ہوگی و اعطانِ خوش الحان اور زاہدانِ شیریں بیان نفس کشی کی بہت تعریف کیا کرتے ہیں لیکن نفس کشی کے معنی سمجھ لینے چاہئیں۔ نفس کشی کے معنی کسی عضو یا خواہشِ فطری کو بالکل ہی پیکار کر دینے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک عضو، جذبہ، خواہشِ فطری کو اس کے حراعتِ عدل سے تجاوز کرنے کی اجازت نہ دینا اصلی نفس کشی ہے۔ اگر ایک پاؤ و عضو کو بالکل ہی مار دینا نیکی میں شامل ہوتا تو تمام اعضاء کو مار دینا زیادہ تر نیکی ہوتی۔ اور اسلام میں خود کشی ایک عمدہ شے تسلیم کر لی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جس کو مارنا ہے وہ ظلم کرنے کا میلان یا جذبہ ہے اور یہی اصلی اور مستحسن نفس کشی ہے۔ ہر ایک انسان ہر ایک دائرہ عمل میں

آیات کا حاصلِ ظلم

اصلی نفس کشی

خود آگے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے اور یہ ہی ظلم کی ابتداء ہے۔ جو شخص اپنے میں اور غیر میں انصاف مطلق کر سکتا ہے وہ ہی نفس کش ہے۔ خدا کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ اس خیال کو کیسے عمرہ فقرے میں ظاہر کیا ہے، **وَ اُوْتُوا بَعْدَ اللّٰهِ**، خداوند تعالیٰ کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش تم کو غیر اللہ کی پرستش کرنے سے باز رکھے گی تم معلوم کر لیگے کہ اصلی رب و خالق کے ساتھ کسی اور کو شامل کرنا خلاف انصاف ہے۔ جب ہی دیکھو قرآن شریف میں شرک کو ظلم عظیم اور مشرکین کو ظالمین کہا ہے۔ اگرچہ انصاف کا لفظ خداوند تعالیٰ کے متعلق کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا لیکن جو بحث ہم کر رہے ہیں اس کو ذہن نشین کرانے کے لئے اس فقرہ کا استعمال کرنا ناگزیر تھا۔ اگر تم نے انفرادی یا جماعتی حیثیت سے عدل کے راستہ سے انحراف کر لیا تو پھر خداوند تعالیٰ کی صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور مختلف راستوں پر پڑ جاؤ گے۔ یعنی مختلف فرقے پیدا ہو جائیں گے جو رکو۔ دیکھو کیسا نازک مسئلہ ہے۔ اگر بھائی بھائی نے آپس میں عدل نہ کیا اگر باپ نے بیٹے کے ساتھ اور بیٹے نے باپ کے ساتھ عدل نہ کیا۔ خاوند نے عورت کے ساتھ انصاف نہ کیا، عورت نے خاوند کا حق ادا نہ کیا۔ دوستوں نے آپس میں انصاف نہ کیا۔ یہاں تک کہ اگر محض گفتگو ہی میں انصاف کو چھوڑ کر کسی شخص غائب یا حاضر کے متعلق وہ باتیں کہیں جس کا وہ اہل نہیں ہے یا اس کو اس سے کم علم و فضیلت رکھنے والے کے مقابلہ میں گرا دیا۔ تو یہ سب باتیں عدل کے خلاف ہیں اور خداوند تعالیٰ کی صراطِ مستقیم سے ہٹا کر دوسرے غلط راستوں پر ڈال دینے والی ہیں۔ دیکھو قرآن شریف میں ظلم کی کتنی مذمت کی گئی ہے۔ **لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ۔ لَا یُنَالُ عہدِی الظّٰلِمِیْنَ۔** شرک ظلم عظیم ہے۔ عدل کی یہاں تک تاکید ہے کہ اگر تمہیں کسی شخص یا قوم سے نفرت و دشمنی بھی ہے تب بھی اس کے ساتھ انصاف کرو۔ بہترین تقویٰ عدل ہے امر واقعہ یہ ہے کہ عدل ہی ایک ایسی شے ہے جو دنیا کو بہشت کا نمونہ بناتی ہے

اور جس کے نہ ہونے نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ تو میں ایک دوسرے سے انصاف نہیں کرتیں۔ لڑائیاں ہوتی ہیں۔ دنیا آفت و مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ آپس میں انفرادی حیثیت میں انصاف نہیں کرتے۔ لوٹ مار ہوتی ہے۔ فساد ہوتا ہے۔ گھر کا امن چین رخصت ہو جاتا ہے۔ امیر غریبوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ ملک میں غریبی اور غریبوں میں بے چینی پھیل جاتی ہے۔ مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش اس ہی بے انصافی کا نتیجہ ہے۔ غریب امیروں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ لوٹ مار۔ ڈاکہ زنی۔ قتل و غارت اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دیکھو۔ امریکہ و یورپ میں طلاقیں کی کتنی بھرا رہے۔ ہندوستان میں طلاق کا رواج عام نہیں تو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہزاروں معصوم لڑکیوں کے گھر برباد ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی جوانی اور مرادوں کے دن بے بسی کی حالت میں اپنے ماں باپ یا بھائی کے گھروں میں گزارتی ہیں۔ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ جوانی کے عیش کو ترستی ہیں اور اگر ول کھڑا کر کے خاوند کے گھر میں ہی مرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو سانس کے طعنوں اور خاوند کی باتوں سے زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ یہ ساری خرابیاں کیوں ہوتی ہیں۔ ہزار ہا مخلوق خدا کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے عدل کو اپنی صراطِ مستقیم کہا ہے۔ اور ظالم کے لئے عذاب الیم کا حتمی وعدہ فرمایا ہے۔

دب (گمراہی اور تباہی و بربادی کا دوسرا سبب فرقہ بندی ہے۔ آپس میں ایک ہو کر رہنا اور مل کر خدا کے صحیح دین کی رسی کے ساتھ منسلک رہنا۔ یہی انسان کی حیات کا اصلی گڑھ ہے۔ پہلی نعمت جو خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں پر نازل کی وہ یہ تھی کہ ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا جناب رسول خدا نے کوشش کی کہ قبیلوں کا رشک و حسد جاتا رہے۔ رشتہ انوث قائم ہو گیا۔ آپس میں بھائیوں کی طرح مل کر رہنا خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ایک مستقل اور تائیدی حکم جو تمام

انبیاء یعنی نوح، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور جناب محمد مصطفیٰ کو دیا گیا وہ یہ تھا کہ دین کو قائم رکھیں اور آپس میں متفرق نہ ہو جائیں۔ یہی دائمی دین کا حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ اگر متفرق ہو گئے، آپس میں اختلاف کرنے لگے تو اپنے دین پر قائم نہیں رہے۔ صراطِ مستقیم چھوڑ دی، گمراہ ہو گئے۔

(رج) پہلی قومیں کیوں تباہ و برباد ہوئیں۔ اس وجہ سے کہ آپس میں اختلاف کر کے متفرق ہو گئے جو اختلاف باعث بربادی ہوا وہ اختلاف و تفرق تھا جو لوگوں نے خواہش نفسانی کی پیروی کر کے دینِ حقہ کی معرفت اور پیغمبر کی تعلیم کے بعد کیا۔ اس سے پہلے کے اختلاف یعنی زمانہ جاہلیت کے اختلاف کو پیغمبر بھیج کر دور کرنا خداوند تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لیا تھا۔ باعث عذاب وہ اختلاف ہوا جو اپنے پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم معلوم کرنے کے بعد لوگوں نے آپس میں کیا۔

سورہ ہود میں قوموں کی بربادی کے وجوہات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمارے متذکرہ بالا تخریر کی تصدیق ہوتی۔ قبیل بعد اللقوم الظالمین اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگ برباد ہو جائیں۔ قوم عاد کی بربادی کے سبب ان الفاظ میں بیان ہوئے ہیں :-

اور یہ (وہ ہی) عاد ہیں جنہوں نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا اور اسکے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش و متکبر کے حکم کی اطاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دنیا میں بھی لعنت انکے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی رگی رہے گی، دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اور خبردار ہود کی قوم عاد برباد ہو گئی۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَدُّوَابَايَاتِ رَبِّهِمْ  
وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ  
جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَاتَّبَعُوا فِي هَذَا  
الْكُفْرَانِ لَعْنَةَ وَبِئْسَ الْقِيَامَةُ لِلْآلِهَةِ  
إِنَّ عَادًا كَفَرُوا وَاسْتَكْبَرُوا  
بَعْدَ الْإِعَادِ قَوْمٌ هُوْدٌ -

اس حکم کی تاکید کی جاتی ہے کہ دیکھو پچھلی امتوں کی طرح متفرق نہ ہو جانا جنہوں نے آیات آنے کے بعد اور اپنے نبی کی تعلیم قبول کرنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا تھا۔ جو لوگ اسلام لانے کے بعد آپس میں اختلاف کرتے ہیں، فرقہ بندی پیدا

دین و حق انبیا اور انہی تعلیم سے اعراض

کرتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن عذاب دردناک ہے۔ اور یہ اختلاف کرنا گھر کرنے کے مساوی ہے۔ جب ہی تو خداوند تعالیٰ قیامت کے دن ان اختلاف کرنے والوں سے فرمائے گا کہ تم حق ظاہر ہونے کے بعد اور اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے لہذا اب اس وجہ سے عذاب دردناک کے مزے چکھو۔ پہلے زمانہ کے لوگ یعنی ائم سابقہ نے جن کے پاس کتاب آئی تھی ایسا ہی کیا تھا کہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد اسلام لاتے تھے بعد، وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ دین میں تفرقہ پیدا کر دیا۔ لہذا ان پر عذاب نازل ہوا۔

اس ساری بحث کا نتیجہ نکلا کہ قرآن شریف کی رو سے اقوام عالم کے تنزیل کے اسباب یہ ہیں :-

- ۱) ظلم اور ظالم بادشاہیوں کی اطاعت
- ۲) اپنے پیغمبر کی نافرمانی کرنا اور دین کی مرکزیت سے انحراف کرنا
- ۳) آپس میں اختلاف کرنا اور ایک قوم و ملت کا مختلف فرقوں میں منقسم ہو جانا

### اقوال رسول

ان احکام قرآنی کی تعمیل میں اُمتِ اسلامیہ کو افتراق اور اختلاف سے بچانے کے لئے جناب رسول خدا نے اپنی اُمت کے واسطے ایک مرکزیت قائم کی اور اس کے ساتھ تمسک کرنے کو اپنی اُمت کو ہدایت کی۔ آپ کی ساری نبوت کے زمانہ کا یہی سبق رہا ہے۔ اور آخر میں جب آپ نے اپنی آنے والی موت سے مقامِ غدیر خم پر اپنی اُمت کو آگاہ کیا تو وہاں آپ نے فرمایا :-

کافی وعبیت قاجبت اینی تزکت  
فیکم الثقلین احد ہما اکبر  
من الہ خر کتاب اللہ وعترتی  
اہل بیتی فانظروا کیف تخلفونی  
فیہا لن یفترقا حتی یروا علی

میری جلی بارگاہِ الہی میں ہوئی ہے اور میں نے  
بیک کہہ دی ہے میں تمہارے درمیان دو  
عظیم الشان گران بہا چیزیں چھڑے جاتا ہوں  
وہ دو بڑی عظمت میں مساوی ہیں۔ قرآن کریم  
اور میری عترت میری اہل بیت دیکھیں

الحوض ما ان تمسکتہ بھساک  
 لن تصنلوا بعدی ابدًا۔  
 میرے بعد تم ان دونوں سے کیسا سلوک کرتے ہو۔  
 وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے  
 حتیٰ کہ میرے پاس قیامت کے دن حوض کوثر پر دونوں ساتھ ساتھ وارد ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو  
 پکڑے رہے تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہو گے۔  
 اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو بازو سے پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپ کے بغل کی  
 سفیدی نظر آنے لگی اور فرمایا:-

یا ایہا الناس ان الله مولائی  
 وانا مولی المؤمنین وانا اولی  
 بهم من انفسهم فین کنت  
 مولاه فہذا علی مولاه اللہ وال  
 من والاه وعاد من عاداه  
 وانصر من نصره واخذل  
 من خذله۔  
 اے لوگو! خداوند تعالیٰ میرا حاکم و آقا ہے اور میں  
 مومنین کا حاکم و آقا ہوں اور ان کی جانوں کا مالک ہوں  
 پس جس کا میں حاکم و آقا ہوں اس کا یہ علی حاکم و  
 آقا ہے۔ خداوند داد و دست رکھے اس کو جو علی کو  
 دست رکھے اور دشمن رکھے اس کو جو دشمن رکھے  
 مدد کرے اس کی جو علی کی مدد کرے۔ چھوڑے اس کو  
 جو علی کو چھوڑے۔

اس کا ہی موبد آنحضرت کا ایک اور قول ہے اپنے ارشاد فرمایا کہ انا مدینۃ  
 العلم وعلیٰ بابھا۔ من اراد العلم فلیات الباب یعنی میں علم کا شہر ہوں  
 اور علی اس شہر علم کا دروازہ ہے۔ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ اس دروازے  
 سے آئے۔ ایک نہایت عمدہ مرکزیت اس فقہ اور دین کے لئے قائم ہو گئی جو جناب  
 رسول خدا لائے تھے۔ مکان کا دروازہ ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ علم صرف  
 علی ہی کے پاس ہے۔ ان سے مل سکتا ہے۔ کیسے موثر الفاظ میں اور کس عقلمندی کے  
 ساتھ آنحضرت نے اپنی امت کے لئے وہ مرکزیت قائم کر دی جس پر قائم  
 رہنے کا حکم قرآن شریف میں اس تاکید کے ساتھ آیا تھا۔ اسلام میں دین و  
 حکومت ایک دوسرے کے ساتھ نساک ہیں اعتقادات کے لئے قرآن شریف  
 اور اس کی صحیح تاویل سمجھانے، اس پر عمل کر کے دکھانے اس کے اوامر و نواہی پر

تعمیل کرانے اور اس حکومت الہیہ کو چلانے والوں کو بھی مقرر کر دیا۔ دین کے لئے بھی مرکزیت قائم ہو گئی۔ حکومت کے لئے بھی مرکزیت مقرر ہو گئی۔ ہم نے "البلدغ المبین" باب دو از دہم میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ لوگ اس بارِ عظیم کے اٹھانے کے قابل تھے اور ان کے سوا کوئی اور شخص اُمتِ محمدیہ میں اس بارِ عظیم کو نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جناب رسولِ خدا نے محض ہوائے نفسانی سے اپنے خاندان میں حکومت کو مستقل کرنے کے لئے یہ نہیں فرمایا تھا۔ یہاں یہ دکھانا مطلوب ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دینی و سیاسی مرکزیت پر متحد رہنے کا حکم اسی تاکید کے ساتھ دیا جس تاکید کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور جناب رسولِ خدا نے اُس مرکزیت کا پتہ بتا دیا۔ تشریح کر دی۔ جس طرح آنحضرت نے طریقہ نماز و دستبند زکوٰۃ کی تفصیل و تشریح کر دی۔ قرآن شریف میں تو ان کے لئے حکم ہی دیا گیا ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ کس طرح نماز پڑھو اور زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے۔

قرآن شریف نے جو اپنی زبان میں اقامتِ عالم کے تنزل اور بربادی کے اسباب بیان کئے ہیں، یعنی ظلم، نافرمانی رسول اور افتراق، یہ وہ اسباب ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے تجربے میں آچکے ہیں اور ہر زمانہ کے حکماء و مدبرین اس ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابتدائے عالم سے اب تک ہر ایک قوم کے تنزل کے اسباب یہ ہی رہے ہیں اور رہیں گے۔ وہ اپنی زبان میں ان کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔ ظلم، انحراف از مرکزیت اور افتراق۔ لیکن اس قوم کے تنزل کے اسباب کی تحقیقات کرنے میں جس کی قومیت جغرافیائی حدود پر نہیں بلکہ مذہب اور مذہب بھی الہامی مذہب پر مبنی ہے۔ ہم کو انحراف از مرکزیت کے بجائے عصیانِ رسول ہی کہنا پڑے گا۔ اس امر کے ماننے میں دریغ نہ ہو کہ چاہیے کہ یہ اسباب کچھ اسلام یا مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر قوم و ہر ملت پر حاوی ہیں اور ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ قوموں کا نشوونما اور انحطاط قوانین قدرت کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور قوانین قدرت کے متعلق قضائے



ربانی صادر ہو چکی کہ وہ اٹل رہیں گے۔ وَلَوْ تَجَدَّدْنَا لَأَنَّ اللَّهَ تَبَدَّلَ إِسْمًا آگ  
 مسلمان کا گھر بھی اسی طرح جلائے گی جس طرح کافر کا۔ اگر وہ یاسین بغیر اصول غواہی  
 معلوم کیے چلے گا تو مسلمان بھی اسی طرح غرق ہو گا کہ جس طرح کافر۔ اگر عیش و عشرت  
 میں مشغول ہو جانا کافروں کی تباہی کا باعث ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کو بھی برباد کرے گا،  
 ایک مرکزیت پر متحد رہنا اور تفرقہ و اختلاف سے بچنا عقل انسانی کا وہ صحیح و  
 اٹل فیصلہ ہے جو اس وقت بھی صحیح تھا کہ جب بنی نوع انسان نے اپنی زندگی کا  
 پہلا قدم اٹھایا تھا، جو اب بھی صحیح ہے۔ اور جو بنی نوع انسان کی زندگی کے  
 آخری لمحہ تک صحیح رہے گا۔ قوموں، جماعتوں اور ملتوں کی طاقت، شوکت و عظمت کا  
 پہلا گڑ یہ ہے کہ ان میں ایک مرکزیت ہو۔ ان کے افراد مل کر رہیں اور آپس میں  
 مختلف اور متفرق نہ ہو جائیں۔ سلطنتوں کے بگڑنے، خاندانوں کے برباد ہونے  
 اور ملتوں کے پریشان ہونے کا پہلا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان کا ایک راہنما نہیں  
 رہتا اور افراد آپس میں متفرق ہو جاتے ہیں۔ تفرقہ و اختلاف کے مضرت رسال  
 نتائج ایسے صریح و واضح ہیں کہ اس اٹل و فطری قانون اجتماع کے بیان کرنے کی  
 بھی ضرورت نہ ہوتی اگر لوگوں کی خواہشات نفسانی و ذاتی درمیان میں آن کران کو  
 اندھا اور جماعت کے ذمہ سے لاپرواہ و غافل نہ کر دیا کرتے۔ چنانچہ قرآن شریف  
 نے اس فطری و اٹل قانون پر زور دینے کی وجہ بھی بیان کر دی اور بتا دیا کہ  
 پہلی قوموں نے ذاتی و نفسانی خواہشات افراد کی وجہ سے اس اصول کو چھوڑ دیا  
 تھا اور اسی وجہ سے وہ قومیں برباد و معدوم ہو گئیں۔

چونکہ مرکزیت قوم و ملت کی جان ہوتی ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ مرکزیت صحیح ہو،  
 قوی ہو، ذکی و فہیم ہو، ہر ایک مشکل میں صحیح فیصلہ کرنے کی قابلیت اس میں ہو۔  
 عدل کرے، ظلم و خواہشات نفسانی سے بری ہو۔

اب اس کے آگے اسلام میں اور موجودہ سیاست میں اختلاف ہے  
 موجودہ تہذیب و سیاست یہ کہتی ہے کہ بنی نوع انسان کی تقسیم قوموں سے

ہونی چاہیے۔ اور توہیں جغرافیائی حدود سے محدود ہونی چاہئیں۔ مثلاً انگلستان کی انگریزی قوم۔ فرانس کی فرانسیسی قوم۔ ہالینڈ کی ڈچ قوم، وغیرہ وغیرہ اور اس قوم کی رہنمائی اور حکومت ایک جماعت کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جس کو اس ملک کے لوگ منتخب کریں۔ ان کے یہاں یہ جماعت ہی مرکز ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں یہ درست نہیں ہے۔ جتنی زیادہ قومیں ہوں گی اتنی ہی زیادہ عداوتیں و دشمنیاں ہوں گی اور وجوہات فساد و جنگ زیادہ ہو جائیں گے۔ نئی نوع انسان کو اس طرح تقسیم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ایک خدا، ایک مخلوق، سب بھائی بھائی ہوں کیوں نہ ساری نئی نوع انسان کے لئے ایک ہی مرکز ہو۔ اور وہ مرکز نہ ہر سب ہو نا چاہیے۔ اور نہ ہر سب ایسا ہونا چاہیے جو دین فطرت ہو۔ اور تمام نئی نوع انسان پر حادی ہو سکے۔ اور اس مرکز کا چلانے والا ایک ہو تاکہ احکام و اصول حکومت میں آپس میں اختلاف ہو کر تفرقہ نہ پڑ جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جغرافیائی حدود کے اختلاف سے زبان و طرز معیشت و طرز تمدن میں لوگوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ لہذا مقامی ضرورتوں کے لحاظ سے حکومتیں مختلف ہوں لیکن وہ سب حکومتیں مرکز کے ساتھ وابستہ اور اس کے احکام کی مطیع ہوں۔ یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ امریکہ کی مختلف ریاستیں اور پھر ان کا ایک مرکز کے ساتھ منسلک ہونا اور اس نظام کا نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چلنا ظاہر کر رہا ہے کہ یہی نظام ایک بڑے پیمانہ پر بھی کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اگر دنیا کی تقسیم ہونی ہی ہے تو جغرافیائی تقسیم نا انصافانہ ہے، کسی مستقل اصول پر مبنی نہیں۔ اس کی تقسیم فطرتی اصول پر عادلانہ طریقہ سے کرنی چاہیے۔ جب ہم دنیا پر نظر غور ڈالتے ہیں تو اسکو دو حصوں پر منقسم پاتے ہیں، خیر و شر، روشنی و تاریکی، حق و باطل۔ یہ ہیں وہ دو چیزیں جو دنیا کو دو حصوں میں قدرتی طریقہ پر تقسیم کرتی ہیں۔ مختلف ممالک مثلاً انگلستان، آئس لینڈ، نیٹال اور ہندوستان کے نیک لوگ خوشی کے ساتھ اچھی طرح آپس میں مل کر رہ سکتے ہیں۔ ایک ہی ملک وطن کے نیک و بد لوگ آپس میں مل کر

اصل تقسیم صرف خیر و شر سے ہونی چاہیے۔

خوش اسلوبی و اطمینان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ نتیجہ نکلا کہ قدرتی تقسیم حق و باطل سے ہوتی ہے نہ کہ دریاؤں اور پہاڑوں سے۔ حق کی طرز و روش تمام دنیا میں ایک ہی ہوگی خواہ زبان و تمدن ملک بہ ملک مختلف ہو۔ باطل کی ادا ایک ہی ہوگی خواہ کسی لباس میں ہو۔ اس ہی خیال کو اس جملہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ الکفرۃ مدلۃ واحداۃ اسلام نے دعویٰ کیا کہ میں دنیا کا آخری مذہب حق ہوں۔ دنیا کو چاہیے کہ میری پیروی کرے اور جب تک دنیا اس نظریہ پر متحضر نہ ہو جائے اس وقت تک دنیا کی تقسیم صرف مسلم و غیر مسلم سے ہوگی۔ بے جان و بے روح دریا و پہاڑ نہیں تقسیم کر سکتے ہیں ممکن ہے ہماری اس تحریر سے پھر اس خیال میں جان پڑنے لگے کہ مسلمانوں نے اس ہی مطمح نظر کے ماتحت دنیا میں اسلام کو بدو و شمشیر پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ جس مذہب کا اصول یہ ہو کہ لا اکواۃ فی الدین راہبین میں جبر جائز نہیں) وہ کس طرح گوارا کرے گا کہ اپنے تئیں لوگوں سے شمشیر کی لوک پر قبول کروائے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جناب شارع اسلام کی رحمت کے بعد جو حکومت مدینہ میں قائم ہوئی اُس نے اندرونی سیاسی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اپنے سپاہیوں کو روم و ایران پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور یہ حملہ بغیر کسی وجہ کے تھا۔ اُن ملکوں نے اس وقت کوئی وجہ خصوصیت نہیں دی تھی۔ لیکن یہ حملہ اسلام کو پھیلانے کے لئے اس مطمح نظر کے ماتحت نہ تھا جو ہم نے بیان کیا ہے بلکہ اپنے اغراض سلطنت کے واسطے اور اپنی حکومت کو مستقل، مستحکم اور ہر دلعزیز بنانے کے لئے تھا۔ جو حملہ و یورش کہ اصول اسلامی کے خلاف ہو اُس کو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد اسلام پھیلانا تھا۔ ان لڑائیوں سے اسلام نہیں پھیلا۔ بلکہ اسلام میں امپیرلزم پیدا ہوا اور وہ پھیلا۔ اور یہ امپیرلزم شارع اسلام کے فناء کے بالکل خلاف تھا اس کی مثال بعینہ ویسی ہے کہ جس طرح سوڑھوں صدی عیسوی میں اپنی اندرونی ضرورتوں سے مجبور ہو کر یورپ کے ممالک نے یورپ کے باہر دیگر ممالک میں اپنے تئیں پھیلا یا اور کالونیاں قائم کیں۔ اور اس طرح

اسلام میں امپیرلزم کو پھیلانے کے فناء کے خلاف

اُن کا وہ امپیرلزم دُنیا پر چھایا جو آج کو مایہ ناز نہیں بلکہ فبیغِ فساد ہے فرق اتنا ہے کہ عرب بہادر تھے۔ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان ملکوں پر فوج کشی کی جو قدامتِ سامانِ حرب و اسبابِ جنگ میں ان سے بڑھ کر تھے۔ اور ان کو گرایا۔ ان کے گناہ میں بھی ایک قسم کی جا ذہیت تھی۔ یورپ والے عیش پسند تھے۔ موت سے ڈرتے تھے۔ خود اپنے ملک میں بیٹھے رہے۔ پہلے پہلے اپنے ملائوں، سیاہوں اور سوداگروں کو اُن وحشی ممالک کی طرف بھیجا جہاں وہ آسانی سے قبضہ کر سکیں۔ وہ گئے اور بغیر لڑائی کے محض جھنڈا گاڑ کے قابض ہوتے گئے۔ اور جب زمین ہموار ہو گئی اور کوئی خطرہ نہ رہا تو مرا آئے اور اپنی حکومت قائم کر لی۔ اگر امپیرلزم کا امپیرلزم سے مقابلہ کیا جائے تو مسلمانوں کے امپیرلزم کی ابتداء نہایت شاندار، بہادرانہ اور آنکھوں کو اپنی چمک سے خیرہ کرنے والی تھی اور یورپ کے ممالک کا امپیرلزم چوروں کی طرح شروع ہوا۔ اور ڈاکوؤں کی طرح ختم ہو رہا ہے۔ یہ جنگھائے عظیم کیا ہیں۔ ڈاکوؤں کا مال غنیمت کی تقسیم پر آپس میں لڑنا۔ غریب اور کمزور قوموں سے جو مال و حقدی چھینے تھے اُس کی تقسیم ٹھنڈے دل سے نہ کر سکے۔ آپس میں لڑ پڑے۔ بہر صورت مسلمانوں کا امپیرلزم کتنا ہی شاندار ہو۔ تھا تو امپیرلزم ہی۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مسلمان مورخوں کو بہت وقت محسوس ہوئی ہے۔ اعتراض کا تعلق تو مسلمانوں کی اُن فتوحات سے ہے جو آنحضرتؐ کے بعد ہوئیں۔ اور یہ مسلمان مورخین مثلاً مولوی شبلی جواب دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے زمانہ کی جنگوں کا نمونہ پیش کر کے۔ خلافت کے زمانہ کی لڑائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کتراتے ہیں۔ یہ مضمون نہایت دلچسپ ہے اور اس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

## باب دوم

جناب پیغمبر اسلام نے کس قسم کا نظام حکومت قائم کیا تھا

اور اُس میں قیام مرکزیت کا کیا انتظام تھا

یہ امر واقعہ اب محتاج دلائل نہیں رہا کہ جناب پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ کی نبوت میں حکومت شامل تھی۔ اور دنیا میں حکومت الہیہ قائم کرنا آپ کے مقاصد نبوت میں سے ایک مقصد تھا۔ حکماء و مدبران فرنگ کا یہ خیال کہ حکومت پر مذہب کا اثر نہ ہونا چاہیے۔ یعنی حکومت و مذہب کا اجتماع ناموزوں ہے اسلام کے لئے ناقابل قبول ہے۔ بلکہ زمانہ وسطیٰ کے رہنما یان مذہب عیسوی بھی اس تخیل کے خلاف تھے۔ اور پاپائے اعظم کو ملکہ ملّت کا حاکم سمجھتے تھے وہ ہر ایک عیسائی بادشاہ کو تاج خود عنایت کیا کرتا تھا جس رسم کو روینشن کہتے تھے۔ اور ہر ایک بادشاہ کو اُس کا حکم ماننا ضروری تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے مذہب میں حکومت شامل نہ تھی۔ اور پوپ کا یہ قائم کیا ہوا نظام آخر کار ختم ہو گیا اور اُس کے بجائے اُس تخیل نے جگہ لے لی جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہم نے اس مضمون پر نہایت تفصیل و تشریح کے ساتھ اپنی کتاب 'البلوغ المبین' میں بحث کی ہے۔ یہاں اُس کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مشیتِ ایزدی فیصلہ کر چکی تھی کہ اس اسلامی حکومت الہیہ کی مرکزیت پر آل رسول کو قائم کیا جاوے۔ اہل بصیرت کے لئے اُس مشیت کا اظہار اُس ہی دن ہو گیا تھا کہ جس دن کارکنانِ قضا و قدر نے حضرت علیؑ کی پیدائش کا انتظام عین خدا کے گھر میں کیا۔ اور اُس ہی مشیت کی تعمیل میں جناب رسول خدا حضرت علیؑ کو ان کی عمر کے چوتھے سال ہی میں اُن کے والدین کے گھر سے لے آئے۔ تاکہ امامت کی پرورش و نشوونما نبوت کے زیر نظر ہووے! القاء نبوت

کے بعد ہی فوراً دعوتِ ذی العشرہ کے موقع پر جو صریح حکم الہی کے ماتحت پہلائی گئی تھی۔ اس مرکزیت کا اعلان نہایت صاف اور صریح الفاظ میں کر دیا گیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے وقتاً فوقتاً اپنے افعال اور اقوال سے تمام اُمتِ اسلامیہ پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ آپ نے اس نظامِ حکومت کے لئے اپنے بعد اپنا جانشین جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو مقرر فرما دیا ہے۔ آخر کار ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری مطابق ۲۱ مارچ ۶۳۲ء کو حجۃ الوداع کی واپسی پر بمقام غایہ پر ختم تمام اُمت کے سامنے منبر پر تشریف لے جا کر اور حضرت علی کو ہاتھوں سے بلند کر کے ان الفاظ میں اس جانشینی کا اعلان فرمایا:-

کافی دعیت فاجبت انی ترکت  
فیکم الثقلین احدھما اکبر من الآخر  
کتاب اللہ وعائرتی اھل بیتی  
فانظر واکیف تخلفونی فیہما لن  
یفترقا حتی یرد علی الخوض  
ما ان تمسکتھم بہما لن تضلوا بعداے  
ابداء۔ یا ایہا الناس ان اللہ مولا  
وانا المولیٰ المؤمنین وانا ولی بہم  
من انفسھم فمن کنت مولا فھذا  
علی مولا اللہم وال من والاہ  
وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ  
واخذل منخذلہ۔

میری طلبی بارگاہِ الہی میں ہوئی ہے اور میں نے  
لیٹیک کہہ دی ہے۔ میں تمہارے درمیان دو عظیم نشان  
گراں بہا چیزے چھوڑے جا تا ہوں عظمت میں دووں  
مساوی ہیں۔ قرآن کریم اور میری عمرت میرے  
اہلبیت۔ دیکھیں میرے بعد تم ان دونوں سے  
کیسا سلوک کرتے ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے  
سے جدا نہ ہونگے حتیٰ کہ میرے پاس جو خن کوثر پر  
قیامت کے دن وارد ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو  
پکڑے رہے تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ  
ہو گے۔ اے لوگو! خداوند تعالیٰ میرا مولا یعنی  
آقا و مالک ہے اور میں مؤمنین کا مولا ہوں۔  
اور ان کی جانوں کا مالک ہوں۔ پس جس کا

میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ خداوند دوست رکھ اُس کو جو علی کو دوست رکھے  
اور دشمن رکھ اُس کو جو دشمن رکھے۔ مدد کر اُس کی جو علی کی مدد کرے اور چھوڑ دے  
اور ذلیل کر اُس کو جو علی کو چھوڑ دے

ان امور کو ہم نے بہت شرح و بسط کے ساتھ ہر ممکن ثبوت کے ذریعہ سے اپنی کتاب البلاغ البین کی دو ضخیم مجلدات میں ثابت کیا ہے جن کی ضخامت دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہاں اس تمام شہادت کا از سر نو اعادہ کرنا اور اس تمام بحث کو مکرر بیان کرنا، ان تمام دلائل کو پھر دہرانے کا فائدہ ہے۔ ہمارے یہ کتاب وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں البلاغ البین ختم ہوئی تھی اور اس کتاب کو وہ ہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو البلاغ البین کا پہلے مطالعہ کر چکے ہیں لہذا ہم اپنی بحث کو اس مرحلے سے آگے چلاتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے حضرت علی کو شروع رسالت ہی سے اپنا ولیعہد مقرر فرمایا تھا اور اس جانشینی کا باضابطہ اعلان غریبہ خم کے مقام پر ۱۸ ذی الحجہ مناسبت ہجری کو کر دیا۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ جناب رسول خدا نے کیسا نظام مقرر فرمایا تھا ہمیں قرآن شریف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور اپنی عقل پر بھی زور دینا پڑے گا۔ اسلام اور اسلامی حکومت کی مرکزیت کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ مرکزیت اس وقت ہی بہترین صورت میں کام کر سکتی ہے کہ اس کا کارفرما ایک عالی دماغ ہو۔ ایک سے زیادہ حکومت کرنے والے مرکزیت اور اتحاد کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت میں مختلف حکمرانوں کے لئے مختلف محکمے ہوتے ہیں۔ ہر ایک محکمہ کا ایک حاکم ہوتا ہے اور وہ اس کو اچھی طرح چلاتا ہے۔ لیکن اس پر مزید غور کیجئے۔ کبھی برابر کے دو حاکموں کا تخیل ایک راستہ پر نہیں چلتا۔ دونوں کے نظریہ میں کہیں نہ کہیں اختلاف ہو جاتا ہے اور اختلاف مرکزیت کا دشمن ہے۔ جمہوریت میں بھی ایک ہی پریمیر یا وزیر اعظم رکھنا پڑتا ہے جو سب کے اختلافات کو مٹا کر مرکزیت قائم رکھے۔ لہذا اسلامی سلطنت کے لئے ضروری ہوا کہ ایک حاکم ہووے۔ چنانچہ قرآن شریف نے جو حکومت الہیہ قائم کی اس کے لئے محض ایک شخص کو حاکم مقرر کیا اور رعایا کو حکم دیا کہ اس کی بے چون و چرا اطاعت کرے۔ مندرجہ ذیل آیات ہلا حفظ ہوں :-

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مَوَدَّةٍ إِذْ أَقْبَضَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا  
أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
فَقَدْ ضَلَّ صُلَاً لَا مَبِيَّتَ لَهُ رِوَاةُ مَلِكٍ سُوْرَةُ الْأَحْزَابِ ع ۵

ترجمہ :- (جماعت اسلامیہ میں سے) کسی مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا و رسول  
کچھ حکم دیدیں تو پھر ان کے لئے اس میں کچھ اختیار باقی رہے۔ اور جو خدا و رسول کی نافرمانی  
کرنے کا وہ گمراہ ہوگا ۔

(۲) فَلَا وَرَيْكَ الْيَوْمِئِذٍ حَتَّى يُنْفِثُوا كِسْفًا مِمَّنْ يَبْنُونَ  
تَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْئَلُوكَ الْإِسْلَامَ رِوَاةُ مَلِكٍ سُوْرَةُ النَّسَاءِ ع ۹

ترجمہ :- تمہارے پروردگار کی قسم، یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تم کو حاکم  
بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم  
کر لیں تب تک یہ مومن نہ ہونگے ۔

اسلام کی اور ایمان کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی اطاعت  
لے چوں و چرا کریں اور جو حکم رسول صادر کر دے پھر اس میں کسی کو کچھ اختیار  
باقی نہیں رہتا۔ یہ بھی صاف کر دیا ہے کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت میں  
مضموم ہے۔ یعنی رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے  
اور نہایت عظیم الشان قسم کے ساتھ اس امر واقعہ کا اظہار کیا جاتا ہے کہ  
ان لوگوں کے ایمان کی شرط ہی یہ ہے کہ اپنے تمام تنازعات کے فیصلہ کے  
لئے اپنے حاکم یعنی رسول کی طرف رجوع کریں۔ ابھی معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا  
بلکہ ایک اور شرط ہے اور وہ یہ کہ جو فیصلہ رسول کر دے اس کو قبول کریں اسکی  
اطاعت کریں بلکہ دل میں بھی اس کی طرف سے ناخوشی نہ ہوں۔ یہ ہے  
اطاعت کامل۔ اور یہ حکم رسول ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جیسی اور جس طرح  
رسول کی اطاعت واجب ہے اسی طرح اس کے بعد اس کے اصلی نائب کی  
اطاعت ضروری ہے۔ وجہ ظاہر ہے دونوں حاکم و والی ہیں اور حکومت کے لئے



اطاعت کی ضرورت ہے ارشاد ہوتا ہے :- **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ**  
**وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَادُّوْا إِلَى اللَّهِ تَحْتِمْكُمْ**۔ (پارہ ۵ سورۃ النساء ع ۸) یعنی اے  
لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اس کے بعد  
صاحبان امر کی۔ صریح ہے کہ حکومت الہیہ کے لئے ایک ہی شخص حاکم مقرر کیا گیا ہے بلکہ  
ایک ہی ملک میں ایک سے زیادہ حاکموں کو موجب فتنہ و فساد قرار دے کر اس  
اٹل و فطری قانون قدرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو حکماء نے اس طرح  
ظاہر کیا ہے کہ دریک اقلیم دو بادشاہ نہیں گنجن۔ ارشاد ربانی ہے :- **كُوِّنَ**  
**فِيهِمَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ كَفَسَدَتَا**۔ (پارہ ۱ سورۃ الانبیاء ع ۲) یعنی اگر زمین و آسمان میں  
ایک خدائے حقیقی کے سوا کئی خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام بگڑ کر فساد پڑ جاتا۔ یہ بحث  
ہے خدائی وحدانیت کے ثبوت میں۔ لیکن اس کا اطلاق حکام حکومت الہیہ کے اوپر بھی  
ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں میں حکومت جزو مشترک اور وجہ مشابہت ہے :-

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حکومت الہیہ کے حکام  
کیسے ہونے چاہئیں۔ یہ سوال بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس پر ہی عدل و انصاف  
اور ظلم و جبر کا انحصار ہے۔ اس سوال کو بھی ہم قرآن شریف ہی سے حل کرتے ہیں۔  
قرآن شریف میں ظلم کی مذمت شرک کے بعد نہایت ہی سخت الفاظ میں کی گئی  
ہے۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ ظالم ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور صاف  
فرما دیا ہے کہ **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ**۔ میری حکومت و امامت و خلافت میں  
ظالموں کا حصہ نہیں ہے۔ ظلم بادشاہ کے ارادہ اور نیت ہی سے نہیں ہوتا بلکہ  
جہالت سے بھی ہوتا ہے۔ ظلم ظلم ہی رہے گا خواہ بادشاہ کی جہالت و نااہلیت  
سے ہو یا اس کے ارادہ و نیت سے ہو۔ حکومت کی وجہ ہست و بود ہی یہ ہے  
اور اس کا فرض اولین یہ ہے کہ رعایا پر نہ خود ظلم کرے اور نہ ان میں سے  
کسی فرد پر ظلم ہونے دے۔ یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ نے  
حکومت الہیہ کے حکام کی بے چوین و چر اطاعت مطلقہ کا حکم دے کر اور اس کو

نذہب میں شامل کر کے اپنی ذات کے اوپر بھی کچھ بات لے لی۔ اور وہ یہ کہ حکومت الہیہ کے حکام وہ خود منتخب و مقرر کرے اور ان کا علم ایسا وسیع اور انہماک فی اللہ ایسا مطلق ہو نا چاہیے کہ ان کے ایک حکم سے بھی کسی ایک فرد کے اوپر ظلم نہ ہو۔ ورنہ وہ ظلم خداوند تعالیٰ کی طرف راجع ہو گا اور بندوں کی محنت خداوند تعالیٰ پر قائم ہو جائے گی۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ جنگل کے ویرانہ میں، آدھی رات رادھر آدھی رات اُدھر، دو آدمی آپس میں کسی بات پر لڑتے ہیں۔ اور ایک قتل ہو جاتا ہے۔ مقدمہ حاکم اسلام کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ نہ گواہ نہ شاہد، ملزم جس طرح جی چاہتا ہے بیان دیتا ہے۔ حاکم عدم ثبوت میں چھوڑ دیتا ہے۔ حق مقتول اور اس کے ورثہ کی طرف ہوتا ہے یا حاکم ملزم پر دیتا ہے اور حق ملزم کی طرف ہوتا ہے مقتول تنازعہ میں ناحق پر تھا۔ ملزم کے سینہ پر چھرا لے کر چڑھ بیٹھا کہ قتل کرے بچانے والا مارنے والے سے زیادہ طاقتور ہے۔ اتفاقاً چھرا ہاتھ سے گرتا ہے۔ ملزم اٹھتا ہے اور قتل کر دیتا ہے۔ یا وہ ہی مقتدمات لو جو حضرت عمر، حضرت علی کے پاس لے گئے اور جب انہوں نے صحیح فیصلہ کر دیا تو حضرت عمر نے فرمایا: -

لوک اعلیٰ لہلک عمہا، اللہم لا تبقتی لمعضلۃ لیس لہا ابو الحسن حضرت علی نہ ہوتے تو حضرت عمر غلط فیصلہ کر دیتے۔ ان تمام حالات میں جب منظر مسلم روزِ حشر خدا کے سامنے پیش ہو کر شکایت کرتے تو ان کی شکایت بجا ہوتی۔ اگر

۱۔ ریاض النضرۃ البحرینۃ، باب التاسع فصل السادس ص ۱۹۲، ۱۹۴ \*  
 ابن عبد البر: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب البحرینۃ ص ۲۷۲ ترجمہ علی  
 ابن سعد: طبقات الکبریٰ ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۲ \*  
 سید مومن شیبلی: نورا البصار ص ۱۰۰، ۱۰۱ \*  
 محمد بن طلحہ الشافعی: مطالب السؤل الفصل السادس ص ۱۰۰ \*  
 ابن ابی الحدید: شرح نوح البلاغۃ البحرینۃ ص ۹۰ \*

بارگاہ الہی سے جواب ملتا کہ حاکم کی نیت تو خراب تھی نہیں۔ اُس نے اپنے مبلغِ رسول کے مطابق فیصلہ کیا۔ صحتِ فیصلہ کا وہ ذمہ دار نہیں تو یہ سارے مظلوم ہاتھ باندھ کر عرض کرتے کہ بار الہا پھر ایسے حاکم کے متعلق جس کا مبلغِ رسول علم اتنا ہو کہ جتنا تو نے دیکھا۔ تو ہمیں کیوں حکم یا گیا کہ اطاعت مطلق اس کی کر دو۔ اگر تو یہ نہ فرماتا تو ہم تو اس سے دُشیا ہی میں نہرت لیتے۔ ہم تو تیرے بندہ ہیں کچھ زبان سے لفظ نہیں نکال سکتے۔ جو حاکم غلط حکم سے تو اس کے غلط احکام کی ذمہ داری تو اس ذات پر عائد ہوتی چاہیے جس نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ تو ہی خود بتا دے کہ اگر ہم کسی جاہل، نالائق یا نااہل کو لوگوں پر حاکم مقرر کر کے کہتے کہ تم اس کی ہر بات کی اطاعت کرنا۔ یہی نہیں۔ بلکہ جو حکم یہ دے۔ غلط یا صحیح۔ اُس حکم کی وجہ سے اپنے دل میں بھی ملال نہ رکھنا تو ہماری ذمہ داری تو قائم کرتا یا نہیں۔ آگے ناظرین خود غور کر لیں۔ جب حکومت الہیہ کے حکام کے عمل و فعل سے ہی ظلم ہونے لگا تو پھر کس طرح خدا کی لعنت ظالموں پر قائم ہو سکتی ہے۔ کیا خداوند تعالیٰ اپنی ہی حکومت پر لعنت کرے گا ہر ایک فرض کے ساتھ حق ہوتا ہے اور ہر ایک حق کے لئے فرض عائد ہوتا ہے جب خداوند تعالیٰ نے ایسی اطاعت کا فرض مسلمانوں پر عائد کیا کہ جس میں دلی شکایت تک ناز بیابا ہے۔ ایک حکم کی نافرمانی کی بھی اجازت نہیں۔ تو مسلمانوں کا یہ حق بھی ہے کہ اُس حاکم کا ایک حکم بھی ظلم پر مبنی نہ ہو۔ اور اگر حکم تو ظالمانہ ہوا۔ اور رعایا کو شکایت تک کی اجازت نہیں تو حکومت الہیہ کیا ہوگی۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ حکومت الہیہ کی رہنمائی کے لئے وہ ہی شخص سزاوار ہے کہ جو معصوم ہو۔ اس سے ایک غلطی بھی عمر بھر میں سرزد نہ ہو۔ ایک حکم بھی عدل و انصاف کے خلاف نہ ہو۔ اور وہ علی الاعلان برسرِ منبر یہ کہنے کے قابل ہو کہ سلونی من طرف السماء فانی اعلم بها من طرق الارض سلونی قبل ان تفقدونی فان بین جنی علوماً کثیرة کا لیمار الزواخر..... انا کنز اسرار النبوة انا المطلاع علی الاخبار الاولین انا مخبر عن وقائع الاخرین

سلو فی قوا للہ لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم و سلو فی عن  
 کتاب اللہ فواللہ ما من آیت الا وانا اعلم ابلیل نزلت امر  
 بنہار امر فی سہل امر فی جبل

ترجمہ

پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہو قبل اس کے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔ پوچھ لو مجھ سے آسمانوں  
 کے راستوں کی بابت کیونکہ میں ان کو زمین کے راستوں سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ پوچھ لو  
 مجھ سے کیونکہ میرے اندر علوم بے شمار ذخائر کی طرح موجیں مار رہے ہیں میں نبوت کے  
 اسرار کا خزانہ ہوں۔ میں پہلے زمانہ کے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات کا جاننے والا ہوں  
 اور ان امور سے بھی واقف ہوں جو آئندہ آنے والے لوگوں پر گزریں گے۔ پوچھ لو  
 مجھ سے قسم بخدا کسی شے کی بابت تم مجھ سے نہیں پوچھو گے لیکن یہ کہ میں تمہیں اس کی بابت  
 خبر دوں گا۔ مجھ سے کتاب اللہ کی بابت دریافت کرو۔ قسم بخدا کوئی آیت قرآن کی نہیں  
 لیکن میں اس کی نسبت جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ میدان میں نازل  
 ہوئی یا پہاڑ پر۔

۱۵ ابن حجر عسقلانی :- تہذیب التہذیب الجزء السابع ص ۳۳۸

ابن تیمیہ :- منہاج السنۃ الجزء الثالث ص ۱۲۷

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجزء الاول ص ۲۰۸، ۲۱۲، الجزء الثانی ص ۵۰، ۵۱، ۵۲

محمد ابن طلحۃ الشافعی :- مطالب السؤل ص ۱۰۸

ابن سعد :- طبقات الکبری - ج ۲ - ق ۲ - ص ۱۰۱

سید صدر الدین احمد الحنفی :- روائع المصطفیٰ ص ۲۲۷، ۱۱

ابن حجر مکی :- صواعق محرقة - باب التاسع فصل الثالث ص ۱۹۸ - فصل الرابع ص ۷۷

ابن عبد البر :- الاستیعاب الجزء الثانی ص ۴۷۵ ترجمہ علی

محمد الدین طبری :- ریاض النضر الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۱۹۸ - فصل التاسع ص ۲۲۱

علی السقنی :- کنز العمال الجزء السادس ص ۳۹۷ حدیث ۶۰۵۲ ص ۲۰۵ حدیث ۶۱۳۸

تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم ہے۔ خدا اور رسول اور (والی امر) خدا کی اطاعت کے کیا معنی ہوئے اور وہ کس طرح ہو سکتی ہے۔ ہر وقت ہر امر میں تو خدا سے باتیں نہیں ہو سکتیں اور نہ اُس کا حکم حاصل کیا جاسکے۔ خداوند تعالیٰ خود بتاتا ہے۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ (سورۃ النساء پارہ ۱۷ ع ۱۱)

جو رسول کی اطاعت کرے گا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔ اور ایک ہی امر اطیعوا رسول اور ولی الامر پر حاوی ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اور صاحبان امر کی اطاعت ایک ہی سی ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنے رسول اور صاحبان امر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کوئی غلط حکم نہیں دے سکتا۔ لہذا اس کے سارے احکام قابل اطاعت ہوتے ہیں۔ اسی طرح رسول و صاحبان امر کوئی غلط حکم نہیں دے سکتے۔ یہ امر واقعہ اب مسلمہ امت ہے کہ نبی اور رسول معصوم ہوتا ہے۔ اور ہمارے نبی گناہوں سے پاک تھے۔ مولوی حفظ الرحمن سید ہاروی اپنے قصص القرآن حصہ اول ص ۱۱۲ میں فرماتے ہیں :-

”نبی اور رسول کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُس کی تمام زندگی اس طرح آزمائش و امتحان کی کسوٹی پر اتر چکی ہو کہ اُس کا کوئی شعبہ زندگی ناقص اور قابل اعتراض نہ ہو بلکہ اس کی تمام زندگی میں اخلاق کی بلندی، گناہوں سے معصومیت اور صداقت گفٹار و کردار کا کمال ہی پایا جاتا ہو“

مولوی صاحب موصوف ثابت کرتے ہیں کہ کسی نبی یا رسول سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ چوںکہ خدا و رسول سے غلطی و ظلم ناممکن ہے لہذا ان کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا۔ اور چونکہ صاحبان امر کی بھی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا ہے لہذا وہ بھی معصوم ہونے چاہئیں۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ان صاحبان امر کی اطاعت غیر مشروط کا حکم دے کر خداوند تعالیٰ نے بھی کچھ بات اپنے اوپر لے لی۔ جو بات اپنے اوپر لے لی تھی اُس کو اس طرح پورا کیا :- اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ

الرَّجَسِ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرُهُمْ كَمَا تُطَهِّرُونَ ۝ (پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب ع ۴)

چند نفوس قرسیہ کو حکومت الہیہ کی رہنمائی کے لئے ظاہر و معصوم پیدا کیا اور اپنی تمام عمر وہ ظاہر و معصوم رہے۔ ان کے لئے اطاعت مطلقہ وغیر مشروط جائز ہے لہذا اس کا حکم دیا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کے حکام کسی مجمع میں منتخب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ ان کو اس خاص غرض کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اور رسول خدا حکم خداوندی اس تقرر کا اعلان امت کے سامنے کرتا ہے۔ ہم البلاغ المبین میں ثابت کر چکے ہیں کہ غدیر خم کا اعلان خداوند تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ ابھی وہ اعلان ختم ہی ہوا تھا۔ جناب رسول خدا منبر ہی پر تھے کہ یہ آ یہ کر یہ نازل ہوئی۔ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتُمْتُمْ عَلَىٰ كَيْدٍ نَّعَسْتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ وہ تکمیل دین و اتمام نعمت کیا تھی۔ وہ کیا شے تھی جس سے تکمیل دین و اتمام نعمت وابستہ تھی۔ قیام امامت تھا جس سے دین کی تکمیل ہوئی۔ جس نے ہدایت امت کا سلسلہ وہاں سے اپنے ہاتھ میں لے لیا جہاں سے نبوت نے چھوڑا تھا۔ اور اب قیامت تک اس ہدایت کا انتظام ہو گیا اور یہ ہی اتمام نعمت تھا۔ کیونکہ حکومت الہیہ کے لئے دنیا میں عدل کامل کی نعمت عام کرنے کے لئے ایک سلسلہ محکام مقرر کر دیا گیا۔ عدل کامل وہ شے تھی جو بنی نوع انسان کو ابتدائی آفرینش سے اب تک نہیں ملی تھی۔ باوجود اس امر کے کہ انہوں نے ہر قسم کی طرز حکومت کا تجربہ کر کے دیکھ لیا۔ عدل کامل نہ ملنے کی وجہ یہ تھی کہ ایسے انسان جو ہر حالت میں عدل کر سکیں اب تک نہیں ملے تھے۔ اب امت اسلامیہ کے لئے خداوند تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور مقرر کر دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے کفران نعمت کیا لہذا ان اہل قوانین الہیہ کے بموجب جو راجح ہیں اس کفران نعمت کی وجہ سے وہ نعمت زائل ہو گئی۔

ابھی ہم اپنی بحث میں آگے چلتے ہیں ذرا اصلی و مصنوعی کا فرق دکھاتے چلیں۔ رسول کے منتخب کردہ، خدا کے مقرر کردہ، آغوشِ رسول میں پرورش پائے ہوئے صاحبِ امر کی علمی شان کی ذرا سی جھلک تو آپ نے دیکھی اور ان کے خطبہ کے اگلا ڈکّا جملے سُنئے۔ مکمل صورت دیکھنی ہو تو ابلاغِ المبین، دیکھیں اب اُس حاکمِ حکومتِ الہیہ کی کیفیت و حالت خود اُس کی اپنی زبانی سُنئے جس کی پُخت و پُز سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی تھی۔ سقیفہ میں بیعت لے کر جب آپ آئے ہیں اور منبرِ رسول پر جلوہ افروز ہوئے ہیں تو اوّل خطبہ جو حضرت ابو بکر نے دیا وہ یہ تھا:-

اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ وُلِّيتُ اِسْرَکْمَ وَاَسْتَبْخِرُکُمْ اِنْ ذَرَعْتَ فِقْهَ مَوْنِي  
وَاَعْلَمُوا اَنْ لِي شَيْطَانًا يَاجْتَرِبُنِي اَحْيَانًا فَاِذَا رَايْتُمُونِي غَضَبْتُمْ  
فَاَجْتَنِبُونِي يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

ترجمہ:- اے لوگو! میں نے تمہارے امور کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی ہے مگر میں

حضرت ابو بکر کا پہلا خطبہ

۱ ابن سعد:- طبقات الکبریٰ ج ۳ ق ۱ ص ۱۲۹

۲ ابن الاثیر جزری:- تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۲۶

۳ محمد بن جریر الطبری:- تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۲۰۳، ۲۱۱

۴ ابن کثیر شامی:- البدایة والنہایة فی تاریخ الجزء السادس ص ۳۰۱

۵ ابن ہشام:- سیرة النبی الجزء الرابع ص ۳۲۰، ۳۲۱

۶ جلال الدین سیوطی:- تاریخ الخلفاء ص ۵۱ مطبع مجتہبی

۷ ابن حجر مکی:- صواعق محرقة ص ۷

۸ علی المتقی:- کنز العمال الجزء الثالث ص ۱۳۰ حدیث ۲۲۶۲ ص ۱۳۶ حدیث ۲۳۰۶

۹ ابن قتیبہ:- کتاب الامامة والسیاسة الجزء الاول ص ۱۶

۱۰ ابن ابی الحدید:- شرح نهج البلاغة الجزء الثانی ص ۷

تم سے بہتر نہیں ہوں۔ لہذا اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھ کو بیدھا کر دینا۔ جان لو تم کہ کبھی کبھی مجھ پر شیطان چڑھ جاتا ہے پس جب تم مجھے غصہ میں دیکھو تو مجھ سے پرہیز کرنا۔

ان خطبوں کا آپس میں موازنہ و مقابلہ کرنے سے ان دونوں بزرگواروں کی شخصیت کا صحیح صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے خود ہی اپنی شخصیت کا تعارف اُمت محمدیہ کو کرا دیا ہے۔ فرمائیے ان میں سے کون ہادی خلق و رہنمائے اُمت ہونے کے قابل ہے۔ علاوہ اس کے تکمیل دین کے لئے معرفتِ امام زمانہ ایسی ہی ضروری ہے کہ جیسی معرفتِ نبی زماں۔ نہایت مشہور حدیثِ رسول کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة جاهلیة مسلمہ اُمت ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام لوگوں کو اپنی شان و منزلت سے آگاہ کرتے ہیں اسی طرح امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی معرفت کرائے تاکہ امام کے نہ پہچاننے کا عذر باقی نہ رہے اور لوگ اس کی شان و علو و مرتبت اور اس کے علم لدنی سے واقف ہو کر رشد و ہدایت کے لئے اس کے پاس آئیں اور مستفید ہوں، اس ہی ضرورت کو مد نظر رکھ کر جناب علی مرتضیٰ اُمت کو اپنی اصلی شان و مرتبہ سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو ہدایت کی صلاحات عام سلوئی قبل ان تفقنا و غی کے الفاظ میں دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر نے بھی بتا دیا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں مجھ پر تو شیطان غالب ہو جاتا ہے۔ جب میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم سیدھا کر دیا کرو، ممکن ہے کہ دنیاوی حاکم کا یہ انکسار کسی کی نظر میں خوش نما معلوم ہو اور اب کہ جب بادشاہیت سے یورپ کی تقلید میں نفرت ہے اور جمہوریت پر اتنے دلدادہ ہو گئے ہیں کہ ہر شخص فرعون بے سامان نظر آتا ہے تو بادشاہ کی یہ عاجزی اس فرعونی طبیعت رکھنے والی رعایا کو بہت اچھی معلوم ہو۔ مگر جانشینِ رسول کی زبان سے یہ انکسار نہیں ہے بلکہ اقبالِ نااہلیت ہے۔ جانشینِ رسول محض دنیاوی سلطنت کا حاکم نہ تھا

عزتِ امام زمانہ



بلکہ یہ اُس رسول کا جانشین تھا جس نے تمام دُنیا کی ہدایت کا دعویٰ کیا ہوا تھا اس کے ذمہ محض حکومت کرنا نہ تھا بلکہ لوگوں کی ہدایت اور قرآن شریف کی تعلیم اس کا فرض اولین تھا۔ اگر وہ بھی یہ کہنے لگے کہ میں ٹیڑھا چل رہا ہوں مجھے صراطِ مستقیم دکھاؤ، میرے اوپر شیطان غالب ہو جاتا ہے مجھ سے دُور رہا کرو، تو پھر لوگ کس کے پاس ہدایت و رہنمائی کے لئے جائیں۔ حکم قرآنی تو یہ ہے کہ اَطِيعُوا لِلّٰہَ وَاَطِيعُوا لِرَسُوْلٍ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ جس سے ظاہر ہے کہ حاکم امر میں زینج و کجی کا امکان نہیں۔ ہر وقت اس کی اطاعت لازم ہے۔ مگر حضرت ابو بکر کا حکم ہے کہ حاکم میں زینج و کجی ضروری ہے، اور اس وقت اس کی اطاعت ضروری نہیں۔

## باب سوم

### تفرقے کی ابتداء

از مسلمانان نظیری شد مسلمانان خراب زین مسلمانان بر آئی ذر مسلمانان گریز  
جماعت مخالفین کا طرز عمل جو جناب رسول خدا کے عین رحلت کے دن ظہور پذیر ہوا وہ صاف بتا رہا تھا کہ اس جماعت میں اور جناب رسول خدا میں عرصہ سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور تفرقہ پڑ چکا تھا۔ یہ تفرقہ اُن کے اندر اتنا سراپت کر چکا تھا کہ اُن کے ہر ایک فعل، ہر ایک عمل، ہر ایک تجویز، ہر ایک ترکیب ہر ایک منصوبے سے نمایاں تھا۔ سب سے پہلے تو حضرت ابو بکر نے لوگوں کے دلوں سے آنحضرت کی محبت یہ کہہ کر دُور کرنی چاہی کہ اُن کی موت پر غم کرنا اور رونا اُن کو پرستش کرنے کے مساوی ہے۔ اسے چھوڑو۔ آؤ چلیں۔ اپنے میں سے ایک حاکم مقرر کریں۔ حضرت ابو بکر نے یہ اُس وقت فرمایا کہ ابھی انصار سقیفہ نبی ساعدہ میں جمع ہونے شروع نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے اجتماع کی خبر تو

بہت بعد میں آئی جیسا ہم ابھی بیان کریں گے۔ حضرت ابو بکر کی اپنے میں سے خلیفہ مقرر کرنے کی تجویز انصار کے اجتماع سے بہت پہلے تھی۔ لہذا اب ان کے مقلدین کا یہ کہنا کہ حضرات شیخین تو بصرہ کراہ و اجبار محض اُمت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے قطعاً غلط ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ابتدا ہی انہوں نے کی اور انتہا بھی اُن پر ہوئی۔ ہم ان واقعات کا ذکر ابھی تفصیل سے کریں گے، ہم کہہ رہے تھے کہ اس جماعت کے منصوبوں کی بناء رسول خدا سے اختلاف کرتے پر تھی۔ ان کی تجاویز کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں جب تک جسدا طہر رسول اکرم سے دُوری نہ اختیار کر لیتے۔۔۔۔۔ ایک علیحدگی

جب تک بیت الشرف نبوت سے دُور نہ نکل جاتے۔۔۔۔۔ دُوسری علیحدگی۔ جب تک مسجد نبوی کو چھوڑ کر خانہ معصیت یعنی سقیفہ میں نہ چلے جاتے۔۔۔۔۔ تیسری علیحدگی۔ جب تک اہلبیت رسالت سے دُوری اور تفرقہ نہ پیدا کر لیتے۔۔۔۔۔ چوتھی علیحدگی۔ جب تک لوگوں میں تفرقہ ڈال کر انہیں جناب رسول خدا کے مقرر کردہ نظام کے مخالف نہ کر لیتے۔۔۔۔۔ پانچویں علیحدگی۔

جب تک جناب رسول خدا کے مذہب و فقہ کو ترمیم و تنسیخ کر کے اپنے منصوبوں کے مطابق نہ بنا لیتے۔۔۔۔۔ چھٹی علیحدگی۔

ان علیحدگیوں سے اور علیحدگیاں پیدا ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ جناب رسول خدا سے ان کا مکمل تفرقہ ہو گیا۔ ان تمام امور پر ہم تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے جو تجاویز انہوں نے اپنے حصول مقصد کے لئے کیں اُن تجاویز کی تشریح و تفصیل ہی اُمتِ اسلامیہ کے تفرقہ و تقسیم کی تاریخ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے جناب رسول خدا سے کیوں اختلاف کیا اور ان کا مقصد کیا تھا۔ جواب تو صاف ہے۔ جناب رسول خدا نے جو نظام حکومت الہیہ قائم کر کے اس کے لئے حکام مقرر کئے تھے وہ جناب رسول خدا کے اصحاب کی ایک جماعت کو پسند نہ تھے لہذا انہوں نے اختلاف کیا۔ ان کا مقصد اولین یہ تھا کہ جناب رسول خدا کے خاندان میں حکومت

نہ جائے۔ بلکہ محمدؐ کی پیادگی ہوئی سلطنت پر ہم خود قبضہ کر لیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے  
منہ سے یہ امر حق نکل کر لوگوں کو تالخ معلوم ہو۔ ہم اُس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی  
زبانی سناتے ہیں۔ علامہ شبلی نے اپنے الفاروق میں بحوالہ تاریخ طبری عبد اللہ  
ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے دو مکالمے یہ کہہ کر درج کئے ہیں کہ اُن سے حضرت  
عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو گا، ہم الفاروق سے لے کر اُن کو یہاں  
نقل کرتے ہیں۔

علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمے کی صورت  
میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے  
حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبد اللہ ابن عباس  
سے ہوا تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

**حضرت عمر:** تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے  
بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

**عبد اللہ ابن عباس:** میں نہیں جانتا۔

**حضرت عمر:** لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

**عبد اللہ ابن عباس:** کیوں؟

**حضرت عمر:** وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت

دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکر نے تم کو خلافت سے

محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابو بکر نے وہ کیا جس سے

علامہ مولوی شبلی: الفاروق مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ جلد ۱۹ حصہ ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵۔

نیز ملاحظہ ہو:-

محمد بن جریر الطبری: تاریخ الأمم والملوک الجزء الخامس ص ۳۰، ۳۱، ۳۲۔

ابن الاثیر: تاریخ الکامل الجزء الثالث ص ۲۴، ۲۵۔

زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔  
دوسرا امر کا لہذا اس سے زیادہ مفضل ہے۔ کچھ باتیں تو وہ ہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:-

حضرت عمر:- کیوں عبداللہ ابن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا۔ لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ ابن عباس:- وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر:- میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس:- ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخنی نہیں ہے لیکن حسداً تو اسکا کیا تعجب ہے۔ ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر حسد وہیوں تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمر:- افسوس خاندان نبی ہاشم کے دلوں سے پراسنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ ابن عباس:- ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر:- اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس:- بہت مناسب۔

حضرت عمر جب اپنی کامیابی کا خیال کر کے خوش ہوا کرتے تھے تو اکثر عبداللہ ابن عباس کو ایسے کچھ کے دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مکالمے ہیں۔ ان میں سے تین ہم ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ سے نقل کرتے ہیں:-

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر کے خلافت کے ابتدائی

زمانہ میں ان کے پاس گیا۔ ان کے آگے ایک صاع دسارٹھے تین سیر رکھی

ان کے آگے بوریچے پر رکھی ہوئی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ تم بھی کھاؤ۔ میں نے ایک

کھجور اٹھالی۔ حضرت عمر کھاتے رہے یہاں تک کہ اکیلے ہی ساری کھجوریں  
کہا گئے پاس ٹھلپار کھی تھی۔ اس میں سے پانی پیا اور گائے تکیہ پر کہنی لگا کر  
لیٹ رہے اور شکرِ خدا کرنے لگے۔ پھر یوں گفتگو ہوئی \*

حضرت عمر :- اے عبداللہ ابن عباس کہاں سے آرہے ہو؟

ابن عباس :- مسجد سے \*

حضرت عمر :- اپنے ابن عم کو کس حال میں چھوڑا ہے۔ رہیں سمجھا عبداللہ  
ابن جعفر کو بپوچھتے ہیں \*

ابن عباس :- میں نے ان کو اپنے ہمجیوں کے ساتھ کھیلنے بیٹھے چھوڑا ہے \*  
حضرت عمر :- اس سے میرا مطلب نہیں۔ بلکہ تم اہل بیت کے بزرگ حضرت  
علی مقصود ہیں \*

ابن عباس :- وہ تو فلاں شخص کے کھجوروں کے باغ میں پانی دے  
رہے اور اس حالت میں بھی تلاوتِ قرآن مجید کر رہے  
ہیں \*

حضرت عمر :- اے عبداللہ سچ کہنا۔ اگر چھپاؤ گے تو تم پر اذیتوں کی  
قربانی واجب ہو جائے گی۔ کیا اب بھی علی کے دل میں خلافت  
کی طرف سے کچھ خیال باقی ہے \*

ابن عباس :- یقیناً باقی ہے \*

حضرت عمر :- کیا علی کا خیال یقین ہے کہ رسول اللہ نے ان کی خلافت  
کے لئے نص کر دی تھی یعنی ان کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا \*

ابن عباس :- جی ہاں قطعاً۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ میں نے  
اپنے والد سے حضرت علی کے اس دعوے کے متعلق دریافت  
کیا تھا۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ یہ دعویٰ سچ ہے \*

حضرت عمر :- لقد کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فے امرہ ذہر ومن قول لا ینتہج حجة ولا یقطع عدا  
ولقد کان یربع فی امرہ وقتما اولقد اراہ فی مرضہ  
ان یصرح باسمہ فمنعت من ذلک اشفاقا و حیطة  
علی الاسلام لہ در ہذا البیت لا یتجمع علیہ  
قولیش ابد اولو ولیہا لہ تنقضت علیہ العرب من  
اقتارہا فعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ  
الئی علمت ما فی نفسہ فامسک (ترجمہ اردو)

## ترجمہ

بے شک جناب رسول خدا سے علی کے بارے میں چند ایسی باتیں  
ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں  
تھا۔ یعنی یہ حجت اور یہ عذر کہ انہوں نے علی کے بارے میں نص خلافت  
نہیں کی ثابت نہیں ہوتا تھا اور بسا اوقات تو جناب سیدنا  
علی کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت  
مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرت نے اپنے مرض موت  
میں علی کے نام کی تصریح کر دینی چاہی تھی مگر میں نے اس سے ان کو  
روک دیا جس سے میری غرض محض سلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے  
رہنے کی قسم علی کے بارے میں کبھی تشریح کا اجتماع نہ ہو گا اور اگر لوگ  
ان کو خلیفہ بنا ہی لینگے تو ہر طرف سے عربان پر شور و شکر ننگے  
بس رسول اللہ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات تاثری  
اور وہ رک گئے۔ (ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص ۹۷)

علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ اس خبر کو احمد ابن ابی طاہر نے اپنی تاریخ بغداد  
میں لکھا ہے۔ اس سے بہت سے اہم واقعات کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایک  
اور مکالمہ یہاں درج کرتے ہیں۔ عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں

حضرت عمر کے ساتھ ملک شام کی طرف گیا اور وہاں ایک دن وہ اپنے اونٹ پر اکیلے نکلے۔ میں بھی ساتھ بیوی لیا۔ راب وہ مکالمہ اس طرح شروع ہوتا ہے (حضرت عمر :- میں تم سے تمہارے ابن عم یعنی علی کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے انکار کر دیا اور اکثر میں ان کو اپنے سے غضبناک ہی دیکھتا ہوں۔ اس کا کیا سبب ہے ؟  
**عبداللہ ابن عباس :-** یہ درست ہے۔ ان کا یقین ہے کہ جناب رسول اللہ نے خلافت ان کو عطا کی تھی ؟

**حضرت عمر :-** اے ابن عباس۔ یہ تو درست ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کے ملے۔ لیکن جناب رسول خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب خدا نے نہ چاہا۔ رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کے ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا۔ اور خدا کی مراد جاری ہو گئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو۔ رسول اللہ نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کریں لیکن میں نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رک گئے اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہی ہوا ؟

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص ۱۱۲)

ایک اور ایسا ہی واقعہ ملاحظہ ہو۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور حضرت عمر مدینہ کے ایک کوچ میں جا رہے تھے کہ اس طرح گفتگو شروع ہوئی :-  
**حضرت عمر :-** اے ابن عباس، میرا خیال ہے کہ تمہارے ابن عم یعنی حضرت علی پر ظلم ہوا۔

**عبداللہ ابن عباس :-** (دل میں اس موقعہ کو میں ہاتھ سے نہ جانے دوں گا)

اے میرا مینین، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو وہ شے  
واپس کر دیں جو ظلم کے ساتھ ان سے چھینی گئی ہے۔

**حضرت عمر :-** رعد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ

میرے ہاتھ میں سے نکال لیا اور تھوڑی دور کچھ گٹکتا تے ہوئے  
چلے پھر ٹھہر گئے میں ان تک پہنچ گیا تو انہوں نے کہا اے ابن  
عباس میرا خیال ہے کہ تمہاری قوم نے تمہارے صاحب یعنی علی کو  
کم سن سمجھا اور اس وجہ سے انہیں خلیفہ نہ بننے دیا۔

**عبداللہ ابن عباس :-** میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بات پہلے سے بھی

زیادہ شرابیز ہے اور حضرت عمر کو جواب دیا، قسم بخدا،  
خدا اور اس کے رسول نے تو علی کو کم سن نہ سمجھا۔ جب انہیں  
مقرر کیا کہ تمہارے صاحب یعنی ابو بکر سے سورہ برآة  
لے کر مکہ والوں تک پہنچاویں۔

**حضرت عمر :-** نے یہ جواب سن کر مجھ سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف

خاموش چلے گئے۔ میں بھی واپس آ گیا۔

داہن ابی الحدید: شرح نوح البلاغۃ الجزء الثالث

ہمارا مولوی شبلی سے مکمل اتفاق ہے کہ ان مکالموں سے حضرت عمر کے خیالات کا  
راز سرسبتہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی ساری سیاست و جدوجہد کے مقصد کا  
انکشاف کئی ہو جاتا ہے۔

ان مکالموں سے بہت سے امور حضرت عمر کی زبانی معلوم ہوتے ہیں یہاں فقط  
ان امور کا ذکر کیا جاتا ہے جو مضمین زیر بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مکالموں  
سے نہایت اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ :-

(۱) جناب رسولی نے ایک نظام حکومت قائم کیا تھا جس کا حاکم اپنے بعد حضرت علی کو مقرر  
کیا تھا۔ یعنی یہ خیال غلط ہے کہ جناب رسولی نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں

ان مکالموں سے کیا راز مائے سرسبتہ معلوم ہوئے



کیا بلکہ انہوں نے حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا »  
 (۲) جناب رسول خدا کے اصحاب کی ایک جماعت نے اس نظام سے اختلاف کیا اور  
 اس کو پس نہیں کیا »

(۳) اُن کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت کے نظام کو توڑ دیں اور حکومت کو اُن کے خاندان  
 میں نہ جانے دیں »

(۴) انہوں نے اپنے اس مقصد کو سقیفہ بنی ساعدہ میں حاصل کر لیا »  
 (۵) ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اس حصول مقصد میں مدد دی وہ اس جماعت مخالفین  
 میں سے تھے »

(۶) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے اس حصول مقصد میں  
 انہیں مدد دی »

(۷) لہذا یہ تینوں حضرات جماعت مخالفین میں سے تھے »

اگر اس وجہ اختلاف کو ہم مختصر الفاظ میں بیان کریں تو کہیں گے کہ یہ اختلاف حکومت  
 کی وجہ سے تھا جس کو مذہبی زبان میں امامت بھی کہتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا بہت  
 آسان ہو گیا کہ یہ اختلاف کب سے ہوا اور اسلام میں تفرقہ کس نے ڈالا ظاہر ہے  
 کہ یہ اختلاف اُس وقت سے اندر ہی اندر شروع ہو گیا کہ جب سے جناب رسول خدا  
 کی حکومت کی ابتدا ہوئی اور یہ وہ وقت تھا کہ جب آنحضرت نے مدینہ میں  
 تشریف لا کر مسلمانوں کی قوم کو منظم کرنا شروع کیا۔ اور دیگر اقوام اور جماعتوں سے  
 بطور حاکم کے معاہدے کرنے شروع کر دیئے۔ جوں جوں حکومت مستقل دستگیر ہوتی گئی۔  
 اس اختلاف میں بھی مضبوطی آتی گئی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ تفرقہ اُس  
 جماعت نے ڈالا جس نے جناب رسول خدا کے نظام اسلام و حکومت اسلام کے قبول  
 کرنے سے انکار کیا اور اپنا علیحدہ نظام سقیفہ بنی ساعدہ میں قائم کر لیا۔ یہ بات کہ  
 اس جماعت مخالفین نے مختلف تباہی و تباہی کے ذریعہ سے جن میں تشریف اسلام بھی  
 شامل ہے آگے چل کر اپنی تعداد میں اضافہ کر لیا اور جناب رسول خدا کے مقرر کردہ

یہ اختلاف حکومت تھی

یہ اختلاف کب سے ہوا اور کس نے پیدا کیا

نظام کو ماننے والی جماعت تعداد میں کم رہ گئی اس سوال پر اثر پذیر نہیں ہو سکتی کیونکہ  
 حقیقت و اصلیت کا فیصلہ کبھی تعداد سے نہیں ہوا کرتا۔ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ  
 وَلَوْ أَجْمَعًا كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ (پارہ ۷ سورۃ المائدہ ع ۱۳) کہہ دے اسے پیغمبر  
 کہ خبیث و طیب (منزلت میں) برابر نہیں ہوتے۔ اگرچہ تمہیں خبیث کی کثرت تعداد (ظاہر)  
 اچھی معلوم ہوئے، اصلی جماعت تو وہ ہی ہوگی جو بانی جماعت کے ساتھ ہے۔ اس  
 سے اختلاف کرنے والی جماعت تفرقہ پیدا کرنے والی جماعت کہلائے گی یہ امر  
 واقعہ کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ اس جماعت مخالفین کا اختلاف خود بانی اسلام  
 کے ساتھ تھا۔ اگر امت کے لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوتا تو پھر اس تحقیقات کی  
 ضرورت ہوتی کہ اصلی جماعت کونسی ہے۔ اور اصلی جماعت وہ ہی کہلاتی جو بانی  
 اسلام کی جماعت ہوتی یا اس کے نزدیک تر ہوتی ۞

غرضکہ واقعات کی رونے بہت جلد بتا دیا کہ ایک اسلامی حکومت قائم ہو چکی  
 ہے۔ لہذا اسی وقت سے ہر ایک منقش کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ آنحضرت  
 کے بعد اس حکومت کا کون والی و وارث ہوگا بالکل فطری و یقینی امر تھا۔ یہ  
 خیال پیدا ہوا اور بہت جلد قوت پکڑتا گیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے جو  
 بقول حضرت عمر حکیمت کو خاندان نبوت میں جاتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تھے  
 اپنی علیحدہ ایک جماعت بنالی جس کا مقصد اولیٰ آنحضرت کی اس شجریہ کی مخالفت تھی  
 آنحضرت کے مقصد و نظام سے مخالفت کرنا اسلام میں تفرقہ ڈالنا تھا ۞

# باب چہارم

## حکومت سقیفائی کا مدارِ قیام و استحکام تقسیم و تفریقِ اُمت پر

جنگ ہندو و دولت ہمہ را غدر بندہ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند  
جماعت مخالفین نے جو جو تجاویز اپنے مقصد کے حصول اور اس کے استحکام  
اور استقلال کے لئے کیں وہ سب تفرقہ اُمت پر مبنی تھیں اور مزید تفرقہ پر منتج  
ہوئیں۔ ان تجویزوں اور ترکیبوں کے بغیر وہ انقلابِ عظیم ناممکن تھا جو یہ لوگ  
کرنا چاہتے تھے۔ یعنی بقول حضرت عمر خاندان رسالت میں سے حکومت کو نکالنا اور  
ان میں سے ہر ایک تجویز بغیر تفرقہ پیدا کئے ہوئے کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔  
پہلی تجویز۔ جس پر جناب رسول خدا اُمتِ اسلامیہ کو لارہے تھے اور اپنے اقوال  
طرز عمل سے مرکزیت کے قیام کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے اس کا مقابلہ کرنے  
کے لئے پہلی ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک مخالف جماعت پیدا کی جائے۔ بغیر مخالف  
جماعت پیدا کئے ہوئے تو ایک قائم شدہ نظام کو درہم و بہرہم کرنا ممکن نہ تھا۔ لہذا  
پہلی تدبیر جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ اُمتِ اسلامیہ میں سے ایک جماعت  
کوڑ کر اپنی ہمتیال بنائی جاوے۔ اور کل میں سے جزو کو توڑنا یہی تفرقہ پیدا  
کرنے کی ابتداء ہے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف طریقوں سے لوگوں کو اپنی طرف ملانا  
شروع کیا۔ ان کی خوش قسمتی سے اور اسلام کی بد قسمتی سے چند ایسے امور کا پیدا  
ہونا ناگزیر تھا جن سے ان لوگوں کی ہمت بڑھ گئی اور تدبیر جماعت سازی کو  
مردہلی۔ مشیت الہی فیصلہ کر چکی تھی کہ اسلام کی مرکزیت پر آل محمد کو قائم کیا جائے  
اس مشیت ربانی کے مطابق جناب رسول خدا نے اپنی اُمت کو علی کی اطاعت

پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس سے ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ دیکھو رسول خدا اپنے چچا زاد بھائی اور داماد کو ہماری گردنوں پر سوار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایسی بات تھی جو عرب فطرت کے بہت خلاف تھی اور ان کے دل کو لگ گئی۔ وہ سمجھے کہ آنحضرت تو نبوہاشم میں حکومت کو مستقل کرنا چاہتے ہیں۔ بقول علامہ مشرقی صدیوں کی جہالت کو چند سال کی تعلیم دینے نہیں کر سکتی تھی۔ عرب کی فطرت وہ ہی رہی جو صدیوں پہلے تھی ان کا ٹینکس نبوت کی رفعت شان تک نہ پہنچ سکا۔ لہذا ان کے لئے یہ یقین کر لینا بہت آسان تھا کہ آنحضرت بوجہ محبت خاندانی علی کو ان کی گردنوں پر سوار کر کے اپنے خاندان میں حکومت مستقل کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا امر جس نے تدبیر جماعت سازی میں ان کو مدد دی وہ حضرت علی کے جہاد تھے جو انہوں نے راہ خدا میں کئے تھے۔ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں سے ایک یا دو افراد کو حضرت علی نے قتل نہ کیا ہو۔ عرب کا کینہ مشہور ہے اور نسلیں تک ختم نہیں ہوتی۔ حضرت عمر نے اس امر سے جس طرح فائدہ اٹھا کر لوگوں کو علی کے خلاف کیا اس کی ایک مثال ہم سناتے ہیں:-

ایک دن حضرت عمر راہ میں سعید بن العاص سے ملے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری طرف سے کچھ بھرا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم گمان کئے ہو کہ میں ہی تمہارے باپ کو قتل کیا ہے اگر میں نے ان کو قتل کیا ہوتا تو میں کبھی تم سے اسکی معذرت نہ کرتا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ میں تمہارے باپ کے پاس سے گزرا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بیل کی طرح بڑا ہوا اپنے خون میں لوث رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیوں لوث رہا ہے لیکن اس کے ابن عم

ان یوم بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لسعید بن العاص ومربہ الی اراک کان فی نفسک شیئاً اراک تظن انی قتلت اباک الی لو قتلت لہ اعتذر الیک من قتله ولکنی قتلت خالی العاص بن ہشام بن المغیرہ فاما ابوک فانی صرت بہ ذہو بیعت بخت الثور بوقہ فحارقت عنہ وقصدتہ ابن عمہ علی فقتلہ ریحہ ابن ہشام الجریانی مشہور

حضرت علی کے جہاد سے ان کے غنا و سیر ہوتا

علی بن ابی طالب اُس کی طرف آئے اور اُس کو قتل کر ڈالا ۔  
 یہ تھے وہ طریقے جن سے اپنی جماعت بنائی گئی اور لوگوں کو حضرت علی سے  
 منحرف کیا گیا۔ اس واقعہ پر نظر ڈالو۔ پہلے تو یہ کہہ دیا کہ اگر میں قتل کرتا تو اس کی معذرت نہ  
 کرتا تا کہ اُس کو یقین آجائے کہ اب جو یہ انکار کر رہے ہیں تو وہ درست ہے۔ اور  
 پھر کس خوبی کے ساتھ اُس کے غم و غصہ کا رُخ حضرت علی کی طرف کر دیا اور مرنے  
 والے کا ایسا نقشہ کھینچا کہ اُس کے دل میں وہ غصہ اور زیادہ تیز ہو جائے کہ  
 دیکھو علی نے میرے باپ کو کیسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں قتل کیا۔ حالانکہ  
 امر واقعہ یہ ہے کہ جو شخص پہلے ہی اس طرح مر رہا ہو اُس کو علی بن ابی طالب کبھی قتل  
 نہیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تو اپنے فوجی افسران کو اپنے عہد خلافت میں ہدایت بھیجی  
 تھی کہ ”کبھی کسی پیٹھ پھیرنے والے سے جنگ نہ کرنا۔ کسی عیب دار یا برہمنہ کو آزار نہ  
 پہنچانا۔ زخمی پر حملہ نہ کرنا“ (ریح البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۸) یہ اُن کے اُوپر بہت ساری  
 صریح تھا۔ لیکن اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے سب کچھ جائز ہے ۔  
 جب کبھی آنحضرت نے حضرت علی سے ولیعہد سلطنت اور منتظر الخلفاء الاسودک  
 کیا تو آنحضرت عمر نے اعتراض کیا۔ آنحضرت پر نکتہ چینی کی اور لوگوں کی توجہ  
 اُس امر کی طرف خاص طور سے دلائی کہ ان کی طبیعت میں مخالفت اور زیادہ بڑھ  
 جائے۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے ۔

اور بھی کئی امور تھے جنہوں نے ان لوگوں کی تہذیب جماعت سازی میں مدد دی  
 جن میں بنو امیہ کی رقابت اور اس جماعت کا حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 میں رسوخ عرب کی جہالت اور ان کی حرص مال و جاہ بہت نمایاں امور ہیں ۔  
 مگر یہاں ایک تنبیہ کی ضرورت ہے۔ یہ سب امور حضرت علی کو حکومت سے  
 دُور رکھنے میں فقط معاون کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں مزاحم خلافت کے وجود  
 باعث نہ تھے ۔

غرض کہ اس مخالف جماعت کی موجودگی ایک مسئلہ امر ہے۔ خود اپنے مکالمہ

جماعت بنائے انہیں کی صورت میں

میں حضرت عمر نے تسلیم کیا ہے کہ ایک کثیر جماعت تھی جو خاندان رسالت میں نبوت اور خلافت کے اجتماع کی مخالف تھی۔ قضیہ قرطاس بتا رہا ہے کہ یہ جماعت اس وقت تک کتنی مضبوط ہو چکی تھی۔ اگر یہ جماعت پہلے سے منظم نہ ہوتی اور جو نظام مرکزیت جناب رسول خدا نے تعین کر لیا تھا اس کی مخالفت اس جماعت کے افراد کے دلوں میں جاگزیں نہ ہو چکی ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ جناب رسول خدا کے تخریر وصیت کے ارادہ سے اتنا ہیجان عظیم پیدا ہو جاتا۔ اور یہ لوگ جناب رسول خدا کی اہانت تک اس طرح علانیہ کر سکتے۔ اگر حضرت عمر کو یقین نہ ہوتا کہ میری جماعت یہاں موجود ہے اور یہ لوگ میری متابعت کریں گے تو کبھی وہ اتنی جرأت نہ کرتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہہ سکتے کہ یہ شخص تو ہریان بک ہے۔ ان لوگوں کے کان ان باتوں سے پہلے ہی سے آشنا کر دئے گئے تھے۔ جب ہی تو اس ثقیل فقرے نے کچھ تعجب یا غصہ نہ پیدا کیا بلکہ ایک جماعت کثیر نے اس پر اعتبار و یقین کر لیا۔ اگر حضرت عمر کی پشت پر یہ جماعت نہ ہوتی تو وہ صرف دو آدمیوں کے ساتھ کیوں سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر اتنی کشتی لڑتے۔ ان کو یقین تھا کہ جب ہم یہاں حضرت ابو بکر کو خلیفہ منوالیں گے تو پھر مہاجرین میں سے تو اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ اگر فرض کرو مہاجرین میں سے کوئی بھی ان کی طرف نہ ہوتا اور یہ سقیفہ میں سے کشتی مار کر آتے اور کہتے کہ ابو بکر کی بیعت کرو اور کوئی نہ کرتا تو پھر کیا صورت حالات پیدا ہوتی۔ اس جماعت کی موجودگی سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جس نے تاریخ اسلامی کا مطالعہ غور سے کیا ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس جماعت مخالفین کا علم تھا۔ اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی اس سے واقف تھے۔ جناب رسول خدا صلعم حضرت علی سے فرمایا کرتے تھے۔

ضغائن فی صدور الایقان کا ان لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے

یبدو نکالک الا من بعدی

چھپا رکھا ہے۔ لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے۔

یا علی ان الامة ستغلر باک  
من بعدی

کینے بھرے ہوئے ہیں جن کو اب تو انہوں نے

اسے علی میرے بعد تم سے یہ امت دعا اور  
بغاوت کرے گی۔

اس جماعت مخالفین علی ونظام مقرر کردہ رسول اکرم کی موجودگی اور ان کی  
سازشوں کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ان کی جماعتیں آپس میں بیٹھ کر  
اہل بیت رسول کے خلاف سازشیں کرتی رہتی تھیں اور جب اہل بیت میں سے یا  
ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی اُدھر سے گزرتا تھا تو اس کو دیکھ کر فوراً خاموش  
ہو جاتے تھے اور اپنی گفتگو کا رخ بدل دیتے تھے۔

عن العباس بن عبد المطلب

ان رسول الله صلی الله علیه و

سلم قال ما بال اقوام یجدون

فاذرا و الرجل من اهل بیته

قطعوا حدیثهم والذی نفسی

سید لا یدخل قلب امری

الا یمان حتی یحبهم الله

ولقرابتهم منی۔

حضرت عباس عم رسول سے مروی ہے کہ

فرمایا جناب رسول خدا نے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا

ہے کہ جب یہ میرے اہلبیت میں سے کسی کو دیکھ

لیتے ہیں تو فوراً جو باتیں وہ کرتے ہوئے ہیں اس کو

قطع کر کے خاموش ہو جاتے ہیں یا دوسری باتیں

کرنے لگتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ

قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں

ایمان داخل نہ ہو گا جب تک وہ میرے اہلبیت سے

۱۵ علی المتقی :- کنز العمال الجزء السادس حدیث ۶۱۵۸ ص ۲۰۸

۱۶ محب الدین طبری :- ریاض النضرۃ الجزء الثاني الباب الرابع فصل الثامن ص ۲۱۰

۱۷ علی المتقی :- کنز العمال الجزء السادس حدیث ۶۱۵۹ ص ۱۵۷

۱۸ ابو عبد اللہ الحاکم :- المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۲۰، ۱۲۲

۱۹ محب الدین طبری :- روضۃ النریہ

آنحضرت کو اس جماعت کی موجودگی کا علم تھا

انہیں میں سازش کرتے ہیں

شیخ یوسف بن اسماعیل :- شرف الموبد ص ۸۶ - خدائی خاطر اور میری قربت کی وجہ سے محبت نہ کرے گا

شیخ سلیمان مثنیٰ اعظم قسطنطنیہ :- نیایع المودۃ ص ۱۱۱، الباب الخامس والاربعون ص ۱۱۰، ۱۱۱

میرزا محمد بن معتمد خاں :- نزہل الابرار ص ۷

قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ کیا گفتگو میں ہوتی ہوں گی جو اہل بیت رسول سے تھی کی جاتی تھیں اور ان میں سے کسی کو دیکھ کر لوگ اپنا سلسلہ بیان بدل ڈالتے تھے حضرت علی کی جو نسبی فضیلت تھی وہ بھی ان لوگوں کی نکتہ چینی سے نہ بچ سکی۔ چنانچہ جناب رسول خدا کو یہ فرمانے کی ضرورت پڑی کہ :-

الا ما بال اقوام يزعمون ان رحى  
 لا تنفع والذى نفسى بيده ان رحى  
 لموصولة فى الدنيا والاخرة الا  
 واني فرطكم ايها الناس على الحوض  
 الا وسيجيئ اقوام يوم القيامة  
 فيقول القائل منهم يا رسول الله  
 اننا فلان بن فلان فاقول  
 اما نسب فقد عرفتم ولكنكم  
 ارتدتم بعدى ورجعتم القهقري  
 على المثنى :- كثر العمال الجوع السادس  
 حديث ۷۶

کیا حال ہو گا ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ  
 میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو  
 کچھ فوقیت و فائدہ حاصل نہیں ہوتا قسم اس  
 ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان  
 ہے میرا رشتہ دنیا و آخرت میں فضیلت پہنچا  
 ہے۔ ہاں خبردار اے لوگو! میں حوض کوثر پر قیامت کے  
 دن موجود ہوں گا۔ وہاں ایک جماعت لائی جائیگی  
 اس جماعت کا ایک نمائندہ مجھ سے کہے گا کہ اے  
 رسول! میں فلان ابن فلان ہوں میں جو اہل بیت  
 کے مینے نسب پہچان لیا ہے لیکن تم تو میرے اسلام  
 پہٹ گئے تھے اور اٹھے پر کفر کی طرف رجعت کر گئے

جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے میرے اہلبیت سے تمسک رکھا تو  
 تم میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہو گے۔ اس کو حدیث ثعلبیین کہتے ہیں۔ حوض کوثر پر  
 قیامت کے دن آنحضرت کے پاس آپ کے اصحاب کی ایک جماعت لائی جائے گی  
 جن کو آپ پہچان لیں گے کہ یہ میرے اصحاب ہیں لیکن ان سے آپ فرمائیں گے میرے  
 پاس سے تم دور ہو جاؤ کیونکہ تم میرے بعد گمراہ ہو گئے۔ اس کو حدیث حوض کہتے ہیں۔



کئی روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے ان اصحاب سے کہیں گا کہ تم دُور ہو جاؤ میرے پاس سے۔ کیونکہ تم میرے بعد گمراہ ہو گئے تھے۔ حدیث ثقلین اور حدیث حوض کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آپ کے بعد آپ کے اہل بیت سے تمسک نہ رکھیں گے وہ گمراہ ہو جائیں گے۔ حوض کوثر پر اصحاب کی ایک جماعت لائی جائے گی جو آپ کے بعد گمراہ ہو گئی تھی۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ یہ وہ جماعت اصحاب ہو گی جس نے آنحضرت کے بعد علی سے تمسک نہ رکھا۔ اہل بیت کو ذلیل کیا اور ان سے ان کا حق چھین کر خود مسند حکومت پر متمکن ہو گئے۔ یہ حوض کوثر سے منکافی جانے والی وہ ہی اصحاب کی جماعت ہو گی جس کو دنیا میں بھی آپ نے قضیہ قرطاس والے دن تو موعنی کہا تھا۔ یعنی میرے پاس سے دُور ہو جاؤ۔

غرض کہ جماعت مخالفین کی موجودگی اور ان کی سازشیں برخلاف علی و اہل بیت رسالت اچھی طرح ثابت ہو گئیں۔ یہ کہ یہ جماعت حضرات شیخین کی مرتب کردہ تھی اور یہ وہ جماعت تھی جس کے سرور یہ دونوں بزرگوار تھے۔ بہت اچھی طرح ثابت ہے۔ حضرت عمر اس جماعت کی اکثر نمائندگی کرتے رہتے تھے۔ قضیہ قرطاس والے دن نہایت اصرار کے ساتھ آپ نے ان کی نمائندگی کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے جو مکالمہ حضرت عمر کا ہوا اس میں بھی آپ نے سرور جماعت کی حیثیت سے گفتگو کی۔ اور سب سے بڑا ثبوت اس کا یہ ہے کہ جب یہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور خاندان رسالت میں سے خلافت نکل گئی تو ان کی جگہ اس جماعت کے سروروں نے لے لی۔ یہ تو روزانہ کا تجربہ ہے کہ جب ایک جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی ہے تو اس کے لیڈر ہی آگے کے بیچوں پر آتے ہیں اور ذمہ داری کے عہدے سنبھالتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان لوگوں کو بڑی تقویت اس جماعت سے ملی جس کو عرف عام میں منافقین کہتے تھے۔ اور جس کی موجودگی کی شہادت قرآن شریف سے رہا ہے۔ دراصل تو وہ لوگ بھی جو جناب سرور کے

حضرات شیخین اس جماعت کے سرور تھے

اس جماعت نے اپنے ساتھ منافقین کو ملا لیا۔

ان احکام کو تو غور و غریب پر محسوس کر کے ان سے اعراض کر رہے تھے اور ان پر نکتہ چینیاں کر رہے تھے۔ منافع ہی تھے جیسا کہ سلامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنہل میں لکھا ہے۔ ان کی عبارت کی نقل ہم آگے کریں گے۔ لیکن چونکہ اس زمرہ میں وہ بزرگوار بھی آجاتے ہیں جو صحابہ کبار ہیں سے کہلاتے ہیں لہذا مورخین و علماء حکومت اس لفظ کو صرف ان لوگوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جو عرف عام میں اس زمانہ میں منافع کہلاتے تھے۔ لہذا یہاں ہم بھی ان ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان منافقین کا شیوہ تھا کہ آنحضرت کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے جب تک یہ نکتہ چینیاں توحید و نبوت تک محدود رہیں تو عام مسلمان ان سے علیحدہ رہے اور ان کو برا سمجھتے رہے۔ لیکن حکومت کے مسئلہ نے، یا یوں کہو کہ سیاسی ضرورت نے صحابہ کی اکثریت کو مجبور کیا کہ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر تقویت حاصل کریں اور منافقین نے بھی سمجھا کہ اب اسلام کا مقابلہ علانیہ دشمنی سے تو کرنا بے سود بلکہ مضر ہے۔ ان مسلمانوں کے ساتھ مل کر، تم اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا سکیں گے۔ یہ تو ایسے موقعہ کے منتظر ہی تھے۔ جناب رسول خدا کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کرنی تو ان کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ جناب رسول خدا اپنے ابن عم و داماد کو اپنی حکومت سپرد کرنے کا ایسا مضمون ان کو ہاتھ لگا کہ اس انہوں نے نکتہ چینی کا ایک عظیم الشان قصر تیار کر لیا اور حضرت علی کی مخالفت ہی کو وہ یوں بھی اپنا اور اپنے دین کا سخت ترین دشمن جانتے تھے اپنے دن کی گفتگو اور رات کی راز گوئیوں کا نشانہ بنا لیا۔ چونکہ جماعت منافقین اور جماعت ہمدردین حکومت میں مخالفت علی جزو مشترک تھا اور ایک کو دوسرے کی ضرورت ہی تھی لہذا یہ دونوں جماعتیں مل کر ایک ہو گئیں اور ان دونوں میں اتحاد و عمل ہو گیا۔ ایک جماعت کو تو تعداد سے قوت ملی اور دوسری جماعت خیال کیا کہ جناب رسول خدا کے سارے کام کو بگاڑنے کا اس سے بہتر اور موثر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قائم کردہ نظام کی باگ ڈور اس کے ہاتھ

میں نہ جانے پائے جو اس کو جناب رسولؐ خدا ہی کی سی قابلیت، آہلیت اور عظمت کے ساتھ چلا کر اس کو مستقل و مستحکم کر دے۔ بلکہ اس کے حکمران وہ ہوں جو اس نظام ہی کو نہ سمجھیں اور ہر جگہ اپنی رائے کا پیو نہ لگاتے جائیں اور اس طرح اسلام مسخ ہو جائے۔ لہذا انہوں نے اپنی ساری کوشش اس سازش کو منظم کرنے میں صرف

**علیؑ اخصی علیؑ**

کر دی جس کا آخرہ سقیفہ نبی ساعدہ میں ہوا۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ کرنے والے پر یہ امر اچھی طرح ہو پورا ہے کہ منافقین حضرت علیؑ کے سخت دشمن تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر علیؑ کی تلوار نہ ہوتی تو کبھی اسلام کو فتح اور ان کی شکست نہ ہوتی۔ وہ عرب سے اپنے عیبوں کے نکلنے کا سبب اعظم حضرت علیؑ کو سمجھتے تھے۔ پھر اپنے مقتولوں کا کینہ بھی ان کے سینہ میں بھرا ہوا تھا۔ دیکھو۔ غزوہ تبوک پر جاتے وقت جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو دینہ میں چھوڑا تو تمام میر خین لکھتے ہیں کہ منافقین خوش ہو کر علیؑ پر پشتک زنی کرنے لگے جو باعث حدیث منزلت ہوئی۔ بتائیے تو سہی ان منافقین کو حضرت علیؑ سے کیوں عداوت ہوئی۔ وہ تو وحدانیت و نبوت کے منکر تھے۔ معلوم ہوا کہ خدا کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت اور علیؑ کی خلافت میں ایک جزو مشترک تھا۔ اگر یہ اشتراک نہ ہوتا تو پھر منافقین علیؑ کے عروج سے ناراض اور ان کے تنزل سے خوش نہ ہوتے۔ وحدانیت کی تعلیم وابستہ تھی۔ محمدؐ کی رسالت اور علیؑ مرتضیٰ کی خلافت سے اور یہ وابستگی اس ہی خدا کی قائم کی ہوئی تھی جس نے محمدؐ کو اپنا رسول مقرر کر کے بھیجا تھا۔ لہذا وہ لوگ جو نہیں چاہتے تھے کہ علیؑ خلیفہ ہوں۔ منافق تھے۔ منافقین اور جماعت مترصدین حکومت نہیں چاہتے تھے کہ علیؑ خلیفہ ہوں۔ لہذا دونوں میں اتحاد عمل ہونا ضروری تھا اور ہوا۔ واقعہ عقیدہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں مل کر شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ جب ہی تو جناب رسولؐ خدا نے خلیفہ کو ان حملہ آوروں کے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ آپ کے اصحاب کی نضیحت نہ ہیا اور ان کو سزا دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا

علیؑ

منافقین کو حضرت علیؑ سے کینہ کی وجہ سے  
وحدانیت خدا، نبوت محمدؐ، رسالت علیؑ اور خلافت علیؑ میں وابستہ ہونا  
عقیدہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں مل کر شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ جب ہی تو

کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے اصحاب کی مدد سے تو محمد نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور اب اپنا کام نکال کر اپنے اصحاب ہی کو قتل کرنے لگے۔ عُرِفِ عام کے منافقین کبھی آپ کے ساتھ ہو کر کافروں سے نہیں لڑتے۔ اگر ایک دفعہ شکر اسلام کے ساتھ چلے بھی گئے تھے تو عین وقت پر الگ ہو گئے۔ اور نہ ہی اُن کے نام کے چھپانے کی ضرورت تھی کیونکہ ان کو تو سب جانتے تھے۔ غور تو کیجئے ان دونوں جماعتوں کا مل کر ایک ہو جانا کیسا نمایاں ہے۔ کیا وجہ تھی کہ جناب رسول خدا کی حیات میں تو جماعت منافقین کا نام بار بار سننے میں آتا ہے۔ اور بہت شد و مد کے ساتھ ان کے افعال و اقوال پر سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے۔ وہ راتنی کثرت و قوت والے تھے کہ اُن کا ذکر قرآن شریف میں بھی آ گیا۔ آخری آیت جو قرآن شریف کی ہے اس تک میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ مِّنَ النَّاسِ کا لفظ آیا ہے۔ یا تو اس کے معنی یہ لو کہ صحابہ کی اکثریت ہی اس رنگ میں رنگی گئی تھی۔ اکثریت کی وجہ سے لفظ "ناس" کہا گیا۔ یا یہ کہ یہ منافقین ہی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ صورت اس بحث میں ہمارا مقصد دونوں تاویلوں سے پورا ہوتا ہے۔ یہ کیا ہوا کہ جناب رسول خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی جماعت منافقین صفحہ ہستی سے اُٹھ گئی۔ اُن کا ذکر ہی نہیں آتا بلکہ ان کی موجودگی پر مفروضہ حدیث نجوم کا پردہ ڈالا جاتا ہے۔ سارے صحابی ہدایت کے ستارے ہیں جس سے جی چاہے ہدایت حاصل کر لیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ جماعت یک لخت غائب نہیں ہو گئی بلکہ یہ بزرگوار مانتے ہیں، کہ جناب رسول خدا کے زمانہ سے بھی زیادہ منافقین کی شرارت آشخسرت کے بعد بڑھ گئی۔ کیونکہ جناب رسول خدا کی حیات میں وہ اپنے منافقانہ جذبات کو چھپاتے تھے اور اب علانیہ ظاہر کرتے ہیں۔

جماعت منافقین جماعت حکمران ہیں مدغم ہو گئی

عن حذیفہ بن الیمان قال ان  
المنافقین الیوم شر منہم علی

خاریفہ کہتے ہیں کہ آج کے دن کے منافقین  
بہت زیادہ خطرناک اور بُرے ہیں۔ بہ نسبت

عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کانوا یومعون لیسرون والیوم یجہرون  
 صحیح بخاری۔ الجزء الرابع باب اذا نزل عند  
 قوم شیئاً ثم اخرج فقال بخلافه ص ۱۵۳

ابن حجر عسقلانی :- فتح الباری الجزء الثالث عشر ص ۶۲  
 اتنی جرات و دلیری منافقین میں کیوں آگئی کہ وہ اپنے تئیں علانیہ ظاہر کر رہے  
 ہیں اور اپنے منافقانہ جذبات و افعال و اقوال کو کھلے بندوں پھیلا رہے ہیں اور  
 کوئی کچھ نہیں کہتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی ہی جماعت تو برسر حکومت ہے  
 ان کو اب کس کا ڈر۔ اس کو ذہانت و دور بینی کہو یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کہ آنحضرتؐ  
 جان گئے تھے کہ میرے بعد منافقین اور اُمیدواران حکومت کی جماعت بل کر ایسی  
 شیر و شکر ہو جائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے۔ اس وقت محض علی ہی کی ذات  
 سے ان کی شناخت ہو سکے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے :- لولاک یا علی ما عرف  
 المؤمنون من بعدی

یعنی اے علی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومن کی شناخت نہ ہو سکتی

محب الدین طبری :- ریاض النظرۃ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۲۰۲

علی المتقی :- کثر العمال الجزء السادس ص ۲۰۲ حدیث ۶۱۱۲

دوسری تدبیر۔ فطرت انسانی کے عمل کے مستقل اصل و قواعد مقرر ہیں اور  
 جو لوگ ان کو معلوم کر لیتے ہیں وہ ہی قوم کے رہنما، پیشوا ہو سکتے ہیں۔ محبت،  
 نفرت، غرور، رنج، خوشی، سرکشی، نافرمانی، اطاعت وغیرہ کے جذبات  
 رکن حالات میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب یہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں تو  
 انسان کا طرز عمل کیا ہوتا ہے۔ جب کسی حاکم کے احکام کو ہم پسند نہ کریں تو نافرمانی کا  
 جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب نافرمانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو یہ خیال آتا ہے کہ  
 ہم ایسا طرز عمل اختیار کریں کہ یہ ہماری نافرمانی نازیبا اور بے جا نہ معلوم ہو اور

کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ہونسکے ہمارے ہنجیال لوگ زیادہ ہوں اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے انسان اُس حاکم کے احکام پر نکتہ چینی کرنی شروع کرتا ہے۔ تاکہ اس کے احکام بد نما اور ہماری نا فرمانی خوش نما ظاہر ہو اور ہم سے ہمدردی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ یہی طرز عمل منافقین نے اختیار کیا۔ جب انہوں نے آنحضرت کے احکام و حدائیت و رسالت کو اچھا نہ سمجھا اور یہی طرز عمل جماعت مخالفین نے اختیار کیا۔ جب انہوں نے آنحضرت کے احکام خلافت کو پسند نہ کیا۔ چنانچہ مترصدین حکومت کی دوسری تجویز جناب رسالت کے احکام، اذوال و طرز عمل پر نکتہ چینی کرنی تھی۔ جب آنحضرت حضرت علی کے فضائل بیان کرتے یا ان کو دیگر صحابہ پر ترجیح دیتے یا کوئی اور ایسا امتیازی سلوک حضرت علی سے کرتے جس سے ان کا مستقبل کا خلیفہ ہونا ظاہر ہو تو فوراً یہ جماعت نکتہ چینی اور اعتراض کر دیتی۔ اس سے ان کے کئی مقصد حل ہوتے تھے۔ ایک تو یہ کہ ان کا اعتراض کرنا لوگوں میں شائع ہو جائے۔ اور لوگ سمجھیں کہ جب ایسے قریب اٹھنے بیٹھنے والے اعتراض کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں۔ گویا اعتراض و نکتہ چینی کا رواج ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ان کی اس نکتہ چینی سے جس کو وہ حق بجانب سمجھتے تھے یہ امر لوگوں پر منکشف ہو جائے کہ جناب رسول خدا حضرت علی پر ناجائز مہربانیاں فقط محبت خانہ ان و اُلفت دامادی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس اشاعت نکتہ چینی سے ان کے ہنجیال لوگ پیدا ہو جائیں اور ان کی جماعت میں اضافہ ہو۔ چوتھی غرض یہ بھی ہوتی تھی کہ شاید پھر آنحضرت اپنے اس طرز عمل کو چھوڑ دیں یا اس میں کمی کر دیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے صرف حضرت عمر ہی ہوتے تھے۔ اب فرمائیے ان کے اس طرز عمل سے تفرقہ پھیلایا اتحاد بڑھا۔ ہم نہ کہتے تھے کہ ان کی ہر ایک تجویز تفرقہ پیدا کرنے والی ہوتی تھی اور ان کی حکومت کی وجہ ہست و بود ہی تفرقہ تھا۔ اس نکتہ چینی کی

اس نکتہ چینی کے اعتراض

کئی مثالیں تو تاریخ میں بھی محفوظ ہو گئیں۔ ایام محاصرہ طائف میں ایک دن آنحضرتؐ نے بہت دیر تک خلوت میں راز کی باتیں حضرت علیؑ سے کیں۔ لوگوں کو اس پر حسد ہوا اور آنحضرتؐ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ آنحضرتؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں نے یہ راز کی باتیں علیؑ سے نہیں کیں بلکہ خدا نے کیں۔ تاریخ حبیب السیر کے الفاظ ہیں :- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما حضرت رسالت گفت یا رسول اللہ! حضرت ابوبکرؓ نے تم کو پیش خلیفہ کر دیا۔ راز ہی گوئی فقال یا عمر ما انتجتہ و لکن اللہ انتجاہ۔ دیکھو حبیب السیر جلد اول جزء سوم ص ۶۶

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ نو لکھنؤ الجزء الرابع ص ۶۶

علامین :- معارج النبوة رکن چہارم باب یازدہم در بیان قتل سال ششم از ہجرت ص ۱۸۲

مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ مطبعہ مجتہبی کتاب الفتن مناقب علی بن ابی طالب ص ۵۶۴

جب آنحضرتؐ نے خطبہ دیا تو اس میں ارشاد فرمایا کہ لوگ حسد کی وجہ سے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ میں نے علیؑ سے راز گوئی نہیں کی بلکہ خدا نے کی۔

ہبید اللہ امرتسری :- ارجح المطالب باب چہارم ص ۶۵

تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن الجوزی باب الثانی ص ۲۵

اسی طرح جب تمام صحابہ کے مکالموں کے دروازے چو مسجد میں کھلتے تھے آنحضرتؐ نے بند کرانے کا حکم دیا اور حضرت علیؑ کا مسجد کی طرف کا دروازہ کھلا رہنے دیا تو لوگوں نے اس پر بہت نکتہ چینی کی۔ پھر آنحضرتؐ کو خطبہ دینا پڑا اور فرمایا کہ میں نے نہ تمہارے دروازے بند کرائے نہ علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا بلکہ خدائے تمہارے دروازے بند کرائے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ غدیر خم کے اعلان جانشینی کے بعد اس جماعت میں ایک کھلی مچ گئی

۱۵ امام احمد حنبل مسند الجزء الاول ص ۱۷۵، الجزء الثانی ص ۲۶۔ الجزء الرابع ص ۳۶۹

ابن حجر عسقلانی :- فتح الباری شرح صحیح بخاری الجزء السابع ص ۵۹

محب الدین طبری :- ریاض النضرۃ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۴ (بقیہ صفحہ آئندہ)

اس وقت ایک گم نام دیہاتی حارث بن نعمان فہری سے یہ کام لیا گیا۔ اس نے نہایت گستاخانہ طریقہ سے اعتراض کیا اور سزا پائی۔ یہ قضیہ قرطاس اس اعتراض منکنتہ چینی کی آخری درجہ کی گستاخی کی مثال ہے۔ بار بار اعتراض کر کے ایک بات کو لوگوں کی توجہ میں لاتے رہنے سے قبیلانہ رشک و حسد میں اضافہ ہوتا گیا۔

تیسری تدریس جیش اسامہ کو روکے رکھنا تھا۔ جیسا ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ جناب رسول خدا کو اس جماعت کی موجودگی اور ان کی حرکات اور سازشوں کا اچھی طرح علم تھا۔ جب وحی الہی سے آنحضرتؐ کو معلوم ہو گیا کہ اب نہ رحلت نزدیک آگیا ہے تو اس عشق و انہماک کی وجہ سے جو آپ کو اسلام کے ساتھ تھا اور اس فکر و تردد

تیسری تدریس جیش اسامہ

صفحہ ۸۷ کا بقیہ حاشیہ :-

- ابن حجر مکی: صواعق محرقة باب التاسع فصل الثانی حدیث الثالث عشر ص ۳۷، حدیث الثالث عشر ص ۴۷
- عزرا دین سمودی :- دفاع الوفاء الجزء الاول باب الرابع فصل الحادی عشر ص ۳۳۴ تا ۳۴۰
- ابن کثیر شامی :- البدایة و النہایة فی التاریخ الجزء السابع ص ۳۲۲
- جلال الدین سیوطی :- کتاب الدر المنثور الجزء الثالث ص ۳۱۲، الجزء السادس ص ۱۲۲ زیر تفسیر یہ و انجم ذابہوی آیت
- مولوی حسن الزمان :- القول المستحسن ص ۲۲۲
- شمس الدین الجزری :- اشہی المطالب ص ۱۲

تفسیر تعلیمی :-

- ابراہیم بن عبداللہ الیصانی :- کتاب الاکتفاء
- شہاب الدین دولت آبادی :- ہدایت السعداء
- نور الدین سمودی :- جواہر العقیدین
- عبدالرؤف منادی :- فیض التقدر شرح جامع صغیر
- محمود قاری :- صراط سوی
- محمد بن اسماعیل صلاح الامیر :- روضة التدریس شرح تحفة العلویہ



کے زیر اثر ہو آپ کو اسلام کے آئندہ تحفظ کے متعلق تھا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر اس مخالف جماعت کے بڑے بڑے اراکین میری رحلت کے وقت مدینہ سے دور ہوں تو ممکن ہے کہ علی کی حکومت و خلافت قائم ہو کر اسلام کے لئے صراطِ مستقیم مل جاوے۔ لہذا جس دن مرفض موت شروع ہونے والا تھا اس سے ایک دن پہلے آپ نے جیشِ اسامہ مرتب فرمایا اور اس میں تمام صحابہ کو با تشناء حضرت علی و بنو ہاشم شامل ہونے کا حکم دیا۔ اسامہ بن زید کو اس کا حاکم مقرر فرمایا۔ مدعا یہ تھا کہ زید کی موت اور واقعہ موت کی شکست کا بھی پورا بدلہ ہو جائے اور جب آپ رحلت فرمائیں اور خلافت کے قیام کا وقت آئے تو وہ لوگ جو حضرت علی کے مخالف تھے اور وہ جو مسند حکومت کی طرف نظر رکھتے تھے مدینہ میں موجود نہ ہوں لیکن وہ لوگ جو پہلے ہی سے اس وقت کی امید میں بیٹھے تھے وہ بھی سمجھ گئے۔ آنحضرت کی بار بار کی تاکید صراحت کے باوجود وہ نہ گئے یہاں تک کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا۔ ایسی تارا پیر اختیار کرنا جناب

۱۵ تاریخ طبری الجزء الثالث جلد ۲ ص ۵۳۱، ۵۳۰ مطبوعہ مطبع نو لکھنؤ۔

تاریخ طبری الجزء الثالث جلد ۱، ۱۸۸، ۱۸۹۔ تاریخ الکامل ابن الاثیر الجزء الثاني ص ۱۲۔

تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء سیم ص ۷۷۔

ابو بکر و عمر ماتحت اسامہ تھے۔ حضرت علی و بنو ہاشم اس میں نہ تھے۔

فتح الباری ابن حجر عسقلانی الجزء السابع ص ۶۹ مناقب زید بن حارثہ۔

تذہیب التہذیب فیہی حال اسامہ، ابن حجر عسقلانی۔ تذہیب التہذیب الجزء الاول ص ۲۰۸۔

تاریخ النبوة جلد ۲ ص ۵۳۰، ۵۳۱۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۵۳، الجزء الثاني ص ۲۰۔

لعن اللہ من تخلف عنہا

حجج الکرامہ لزاہد ص ۷۷، یقین خان۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثاني ص ۲۰۔

کتاب الملل والنحل شہرستانی برعاشیہ کتاب الفہرست فی الملل والاصواء والنحل ص ۲۰۔

رسول خدا کی شان کے منافی نہ تھا۔ مدعا تو وہی ہدایت خالق تھا۔ پیسنت الہی تھی کہ مخالفین کی تجویزوں کو اپنی تجویزوں سے توڑا جائے مگر واو مکر اللہ واللہ خیر الماکونین جب علی کو اپنے رسول کے بستر پر سلا کر اور اس طرح کفار کی آنکھوں میں خاک ڈال کر وہاں سے اپنے رسول کو نکالنے میں خداوند تعالیٰ کی کچھ تنقیض شان نہ ہوئی تو مخالفین کو اس طرح مدینہ سے نکالنے میں جناب رسول خدا کی کون سی کسر شان تھی ؟

جیش سامہ میں بڑے بڑے ہماجر و انصار مثل حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، ابو عبیدہ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ و زبیر و اسید بن حصیر و بشیر بن سعد کو شامل ہونے کا حکم تھا۔ جب باوجود بار بار کی تاکید کے یہ لوگ نہ گئے تو آنحضرت نے فرمایا کہ لعنت ہو خدا کی اس پر جو جیش سامہ کے ساتھ نہ چلا جائے۔ لیکن باوجود اسکے یہ لوگ نہیں گئے یہاں تک کہ جناب رسول خدا کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ اس سے مسلمانوں کی تفریق کی تاریخ پر بہت روشنی پڑتی ہے اور جماعت مخالفین کے ارادے اور مقاصد بالکل عریان ہو جاتے ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو عبارتیں نقل کی جائیں۔

ابن ابی الحدید مقرر علی ابی شرح نوح البلاغہ میں تحریر کرتے ہیں :-  
 لما مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت دعا سامہ بن زید بن حارثہ فقال سرالی مقتل ابيك فاوطئهم الخيل فقتلوك ولبيتك علي هذا الجيش وان اظفرك الله بالعدو فاقتل للبت وبت العيون وقدم الطلوع فلم يبق احد من جوه المهاجرين

۱۰۹ دیکھو نوٹ ۱ ص ۱۰۹  
 ۱۱۰ دیکھو نوٹ ۱ ص ۱۱۰

علا، سامہ میں بڑے بڑے ہماجر و انصار

والانصار الاکان فی ذالک الجیش  
منہم ابوبکر وعمر فتکلم قوم و  
قالوا استعمل هذا الضلع م  
جدة المهاجرین والانصار فغضب  
رسول الله صلى الله عليه  
واله وسلم لما سمع ذلك وخرج  
عاصبا راسه فصعد المنبر وعليه  
قطيفة فقال ايها الناس ما مقالة  
بلغتني عن بعضكم في تأميري  
اسامة فقد طحنتم في تأميري  
ايها من قبله وايما الله ان كان الخليفة  
بالامارة وابنه من بعد الخليفة  
بها وانهما لمن احب الناس  
الي فاستوصوا به خيرا فانه  
من خياركم ثم نزل ودخل بيته  
وجاء المسلمون يودعون رسول  
الله صلى الله عليه واله و  
سلم ويتبعون الي عسكر  
اسامة بالجرم وتمت  
رسول الله صلى الله عليه واله  
وسلم واشتد ما يجده فارسل  
بعض نساءه الي اسامة و  
بعض من كان معه فجلدوهم

بڑے بڑے عوام اس لشکر میں سامہ کے ماتحت  
تھے ابوبکر و عمر بھی اس میں مامور کئے گئے۔ لوگوں نے  
اعتراض کیا کہ اس لڑکے کو بڑے بڑے ماجرو  
انصار پر جناب سولہ نے مروت بنا یا ہے۔ جب  
آنحضرت نے ان کا یہ اعتراض سنا تو آپ بہت غضبناک  
ہوئے اور بیت الشرف سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے  
سر پر کپڑا بندھا ہوا تھا منبر پر تشریف لے گئے اور  
فرمایا اے لوگو! یہ تمہارا کیا اعتراض ہے جو مجھ تک پہنچا  
ہے۔ تم اس بات پر طعنہ زنی کرتے ہو کہ میں نے تم پر  
اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے بیشک تم نے اس وقت  
بھی طعنہ زنی کی تھی جب میں نے اس کے باپ پر  
کہ تم پر امیر مقرر کیا تھا اور قسم بخورنا زید امیری کے  
لئے تم سے لائق تھا اور اسکے بعد اس کا بیٹا اسامہ  
امیری و سرداری کے لئے تم سے زیادہ لائق ہے۔ یہ  
دو دن میرے بہت عزیز و محبوب ترین اشخاص  
میں سے ہیں پس تم اسامہ سے نیکی چاہو۔ یہ تمہارے  
اپنے لوگوں میں سے ہے۔ پھر آپ منبر سے تشریف  
لے آئے اور داخل بیت الشرف ہوئے۔ اب لوگ  
آنحضرت سے طاع ہوتے تھے اور لشکر کی طرف  
جاتے تھے جو بقیام جوف تھا۔ پس اس کے بعد  
جناب سولہ خدا کا مرض شدید ہو گیا۔ آنحضرت  
کی ازواج میں سے چند نے اسامہ کی طرف پیغام  
بھیجا کہ واپس آ جاؤ اور جو لوگ اسامہ کے ساتھ

ذٰلِكَ فَدَخَلَ اسامه من  
معسكره والنبى صلى الله  
عليه واله وسلم مخموس  
وهو اليوم الذى لدوا فيه  
قطاطاً اسامه عليه فقبله  
رسول الله صلى الله عليه واله  
وسلم قد اسكنت فهو لا يتكلم  
فجعل يرفع يديه الى السماء  
ثم يضعها على اسامه كالداعى له  
ثم اشار اليه بالرجوع الى عسكرة  
والتوجه لما بعثه فيه فرجع اسامه  
الى عسكرة ثم ارسل نساء رسول الله  
صلى الله عليه واله الى اسامه يامرته بالدخول  
ويقولن ان رسول الله صلى الله عليه واله  
قد اصبح بارعاً فدخل اسامه من معسكره  
يوم الاثنين الثانى عشر من شهر  
ربيع الاول فوجد رسول الله  
صلى الله عليه واله مضيقاً  
فامرته بالخروج وتحويل النفوذ  
وقال اغتر على برکت الله وجعل  
يقول انفذوا بعث اسامه و  
يكسر ذاك فودع رسول الله صلى  
الله عليه واله وخرج ومعه

تھان میں سے چند کچھ درز زیادہ ان پیغام لانے والوں  
کو پڑھا دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسامہ  
اپنے لشکر سے واپس مدینہ آنحضرت کی خدمت میں  
آگیا اور یہ وہ دن تھا جس دن ان لوگوں نے  
آنحضرت کو آپ کی مرضی کے خلاف واپلائی آپ بہر  
تھے اسامہ آپ پر ٹھکے۔ آنحضرت ہوش میں  
آئے اور اسامہ کو برسہ دیا لیکن آپ بول  
نہیں سکتے تھے آپ نے اپنے دو لڑکے ہاتھ  
آسمان کی طرف اٹھائے پھر ان کو اسامہ پر رکھا  
معلوم ہوتا تھا کہ آپ عمارت سے ہیں پھر آپ نے  
اشارہ کیا کہ تم اپنے لشکر کی طرف جاؤ اور اس  
ہم پر فوراً چلے جاؤ جو تمہارے سپرد کی گئی ہے  
پس اسامہ اپنے لشکر میں آگئے پھر چند احوال رسول نے  
اسامہ کی طرف حکم بھیجا کہ تم چلے آؤ۔ رسول خدا کی  
حالت بہتر ہے۔ پس اسامہ اپنے لشکر سے بروز  
دوشنبہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول واپس آئے۔ دیکھا کہ  
رسول خدا کچھ بول سکتے ہیں۔ آنحضرت نے  
اسکو دیکھ کر حکم دیا کہ تم فوراً چلے جاؤ اور لشکر کو  
لے جانے میں جلدی کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ  
جاؤ جہاد کرو خدا برکت دے گا اور آپ بار بار  
کہتے تھے کہ اسامہ ایسا سکے لشکر کو فوراً روانہ  
کرو۔ پس اسامہ نے آنحضرت کو وداع کیا اور  
باہر آئے اور حضرت ابو بکر و عمر ان کے ساتھ

تھے پس شکر میں پہنچ کر گے چلنے کے لئے تیار ہوئے تو  
 اُمّ امین کا قاصداً آیا کہ رسول خدا پر حالت نزع ہے  
 پس وہ واپس آئے اور ان کے ساتھ ابو بکر  
 عمر و ابو عبیدہ بھی تھے۔ رسول خدا کے درودات  
 اُس وقت پہنچے کہ جب سورج زوال پر تھا اور اُس وقت  
 آنحضرت کا انتقال ہو گیا تھا۔ علم فوج بریدہ  
 بن النخعیب کے پاس تھا۔ وہ علم لے کر آئے  
 اور جناب رسول خدا کے دروازے پر علم کو حرکت  
 دینے لگے۔ دروازہ بند تھا اور اندر حضرت  
 علی علیہ السلام اور بعض نبیہا شام آپ کی  
 تجویز و تکفین میں مشغول تھے۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۵۳ بشرح خطبہ شمشقہ

اپنی شرح نہج البلاغہ میں ابن ابی الحدید نے ایک اور جگہ ابو بکر جو ہرمی سے نقل

کیا ہے :-

جناب رسول خدا نے اپنے مرض موت میں ایک  
 لشکر مرتب کیا جس پر اسامہ بن زید بن حارثہ کو  
 امیر مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں اکابر ہاجرین  
 انصار مثل ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح و  
 عبدالرحمن بن عوف و طلحہ و زبیر تھے اور حکم دیا  
 کہ وہ موتہ پر جہاں اسکا باپ قتل ہوا تھا جنگ  
 کیسے اور نیز وادی فلسطین میں جنگ کرے  
 پس اسامہ نے تیاری کی اور اس کی تیاری  
 کے ساتھ لشکر بھی تیار ہوا۔ جناب سوگنی کا مرض

ان رسول اللہ امر فی مرض موتہ  
 اسامہ بن زید بن حارثہ علی  
 جیش فیہ اجلۃ المہاجرین والانصار  
 منہما ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن  
 الجراح و عبد الرحمن بن عوف  
 و طلحہ و الزبیر و امرہ ان یغیرو  
 علی موتہ حیث قتل ابوہ زید و ان  
 یغزو وادی فلسطین فتقاتل اسامہ  
 و تقاتل الجیش بنتا قتلہ و جعل

رسول الله في مرضه يثقل و  
 ليخفت ويؤكد القول في تنفيذ  
 ذلك المبعث حتى قال له اسامه  
 يا ابي انت واهي اتاذن لي ان  
 امكت اياما حتى يشفيك الله و  
 فقال اخرج و سر على بركة الله فقال  
 يا رسول الله انا خرجت وانت  
 على هذه الحال خرجت وفي قلبي  
 فرحة منك فقال سر على النصر و  
 والعافية فقال يا رسول الله اني  
 اكره ان اسئل عنك الركبان فقال  
 انقل لي لدا امرتك ثم اعني على  
 رسول الله وقام اسامه فاجهز  
 للخروج فلما افاق رسول الله  
 سأل عن اسامه والمبعث فاخبر  
 انهم يتجهزون فجعل يقول  
 انقلوا المبعث اسامه لعن الله  
 من تخلف عنه ويكر ذلك  
 فخرج اسامه واللواء على راسه  
 والصحابة بين يديه حتى اذا  
 كان بالجرف نزل ومعه  
 ابوبكر وعمر واكثر  
 المهاجرين ومن الا نصار

کبھی بڑھتا تھا اور کبھی گھٹتا تھا اور آنحضرتؐ بار  
 بار اس شکر کی روانگی کی تاکید فرماتے تھے  
 یہاں تک کہ اسامہ نے آپؐ سے عرض کی کہ میرے  
 ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ مجھے اتنی  
 اجازت دیں کہ میں اُس وقت تک ٹھہر جاؤں  
 کہ خداوند تعالیٰ آپؐ کو شفاء عطا فرمائے لیکن  
 آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں تم فوراً چلے جاؤ  
 اور خدا کی برکت پر بھروسہ رکھو۔ پھر اسامہ نے  
 کہا کہ اگر میں اس حالت میں آپؐ کو چھوڑ کر  
 جاؤں گا تو میرے دل میں سخت رنج و الم رہے گا  
 لیکن پھر بھی آپؐ نے توقف کی اجازت نہ دی  
 اور فرمایا کہ تم چلے ہی جاؤ۔ پھر اسامہ نے عرض کی  
 کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپؐ سے شتر سوار مانگیوں  
 رجو روز خیر لے آیا کریں) آنحضرتؐ نے پھر  
 تاکید فرمائی اور کہا کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں  
 تم اس مہم پر فوراً روانہ ہو جاؤ۔ اس کے  
 بعد آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ اسامہ اٹھے  
 اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔ جب جناب  
 رسول خداؐ کو افاقہ ہوا تو پھر اسامہ اور اس کے  
 روانہ ہو جانے کی بابت سوال کیا لوگوں نے کہا  
 کہ وہ تیاری کر رہے ہیں۔ پھر آپؐ بار بار یہی  
 کہتے رہے کہ شکر اسامہ فوراً چلا جائے۔ خالعت  
 کرے اُس پر جو شکر اسامہ سے تخلف کرے۔

آپ اس لعنت کے فقرے کی تکرار کرتے رہے  
پس اُسامہ مدینہ سے باہر چلے۔ ان کے سر پر علم تھا اور  
صحابہ انکے ارد گرد تھے۔ حتیٰ کہ جنت تک پہنچے جو  
مدینہ کی جوانی میں ہے اور وہاں پر ٹھہر گئے۔ ابو بکر  
عمر واکثر ہاجرین انکے ساتھ تھے اور انصار میں سے  
بھی لوگ ساتھ تھے مثلاً اسید بن حصیر و بشیر بن سعد  
وغیرہ۔ اتنے میں اُمّ امین کا قصد آیا اور خبزی  
کہ جناب سولہ خدا پر حالت نزع طاری ہو گئی ہے اس  
فورا اٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینہ آئے اور علم  
ان کے سر پر تھا۔ بچوں ہی علم لا کر دروازہ رسول  
پر رکھا۔ آنحضرت نے رحلت فرمائی۔ ابو بکر و عمر  
جب تک زندہ رہے اُسامہ کو اپر کہہ کر پکارتے رہے۔

اسید بن حصیر و بشیر  
بن سعد و غیرہما من  
الوجوه فجاء رسول امرایین  
يقول له ادخل فان رسول  
الله يموت فقام من فوره فدخل  
المدینة واللواء علی  
سراسه فجاء به حتی رکزہ  
بیاب رسول الله وقد  
مات فی تلك الساعه  
قال فسا کان ابو بکر و عمر  
یخاطبان اسامہ الی ان ماتا  
الا بالامیر۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نوح البلاغہ الجزء الثانی ص ۲۰

جو کھٹی اور نہایت زبردست ٹڈ پیر۔ اس جماعت کو بستر مرگ رسول پر قضیہ  
قرطاس کے وقت کرنی پڑی۔ جب جناب رسول خدا کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ  
جماعت حضرت علی کی خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور مسند حکومت  
پر خود نظر رکھتی ہے تو آنحضرت نے سوچا کہ آخری حجت اپنے آخری وقت میں  
اس طرح پوری کرنی چاہیے کہ ان لوگوں کو اپنی ذلی حالت کے چھپانے کا  
موقع ہی نہ ملے۔ حجت بھی پوری ہو جائے اور ان کے دل کی کیفیت بھی عریاں  
ہو جائے۔ اور اگر موجودہ نسل کو یہ اپنی چالاکیوں کے ذریعہ سے حرص و لالچ  
کے دام میں پھنسا کر اپنی طرف کر بھی لیں تو آنے والی اُمرتِ اسلامیہ پر تو  
ظاہر ہو جائے کہ جن لوگوں نے علی کی مخالفت کی تھی وہ اپنے رسول کے بھی  
تالبدار نہ تھے اور اس کی وقعت ان کے دل میں کچھ نہ تھی اور قومِ معنی

کہہ کر ہمیشہ کے لئے آپ نے انہیں اپنے حلقہ سے خارج کر دیا۔ ہم نے قضیہ قرطاس کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ البلاغ المبین کتاب اول میں درج کیا ہے۔ یہ واقعہ نہایت اہم ہے۔ اور اس مورخ کے لئے جو تفریق اسلام کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے اسکے ہر پہلو پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

اس واقعہ کے ثابت کرنے میں کچھ مشکل نہیں پیش آئے گی کیونکہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں سات جگہ مختلف طرق و اسناد کے ساتھ مروی ہے صحیح مسلم میں کئی جگہ مختلف اسناد کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ مسند امام حنبل، مشکوٰۃ، تاریخ روضۃ الاحباب وغیرہ ہر ایک مستند کتاب تاریخ و حدیث میں درج ہے چونکہ اس جماعت کے سردار اعلیٰ کا قول و فعل زیر اعتراض آتا ہے۔ لہذا ہر ایک محدث و مورخ نے اپنی اپنی عقل کے مطابق ان کو بچانے کی کوشش کی ہے لہذا کئی اعتبارات سے نقل کرنے میں گئے تاکہ اصیلت معلوم ہو جائے۔

اب ہم اس غم اندوز اور دلسوز کہانی کو ان ہی بزرگوں کی زبانی سناتے ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ واقعہ مختلف طرق و اسناد کے ساتھ درج ہے :-

حدثنا اسحاق بن ابواہیم اخبرنا

وكيع عن مالك بن مغول عن

طلحة بن مصرف عن سعيد بن

جبیر عن ابن عباس انه قال

يوما الخبيس وما يوم الخبيس

ثم جعل تسيل وموعه حتى رايت

عليه خديبه كاتفا نظام اللو او

قال قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم ائتوني بالكتف والدفا

را واللوح والدواة، اكتب لكم

ابن عباس مثنیٰ ہے وہ کہتے تھے جمعرات۔ ہائے جمعرات کا دن سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ پھر ابن عباس کی آنکھوں کے آئینے لگے میں دیکھتا تھا کہ گویا موتیوں کی لڑی ہے ابن عباس نے کہا کہ جناب سید الخدائے فرمایا کہ کاغذ دوات یا تختی و دوات لادب میں ایک ایسا شیقہ لکھو دوں کہ پھر تم اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو سکو لیکن لوگوں نے کہا کہ رسول خدا ہدیان

صحیح مسلم میں اس واقعہ کا ذکر



کتاباً بالین تفضلوا بعدہ ایلاً فقألوا  
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم یہجر۔

بک رہتے ہیں

وحدثنی محمد بن رافع وعبید بن  
حمید قال عبد الخیرنا وقال بن  
رافع حدثنا عبد الرزاق الخیرنا  
معمر عن الزہری عن عبید اللہ  
بن عبد اللہ بن عتبہ عن ابن عباس  
قال لما حضر رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم وفی بیت رجال فیہم  
عمر ابن الخطاب فقال النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم هلیرا کتب لکم کتاباً لا  
تضلون بعدہ فقال عمر ان رسول  
اللہ قد غلب علیہ الوجع وعندکم  
القرا ان حسبنا کتاب اللہ فاختلفت  
اہل البیت فاختصموا فبنتهم  
من یقول قریباً یکتب لکم رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاباً بالین  
تفضلوا بعدہ ومنہم من یقول  
ما قال عمر فلما اکثر والأخو والاختلاف  
عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم قوموا قال عبید اللہ

دا اسمائے رداۃ عربی میں دیکھو

ابن عباس سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ  
جب جناب رسول خدا کا وقت اختصار ہوا تو  
دولت شرکے نبوت میں عمر بن الخطاب اور دیگر  
حضرات موجود تھے جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا  
کہ آؤ میں تمہارے لئے ایسا شیعہ لکھ دوں  
کہ اسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر بولے  
کہ یہ بات تو جناب رسول خدا نے عرض کی وجہ سے  
کہہ رہے ہیں ورنہ تمہارے پاس تو قرآن شریف  
موجود ہے اور کتاب اللہ ہی محض ہمارے لئے کافی ہے  
اس پر حضار خانہ میں اختلاف ہوا ان میں سے بعض تو یہ  
کہتے تھے کہ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کرو اکثر وہ کہتے  
تھے جو عمر نے کہا تھا جب بہت شور و شغب ہوا  
تو جناب سالتما نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ  
پس ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے  
کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی جو  
بات جو ان لوگوں کے شور و لغو کی

فکان ابن عباس یقول ابن الرزّیة  
کل الرزّیة ما حال بین رسول اللّٰه  
صلی اللّٰه علیہ وسلم و بین ان ینتبه  
ذلک الکتب من اختلاہم و لعظمتہ

وجہ سے رسول اللہ کے ارادہ کتابت  
دیشقہ میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے  
آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ  
لکھ سکے۔

صحیح مسلم مطبوعہ محمد علی بیان الازہر بمصر الجوز الخاس کتاب البصیة ص ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹

صحیح بخاری میں یہ روایت سات جگہ دہرائی گئی ہے۔ ان میں سے دو عبارتیں  
ہم نقل کرتے ہیں :-

عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس  
ما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب  
دمعہ العصباء فقال اشترت  
برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم  
و جعہ یوم الخمیس فقال ائتونی  
بکتاب اکتب لکم کتابا لن تصنلوا  
بعدا لا ابدًا فتنازعوا ولا ینبغی  
عند نبی تنازع فقالوا اھجر رسول  
اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم فقال دعونی  
والذی انا فیہ خیر مما تدعوننی  
الیہ و اوضی عند موتہ بثلاثہ  
اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب  
اجیزوا الوفدینجو ما کنت  
اجیزہم و نسیت الثالثہ

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہا انہوں نے کہ جمعرات کا  
دن کیسا افسوسناک تھا جمعرات کا دن پھر رونے لگے  
یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں نے زمین کی ٹکریوں کا  
رنگ لٹایا کہا کہ جمعرات کے دن جناب سول خدا کا مرض  
زیادہ تیز ہو گیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کا  
سامان لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسا صحیفہ لکھ دوں کہ  
پھر اسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو لوگوں نے اختلاف و تباہ کیا  
حالات کہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ان لوگوں نے  
کہا کہ رسول اللہ ہدیان پاک رہے ہیں آنحضرت نے فرمایا کہ  
مجھے رہنے دو جس حالت میں میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے  
جس حالت کی طرف تم مجھ کو بلا تے ہو اور آنحضرت نے  
اپنی وفات کے نزدیک تین وصیتیں کیں (۱) مشرکین کو  
جزیرہ عرب سے نکال دو (۲) وفد کیسے کسی طرح سدک کر دو  
جس طرح میں کرتا تھا تیسری وصیت راوی بھول گیا

صحیح بخاری کتاب الجہاد و السیر باب هل یستشفع الی اهل الذمّة و معاملتہم  
حدیثنا ابراہیم بن موسیٰ قال اخبرنا

(انہما نے راویان عربی میں دیکھو)

صحیح بخاری میں اس واقعہ کا ذکر سات جگہ

هشام عن معمر عن الزهري  
 عن عبيد الله بن عبد الله  
 عن ابن عباس قال لما حضر النبي  
 صلى الله عليه وسلم قال وفي  
 البيت رجال منهم عمر بن الخطاب  
 قال هل من كتب لكم كتابا بالن تفضلوا  
 بعده قال عمران النبي صلى الله  
 عليه وسلم غلبه الوجع وعندكم  
 القرآن فحسبنا كتاب الله و  
 اختلف اهل البيت واختصموا  
 فبئهم من يقول قروا يكتب  
 لكم رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 كتابا بالن تفضلوا بعده ومنهم من  
 يقول ما قال عمر فلنا اكثروا اللغو و  
 الاختلاف عند النبي صلى الله  
 عليه وسلم قال قوموا عني قال  
 عبيد الله فكان ابن عباس  
 يقول ان الرزية كل الرزية  
 ما حال بين رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم وبين ان يكتب لهم  
 ذلك الكتاب من اختلافهم ولفظهم

ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جب جناب  
 رسول خدا کا وقت رحلت نزدیک آگیا اور اس وقت  
 دو لشکر میں بہت لوگ تھے جن میں سے ایک عمر بن الخطاب  
 تو آنحضرت نے فرمایا: آؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں  
 کہ پھر جسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر نے  
 کہا کہ رسول خدا پر اس وقت بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے  
 پاس قرآن ہے ہمارے لئے کتاب کا کافی حصہ ہے نہ لوگ  
 جو وہاں جمع تھے آپس میں جھگڑنے لگے کچھ تو ان میں  
 سے ایسے تھے جو کہتے تھے کہ سامان کتابت لاؤ۔  
 رسول خدا تمہیں ایسا صحیفہ لکھ دیں گے کہ جس کی  
 وجہ سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اور کچھ  
 ان میں سے حضرت عمر کے ہم زبان ہو گئے۔  
 جب انہوں نے یہودیہ کلامی زیادہ کی اور رسول خدا  
 کے پاس شور و شغف بڑھ گیا تو آنحضرت  
 نے فرمایا میرے پاس سے دور ہو۔ عبيد اللہ  
 کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے  
 تھے کہ وہ سخت مصیبت تھی جو رسول خدا اور ان کے  
 کتابت صحیفہ کے درمیان اس وجہ سے  
 حائل ہو گئی کہ لوگوں نے بہت یہودیہ کلامی کی

صحیح بخاری: کتاب الاعتصام۔ باب کراہتہ الاختلاف

وقال الخفافى في نسيم الرياض وفي بعض طرق هذا الحديث قال عمران النبي

ثرہ جگہ شہا یلین خواجه کتاب یم لریاض شرح شفقانی قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے لغوی  
 طریق میں یہ ہے کہ حضرت ثمر نے خدا ان سے بہت خوش ہو کر فرمایا کہ پیغمبر تیرے پندریان بک رہے ہیں  
 راوی الطبرانی عن عمر قال لیا مرض  
 النبی صلعم قال ادعونی بصحیفة  
 ودواة اکتب کتاباً لا تضلوا بعدہ  
 ابداً فقال النسوة من وراہ السنن  
 الا تسمعون بالقول رسول اللہ  
 صلعم فقلت انکن صواحبات یوسف  
 اذ مرض رسول اللہ عصر تن اعینکن  
 واذا صحر رکتین عنقہ فقال رسول اللہ  
 دعوهن فانھن خیر منکم  
 علی المتقی :- کنز العمال الجزء الثالث -

حدیث ۲۳۲۲ الجزء الرابع حدیث ۵۲۰۸۸

طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے۔ حضرت عمر نے  
 ہیں کہ جناب رسول اللہ نے بحالت مرض ارشاد فرمایا  
 کہ کاغذ و دوات میرے پاس لاؤ تاکہ میں ایک ایسا  
 نوشتہ لکھوں کہ جس کی وجہ سے تم لوگ اس کے بعد  
 کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ازواج رسول میں سے چند نے  
 پڑھ میں سے کہا کہ کیا تم لوگ جناب رسول خدا  
 ارشاد نہیں سنتے ہو۔ میں ان بیبیوں کو مخاطب  
 کر کے کہا کہ تم صحابہ اجات یوسف کی طرح ہو۔ جب  
 رسول اللہ بیمار ہوتے ہیں تو تم روتی ہو اور صحت کی  
 حالت میں انکی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ یہ سن کر آنحضرت

نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو وہ تم سے بہتر ہیں

اس قضیہ کو بہت شرح و بسط کے ساتھ ابن سعد نے اپنے طبقات میں درج کیا  
 ہے۔ (رج ۲ ق ۲) نیز ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن فی وفات النبی ص ۵۲۸ مطبوعہ  
 مطبع مجتہائی۔ جہاں اس واقعہ منع تحریر وصیت کو متفق علیہ لکھا ہے  
 جب آنحضرت کو صحابہ کی طرف سے نا امیدی ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ یہ ضرور تنازعہ  
 پیدا کریں گے تو آنحضرت نے حضرت علی کو بلا کر دیر تک راز کی باتیں کیں اور صبر کی تلقین  
 فرمائی۔ تاریخ طبری میں ہے :-

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ  
 صلے اللہ علیہ والہ وسلم اجتوا لی علیاً  
 فاذعوه فقالت عائشة وبعثت  
 الی ابی بکر وقاتل حفصہ لو بعثت الی

ابن عباس کہتے ہیں کہ اسی مرض کے دوران میں جناب  
 رسول اللہ نے فرمایا کہ علی کو میرے پاس بلاؤ۔ حضرت  
 عائشہ نے کہا کہ کاش آپ ابو بکر کو بلا تے اور حفصہ  
 کما کہ کاش آپ عمر کو بلا تے۔ پس اتنے میں یہ حضرات

اس قضیہ کے بعد آنحضرت علی کو بلا تے ہیں لیکن حضرت عائشہ حفصہ کو بلا تے ہیں

عمر واجتمعوا عندہ۔ جمیعاً فقال رسول  
 اللہ صلعم انصرفوا فان تکلی  
 حاجۃ ابعث الیکم فانصرفوا

وہاں جمع ہو گئے آنحضرت نے جب علی کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ  
 تم لوگ اپس چلے جاؤ۔ اگر تمہاری ضرورت ہوگی تو میں خود  
 تم کو بلالوں گا یہ سن کر وہ لوگ چلے گئے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری: تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الثالث ص ۱۹۵ و قال سنۃ الحادیۃ عشرۃ

یہ واقعہ صاحبان غور کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے مدعا پر  
 بہت اچھی طرح روشنی ڈالتا ہے۔ حصول حکومت کی جتنی بیسیں کی جا رہی تھیں ان میں  
 ان دونوں مختارات عصمت کا بہت بڑا حصہ تھا۔ کسی موقعہ کو یہ ہاتھ سے نہیں جانے  
 دیتی تھیں۔ اور آنحضرت کو معمولی انسان سمجھ کر آپ کی جسمانی کمزوری و بیماری کا فائدہ  
 اٹھانا چاہتی تھیں اور اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا چاہتی تھیں۔ جب آنحضرت  
 نے نہ مانا تو خود ہی دونوں نے اپنے اپنے باپ کو بلالیا۔ لیکن چونکہ یہ مطلب نہ  
 تھے آنحضرت نے ان کو واپس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی کو اہم کام کے لئے طلب  
 کیا تھا۔ واقعات بتا رہے ہیں کہ آنحضرت حضرت علی سے صحابہ کی کیفیت بیان کر کے  
 صبر کی تلقین کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ان کو امامت نماز کے لئے مقرر فرمانا  
 چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ و حفصہ مطلب سمجھ گئییں۔ اپنے اپنے باپ کو بلالیا۔  
 جب آنحضرت نے ان سے اصل مدعا نہ کہا اور واپس کر دیا تو خود ہی حضرت  
 عائشہ نے اپنے والد ماجد کو امامت نماز پر کھڑا کر دیا۔  
 آخر کار حضرت علی کو بلایا گیا۔ تاریخ روضۃ الاحباب میں محدث شیرازی  
 تحریر فرماتے ہیں:-

فرمود بخوانید برادر من علی را علی بیامد و بہالیں سے نشست حضرت سر خود را  
 از بستر برداشت۔ امیر دشمن بغل سے در آمدہ سر مبارکش را بر بازوئے خویش نهاد  
 آل سرور فرمودے علی فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ دارد کہ از سے برائے تجھیز  
 لشکر سامہ قرض گرفتہ بودم۔ زہنا کہ سے را از ذمہ من ادا کنی داسے علی تو اول  
 کسی خواہی بود کہ بر لب جوض کو شریمن رسی و بعد از من بسے امیر مکر وہ بتی خواہند

آنحضرت علی تشریف لائے اور آنحضرت ان سے راز کی باتیں کرتے ہیں

رسید۔ باید کہ تنگ دل نشوی و طریق مصابرت پیش گیری و چوں بینی کہ مردم دنیا را  
اختیار کردند تو باید کہ آخرت را اختیار کنی۔“

ترجمہ :- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور  
آپ کے سر ہانے بیٹھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا سر تکیہ سے اٹھایا اور حضرت علیؑ کو اپنی لعل  
میں لے لیا اور آنحضرتؐ کا سر حضرت علیؑ کے بازو پر تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ  
فلاں یہودی سے میں نے تمہیں جنیش اسامہ کے لئے کچھ قرض لیا تھا۔ دیکھو ضرور  
باضرور اس کو میری طرف سے ادا کر دینا۔ اے علیؑ تم پہلے وہ شخص ہو گے جو  
قرض کی ٹرپر میرے پاس پہنچے میرے بعد تم کو بہت سے مصائب و تکالیف  
پہنچیں گے تم کو چاہیے کہ دل تنگ نہ ہو اور صبر کرو۔ اور جب دیکھو کہ لوگوں نے  
دنیا اختیار کی تو تم آخرت تیار کرنا۔

غرضیکہ ثابت ہے کہ اس موقع پر فقرہ ان الرجل لیجرا آنحضرتؐ کے متعلق  
کہا گیا اور اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ خدا ان سے بہت بہت  
خوش ہو۔ روایات سابقہ کی عبارات پڑھنے سے یہ صاف ظاہر ہے اور شہاب الدین  
خفاجی نے نسیم الریاض شرح شفا فی قاضی عیاض میں یہ صاف لکھ دیا ہے ابن  
الاثیر جزری نے نہایت العقول میں لکھا ہے :-

ایک حدیث مرض رسولؐ ہے یہاں جو صحابہ حاضر تھے  
انہوں نے کہا کہ رسولؐ کی کیا حالت ہے کیا رسولؐ کو  
ہذیان ہو گیا ہے یعنی کیا ان کا کلام بسبب مرض کے متغیر  
مخلط ہو گیا ہے اور یہ اس واقعہ کی بہت اچھی تاویل  
ہے یہ استفہام ہے نہ کہ امر واقعہ کی خبر اگر اس کو خبر  
سمجھیں تو پھر فحش و ہزیان عائد ہوتا ہے اور یہ  
ہم نہیں مان سکتے کیونکہ اس کے کہنے والے حضرت  
عمرؓ تھے ورنہ کی نسبت ایسا قیاس نہیں کرنا چاہیے

وہ نہ حدیث مرض النبوی قالوا  
ما شانہ اھجرا ای اختلف کلامہ  
لسبب المرض علی سبیل الاستفہام  
ای اهل تخیر کلامہ و اختلف  
لاجل ما بہ من المرض هذا احسن  
ما یقال فیہ ولا یجعل اخباراً  
فیكون من الفحش والھذیان  
والتفائل کان عمر ولا یظن بہ ذالک

ان الرجل لیجرا میرے کہنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ خدا ان سے بہت بہت خوش ہو (رضی اللہ عنہ)

ابن الاثیر: نہایت العقیل

جماعت اہل حکومت میں بڑے اعلیٰ اعلیٰ منطقی و فلاسفر گزرے ہیں۔ لیکن جب کبھی وہ اپنے ائمہ سقیفہ نبی ساعدہ کے کسی فعل یا قول کی حمایت یا تشریح کرنا چاہتے ہیں تو ان میں سے کسی کا منطق و ذہن کام نہیں کر سکتا۔ اس میں ان کا یا ان کی منطقی قابلیت کا قصور نہیں۔ وہ فعل یا قول ہی ایسا ہوتا ہے کہ جو شرمندہ توجیہ و تشریح منطق نہیں ہونا چاہتا۔ ابن الاثیر کی توجیہ ملاحظہ کی۔ استفہام کی کیوں ضرورت ہوئی۔ آنحضرت کے قول میں کونسی بات تھی جس سے ہدیان کا شبہ ہوتا اگر استفہام تھا تو مخدرات عصمت نے پردہ میں سے کیوں کہا کہ حکیم رسول کی تعمیل کرو۔ انہوں نے تو سمجھ لیا جو باہر نزدیک تر تھے انہیں کس بات نے مغالطہ میں ڈالا۔ اگر وہ لوگ نہیں سمجھے تھے تو پھر حضرت عمر ازواج رسول پر ان کے اس کہنے کی وجہ سے ناراض اور تنہ چراغ پاکیوں ہوئے۔ اور اگر شبہ تھا تو پھر کیا اور کس طرح تحقیقات کی۔ اور اس تحقیقات کا نتیجہ کیا ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت کا کونسا فعل تھا جس سے انہیں ہدیان کا یقین ہو گیا اور اس یقین کی وجہ سے قلم و دوات پیش نہیں کیا۔ اگر محض استفہام ہوتا تو آنحضرت اتنے ناراض ہو کر یہ نہ کہتے کہ میرے پاس سے دور ہو جاؤ جس حالت میں میں ہوں وہ بہت بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو۔ دلیل منطق تو ملاحظہ ہو۔ چونکہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر ہیں لہذا اسکی تاویل اس طرح کرنی چاہیے کہ وہ فقرہ استفہامیہ تھا۔ پھر ہمارا دعوے ثابت ہوا کہ یہ بزرگوار واقعات صحیحہ کی بناء پر اپنا اعتقاد قائم نہیں کرتے بلکہ اعتقاد کے تعصب کی وجہ سے واقعات کی کتر بیونت کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے جب خود حضرت عمر کا فعل معرض بحث میں ہو تو اس وقت یہ دلیل کیا کام کر سکتی ہے۔ غرضیکہ یہ تو ابن الاثیر نے بھی مان لیا کہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر ہیں۔ ابن تیمیہ نے بھی منہاج السننہ میں اسی طرح کی تاویل کی ہے۔ لیکن وہ بھی مانتے ہیں کہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمر ہیں۔

اس فقرہ کی تاویل معنی کی کریشیں

فلما کان یوم الخمیس ہمدان  
 یکتب کتاباً فقال لہ عمر ما  
 لہ اھجر فشدک عمر هل هذا  
 القول من ہجر الحمی فان هذا  
 مما خفی علی عمر کما خفی علیہ  
 موت النبی بل انکما -  
 ابن تیمیہ :- منہارج السنۃ -

پس جب جمعرات کا دن ہوا تو آنحضرتؐ نے کوشش  
 کی کہ ایک نکتہ لکھیں لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا مرض  
 کی وجہ سے آنحضرتؐ کو ہریان ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو  
 شک ہوا کہ بخاری کی تیزی کی وجہ سے آنحضرتؐ کو  
 ہریان ہو گیا ہے۔ پس یہ امر تھا کہ جس سے حضرت عمرؓ  
 واقف نہ ہوئے جس طرح کہ وہ آنحضرتؐ کی میت سے وقف  
 نہیں ہوئے بلکہ اس سے انکار کر دیا :-  
 بالکل یہی عبارت علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں درج کی ہے۔ گویا علامہ نووی اور  
 ابن تیمیہ دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ اس فقرے کے کہنے والے حضرت عمرؓ تھے اسی طرح  
 شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :- ہجر بمعنی اختلط و لا  
 یجوز ان یکن معنی ہذیان و فحش لان القائل بعد ما لکتا بت عسر  
 و لا یظن بہ ذلک - **ترجمہ :-** ہجر کے معنی فحش و مغلط ہونے کے ہیں۔  
 اور یہ جائز نہیں کہ ہم اس کے معنی ہذیان و فحش کے لیں۔ کیونکہ یہ جملہ کہہ کر کتابت سے روکنے  
 والے حضرت عمرؓ تھے اور ان کی نسبت یہ قیاس نہیں ہو سکتا۔ لیجئے اب لغت بھی تبدیل ہوتی ہے۔  
 شیخ احمد فاروقی سرسندی مکتوب ۳۶ جلد ثانی میں لکھتے ہیں :-

سوال - حضرت فاروق دران وقت کہ گفت ایہجر الرجل مراد از آل چہ باشد :-  
 جواب - فاروق شاید در آن وقت نمیدرہ باشد کہ اس کلام ازیشاں بواسطہ وجع بے قصد  
 اختیار واقع شدہ است :-

یعنی حضرت فاروق نے غالباً اُس وقت یہ خیال کیا کہ شاید یہ کلام آنحضرتؐ نے مرض  
 کی وجہ سے بغیر ارادہ اختیار کے کہہ دیا ہے۔

توجیہ و تاویل تو وہی پُرانی ہے لیکن فاروق کا لفظ یہاں خوب مراد دیتا ہے۔  
 فاروق تو اُس کو کہتے ہیں کہ جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ اور یہاں اس عبارت  
 میں شیخ احمد فاروقی سرسندی کی ساری بحث ہی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مرحق و باطل میں



شناخت نہ کر سکے۔ گویا ان کی صفت غیر فاروقی کی بنا پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان کو فاروق مانا جا رہا ہے۔ کہیں تو انسان عقل و منطق سے کام لے۔

شیخ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شافعی قاضی عیناں میں اس جگہ قال انا امان لا صحابی قیل من البدع وقیل من الاختلاف والفتن کی تفسیر میں اس طرح لکھتے ہیں۔

اختلاف سے مراد مخالفت ہے اور وہ مخالفت علماء و فقہاء و حکام کی بغیر دلیل کے ہے۔ اور اگر اس سے مطلب مخالفت مطلق ہو تو وہ آنحضرت کی زندگی میں کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کو وحی کے ذریعہ ہر ایک امر کی حقیقت معلوم ہو جاتی تھی اور وہ اختلاف جو آپ کے حضور میں بوقت مرض اخیر ہوا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ آپ نے بحالت مرض فرمایا کہ میرے پاس روایات و کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسا صحیفہ لکھ دوں جسکی وجہ تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو لیکن عمر نے کہا کہ شخص تو ہریان بک سا ہے۔ ہمارے لئے تو کتاب کافی ہے پس لوگ آپس میں لغوی باتیں کہنے لگے اس پر جناب سیدنا نے فرمایا کہ میرے پاس دور ہو میرے حضور میں تنازعہ جائز نہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ مصیبت اور کیسی عظیم مصیبت تھی جو ہمارے اور رسول خدا کے تحریر کے درمیان حائل ہو گئی۔ رافضی لوگ اس واقعہ کی وجہ سے حضرت عمر پر طعن کرتے ہیں۔ صاحب ملل و نحل لکھتے ہیں کہ پہلا اختلاف اسلام میں یہ تھا۔

المواد بالاختلاف ما يشتمل الخلاف هو مخالفة العلماء والفقهاء والحكام من غير دليل معمول به وان كان ذلك مطلقاً لم يقع في حياة محمد لمعرفة حقيقة كل امر بالوحى واسما للاختلاف الذي وقع عنده كمال ورد في الاحاديث الصحيحة من ان النبي قال في مرضه انتوني بدواة اكتب لكم كتابا لا تضلون بعدي فقال عيسى ان الرجل ليحجر حسينا كتاب الله فخلط الناس فقال اخرجوا عني لا ينبغي التنازع لدائي فقال ابن عباس الرزية كل الرزية ما حال بيننا وبين كتاب رسول الله صلعم وهذا ما يطعن به الرافضة على عمر وقال صاحب ملل والنحل هو اول اختلاف وقع في الاسلام۔

اس تحریر سے اچھی طرح ثابت ہوا کہ فقرہ جو آنحضرت کی شان میں کہا گیا تھا ان الرجل لیہجر اور اس کے کہنے والے حضرت عمر تھے۔ حمیدی اپنی کتاب جمع بین الصحیحین میں حدیث قرطاس کے متعلق لکھتے ہیں: فقالوا ما شأنه فقال ان الرجل لیہجو۔ (ترجمہ) لوگوں نے کہا کہ آنحضرت کی کیا شان ہے یعنی حالت ہے تو حضرت عمر نے کہا کہ یہ شخص تو ہندیان تک رہا ہے۔

علامہ عکبری جو ثقافت علمائے اہل سنت سے ہیں۔ بیان شرح دیوان متبذی میں اس امر کے قائل ہیں کہ یہ فقرہ ان الرجل لیہجو حضرت عمر کی نسبت اپنی زبان فیض الیام سے فرمایا تھا اور حتماً و جزماً اس کو کلام عمر کہتے ہیں چنانچہ اس شعر

أَنْطِقُ فَبِكَ هَجْرًا بَعْدَ عَلِيٍّ بِأَنَّكَ خَيْرٌ مَنْ نَحْتِ السَّمَاءِ  
کی شرح میں لکھتے ہیں :-

المهجر البصير من الكلام والنخش وهجر اذا هذى وهو ما يقول المحبوم عند المحبي ومنه قول عمر بن الخطاب عند عرض رسول الله ان الرجل ليهجروا على عادة العرب۔

ترجمہ :- المهجر بمعنی کلام قبیح و فحش ہجو ہندیان بکا۔ اور وہ کلام جو بخار کا مریض حالت بخار میں کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب کا قول دوران مرض رسول میں تھا کہ یہ شخص ہندیان تک رہا ہے اور اس طرح گفتگو کرنا عرب کی عادت و دستور کے مطابق تھا۔ حضرت عمر کا یہ قبیح فقرہ آنحضرت کے حق میں کہنا ہر ایک کے دل میں کھٹکا ہے اور ان کے علماء اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی توجیہ کرتے ہیں۔ علامہ عکبری حضرت عمر کو اس وجہ سے معذور سمجھتے ہیں کہ یہ عرب کی عادت تھی۔ اسی طرح گفتگو کیا کرتے تھے۔ عربوں کی یہ عادت ہوگی آپس میں۔ سوال تو یہ ہے کہ جو شخص جناب رسول خدا کی عظمت و شان و رفعت کی معرفت حاصل کر چکا ہے اور واقعی ان کی رسالت پر دل سے ایمان لے آیا ہے کیا وہ بھی اس ہی حقارت

اس فقرے کی ایک اور توجیہ

کے ساتھ آنحضرتؐ کا ذکر کرے گا۔ عربوں کی تو اور بھی بہت سی عادتیں تھیں۔ آپس میں گالیاں بکتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ لڑکیاں زندہ قبر میں دفن کرتے تھے۔ اگر عربوں کی عادت ہی عذر معقول سمجھا جانے لگا تو پس قصہ ختم ہے۔ جب مشر میں سوال کیا جائے گا کہ پائی ذنب قتلت تو جواب دیں گے علی عادت العرب۔ اور اگر عادت عرب ہی پر اصرار ہے تو اس سے بھی ہمارے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ ان بزرگوں میں سے سابقہ کفر کی نشانیاں آخر تک باقی رہیں کبھی ان کو صحیح معرفت رسول حاصل نہیں ہوئی۔ رسول خدا کو معمولی شخص ہی سمجھتے رہے۔ پرانی عرب کی عادتیں ان میں برابر جاری و ساری رہیں۔ آنحضرتؐ کی تعلیم و صحبت بھی ان کو انسان نہ بنا سکی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کیا لکھوا نا چاہتے تھے الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری میں حافظ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی المولود بکتابہ نے خطابی سے نقل کیا ہے۔ ہذا یتناول علی وجہین احدہما انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعو فیودھیم ذلک الی الضلال۔ ترجمہ۔ اس کی دو طرح سے تاویل ہو سکتی ہے۔ ایک ان میں یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ارادہ تھا کہ خلیفہ کا نام لکھ دیں۔ تاکہ لوگوں میں اختلاف نہ ہو اور یہ اختلاف ضلالت کی طرف نہ لے جائے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ابن حجر عسقلانی قول اکتب لکم کتاباً کی شرح میں لکھتے ہیں :-

ہو تعین الخلیفہ بعدہ۔ (ترجمہ) آنحضرتؐ کا مقصد تھا کہ اپنے بعد کے خلیفہ کا تعین اس تحریر سے کر دیں۔ ابن حجر عسقلانی :- فتح الباری، البحر الثامن باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ ص ۱۰۷

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :- اراد ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ حتی لا یقع بینہم الاختلاف (ترجمہ) آنحضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد کے

آنحضرتؐ کی لکھوا نا چاہتے تھے

خلفاء کے نام مقرر کر دیں اور تحریر کرادیں تاکہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ فتح الباری الجزء الاول ص ۱۸۶ باب کتابۃ العلم۔

شرح صحیح مسلم میں علامہ نووی لکھتے ہیں: وقد اختلف العلماء فی الکتاب

الذی ہد النبی فقیل اراد ان ینص علی الخلفاء فی انسان معین لئلا یقع نزاع وفتن۔ (ترجمہ) علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آنحضرتؐ کیا لکھنا چاہتے تھے۔

اغلب یہ ہے کہ آپ کا ارادہ تھا کہ خلافت کے لئے ایک وحی مقرر کر دیں تاکہ تنازعہ وفتنہ نہ ہو۔

شہاب الدین خفاجی شارح شفاء قاضی عیاض، فصل فان قلت

فقد تقررت عصمتہ فی اقوالہ فاما معنی الحدیث فی وصیئہ من الباب

الثانی من القسم الثالث کے تحت میں لکھتے ہیں:۔ قال سفیان اسراد ان

بیئنی امر الخلفاء بعد موتی لا یختلفوا فیہا۔ (ترجمہ) سفیان کہتے ہیں کہ

جناب رسول خدا کا ارادہ تھا کہ آپ امر خلافت کو ظاہر کر دیں تاکہ لیگ اس میں اختلاف نہ کریں۔

سیاق کلام اور واقعات بھی یہی بتا رہے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے خلیفہ کا تعین

کرنا چاہتے تھے اور ان کا نام تحریر کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی سمجھ گئے

اور فوراً مانع ہوئے۔ ورنہ اگر یہ نہ سمجھتے اور ان کو یہ نہ خیال ہوتا کہ آنحضرتؐ

کیا لکھا ہیں گے تو کتابت صحیفہ کے بعد رائے قائم کرتے اور دیکھتے کہ جو رسولؐ نے

لکھا یا ہے وہ ہندیاں معلوم ہوتا ہے یا آپ کی ساری تبلیغ رسالت کے مطابق ہے۔

یہ سخت مکر وہ فقرہ کہ یہ شخص تو ہندیاں بک رہا ہے خود بتاتا ہے کہ کہنے والے

نے محض روکنے کی خاطر حالت اضطراب میں جلدی سے کہہ دیا ہے۔ اس سے

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سمجھ گئے تھے کہ حضرت علیؓ ہی کا نام لکھا جائے گا۔

غایر خیم کا نقشہ فوراً ان کی آنکھوں میں پھر گیا۔ لہذا آپ مانع ہوئے۔ حضرت عبداللہ

ابن عباس نے اس کو مصیبت عظمیٰ اسی وجہ سے کہا کہ آنحضرتؐ اسم خلیفہ کو تحریر نہ

کر سکے۔ اور اس عدم تحریر کی وجہ سے وہ وہ وقتے و فساد پیدا ہوئے جو عبداللہ ابن

عباس نے آنحضرتؐ کے بعد ملاحظہ کئے اور ان ہی مشاہدات کی بنا پر آپ کو

عمر بھرا آنحضرتؐ کے صحیفہ نہ لکھنے کا قلق رہا ۔  
 دُور کیوں جاؤ۔ ان سارے تنازعات کا فیصلہ خود حضرت عمر کے قول سے  
 ہوا جاتا ہے۔ آپ اکثر ان امور پر حضرت عبداللہ ابن عباس سے گفتگو فرمایا  
 کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مکالمہ کے دوران میں حضرت عمر نے عبداللہ ابن عباس  
 سے حضرت علی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:-

لقد كان من رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في امرة ذرأ  
 من قول لا يثبت حجة ولا يقطع عذرا ولقد كان يربح في امرة وقتانما ولقد  
 اداد في موضعه ان يصرح باسمه فمنعت من ذلك اشفاقا وحيطة على الاسلام  
 لا يرب هذا البيت لا يجتمع عليه قرش ابد اولو وليها لا تنقضت عليه  
 العرب من اقطارها فعلم رسول الله صلى الله عليه وآله اني علمت  
 ما في نفسه فامسك۔ ویکھو علامہ ابن ابی الحدید:- شرح نهج البلاغہ الجزء الثالث ص ۹  
 ترجمہ:- بے شک جناب رسول خدا سے علی کے بارے میں چن ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے  
 کوئی حجت (عدم استخلاف) ثابت نہیں ہوتی تھی اور نہ (عدم استخلاف) کا عذر قطعی ہوتا تھا۔  
 اور بسا اوقات تو جناب رسول خدا علی کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے  
 تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علی کے نام  
 کی تصریح خلافت کے بارے میں کرنی چاہی۔ مگر میں نے ان کو اس سے روک دیا۔ جس سے میری  
 غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے رتب کی قسم علی کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع  
 نہ ہوگا۔ اور اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو ہر طرف سے عرب ان پر یورش کریں گے۔ بس رسول اللہ  
 سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات تاڑ لی اور وہ رک گئے ۔

جو امور ہم ثابت کر رہے تھے وہ تو اس قول سے ثابت ہیں۔ اب یہی  
 یہ بات کہ حضرت عمر کہ جناب رسول خدا سے زیادہ اسلام کی محبت اور اس سے  
 ہمدردی تھی تو اس کا فیصلہ ناظرین خود کر لیں۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو  
 اعراب نے تو کسی طرف سے یورش نہ کی۔ ہاں حضرت عمر کے خانہ زاد شاگرد رشید

جناب معاویہ ضرور ان کے مخالف رہے۔ اور شام کے جاہلوں کے لشکر کے ساتھ یورش کی۔ اگر شروع سے حضرت علی خلیفہ ہو جاتے تو جناب معاویہ کو یہ موقعہ ہی نہ ملتا۔  
لیکن اگرچہ تحریر سے حضرت عمر مانع ہوئے پھر بھی آپ نے زبانی وصیت فرما ہی دی۔ ان روایات صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے اس رویے کے بعد آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔ یہ روایات مختلف اسباب کے ساتھ بیان کی گئی ہیں لیکن تعجب ہے کہ ان سب کے حضرات رواۃ وہ تیسری وصیت بھول گئے یہ بھولنا بھی معنی خیر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری: کتاب الجہاد والسیر۔ باہل استشفع الی اهل الذمة وسعادلتهم و کتاب الخمس باب اخراج الیہود من جزیرة العرب و باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

معارض النبوة میں ہے۔ وصیت سوم سے رافرا موش شہرہ یو دیادرا ظہاراں مصلحت ندر۔ رکن چہارم۔ باب چہارم۔ فصل سوم ص ۲۲۹۔  
یعنی تیسری وصیت راوی بھول گیا۔ یا اس نے اس کے اظہار میں مصلحت نہ دیکھی۔  
اغروا قعہ ہی ہے کہ اس نے مصلحت نہ دیکھی۔ جس بات کو حضرت عمر دیکھیں اس کے بیان کرنے سے پشمار تکالیف کا اندیشہ تھا لہذا اس کے بیان نہ کرنے ہی میں مصلحت تھی۔  
علامہ غزالی سر العالمین میں لکھتے ہیں :-

لما مات رسول اللہ قال قبل وفاته  
ائتونی بدواة و بیاض لاوزیل متکم  
اشکال الامروا ذکرکم من المستحق  
لہا بعد قال عمر رضی اللہ عنہما  
الرجل کانه لیہ جرو قیل یھذو  
سر العالمین مطبوعہ مصر ص ۱۰

یہ صریح الفاظ ہیں ہم تک پہنچا ہے کہ وہ تیسری وصیت کیا تھی۔  
روایت ہے کہ جناب سولہ نے اپنے مرض موت میں فرمایا کہ میرے پاس شوات و کاغذ لائو تاکہ میں  
میر غلات کے متعلق تمہارے شہادت دے سکوں اور بیان کر دوں  
لیکن حضرت عمر یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ یہ شخص بکواس  
کر رہا ہے یا یہ کہا کہ ہذیان باب رہا ہے۔  
فی روایتہ انه صلحہ قال فی

آنحضرت نے زبانی وصیت حضرت علی کے حق میں فرمادی

میں فرمایا کہ اے لوگو! غالباً میں بہت جلد رحلت کر جاؤں اور خدا کا فرستادہ مجھ کو لہجاً بیگا۔ پہلے بھی میں تم سے کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں تاکہ تمہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ خبردار میں تمہارے درمیان میں کتابِ خدا اور اپنی عترت چھوڑے جاتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا۔ یہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ پس ان دونوں ہی سے پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے ؟

مرض موتہایہا الناس یوشک  
ان اقبض قبضاً سریحاً  
فیطلق بی وقد مت الیکم  
القول معذرة الیکم الانی  
مخلف فیکم کتاب ربی وعذتی  
اہل بیتی ثم اخذ بید علی  
فرفعہا فقال ہذا علی مع القرآن  
والقرآن مع علی لا یفترقان  
حتی یردا علی الحوض فاسئلوہما  
ما خلفت فیہما۔

ابن حجر مکی: بصواعق محرقہ۔ الباب التاسع۔ فصل الثانی ص ۵۷۔

اب تو ناظرین کے دل میں غالباً کوئی شک باقی نہ رہا ہو گا کہ آنحضرت اس صحیفہ میں حضرت علی کی خلافت و جانشینی تعین فرمانا چاہتے تھے لیکن جب حضرت عمر تحریر میں مانع ہوئے تو آپ نے زبانی ہی فرما دیا۔ یہ خیال تو پہلے ہی سے تھا اب یقین ہو گیا کہ یہ جماعت مخالفین جس کے سردار حضرت عمر تھے حضرت علی کے خلیفہ ہونے میں بہت سی رکاوٹیں ڈالیں گے اور ان کو خلیفہ نہ ہونے دیں گے لہذا آپ نے حضرت علی کو بلا کر صبر کی تلقین کی۔ یہ اس نصیحت و تلقین ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علی نے اپنا حق ضائع ہوتا ہوا دیکھا اور تلوار نہ اٹھائی۔

غور کیجئے اس پر جواب ہم کہتے ہیں۔ علامہ شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں میں تسلیم کرتے ہیں کہ امتِ اسلامیہ کے پہلے دو تفرقے اور اختلافات۔ قضیہ قرطاس و تخلف عن جیش اسامہ کے تھے۔ اس سے پہلے امتِ اسلامیہ واحدہ تھی۔ کوئی اس میں اختلاف نہ تھا۔ امر واقعہ کو مان گئے۔ انکار کیسے کر سکتے تھے لیکن کہتے ہیں کہ یہ اور دیگر اختلافات امتِ اسلامیہ جو انہوں نے گنوائے ہیں اختلافات

اجتہاد یہ تھے اور ان سے غرض اقامت مراسم شرع و اقامت مناسج دین تھی  
 مسلمانوں باغور کرو۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے ہمیشہ ساتھ  
 رہنے والا ہمارا دین ہی ہے۔ اس کے اُپر ہی نجات و عذاب کا انحصار ہے۔  
 یہ کیا غضب ہو رہا ہے۔ اپنے رسول کو کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص تو ہڈیاں بک رہا  
 ہے۔ اس کی بات ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور سمجھا جاتا ہے کہ اقامت شرع و  
 دین کے لئے رسول کو پاگل بنا رہے ہیں۔ رسول خدا کہتے ہیں کہ لعنت ہے اُس شخص  
 پر جو جیش اُسامہ سے تخلف کرے۔ یہ اپنے حکام کی محبت میں کہہ رہے ہیں کہ  
 جن پر رسول لعنت کر رہا ہے جو رسول کی زبان پر ملعون خدا ہیں، وہ دراصل  
 اقامت شرع و دین میں کوشاں ہیں۔ حضرت عمر نے قیاس ظنی کو ایسا اجتہاد  
 جامہ پہنایا کہ ہر ایک معصیت چادر اجتہاد کے اندر آن کر باعث ثواب  
 بن گئی۔ قبلہ عالم اختلاف اجتہاد یہ باہم اُتیں میں بعد رسول ہو سکتا ہے  
 تم خود اپنے عقائد کی کتابیں دیکھ لو۔ اُن میں لکھا ہے کہ نص صریح کے خلاف  
 کوئی اجتہاد نہیں۔ مثلاً رسول خدا نے حکم دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھا کرو۔ تو  
 اب تم اپنے اجتہاد سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب دنیا کی مشغولیتیں بڑھ گئی ہیں  
 ہم دن میں پانچ وقت نماز پڑھا کریں گے تو دنیاوی کاموں میں بڑا ہرج  
 ہوگا۔ بعض ایسے مشغول کارممالک ہیں کہ جہاں پانچ منٹ میں پانچ لاکھ  
 روپیوں کا دارانیا رہا ہوتا ہے۔ ہم تو صرف ایک دفعہ نماز پڑھا کریں گے  
 دوسرا شخص اجتہاد کرے کہ رکعتی نماز تو قرآن شریف میں نہیں لکھی۔ ہم تو یہ  
 کہتے ہیں کہ دل میں خدا کو یاد کر لو بس نماز ہو گئی۔ اس طرح اجتہاد کو اگر نص  
 صریح کے خلاف راہ دو گے تو سارا دین ہی برباد ہو جائے گا۔ شارع دین

۱۱۲ کتاب المل والنحل شہرتانی بر حاشیہ کتاب الفصل فی المل والنحل والنحل ابن

حرم مطبوعہ بمصر ۱۳۱۰ھ بحری ص ۱۹ \*



کے خلاف کوئی اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر نے بھی تو اجتہاد کی یہی شرط لگائی تھی کہ جہاں تم واضح و صریح حکم خدا و رسول نہ پاؤ وہاں اپنے قیاس و اجتہاد سے کام لو۔ انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ صریح حکم رسول کے خلاف اجتہاد کرتے جاؤ۔<sup>۱</sup> یہ دونوں اختلافات خود جناب رسول خدا کے خلاف تھے۔ ان کے صریح احکام کے خلاف تھے لہذا ناجائز تھے۔ جس طرح ابلیس کا یہ اجتہاد ناجائز تھا کہ لہ اسجد الا لك یعنی میں سوائے تیرے اور کسی کو سجدہ نہ کروں گا۔ بظاہر تو کیسا اچھا فلسفہ ہے۔ کیسی اچھی توجید ہے۔ خدا کو خوشن ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ یہ حکم صریح کے خلاف تھا لہذا ابلیس ملعون ہو گیا۔ علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ ابلیس ہی کی تتبع میں تمام امتوں کے منافقین و منافران لوگوں نے اپنا طرز عمل مقرر کیا تھا۔ علامہ شبلی نے حضرت عمر کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت ازالۃ الخفاء سے اپنے الفاروق میں تحسین و توثیق کے ساتھ نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے :-

معذرا بعد عدم خلیفہ ہر چہ سے مجال مخالفت نبویہ۔ در جمیع ایس امور شذر و ندر شی رفتند و بدون استدلال رائے خلیفہ کا سے را مصمم نمی ساختند۔ لہذا دریں عصر اختلاف مذاہب و تشدد آراء واقع نشد۔ یعنی جب حضرت عمر کسی امر کا ارادہ کر لیتے تھے تو پھر کسی کو ان سے مخالفت کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ اور پھر ایسے امور میں جن کے متعلق حضرت عمر حکم دے دیتے تھے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا تھا۔ اور بغیر حضرت عمر کی رائے کے کسی امر کا لوگ خود مصمم ارادہ نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں اختلاف مذاہب و تفرقہ رائے نہ ہوا۔

۱ علامہ شبلی۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۲۱ \*

تاریخ فقہ اسلامی مترجمہ عبدالسلام ندوی ص ۱۴۹، ۱۵۰ \*

۲ الفاروق حصہ دوم ص ۱۳۹ \*

پھر ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ غور کریں۔ جو حق حضرت عمر نے اپنے لئے رکھا تھا وہ جناب رسول خدا کو نہ دیا۔ حضرت عمر کسی امر کا ارادہ کر لیں یا حکم دے دیں تو اس میں تو کسی کو مجال مخالفت اور یارائے چون و چرا نہ تھا۔ لیکن اگر جناب رسول خدا کوئی حکم دیں تو یہی نہیں کہ لوگ اس کی مخالفت کر سکتے تھے بلکہ وہ مخالفت باعث استقامت شرع و قوت دین سمجھی جاتی تھی۔ کیسی ہیں اور نمایاں نظیر ہے اس عربی مقولہ کی کہ حُبُّ الشَّيْءِ لِعَبِيٍّ وَيَصِحُّمُ يَعْنِي كَسَى شَيْءٍ كِي مَحَبَّتِ انْصَانِ كُوَانْدَهَا اُوْر پُورَا بِنَادِیْتِیْ هِیْ۔ وہ ظاہر امر دیکھ نہیں سکتا، صریح حق کی بات سن نہیں سکتا۔ دیکھئے اس بات سے ہمارا دوسرا مدعا بھی ثابت ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کی اس بے چون و چرا اطاعت ہی کی وجہ سے اختلاف نڈا ہب نہ ہوا۔ گویا نبی برحق یا خلیفہ کے حکم کو نہ ماننے کی وجہ سے اختلاف نڈا ہب ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر نے اپنے نبی برحق کا حکم نہ مانا لہذا اختلاف نڈا ہب ہو گیا۔ لہذا اسلام میں اختلاف و تفرقہ پیدا کرنے والے کون ہوئے؟ حضرت عمرؓ

پانچویں تدبیر۔ روساء جماعت کا طرز عمل بوقت رحلت رسول  
 بوقت رحلت رسول اکرم حضرت ابو بکر مدینہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر آبادی مسخ میں اپنی نئی ڈلہن کے پاس تھے۔ وہ تراکیب و سجادہ بن جو رحلت رسول اکرم کے فوراً بعد ہی عمل میں لائی قرار پائی تھیں۔ ان میں حضرت ابو بکر کا موجود ہونا ضروری تھا۔ اور وہ موجود نہ تھے۔ حضرت عمر کو بہت وقت درپیش آئی۔ لیکن ان کی ذہانت و ذکاوت و سیاست موقع کی اہمیت کے برابر اترتی۔ انہوں نے وہ ترکیب کی جو ایسے موقعوں پر بادشاہوں کی موت اکثر عمل میں لائی جاتی ہے۔ یعنی موت کا چھپا دینا۔ یہاں بالکل چھپنا تو ناممکن تھا اس ترکیب کو ترمیم کر کے ایک نئی سجدہ بنالی۔ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ کی زبانی لکھتے ہیں:-

پانچویں تدبیر روساء جماعت کا طرز عمل بوقت رحلت رسول

ونادی النبی فی الناس بموتہ وابوبکر  
 غائب فی اہلہ بالسین وعمر حاضر  
 فقام فی الناس وقال ان رجلاً  
 من المنافقین شر عند ان رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات  
 وانہ لم یمت وانہ ذہب الی  
 سربہ کما ذہب موسیٰ ولیرجعن  
 بہا فیقطعن ایدی رجال وارجلہم  
 واقتل ابوبکر حین بلغہ الخبر  
 فدخل علی رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم فکشف عن وجہہ و  
 قیل وقال یا بی انت وانی قد  
 ذقت الموت التی کتب اللہ  
 علیک ولن یصیبک بعدہا  
 موتہ ایداً وخرج الی عمر  
 بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ  
 بولاق ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ - ص ۶۳

آنحضرت کے انتقال کی خبر لوگوں میں پھیل گئی  
 اسوقت ابو بکر اپنی زوجہ کے پاس بیٹھے تھے  
 حضرت عمر موجود تھے۔ پس حضرت عمر کھڑے  
 ہوئے اور لوگوں کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ  
 منافقین کا گمان ہے کہ جناب رسول خدا  
 فوت ہو گئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ فوت نہیں  
 ہوئے بلکہ خداوند تعالیٰ کی میقات کے لئے  
 گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ گئے تھے۔ وہ  
 ضرور واپس آئیں گے اور لوگوں کے ہاتھ  
 پاؤں کاٹیں گے۔ آنحضرت کے انتقال کی  
 خبر ابو بکر کو جو ملی تو وہ فوراً واپس آئے اور  
 آنحضرت کے حجرہ میں داخل ہو کر آپ کے منہ سے  
 چادر ہٹائی، بوسہ دیا اور کہا کہ میرے جاں باب  
 فدا ہوں آپ نے اس موت کا ذائقہ چکھا  
 جو خداوند تعالیٰ نے آپ کے لئے لکھی تھی اور اب  
 آپ دوسری موت نہ دیکھیں گے یہ کہہ کر حضرت ابو بکر  
 باہر آئے اور وہاں پہنچے جہاں عمر بول رہے تھے۔

حضرت عمر کا حکم اور صورت رسول

حضرت ابو بکر کی آنکھوں کا اتناغاب خلدون ص ۱۱۶

یہ واقعات اسی طرح دیگر کتب احادیث و تواریخ میں درج ہیں۔ ابن خلدون نے  
 ذرا اختصار کر دیا۔ وہ ان معاملات میں اختصار پسند ہیں۔ کئی روایات میں ہے کہ  
 حضرت عمر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جو یہ کہے گا کہ مجھ مر گئے تو میں اسکا سر قلم کر دوں گا  
 اور حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی بھی تشبیہ دی تھی۔ سیاسی ضرورتیں بھی انسان کو

۱۱۵ مولوی حفظ الرحمن سید ہاروی :- قصص القرآن حصہ چہارم ص ۲۸۹

ابن ہشام سیرۃ النبی الجزء الرابع ص ۳۳۲

رفیقہ نوٹ صفحہ ۱۱۶

کتنی مجبور کر دیتی ہیں۔ یہی محمداور وہی رسول تھے کہ جن کی نسبت ایک دن پہلے کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ بخار کی حرارت دماغ پر غالب آگئی ہے لہذا یہ ہڈیاں بکنے لگے ہیں۔ اس وقت تو ذرا سی بخار کی حرارت ہی دماغ پر غالب ہو گئی اور اب وہی محمداور وہی رسول ہیں کہ ان پر موت بھی غالب نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت تو وہ معمولی انسان سے بھی کم تھے۔ کیونکہ اکثر خدا کے بندے ہیں جن کے دماغ کو خدا نے یہ قابلیت دی ہے کہ کتنا ہی بخار تیز ہو ان کا دماغ کبھی مغلوب نہیں ہو گا۔ ہڈیاں نہیں بکیں گے۔ اگر کمزوری و حرارت نے غلبہ کیا تو بے ہوش ہو جائیں گے یعنی دماغی کام کرنا ملتوی کر دے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ اُلٹا کام کرنے لگے اور وہ ہڈیاں بکنے لگیں۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بخار میں ہڈیاں بکنے لگتے ہیں۔ اُس وقت تو جناب رسول خدا کو اس نیچے درجہ کے آدمیوں میں رکھا گیا اور اب موت کا اخطار مناسب وقت تھا تو ان کو انسانوں سے بھی بڑھا دیا۔ کیا حضرت عمرؓ قرآن سے ایسے جاہل تھے کہ قرآن کی ایسی مشہور آیت بھی یاد نہ رہی۔ جب جنگ اُحد میں شیاطین کفار نے مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ شہید ہو گئے اور آنحضرتؐ کا لوگوں کو پتہ بھی نہ تھا کہ کہاں ہیں۔ اُس وقت حضرت عمرؓ کیوں نہ خیال آیا کہ نہیں وہ شہید نہیں ہو سکتے۔ ان کو ہر جگہ تلاش کرتے اور اگر نہ ملتے تو فرماتے کہ کفار کے زور سے محفوظ رکھنے کے لئے آسمان پر بلا لئے گئے ہیں۔ اُس وقت اگر حضرت عمرؓ یہ اعلان

صفحہ ۵۱۱ کا بقیہ۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۵۴ \*

مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۳۳۲ \*

نسیم الریاض شرح شفا فی قاضی عیاض الجلد الاول ص ۲۲۳ \*

ابن تیمیہ منہاج السنۃ الجزء الثالث ص ۱۱۹ \*

شاہ ولی اللہ۔ قرۃ العینین ص ۸۲ \*

صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی \*

کرتے تو مفید بھی ہوتا اور بہت کچھ حضرت عیسیٰ کی مشابہت بھی پوری ہو جاتی۔ مسلمانوں کی ڈھارس بندھتی اور بھاگے ہوئے لوگ واپس آجاتے۔ اور حضرت عمر پر جہالت قرآن کا الزام بھی عائد نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس وقت تک وہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس کی تلاوت کر کے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو آنحضرتؐ کے انتقال کا یقین دلایا تھا۔ اُس وقت تو آپ نے جناب رسول خدا کو مُردہ سمجھ کر تلاش کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

ہم حیران ہیں کہ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ کی مشابہت میں وجہ تشبیہ کیا تھی۔ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کا اُس وقت جسم تو لوگوں کے سامنے نہ تھا۔ یہاں تو آنحضرتؐ کا مُردہ جسم ان کی آنکھوں کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ معرفت نبوت کے کیا اچھے مظاہرے ہیں۔ کبھی نبوت سے ہنریاں صادر ہونا جائز ہے۔ کبھی نبوت موت سے بالاتر ہوتی ہے۔ کون زبان پکڑتا ہے۔ مطلب نکالنے سے کام جیسا موقع دیکھا ویسا کہہ دیا۔

جماعت اہل حکومت کا خیال ہے کہ حضرت عمر کے جوشِ محبت نے اُن کو آپ سے باہر کر دیا۔ اور یہ آیت یاد نہ رہی۔ جن لوگوں کو واقعات پر غور و خوض کرنے کی عادت نہیں ہے وہ شاہدین کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا دیں ورنہ صاحبانِ غور و فکر جانتے ہیں کہ اظہارِ محبت و جوشِ عشق کے یہ طریقے نہیں ہوا کرتے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں آنحضرتؐ نے وصیت لکھوائی چاہی وہ تو لکھنے نہ دی اور فرما دیا کہ یہ شخص ہنریاں بک رہا ہے۔ کیا محبت آمیز فقرہ ہے اور قیومِ معنی اس محبت کا جواب ہے۔ رنج کی علامت یہ ہے کہ آدمی آہ و زاری کرتا ہے۔ سر پٹیا ہے، بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اگر محبت نے رنج پیدا کر دیا تھا تو آپ فوراً بے ہوش ہو جاتے، رونے لگتے، سر پر خاک ڈالتے۔ گریبان چاک کر کے میت کے پاس پٹھ جاتے۔ رنج کی علامت تو ایک بھی ظاہر نہ ہوتی۔ خود تو محبوب کے ساتھ مرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ لوگوں کو مارنے کا خیال آگیا۔ جب روزِ احد

لوگوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی خبر مشہور کر دی تو پھر آپ کی محبت کی دیگ میں اُبال کیوں نہ آیا۔ وہاں تو موقع تھا کہ تیار رہتے ہیں لے کر کھڑے ہو جائے اور کہتے کہ جو کہے گا کہ رسولؐ نے وفات پائی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اچھا اس وقت تو وہ ہوش رنج و غم تھے اور عقل گم ہو گئی تھی۔ جب حضرت ابو بکر کے ساتھ وہ عقل واپس آئی تو پھر حضرت عمر نے کیا کیا۔ اس مسئلہ عشق کے معنی کو حل کرنے کے لئے یہ بہت مفید نکتہ ہے۔ اگر محبت کا ہوش تھا تو جب حضرت ابو بکر کے آنے پر ہوش آیا تو اس وقت اظہارِ رنج و غم فرماتے۔ میث کے پاس تشریف لے جاتے آخری نظارہ رُخِ محبوب کا کرتے۔ اس وقت تو جس اظہارِ کبے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ نبی ساعده کی طرف اپنے منصبوں کی تمہیل کے لئے روانہ ہو گئے۔ گو یا بقیل شبلی نعمانی کوئی حادثہ ہی پیش نہ آیا تھا۔ یہ تھا وہ جوشِ عشق جس کا یہ حشر ہوا۔ غرض کہ اس جنون میں بھی رنگ مقصد نہاں تھا۔ پہچاننے والے پہچانتے ہیں۔ کہ اس جنون میں کیا راہ نہاں تھا۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب حضرت عمر کے انکارِ رحلتِ رسول کے واقعہ کو تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

”ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو

فتنہ پر دازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا۔ اس لئے حضرت عمر

نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہو گا“ (الفاروق حصہ اول ص ۶۵)

خدا کا شکر ہے جو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے وہ خود ان کی زبان پر جاری

ہو گیا۔ مولوی شبلی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے مصلحت وقت کی وجہ سے

آنحضرتؐ کی خبر موت کو پھیلنے سے روکا۔ اور اس کو روکنے کے لئے یہ ڈھنگ

اختیار کیا۔ منافقین کی بجائے مخالفین رسولؐ کہتے تھے بالکل مطابق واقعہ ہوتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ صاحبانِ فہم و ذکاؤں کے لئے حضرت عمر کے اس طرزِ عمل کی کوئی

اور وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ مولوی شبلی نے یہاں تک تو مان لیا کہ حضرت عمر کا

انکارِ موتِ رسولؐ جھوٹ پر مبنی تھا۔ حضرت عمرؓ سے جانتے تھے کہ آنحضرتؐ

وفات پائی۔ لیکن ظاہراً جھوٹ کو فروغ دینے کے لئے تلوار بچا رہے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی ہیں۔ قلم کر دوں گا۔ محبت و عشق و بیخودی وغیرہ کے عذرات سب ختم ہوئے۔ مان لیا گیا کہ یہ حکمت عملی تھی، مصلحت تھی۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں کیا گیا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ منافقین کے ڈر سے ایسا کیا گیا کہ کہیں وہ یہ خبر پا کر فتنہ و فساد نہ پیدا کر دیں یہ تو فرمائیے کہ ڈومنت کے اندر جب ابو بکر آگئے، ابھی حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے کہ ابو بکر آگئے۔ اب وہ ڈر کیوں نہ رہا۔ کونسی مصلحت تھی جو پوری ہو گئی۔ کیا منافقین ان دو چار نٹوں ہی میں فتنہ پیدا کر سکتے تھے۔ اُس کے بعد نہیں کر سکتے تھے۔ اب غور کرو کہ حضرت ابو بکر کے آنے کے بعد کونسا فتنہ کھڑا ہوا۔ اور کس نے کھڑا کیا۔ جس نے یہ فتنہ کھڑا کیا اور جو فتنہ کھڑا ہوا اُس کے ہی فائدہ کے لئے یہ مصلحت اور یہ حکمت عملی بھی ہو گی۔ تاہم یہ بتا رہی ہے کہ سوائے سقیفہ نبی ساعدہ کے اور کوئی فتنہ ہی سب سے پہلے کھڑا نہیں ہوا۔ لہذا یہ نتیجہ صحیح ہے کہ حضرت عمر نے سقیفہ نبی ساعدہ کی کارروائی کے مفاد کے لئے یہ حکمت عملی برتی۔ اور اس نتیجہ کی صحت اس وجہ سے اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر خود اس میں شامل تھے اور اس فتنہ سے فائدہ اُٹھایا۔ اگر مولوی شبلی یہ کہتے ہیں کہ یہ فتنہ منافقین ہی نے اُٹھایا تھا اور حضراتِ شہین تو مجبوراً وہاں گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سقیفہ نبی ساعدہ کا اجتماع انصار کا تھا لہذا آپ کی رائے میں تمام انصار منافقین ہوئے۔ اور جب آپ نے یہ مان لیا کہ یہ فتنہ تھا تو معاملہ صاف ہے۔ انصار سے پہلے تو یہ فتنہ حضرت ابو بکر کھڑا کر چکے تھے جب انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ آؤ چلیں اپنے میں سے خلیفہ مقرر کریں۔ یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ حضراتِ شہین کا سقیفہ میں طرز عمل کیا تھا۔ اگر وہ اُس کو وہ فتنہ تصور کرتے تھے جس کی پیش بندی کے لئے انکارِ نبوت رسول کی حکمت عملی اختیار کی گئی تھی تو وہاں جا کر اُس فتنہ کو

فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نہ کہ اس سے فائدہ اٹھا کر خود خلیفہ بن گئے۔ کہتے کہ اس طرح خاموشی سے اُمتِ اسلامیہ کا خلیفہ منتخب نہیں ہوا کرتا۔ ابھی نبی ہاشم و من و کفن رسول میں مشغول ہیں۔ ہاجرین کی ساری جماعت غیر حاضر ہے۔ آؤ چلیں۔ رسول اکرم کی تجویز و تکفین سے فارغ ہوئیں تو خلیفہ مقرر کریں۔ غرض کہ آپ کوئی بحث اختیار کریں۔ نتیجہ ہی نکلتا ہے کہ انکارِ موت رسول ایک حکمتِ عملی اور مصلحت تھی اور اس وجہ سے اختیار کی گئی تھی کہ حضرت ابو بکر غیر حاضر تھے اور ان منصوبوں کی تمیل کے لئے جو آنحضرت کی وفات کے بعد زیرِ عمل آئے تھے ان کو موجود ہو کر نا ضروری تھا۔

اب ہم حضرت ابو بکر کے خطبے پر غور کرتے ہیں۔ اس سے بھی ہمارے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ کارکنانِ سقیہ کا مقصد اول یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہ میں تفرقہ پڑے اور اس میں سے ایک جماعت ٹوٹ کر ہماری طرف آئے۔ ان کا ہر قول، ہر فعل اس تقسیم و تفریق پر منتج ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکر وہاں آئے جہاں حضرت عمر تھے۔ ان کو اشارہ کیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ اب حضرت ابو بکر نے خطبہ دیا۔ علامہ ابن حجر کی لکھتے ہیں :-

تمام ابو بکر خطیباً کنا سیاتی فقال  
ایہا الناس من کان یعبدا محمداً  
فان محمداً اقل مات ومن کان  
یعبدا اللہ فان اللہ حی لا یموت  
لا یدلہنا الا امر من یقوم بہ  
فانظروا وھا انوا اسراءکم فذلوا  
صدقت تنظر فیہ۔

حضرت ابو بکر خطبے کے لئے کھڑے بیٹھے اور فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو محمد کی عبادت کرتا تھا اسے جاننا چاہیے کہ محمد مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خدا زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ اس امر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی حاکم مقرر کیا جائے پس آؤ اور اپنی رائیں دو۔ لوگوں -

علامہ ابن حجر کی :- صواعق محرقة

المقدمة الثانية ص ۵

حضرت ابو بکر کی خطبہ



دیکھئے حضرت ابو بکر نے بھی اُمتِ محمدیہ کی تقسیم کر دی ایک گروہ وہ جو جناب رسول خدا کی موت پر رنج کر رہا تھا اور مشغول گریہ و بکا تھا۔ دوسرا فرقہ وہ جو ان بزرگواروں کے ہمراہ کیمیل مقصد میں شریک کار تھا۔ رونے اور گریہ کرنے والوں سے علیحدہ تھا۔ اُس کا انہماک ہی دوسری طرف تھا۔ یہ فرقہ تو خدا کا عبادت کرنے والا قرار دیا گیا۔ کیونکہ اپنا تھا۔ دوسرے گروہ کو محمد صلعم کا پرستش کرنے والا قرار دیا گیا تاکہ لوگوں کو ادھر شامل ہونے میں تامل ہو جائے۔ اس میں ایک راز مضمّن تھا۔ فطرتِ انسانی ہے کہ مرنے والے کے ساتھ محبت و ہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ محبت و ہمدردی اس کی اولاد و قریب ترین رشتہ داروں کی طرف خود کرجاتی ہے۔ اُمت میں رحلتِ رسول نے ایک کھرام پیدا کر دیا ہے لوگ اپنے محسن کے احسانات یاد کر کے رورہے ہیں۔ بڑا نازک وقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ محبت و ہمدردی کے جذبات مرنے والے کی اولاد و اہلبیت و عنترت کی طرف منتقل ہو جائیں حضرت ابو بکر نے فوراً محبتِ رسول کو عبادت سے تعبیر کر کے اُسے مکرہ بنا لے کر کوشش کی اور اس کی کراہیت میں اضافہ اس طرح کیا کہ اس کو عبادتِ الہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا مرنے والے جیب کو سب رو یا کرتے ہیں۔ ابھی ابھی وہ جیب جلا ہوا ہے۔ کئی دن یا مہینے تو نہیں گزرے۔ اس محبت میں مہینوں سے تو انہماک نہیں ہے۔ کیا اپنے پیارے رسول، محسن کو چند گھنٹہ رونا بھی ناگوار ہے۔ بھلا اس رونے کو پرستش و عبادت سے کیا تعلق۔ اب جو لوگ اپنے مرنے والوں کو روتے ہیں تو کیا وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ آنحضرت کی خواہش کے مطابق جو زمانہ مدینہ حضرت حمزہ پرمان کر رہیں تو کیا انہوں نے حضرت حمزہ کی پرستش کی اور کیا آنحضرت نے معاذ اللہ ان سے حضرت حمزہ کی پرستش کرائی۔ حضرت ابو بکر نے ان لوگوں کو فوراً دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ہم زیادہ غور کریں گے اتنا ہی زیادہ واضح ہوتا جائے گا کہ شروع ہی سے ان بزرگواروں کی پرستش رہی ہے کہ کسی طرح اُمتِ اسلامیہ کے اتحاد کو منقطع کر کے ان

اُمت کو جناب رسول سے روکا

میں سے ایک جماعت اپنی ہم خیالی نکالی جاوے تاکہ ہم اپنے منصبوں میں کامیاب ہو سکیں۔

چھٹی تہذیب - ہنگامہ سنیوں کی ساعدہ

اب ہم اپنے سلسلہ بیان میں اُس واقعہ تک پہنچ گئے ہیں جس نے اسلام کی تفریق و تقسیم کو مستحکم، مستقل اور دائمی بنا دیا۔ جو مخرج اور منبع ہو گیا اُس خونریزی اور باہمی نزاع کا جس نے مسلمانوں میں انحطاط و کمزوری پیدا کر کے اُن کو اس حالت تک پہنچا دیا جس میں کہ وہ اب ہیں۔ وہ جماعت جو دنیا کی رہنا بننے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اب مضحکہ عالم بن گئی ہے۔ اسلام پر اتنی سخت مصیبت کبھی نہیں پڑی جتنی سنیوں کی ساعدہ والے دن اُس پر نازل ہوئی۔

قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ سنیوں کی ساعدہ میں کیا ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیکھیں کہ سنیوں کی ساعدہ کیسی جگہ تھی، اور مسجد نبوی و آباؤ اجداد میں کھڑے ہو کر وہاں یہ خلیفہ سازی کا اجلاس کیوں ہوا۔ غیاث اللغات اور منتخب اللغات میں اس سنیوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:-

”حقیقش این است کہ سنیوں نے یوں کہا کہ عرب برائے مشورہ  
ہائے باطل در آن جمع می شدند و مجازاً مشورہ و سخن بہودہ را  
گویند۔“

غیاث اللغات کے حاشیہ پر چراغ ہدایت مؤلف سراج الدین علی خاں آرتر  
میں سنیوں کی ساعدہ کے معنی دروغ بستن لکھے ہیں۔ سبحان اللہ قضا و قدر نے  
خاموش واقعات کی زبانی کس طرح حق کی کہانی سنائی ہے۔ اس خلافت کی  
حقیقت اور اس خلیفہ کی حقانیت ظاہر ہے جو مسجد نبوی و خانہ نبوت کو چھوڑ کر  
ایسی جگہ اپنی ہست و بود کا انتظام کرے جو باطل اور بہودہ مشوروں کیلئے مخصوص  
کس خاموشی کے ساتھ قدرت نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک باطل کے فروغ دینے  
سازش تھی جہاں سُخنانِ بہودہ و مشورہ ہائے باطل کے بعد امر باطل کی ہنسیا

بہودہ مشورہ کی سنیوں کی ساعدہ

رکھی گئی۔ اگر امر واقعی یہی تھا جواب اہل حکومت نے گھڑا ہے کہ وہ وقت ایسا نازک تھا کہ حاکم و سردارِ قوم کا فوراً منتخب ہونا ضروری تھا، تو پھر تمام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع ہو جانا چاہیے تھا۔ وہاں مشورہ بھی ہوتا رہتا اور غسل و دفنِ رسول میں بھی تمام صحابہؓ رسول کی شرکت جاری رہتی، تمام سردارانِ قریش اور نامورانِ اسلام فوراً جمع ہو جاتے۔ اور ایک قطعی فیصلہ ہو جاتا۔ اگر نیک نیتی سے ان کا خیال تھا کہ جناب رسول خداؐ نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر اس سے بہتر و موزوں کوئی اور طریقہ اور کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا تھا، تمام اہم امور اس سے پہلے اور اس کے بعد مسجد نبوی میں طے ہوا کرتے تھے۔ لیکن محض اس کے لئے بجائے مسجد نبوی کے ایک ایسا مقام پسند کیا جاتا ہے کہ جہاں دنیا کی نظروں سے نہاں مشورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش تھی جس کو منظر عام پر لانا انہوں نے مناسب نہ سمجھا۔ بقول حضرت شبلی نعمانی تمام مورخین اسلام سنتی ہی ہوئے ہیں۔ لہذا ان سے امید رکھنی کہ وہ کھلی کھلی باتیں لکھ دیں گے۔ اور اس سازش کو سازش کہیں گے، فطرتِ انسانی کے اُد پر بہت زیادہ بوجھ ڈالتا ہے۔ وہ سنبھال نہیں سکتی۔ لیکن سقیفہ کے کارکنان کا طرز عمل اور یہ خاموش واقعات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ اس تجویز کی پہلے ہی سے سخت دہڑ دہڑ چکی تھی جس تفرقے کا ہم ذکر کر رہے تھے اس کی یہ بھی ایک کڑی ہے۔ تمام مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر، جدا ہو کر، تفرقہ پیدا کر کے خلیفہ کا انتخاب ہوتا ہے۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضراتِ شیخین تو مجبوراً سقیفہ نبی ساعدہ میں گئے اور اُمت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے گئے۔ پہل تو دراصل انصار نے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے نزدیک کی جگہ اختیار کر لی۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم تو مخالفینِ علی کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس میں انصار یا شیخین کی تخصیص نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات پر جو خطبہ حضرت ابو بکر نے دیا اور جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں وہ صاف ظاہر کر رہا ہے

کہ پہلے حضرت ابو بکر نے کی۔ اُس وقت تک ابھی انصار سقیفہ میں جمع نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس انتظام کی وجہ سے جو حضرت عمر نے کر لیا تھا ابھی تو انہیں آنحضرت کی رحلت کی اطلاع بھی نہ پہنچی ہوگی کہ ابو بکر آگئے اور لوگوں کو خلیفہ سازی کی طرف دعوت دی۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انصار کے دل میں بھی یہ خیال موجود تھا کہ آنحضرت کے بعد اس حکومت کا والی و وارث کون ہوگا۔ انصار جانتے تھے اور قضیہ قرطاس والے واقعات نے ان کو یقین دلا دیا تھا کہ اگرچہ آنحضرت نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دیا ہے۔ لیکن مہاجرین کی ایک مضبوط جماعت اس امر پر تکی ہوئی ہے کہ حضرت علی کو خلیفہ نہ ہونے دیں اب حضرت ابو بکر کے اس خطبہ نے انہیں اور پکا کر دیا۔ اس صورت میں انہیں اپنا ڈر ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مہاجرین میں سے حضرت علی کے سوا کوئی اور خلیفہ ہوا تو مہاجرین ہمیں کچل ڈالیں گے۔ اپنے اس خوف کا ذکر انہوں نے جناب رسول خدا سے بھی کیا تھا اور آنحضرت نے ان کو بھی وہی مشورہ دیا جو حضرت علی کو ہدایت کی تھی کہ صبر کرنا۔ سقیفہ نبی ساعدہ کی بحث کے دوران میں بھی جناب ابن المنذر نے انصار کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے بچے مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگ رہے ہیں اور انہیں بھیک نہیں ملتی۔ جب حضرت عمر کو انصار کے سقیفہ میں جمع ہونے کی خبر پہنچی تو اُس میں یہ بھی تھا کہ انصار کہہ رہے ہیں کہ سنا امیر و صدقہ امیر۔ یہ وہ استدعا ہے جو جماعت مغلوبہ کیا کرتی ہے۔ سارا تو ہم لے نہیں سکتے آدھا تو دو۔ حضرت عمر کا جواب وہ تھا جو جماعت غالب کا ہوا کرتا ہے۔ نہیں ہم سارا لیں گے۔ اگر انصار کو یقین ہو جاتا کہ آنحضرت کے بعد بغیر کسی رکاوٹ کے حضرت علی کو حکومت مل جائے گی تو پھر وہ مطمئن ہو جاتے۔ یہ امر قطعاً کہا جاسکتا ہے کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتداء نہ کرتے۔ اور سقیفہ نبی ساعدہ کے اجلاس کی نوبت نہ آتی۔ لیکن جب علی کی مخالفت

شروع ہو گئی تو پھر بہت سے انصار اُدھر چلے گئے۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کہ اگر ہناجرین کی اس جماعت کی طرف سے حضرت علی کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار اس کی ابتداء نہ کرتے، بہت سے واقعات سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ انہیں حضرت علی سے کوئی وجہ عناد نہ تھی۔ حضرت علیؑ سے دعوے ہمسری و رقابت نہ تھا۔ قبیلانہ رشک و حسد جو ایک شہر کے مختلف قبیلوں میں اس زمانہ میں ہوا کرتا تھا، وہ ان میں حضرت علی و بنو ہاشم کے خلاف نہ تھا۔ جنگھائے بدر و احد وغیرہ میں حضرت علی نے ان کے قبیلے کے آدمیوں کو قتل نہیں کیا تھا۔ وہ حضرت علی کے اعلیٰ صفات اور خدایات اسلامی سے واقف تھے ان میں کوئی شخص اپنے نہیں علی کا مد مقابل، یا رقیب نہیں سمجھتا تھا، ان میں کوئی شخص حضرت عمر جیسی جرأت و ہمت والا موجود نہ تھا جو باوجود جناب رسول خدا کے صریح احکام کے حضرت علی کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ سقیفہ نبی ساہ کے اجلاس میں حضرت علی کی غیر حاضری میں بھی بہت سے انصار نے کہہ دیا کہ ہم سوائے علی کے اور کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے۔

وَابَعِدَ النَّاسُ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ  
بَعْضُ الْاَنْصَارِ لَا نَبِيَّ اِلَّا عَلِيٌّ  
تاریخ طبری: الجزء الثالث ص ۱۹۸  
ابن الاثیر: تاریخ الکامل الجزء ثانی ص ۱۲۲

جب حضرت ابو بکر کی بیعت لوگ کرنے لگے تو انصار نے یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علی کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔

سقیفہ نبی ساہ کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے ظاہر ہو گا کہ اگر انصار میں سے وہ لوگ جنہیں حضرت عمر نے پہلے سے اپنی طرف ہلا لیا تھا۔ دورانِ بحث ہی میں حضرت ابو بکر کی بیعت کر کے بحث کو ختم نہ کر دیتے تو حضرت علی کا ذکر آچلا تھا۔ معاملہ بگڑ جاتا اور حضرت ابو بکر کو مشکل ہو جاتی۔

حضرت عمر انصار کی اس دوستی و طرفداری میں علی سے واقف تھے اور اس ہی وجہ سے ان سے ناراض تھے۔ جب حضرت عمر زخمی ہوئے اور انہیں اپنی موت کا یقین

ہو گیا اور لوگوں نے ان سے التجا کی کہ آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں تو انہوں نے چند  
 رفتگان کے نام لئے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔ ان میں سے  
 کوئی انصار نہ تھا۔ پھر جب آپ نے چھ امیر وارانِ خلافت شوریٰ کے لئے نامز  
 کئے تو ان میں سے بھی کسی انصار کو نہ رکھا بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا  
 حق نہیں ہے۔ شوریٰ مقرر کرتے وقت آپ نے لوگوں کو یا معشر المہاجرین کہہ کر  
 خطاب کیا۔ انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا حضر و امعکم من شیوخ  
 الہ انصار و لیس لہم من امرکم شیئاً کتاب الامامۃ والسیاستہ ابن قتیبہ  
 ص ۲۲) یعنی دورانِ مشاورت خلافت ساری میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو  
 تو بلا لینا مگر تمہارے امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ خلافت کو آپ نے تمہارا امر یعنی  
 مہاجرین کا معاملہ بنایا۔ انصار اس قابل بھی نہ تھے کہ ان کی طرف اضافت  
 بادی ملا بہت بھی ہو سکتی۔ حضرت عمر کے عمال کی فرسٹ پر نظر ڈالو۔ بنو امیہ  
 اور دشمنان علی ابن ابی طالب کی کثرت ہے۔ سوائے ایک کے اور کوئی انصار  
 نظر نہیں آتا۔ اور وہ ایک وہ ہے جس نے اپنے بھائیوں سے غداری کر کے  
 سقیفہ نبی ساعدہ میں حضرت ابو بکر کی بیعت کی تھی۔ مسلمانوں اور غور کرو۔ انصار  
 بھی کوئی شے ہے۔ آخر انصار سے یہ دشمنی کیوں ہے۔ ان کا حصہ خلافت میں کیوں  
 نہیں۔ اُمتِ اسلامیہ کو دو حصوں میں کیوں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ  
 انصار ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ کو پناہ دی تھی۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے  
 گھروں میں مہاجرین کو بسایا تھا۔ یہ وہ انصار ہیں جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر  
 مہاجرین کو کھمبے کھلائے۔ اس جماعت اکثریت کا یہ طرز عمل انصار کے ساتھ  
 احسان فراموشی کی نہایت بڑی مثال ہے۔ اپنے محسنِ اعظم کے احسانوں کو  
 بھول گئے۔ ان کے جسدِ اطہر کو پے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت حاصل کرنے  
 چلے گئے۔ اور ان کی آل کے ساتھ یہ دشمنی کی۔ ان کے انصار سے بے رخصی برت  
 رہے ہیں کیا احسان فراموشی کی اس سے بدتر مثال مل سکتی ہے؟

بہر صورت یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر مخالفتِ علی کی وجہ سے اس احسانِ فراموشی کا طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور ان کے پیروان اسی کو سنتِ شیخین سمجھ کر اس طرزِ عمل کے اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُمتِ اسلامیہ کی اکثریت میں یہ خصلتِ ردِ ذیل یعنی احسانِ فراموشی محض مخالفتِ علی کے جرم میں رائج ہوئی ہے۔ اس کتاب کو آگے پڑھتے جائیے۔ آپ کو معلوم ہوتا جائے گا کہ مخالفتِ علی کرنے کی وجہ سے یہ بزرگوار کیا کیا گناہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یہ تفرقہ اور یہ تحریف تو اس کا براہِ راست نتیجہ ہے۔

خیر یہ ذرا سا جملہ معترضہ آ گیا۔ ہم کہہ رہے تھے کہ انصار کو ہاجرین کی اکثریت کے طرزِ عمل نے سقیفہ سازی کرنے پر مجبور کیا۔ اور حضرت عمر نے بھی انتظام کر لیا کہ انہیں انصار کی ہر وقت کی خبریں پہنچیں۔

عن عائشہ قالت وكان عمر بن الخطاب اخي رجلا من الانصار لا يسمع شيئاً الا اخبره به ولا يسمع عمر شيئاً الا حدثه - محمد بن سعد: طبقات الكبري الجوز الثامن من النساء زير عنيان ذكر المراتين التينى تظاها على رسول الله صلعم وتخييره نساء ص ۱۳۱ بصفحة ۱۳۶

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب عمر خطاب نے انصار میں سے ایک شخص کو بھائی بنا یا ہوا تھا یہاں تک کہ وہ انصاری کوئی امر نہیں سنتا تھا لیکن یہ کہ عمر کو اس کی اطلاع دیتا تھا اور عمر کوئی بات نہیں سنتے تھے مگر یہ کہ اس انصاری کو اس کی اطلاع دیتے تھے۔

سقیفہ ہی ساعدہ کے حالات ہیں آپ معلوم کریں گے کہ وہاں حضرت ابو بکر کی بیعت کا سب سے بڑا باعث اُن چند انصار کا حد تھا جو وہ سعد ابن عبادہ سے رکھتے تھے۔ اور اپنے انصار بھائیوں سے غدار می کر رہے تھے۔ انصاروں میں سے حضرت عمر کے بہت بڑے معاون بشیر ابن سعد اور زید ابن ثابت تھے جن کا نام نمایاں طور سے اُس جلسہ میں آتا ہے یہ زید ابن ثابت وہ ہی زید جوان بزرگ ہیں جو بعد میں جمع قرآن کی کمیٹی کے پریزیڈنٹ بنائے گئے تھے۔ یہ قیاس

بالکل مطابق واقعات کے ہے کہ یہ لوگ حضرت عمر کو خبریں پہنچاتے ہوں گے۔ چونکہ سقیفہ والے دن یہ لوگ اس جلسے کو چھوڑ کر خبریں دینے کے لئے نہیں آسکتے تھے لہذا حضرت عمر نے اس کام کے لئے ایک خاص آدمی سقیفہ میں بٹھا دیا جس نے صرف حضرت عمر ہی کو آن کر اس بات کی خبر دی کہ اب انصار سقیفہ نبی ساعدہ میں جمع ہونے لگے ہیں۔

اس کے ثبوت میں ہم وہ عبارت درج کرتے ہیں جس کو مولوی شبلی نے الفاروق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ”ہم نہایت مستند کتاب مسند ابو یعلیٰ کو عبارت نقل کرتے ہیں: الفاروق حصہ اول ص ۶۶۔“

بیتنا نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عتی فاناعنک مشاعیل یعنی یا مرسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان انصار اجتمعوا فی سقیفہ بنی ساعدہ فادبرکوا ہم ان یجدوا امرایکون فیہ حرب فقلت لا بی بکوانطلق۔

حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو بیٹو ہم لوگ آنحضرت کے بند و بست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ نبی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کراٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو۔

یہ ترجمہ بھی مولوی شبلی ہی کا ہے۔ یہ عبارت انہوں نے اپنے اس عنوانے ”ثبوت میں پیش کی ہے کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا۔ نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ نبی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔ یہ تو ہم کیونکر کہیں کہ مولوی شبلی کی تاریخی واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی اہلیت نہ تھی۔ یہی کہنا پڑے گا کہ وہ اپنے عقائد کو واقعات سے مقدم رکھتے تھے اور اپنے عقائد کی بناء پر واقعات کو توڑنے مڑانے لگتے۔“



کی عادت پیدا کر لی تھی۔ یہاں تو انہیں واقعات کی توڑنا مروڑنا ہی نہیں پڑا بلکہ صحیح نتائج سے اعراض و اغماض کر کے اپنے اعتقاد کے مطابق نتیجے پر بغیر ادھر ادھر دیکھے ہوئے پہنچ گئے۔ اُن کے سامنے استدلال کی بناء حضرت عمر کا یہ فقرہ ہے۔ چلو ہٹو ہم رسول اللہ کے امر میں مشغول ہیں جو انہوں نے محض دکھاوے کی خاطر کہا تھا۔ لگ نام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفن و کفن کی تجویز ہو رہی تھی۔ وہاں سے آنے میں کچھ تو تکلف کا اظہار کرتے۔ جناب رسول خدا کے جدا طہر کو ایسے موقع پر چھیڑ کر جانے میں کچھ تو ظاہر داری برتتے۔ اس دفع الہی کے فقرہ پر مولوی شبلی نے بحث کا کتنا بڑا قصر تیار کیا ہے۔ جن صریح واقعات کی طرف سے مولوی موصوف نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) تمام امت اسلام کا معاملہ تھا۔ اگر وہ شخص خاص طور سے حضرت عمر کا مقرر کیا ہوا جاسوس نہیں تھا تو دیوار کے پیچھے سے کیوں آواز دی۔ سب کے سامنے آن کر تمام مجلس کو اس امر سے کیوں نہ آگاہ کیا۔

(۲) صرف حضرت عمر ہی کیوں بلایا۔ اُن میں کیا خصیصیت تھی۔ اگر اس شخص کے علم میں حضرت عمر اس حکومت کے ادھیڑ بن میں نہیں رہا کرتے تھے تو پھر اس کو چاہئے تھا کہ تمام ہماجرین کو اس سے مطلع کرتا۔

(۳) حضرت عمر کو بھی دیکھئے۔ صرف حضرت ابو بکر کو کیوں ساتھ لیا۔ باقی اور آدمیوں کو کیوں نہ مطلع کیا اور کیوں نہ ساتھ لیا۔ ایسی ہنگامہ آرائیوں میں تو فریق مخالف کو مرعوب کرنے کے لئے جتنے زیادہ ممکن ہوتا ہے آدمی لے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر صرف ابو بکر کو ساتھ لیتے ہیں۔ کس طرح واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا انکار نبوت رسول محض سیاسی دھندا تھا۔ دراصل حضرت ابو بکر کے آنے کا انتظار تھا۔ جب وہ آگئے تو سب کچھ بھول گئے۔ ساری قوم کا معاملہ۔ اسلام کا معاملہ۔ اور یہ سب کچھ چھپ کر جاتے ہیں۔ آخر بات کیا ہے۔

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اس کا پہلے سے انتظام کر لیا تھا اور اس کے لئے تیار تھے جب ہی تو محض ابو بکر کو ساتھ لیا اور چل کھڑے ہوئے۔

(۵) اس واقعہ سے ایک نہایت عمدہ اور زبردست امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس مجمع میں کسی کو اس سقیفہ سازی کا علم ہی نہ تھا۔ حضرت عمر کو علم تھا یا بقول شبلی حاصل ہوا تو انہوں نے بھی کسی کو مطلع نہ کیا۔ صرف حضرت ابو بکر کو ہمراہ لے کر چلے گئے۔ لہذا سقیفہ بنی ساعدہ میں امت کی نمائندگی نہ تھی اور صحیح انتخاب نہیں ہوا۔ یہ انتخاب کیا تھا۔ بلکہ ایک گہری سازش تھی۔

یہ دونوں برادر گوارا چلتے ہیں۔ راستہ میں ابو عبیدہ بن الجراح ملتے ہیں ان کو بھی ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد راستہ میں دو آدمی سقیفہ سے آتے ہوئے ملتے ہیں انہوں نے سقیفہ کے حالات سنائے اور چلے گئے۔ چلے گئے یوں کہ جوہ ہاجرین میں سے تو تھے نہیں وہ انصار تھے۔ اور باقی انصار سے ٹوٹ کر حضرت عمر کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ لہذا وہ ان کے ساتھ مجمع انصار میں اس طرح علائقہ نہیں جاسکتے تھے۔ اگر اس طرح جاتے تو انصار پر ان کی بے وفائی ظاہر ہو جاتی وہ دو بزرگ عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ تھے۔ جن کو حضرت عمر دو مردان صالح کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ اس پر تصرہ ہم بعد میں کریں گے ذرا طبری کی عبارت نقل کئے دیتے ہیں :-

فمضیاً مسرعین نحوہم فلقبوا بـ  
عبیدۃ بن الجراح فتماشوا الیہم  
ثاہر تھم فلقیہم عاصم بن عدی  
دعویم بن ساعدہ فقالا لہما رجعوا  
فانہ لا یکون ما تریدون فقلوا  
لا نفعل فجاؤا وہم مجتمعون

وہ دونوں حضرات ابو بکر و عمر نہایت تیزی سے  
ساتھ انصار کی طرف چلے ردیکھے رسولی کے  
غم نے ٹانگوں میں کتنی تیزی پیدا کر دی (ان  
دونوں کو ابو عبیدہ بن الجراح ملے اور اب  
یہ تینوں بل کر ادھر چلے۔ راستہ میں عاصم بن عدی  
عویم بن ساعدہ ملے اور ان دونوں نے ان

تینوں سے کہا کہ واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ جو تم چاہتے ہو جوہ نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم واپس  
نہیں جائیں گے۔ پس یہ لوگ سقیفہ میں پہنچے جہاں وہ جمع تھے۔

تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۰۸

جمال الدین ابوالفرج بن الجوزی: تاریخ عمر بن الخطاب باب السادس والعشرون ص ۳۲، ۳۵  
 دیکھے کسی پر معنی عبارت ہے۔ آپس میں کسی اشاروں ہی میں باتیں ہو رہی ہیں  
 جو تم چاہتے ہو وہ ممکن نہیں ہو گا۔ یہ کیا چاہتے تھے۔ عاصم و عویم کو پہلے ہی سے  
 معلوم تھا۔ یہ قیاس بالکل قرین واقعہ ہے کہ عاصم و عویم کو انصار میں ان کی خبریں  
 لانے کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ اس عبارت سے اور پہلے کی عبارت سے صاف ظاہر  
 ہے کہ سقیفہ نبی ساعدہ میں صرف ہی تین مہاجر موجود تھے اور کوئی نہ تھا۔ اگر اب بھی  
 شبہ رہ گیا تو ہم اور ثبوت پیش کرتے ہیں

ولو یحضر معہ فی سقیفۃ من قریش حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ نبی ساعدہ میں قریش سے

غیر عربی عبیدہ سوائے عمر و ابوعبیدہ کے اور کوئی نہ تھا

مجالس طبری: ریاض النضرۃ الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثالث عشر فی خلافتہ ابی بکر ص ۱۶۵  
 ہم ابھی بتاتے ہیں اور انہی بوکرگوں کی زبان بتاتے ہیں کہ سقیفہ میں اُس دن  
 حضرت عمر کسی اور کو اپنے ساتھ کیوں نہ لے گئے۔ پہلے یہ دیکھ لیں کہ سقیفہ  
 میں کیا ہوا۔

فقال عمر بن الخطاب اتیناہم وقد کنت نزوت کلاما اردت ان اقوم  
 بہ فیہم فلما ان دفعت الیہم  
 ذہبت لا یتدعی المنطق فقال  
 لی ابوبکر روید حتی اتکلم ثم  
 نطق بعد بما احببت فنطق فقال  
 عمر فما شی لنت اردت ان اقولہ الا  
 وقد اتی بہ او نراد علیہ فقال  
 عبد اللہ بن عبد الرحمن فبدأ  
 یوبکر..... فحضر اللہ المہاجرین  
 عمر سے مروی ہے کہ ہم انصار کے پاس پہنچے۔ اشارہ  
 راہ میں اس موقع کے لئے میں نے اپنے دل میں ایک  
 تقریر کا مفہون سوچا تھا کہ انصار کے سامنے اسے  
 بیان کر دوں گا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے چاہا کہ تقریر  
 کروں مگر ابوبکر نے مجھ سے کہا ذرا صبر کرو پہلے میں  
 کہہ لوں اس کے بعد جو تمہارا راجی چاہے بیان کرنا مگر  
 جو تقریر ابوبکر نے کی وہ ایسی تھی کہ جو کچھ میں کہنا  
 چاہتا تھا اُس سے بھی زیادہ اُس میں  
 ابوبکر نے کہہ دیا۔ عبد اللہ بن عبد الرحمن سے مروی  
 ہے کہ ابوبکر نے شروع کیا اور کہا... اللہ نے رسول خدا

الاولین من قومہ بتصدیقہ الایمان  
 بہ والموا ساة لہ والصدومہ علی  
 شدۃ اذی قومہم لہم وتکننا ہم  
 ایاہم وکل الناس لہم مخاف  
 نزار علیہم فلم یستوحشوا للقلبت  
 عددہم و شانت الناس لہم و  
 اجماع قومہم علیہم فہم اول  
 من عبد اللہ فی الارض وامن  
 باللہ وبالرسول وہم اولیاء  
 وعشیرتہ وحق الناس بہذا  
 الامر من بعدہ ولا ینا نزہم  
 ذلک الا ظالم وانتم یا معشر  
 الانصار من لا ینکر فضلہم فی  
 الدین ولا ساقبتہم العظیمۃ فی  
 الا سلام رضیکما اللہ انصار الدینۃ  
 ورسولہ وجعل الیکم ہجرتہ وفیکم  
 جلتہ ازواجہ واصحابہ فلیس  
 بعد المہاجرین الاولین عندنا  
 بمنزلتکم فمخن الامراء وانتم  
 الوتر ساء لا تفتاقون بمشورۃ  
 ولا نقضنی دونکم الامور قال  
 فقام الحباب بن المنذر بن  
 الجموح فقال یا معشر الانصار

کی تصدیق کے لئے مہاجرین اولین کو مخصوص فرمایا  
 کہ یہ آپ پر ایمان لائے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ  
 ہر حال میں رہنے کے لئے شرکت کی اور باوجود  
 اپنی قوم کے ایذا رسانی اور تکذیب کے انہوں نے  
 رسول صلعم کا ساتھ دیا حالانکہ تمام لوگ ان کے مخالف  
 تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے مگر وہ باوجود تمام لوگوں کے  
 ظلم اور ان کے خلاف جھٹھابندی کے اپنی قدرت  
 سے کبھی متاثر اور خائف نہیں ہوئے اس طرح  
 وہ پہلے ہیں جنہوں نے اس زمین میں اللہ کی  
 عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان  
 لائے وہ رسول اللہ صلعم کے ولی اور خاندانِ ہدیہ  
 ہیں اور ان کے بعد اس منصبِ امارت کے  
 اور سب کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہیں ان  
 ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور  
 کوئی ان سے تنازعہ نہیں کرے گا۔ اب رہے  
 تم انصار کوئی شخص دین میں تمہاری فضیلت  
 اور ابتدائی شرکت اور خدمت کا منکر نہ ہو  
 اللہ نے اپنے مین اور رسول کی حیثیت سے  
 لئے تم کو اختیار کیا اور اسی لئے وہ تمہارے  
 پاس ہجرت کر کے آئے۔ اس وقت بھی ان کی اک  
 ازواج اور اصحاب تمہارے یہاں رہتے ہیں  
 بے شک پہلے مہاجرین کے بعد تمہارے مقام  
 میں ہماری نظر میں کسی اور کی منزلت نہیں ہے

املكوا عليكم امركم فان الناس  
 في فيكم وفي ظلكم ولن يجترى  
 مجترى على خلافكم ولن يصدر  
 الناس الا عن راىكم انتم اهل  
 العز والثروة واولوا العدا والمنعة  
 والتحرية ذرو الباس والنجدة  
 وانما ينظر الناس الى ما تصنعون  
 ولا تختلفوا فيفسد عليكم راىكم  
 وينتقض عليكم امركم ابى  
 هولاء الاما سمعتم فبنا امير  
 ومنهم امير فقال عمر هيهات  
 لا يجتمع اثنان في قرن والله لا  
 ترضى العرب ان يؤمروكم وبنيتها  
 من غيركم ولكن العرب لا تمتنع  
 ان تولى امرها من كانت النبوة  
 فيهم وولى امورهم منهم ولنا  
 بذلك على من ابى من العرب  
 الحجة الظاهرة والسلطان المبين  
 من ذاننا عننا سلطان محمد و  
 اصارفة ونحن اولياؤه وعشيرته  
 الامدالي باطل او متجانف لاثم  
 او متورط في هلكة فقام الحباب  
 بن المنذر فقال يا معشر الا نصن

لنذامناسب ہوگا کہ امیر ہم ہوں اور تم وزیر۔ ہر  
 معاملہ میں تم سے مشورہ لیا جائے گا اور بغیر تمہارے  
 اتفاق رائے کہہ ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔  
 اس کے جواب میں حباب بن المنذر نے کہا کہ  
 اے گروہ انصار تم اس معاملے میں کسی کی بات نہ  
 سنو۔ خود عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو تم  
 لوگ تمہارے زیر سایہ ہیں۔ کسی کو تمہاری  
 مخالفت کی جرأت نہ ہوگی۔ اور کوئی شخص تمہاری  
 رائے سے سہرتابی نہیں کرے گا۔ تم عزت والے  
 دولت والے طاقت و شوکت والے تجربہ کار دلیر  
 اور بہادر ہو۔ لوگوں کی نظریں تمہاری طرف  
 اٹھتی ہوئی ہیں۔ تم اس بات میں اب اختلاف نہ  
 کرو ورنہ معاملہ خراب ہو جائے گا اور بات  
 بگڑ جائے گی۔ تم نے سناہم نے جو تجویز پیش کی  
 ایک امیر ہمارا ہو اور ایک امیر تمہارا ہوا سے بھی  
 انہوں نے نہ مانتا۔ عمر نے کہا یہ ناممکن ہے دو تباریں  
 ایک پیام میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخدا عرب اس  
 بات کو نہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جبکہ  
 ان کے نبی تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے  
 ہوں۔ ہاں البتہ عربوں کو اس قبیلے کی حکومت  
 تسلیم کرنے میں تامل نہ ہو گا جس میں نبوت تھی  
 اور اسی میں سے ان کے امیر ہونے چاہئیں  
 اور اس شکل میں اگر عربوں میں سے کوئی اسکی

امکو علی ایذیکم و لا تمعوا  
مقالہ ہذا و اصحابہ فیذہبوا  
بنصیبکم من ہذا الامر  
فان ابوا علیکم ما ساء لقموہ  
فاجلوہم عن ہذا البلاد  
وتولوا علیہم ہذا الامور  
فانتہوا باللہ احق بہذا الامر  
منہم فاند باسیا فکم وان  
لہذا الدین من وان من  
لم یکن یدین انا جذا یلہا  
المحاکک و عذیقہا المرجب  
اما والله لئن شئتم لتعیدنہا  
جذعۃ فقال عمر اذا یقتلک  
الله قال بل ایاک یقتل  
فقال ابو عبیدۃ یا معشر الانصار  
انکم اول من نصر و ازرقوا تکونوا  
اول من بدل و غیر فقار بشیر  
بن سعد ابو النعمان بن بشیر  
فقال یا معشر الانصار انا والله  
لئن کنا اولی فضیلۃ فی جہاد  
المشرکین و سابقۃ فی ہذا الدین  
زما لردنا بہ الارضی ربنا  
وطاعۃ نبینا و الکذح لا نفسنا

امارت ماننے سے انکار کرے گا تو اس کے مقابلے  
میں ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیل اور کھلا ہوا  
حق ہوگا۔ محمد کی حکومت اور امارت میں کون  
ہم سے تنازعہ کر سکتا ہے۔ ان کے بعد اب ہم  
ان کے ولی اور خاندان والے اس کے مستحق ہیں  
صرف جو گمراہ ہوگا۔ گنہگار ہوگا یا اور طبع ہذا کت میں  
گرفتار ہوگا وہی اس تجویز کی مخالفت کرے گا  
اور کوئی نہیں کر سکتا۔ جناب ابن المنذر نے  
کہا اے گروہ انصار تم اس معاملہ کا خود تصفیہ  
کر لو اور ہرگز اس شخص کی اور اس کے ہمراہیوں کی  
بات نہ مانو یہ تمہارا حصہ بھی ہضم کرنا چاہتے  
ہیں اور اگر یہ لوگ ہماری بی بیوں نہ مانیں تو ان سب  
کو اپنے ان علاقوں سے خارج البلد کر دو اور  
تمام امیر کی باگ ان کے علی الرغم اپنے ہاتھ  
میں لے لو کیونکہ بخدا اس امارت کے سب سے زیادہ تم  
ہی مستحق اور اہل ہدیہ تمہاری تلواروں نے ان تمام  
لوگوں کو اس دین کا مطہر بنایا ہے جو کبھی مطہر ہونے  
والے نہ تھے ہیں اس تمام کارروائی کے تصفیہ کی  
ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں کیونکہ میں اسکا پورا تجربہ  
رکھتا ہوں اور اسکا اہل ہوں۔ بخدا اگر تم چاہو تو  
میں ابھی کاٹ چھانٹ کر اسکا فیصلہ کر دیتا ہوں  
عمر نے کہا کہ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تمہیں ہلاک کر دیگا  
جناب نے کہا بلکہ تم مائے جاؤ گے ابو عبیدہ نے کہا

ذاینبغی لنا ان نستطیل علی  
الناس بذلک ولا نبغی بہ  
من الدنیا عرضاً فان الله  
ولی المنتہ علینا بذلک الا  
ان محمد ا صلی الله علیہ وسلم  
من قریش وقومہ ا حق بہ واولی  
وایم الله لا یرانی الله انا زعمہم  
ھذا الا ہر ابد ا فاتقوا الله و  
لا تخالفوہم ولا تناسرعوہم  
فقال ابو بکر ھذا عمر وھذا  
ابو عبیدہ فایہما شدتکم  
فبايعوا فقالوا لا والله لا نتولى  
ھذا الا امر علیک فانک افضل  
المہاجرین وثانی اثنین  
اذھما فی الغار و خلیفۃ رسول  
الله علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ  
افضل دین المسلمین فمن  
ذاینبغی لہ ان یتقد ماک او  
یتولى ھذا الا امر علیک ا بسط  
یدک نبايعک فلما ذھبا  
لیبايعاہ سبقھما الیہ بشیر  
بن سعد فبايعہ فناداۃ الحباب  
بن المنذر یا بشیر بن سعد

اے گروہ انصار تم وہ ہو جنہوں نے سب سے پہلے  
دین کی حمایت اور نصرت کی ہے۔ اب یہ نہ ہونا  
چاہیے کہ سب سے اول تم ہی اس میں تغیر و تبدل  
کردو۔ بشیر بن سعد ابو النعمان بن بشیر نے کہا  
اے گروہ انصار! تم سب سے پہلے ہمارے دین اسلام کی  
ابتداء میں خدمت کی جو سعادت ہمیں حاصل  
ہوئی اس سے ہمارا مقصد صرف اپنے پروردگار  
کی رضامندی اور اپنے نبی کی اطاعت تھی۔  
ہم اس سے دنیاوی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے  
تھے۔ تو اللہ کا ہم پر ہر طرح کا فضل اور احسان ہے  
میں لو۔ بیشک محمد صلعم قریش تھے۔ لہذا ان کی قوم  
اس امارت کی زیادہ مستحق اور اہل ہے اور میں خدا  
کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان سے اس معاملے  
میں کبھی تنازعہ نہیں کروں گا۔ اللہ سے ڈرو۔ ان کی  
مخالفت نہ کرو۔ اور نہ اس معاملہ میں ان سے تنازعہ  
کر دو۔ ابو بکر نے کہا یہ عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں  
ان میں جسے چاہو میرا بیٹا لو مگر ان دونوں نے کہا کہ  
تمہاری موجودگی میں ہم ہرگز اس منصب کو قبیل نہ  
کریں گے کیونکہ تم مہاجرین میں سب سے بزرگ ہو  
غار میں رسول اللہ صلعم کے رفیق رہے ہو اور  
نماز کی امامت کے لئے رسول اللہ صلعم کے جانشین  
بن چکے ہو اور نماز ہمارے دین کا سب سے بڑا  
رکن ہے اس لئے تمہارے ہوتے ہوئے کس کو

عققت عقواق ما احوجاك الى  
 ما صنعت انفسك على ابن  
 عمك الامارة فقال لا والله  
 ولكني كرهت ان انازع قوما  
 حقا جعله الله لهم ولما رأت  
 الاوس ما صنع لبشير ابن سعد  
 وما تدعوا اليه قريش وما  
 تطلب الخزرج من تاسير  
 سعد بن عبادہ قال بعضهم  
 لبعض وفيهم اسيد بن حضير  
 وكان احد النقباء والله لئن  
 وليتها الخزرج عليكم مرة  
 لآذت لعمري عليكم فذل الله  
 الفضيلة لا جعلوا لكم معهم  
 فيها نصيبا ابدافتم موافقوا يعوا  
 ابا بكر فقاموا اليه فبايعوه فانكسر  
 على سعد بن عبادہ وعلى الخزرج  
 ما كانوا جمعوا له من امرهم  
 قال هشام قال ابو مخنف  
 فحدثني ابو بكر بن محمد الخزازي  
 ان اسما اقبلت بجها عندها لعتي  
 فضايق بهما السكك فبايعوا  
 ابا بكر فكان عمر يقول ما هو الا

یہ بات زبیا ہے کہ وہ اس کے لئے تقدیم کرے اور  
 امارت قبول کرے۔ تم اپنا ہاتھ بیعت کے لئے لاؤ  
 چنانچہ جب عمر اور ابو عبیدہ ان کے ہاتھ پر بیعت  
 کرنے چلے تو بشیر ابن سعد نے ان سے بیعت کی  
 اور سب سے پہلے انہوں نے ابو بکر کی بیعت کی  
 جناب بن المنذر نے لکارا اے بشیر ابن سعد تم نے  
 اپنی جماعت کی مخالفت میں یہ حرکت کیوں کی  
 کیا تم کو اپنے عزیز سعد کی امارت پر حسد ہو  
 بشیر نے کہا بخوار گز یہ بات نہیں ہے بلکہ میں نے  
 اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ میں ان لوگوں سے  
 اس معاملہ میں تنازعہ کروں جس کا اللہ نے ہر طرف  
 سے ان کو مستحق بنایا ہے۔ جب قبیلہ اوس  
 دیکھا کہ بشیر ابن سعد نے ابو بکر کی بیعت کر لی  
 اور وہ اس معاملہ میں قریش کے حامی ہیں اور  
 خوارج سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں  
 انہوں نے ایک دوسرے سے کہا جن میں اسید  
 حضیر ان کے ایک نقیب بھی تھے۔ کہ اگر  
 ایک مرتبہ کے لئے بھی خوارج کو امارت مل گئی  
 تو اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے تم سے مرتبہ  
 بڑھ جائیں گے اور وہ پھر کبھی حکومت میں  
 حصہ نہ دیں گے۔ انہا سارے لئے بہتر یہ ہے  
 ہم سب ابو بکر کی بیعت کر لیں چنانچہ ان سب  
 کھڑے ہو کر ابو بکر کی بیعت کر لی۔ اس



سعد بن عبادہ اور خزرج کے تمام منصفیہ بے جو حکومت حاصل کرنے کیلئے تھے خاک میں مل گئے۔ ابو بکر بن محمد الخزرجی سے مروی ہے کہ اسے بعد تمام نبوی اسلام جماعت کے ساتھ کران کی کثرت کی وجہ سے راستے پر ہو گئے وہاں آئے اور انہوں نے ابو بکر کی بیعت کی عمر کہا کرتے تھے کہ جب میں نے اسلام کو آتا ہوں یاد رکھتا ہوں مجھے کامیابی کا یقین ہو گیا۔ سابقہ روایت کے سلسلہ سے عبداللہ بن عبدالرحمن سے مروی ہے کہ اب ہر طرف سے لوگ آ کر ابو بکر کی بیعت کرنے لگے قریب تھا کہ سو کور وند اللہ اس سو کے کسی دمی نے کہا کہ سو کو بچاؤ ان کو نہ روندو۔ عمر نے کہا کہ اللہ سے ہلاک کرے اسے قتل کرو اور خود اپنے منہ پر لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا میں جانتا ہوں کہ تمہیں دن کر ہلاک کروں۔ سعد عمر کی طرف سے بڑی... جب جناب بن المنذر کھڑے ہوئے تھے تو انہوں نے تلوار نکال لی اور کہا کہ میں ابھی اس کا تصفیہ کر دیتا ہوں۔ میں شیر ہوں اور شیر کی کھوپڑی ہوں اور شیر کا بیٹا ہوں۔ عمر نے اس پر حملہ کیا اور اس کے ہاتھ پر وار کیا تلوار گر پڑی۔ عمر نے اسے اٹھایا اور پھر سعد پر چھوٹے اور لوگ بھی سو پر چھوٹے... اس وقت عہد جاہلیت کا سا منظر پیش آیا اور تو تو میں میں ہونے لگی۔

ان نہایت اسلم فأ یقینت  
بالنصر قال هشام عن ابی  
مخنف قال عبد اللہ بن  
عبد الرحمن فاقبل الناس  
من کل جانب یابعون ابابکر  
وکانوا یطؤون سعد بن عبادہ  
فقال ناس من اصحاب سعد  
اقتلوا سعد الا تھووا فقال عمر  
اقتلوا قتله اللہ ثم قام علی  
راسہ فقال لقد حممت ان  
اطاک حتی تنذر عضوک  
فاخذت سعد باحیة عمر.....  
لما قام الحباب بن المنذر انتضی  
سیفہ وقال انا جددیلها المحکک  
وعذیقها الموجب انا ابوشبل  
فی عربیة الاسد یغزی الی  
الاسد فعاملہ عمر فضرب بیدہ  
فندس السیف فاخذہ ثم وثب  
علی سعد و وثب علی سعد.....  
وكانت فلنتہ کفلت الی اہلیتہ

تاریخ طبری البحر الثالث ص ۲۰ تا ۲۱

اردو ترجمہ تاریخ طبری۔ مترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم ایم۔ اے جلد اول حصہ چہارم  
ص ۳ لغایت ۶۔ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۶

اس کے بعد علامہ طبری لکھتے ہیں کہ سعد ابن عبادہ نے نہ ابو بکر کی بیعت کی، نہ نما  
جماعت میں شرکت کرتے تھے اور نہ ان سے بات چیت کی۔ یہ واقعات اسی طرح  
تمام کتب توارخ میں پائے جاتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون بھی یہی لکھتے ہیں کہ ہاجرین  
میں سے صرف تین آدمی یعنی ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح ہی اُس دن سقیفہ نبی صا  
میں موجود تھے۔ حالات سقیفہ میں عمر و جناب بن المنذر کے تنازعات کو اس طرح لکھتے  
ہیں۔ ثم بلا حاقہ بین عمر و ابن المنذر و ابو عبیدہ ینقضہما۔ یعنی اس پر عمر  
اور جناب بن المنذر میں ہاتھ پائی شروع ہو گئی اور ایک دوسرے کو مارنے لگے اور ابو عبیدہ  
بن الجراح ان دونوں کو چھڑاتے جاتے تھے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ عمر کی مسند نشینی پر عمر  
ابن عبادہ شام کی طرف چلے گئے اور وہاں انہیں دو جنوں نے مار ڈالا۔ دیکھو بقیہ  
الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مصر ذی الحجہ ۱۲۸۸ھ ص ۶۳

ابام الفقیہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۸۰ھ نے اپنی کتاب  
السیاست والامامت میں واقعات کو اسی طرح تحریر کیا ہے۔ انہوں نے بھی  
تحریر کیا ہے کہ ہاجرین میں سے صرف ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح ہی سقیفہ  
ہنگامہ میں شامل تھے۔ بشیر ابن سعد انصاری کی جگہ غلطی طباعت سے وہاں قیس  
سعد لکھا گیا ہے۔ قیس ابن سعد تو سعد ابن عبادہ کے لڑکے تھے یہ محض تو کتابت  
غلطی ہے جیسا ہم نے اپنی کتاب "البلاغ المبین" میں تفصیل سے لکھا ہے۔ بشیر ابن  
کی غدارمی کی نسبت وہ لکھتے ہیں:-

قال وان بشیر الماسراى ما اتفق عليه قوم من تامة سعد  
عبادة قام حد السعد وكان بشیر من سادات الخبز ساج۔  
یعنی راوی کہتا ہے کہ جب بشیر نے دیکھا کہ تمام قوم سعد بن عبادہ کو اذیت پہنچانے پر متفق ہے  
وہ حسد کی وجہ سے سعد بن عبادہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور بشیر سرداران خبز میں سے تھا۔  
حضرت زید بن ثابت انصاری بھی اپنے انصار بھائیوں کی طرف سے ٹوٹ کر حضرات  
عمر کی طرف آگئے تھے اور انہوں نے سقیفہ کی بحث میں حضرت ابو بکر و حضرت

عمر کا ساتھ دیا تھا۔ دیکھو۔ ریاض النضرۃ محب الدین الطبری الجزء الاول ص ۶۶۔  
 ان واقعات پر ہم ابھی تبصرہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تبصرہ نامکمل ہوگا اگر ہم یہ نہ بتائیں  
 کہ خود یہ شخص جس کی تدبیر و سیاست کی وجہ سے یہ اجتماع واقعات ہوا تھا حضرت  
 ابو بکر کی بیعت کو کیسا سمجھتا تھا اور یہ ہم اُس کی اپنی زبان بتاتے ہیں۔ حضرت عمر کو ڈر  
 ہوا کہ کہیں سقیفہ ہی ساعدہ کی نظیر قائم کر کے لوگ اُس شخص کی بیعت نہ کر لیں جس کو  
 خلافت سے محروم کرنے کے لئے انہوں نے اب تک اتنی کوشش کی تھی۔ لہذا انہوں  
 نے لوگوں کو ان الفاظ میں روکا۔

انہ بلغنی ان قائلًا منکم یقولون اللہ  
 لومات عم یابعت فلا فلا  
 یخترن امرہ ان یقول انما کانت  
 بیعتہ ابی بکر فلتنذرو نمت الوداعھا  
 قد کانت کذلک ولکن اللہ دنی  
 شرھا ولیس منکم تقطع الاعناق  
 الیہ مثل ابی بکر۔ من بایع رجلا  
 من غیر مشورۃ من المسلمین  
 فلا یبایع ہو ولا الذی تابعہ  
 تعزلا ان یقتلہ۔

مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کئے والا کہتا ہے  
 کہ بخدا اگر عمر مر جائیگا تو میں فلاں شخص سے بیعت  
 کروں گا۔ کسی شخص کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے  
 کہ ابو بکر کی بیعت تو ایک ناگہانی اچانک  
 آفت تھی لیکن وہ پوری ہو گئی۔ خبردار بیشک  
 ابو بکر کی بیعت ناگہانی آفت تھی لیکن خداوند تعالیٰ نے  
 اس کے شر سے جو اس کا لازمی نتیجہ ہونا چاہئے  
 تھا مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ تم میں سے کوئی شخص  
 ایسا نہیں کہ جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اسی  
 طرح اٹھتی ہوں جس طرح ابو بکر کی طرف  
 اٹھتی تھیں آئندہ جو کوئی شخص کسی سے بغیر مسلمانوں  
 کے مشورہ کے بیعت کر لے تو نہ تو اس کی بیعت کی  
 جائے جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے  
 اور نہ اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے۔

صحیح بخاری باب رحم الجلی اذا احسنت

تاریخ طبری۔ الجزء الثالث ص ۲۰۰، ۲۱۰۔

ابن حجر مکی: صواعق محرقة باب الاول فصل

الاول ص ۵

ابن کثیر شامی:۔ البدایة والنہایة فی التاریخ الجزء الخامس ص ۲۲۵۔

ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثاني ص ۱۲۲۔

امام احمد حنبل: من الجزء الاول ص ۵۵

محب الدین الطبری: ریاض النظرۃ الجزء الثاني الفصل الثالث ص ۱۶۲

ابن ہشام: سیرۃ النبی۔ الجزء الرابع ص ۳۳۸

روایت فلتتہ لکھنے کے بعد محب الدین الطبری لفظ فلتتہ کی تشریح اس طرح

کرتے ہیں :-

الفلتتہ - ما وقع عاجلاً من غیر

تردد ولا تدبیر فی الامر ولا اجتناباً

فیہ وکنانک کانت بیعتہ ابی بکر

مرضی اللہ عندک انہما استجابوا

خوف الفتنۃ وانما قال عمر

ذات لیل لان مثلہا من الوقائع العظیمۃ

التي لا ینبغی للعقل والعقل التردی وحقہا

لعظمۃ المتخلق بہا خلا تیرم فلتتہ من

غیر اجتماع اهل العقد والحل من

کل قاص ودان لتطیب النفس ولا

تحمل من لم یدع الیہا نفسہ علی

المخالفتہ والمنازعتہ وارادۃ الفتنۃ

لا سیما اشرف الناس وسادات

العرب فلما وقعت بیعتہ ابی بکر علی خلاف

ذلک قال عمر ما قال ثم ان اللہ وفقی شیہا

فان المعروفی وقوع مثلہا فی الوجود کثرة الفتن

ووقوع العداوتہ والا عن فذلک قال عمر فی

اللہ شرہا۔ محب الدین الطبری: ریاض النظرۃ الجزء الاول الفصل الثالث عشر فی خلافتہ ابی بکر ص ۱۶۲

فلتتہ۔ اس واقعہ کو کہتے ہیں کہ جو بغیر غور و تردد کے

یکسخت ہو جائے اور ایسی ہی بیعت ابوبکر کی

تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے فتنہ کے خیال سے

جلدی کی تھی اور حضرت عمر نے یہ بات اس وجہ سے

کہی کہ بیعت ابوبکر کی طرح کے واقعات صاحبان

عقل و فہم کے لئے جائز نہیں کیونکہ ان کے بہت

بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ گویا فلتتہ اس کو کہتے

ہیں کہ بغیر صاحبان حل و عقد کے اجتماع کے کسی

امر کو اس طرح طے کر لیا جائے کہ مخالفت نہ ہو

اور اپنی خواہش پوری ہو جائے۔ پس جب

بیعت ابوبکر صاحبان حل و عقد کے مجمع و اجتماع و

اجماع کے بغیر ہو گئی تو اس ہی وجہ سے عمر نے

کہا جو کہا اور خدا نے اس کی شر سے بچا لیا۔

کیونکہ اس طرح بیعت ہونے سے بہت سے

فتنوں اور عداوتوں کے پیدا ہونے کا امکان تھا

اسی وجہ سے عمر نے کہا کہ خدا نے اس کے

شر سے یعنی اس کے بڑے نتیجوں سے بچا لیا۔

اللہ شرہا۔ محب الدین الطبری: ریاض النظرۃ الجزء الاول الفصل الثالث عشر فی خلافتہ ابی بکر ص ۱۶۲

سید مرتضیٰ علم الہدی نے کتاب الشافی میں اس روایت فلتتہ سے بہت سے نکات غریبہ نکالے ہیں اور نہایت صحیح روایات و واقعات سے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت عمر اپنے ساتھی حضرت ابوبکر کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ان کو احسب القریش یعنی قریش میں سب سے بڑا حاسد کہا کرتے تھے۔ اور سید مرتضیٰ کے اس کلام کو علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نوح البلاغۃ الجزء الاول ص ۱۲۳، ۱۲۵ پر نقل کیا ہے لیکن ان تمام روایات و واقعات کو علامہ ابن ابی الحدید نے محض اس وجہ سے ماننے سے انکار کیا ہے کہ حضرت عمر سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کو ایسا سمجھیں۔ یہ بزرگوار تو محض اپنے قیاس سے جو ان کے عقائد پر مبنی ہوتا ہے۔ واقعات سے انکار یا ان کی کتر بیونت کرتے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد علامہ ابن ابی الحدید اس روایت فلتتہ کے معنی یہ لکھتے ہیں :-

حضرت عمر نے لفظ فلتتہ سے محض اُس کے لغوی معنی مراد لئے تھے۔ صاحب صحاح کہتے ہیں کہ فلتتہ وہ امر ہوتا ہے جو اچانک واقع ہو جائے جس کے لئے تہ و تدبیر نہ کی جاسکے اسی طرح بیعت ابی بکر تھی کیونکہ اُس میں مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلاح و مشورہ نہیں ہوا۔ وہ اچانک واقع ہو گئی۔ اُس میں نہ تو لوگوں کی رائیں لی گئیں اور نہ ہی اُس امر میں لوگوں نے غور و فکر کیا حضرت ابوبکر کی بیعت مثل اُس شے کے تھی جو نیردستی سے لوٹ مار کر کے لے لی گئی ہو۔ حضرت عمر کو ڈر ہوا کہ انکی موت آجائے یا وہ اچانک قتل کردئے جائیں اور وصیت نہ کر سکیں تو ایسا نہ ہو کہ لوگ کسی سے حضرت ابوبکر کی سی بیعت کر لیں :-

وانما اراد باللفظ محض حقیقتها  
فی اللغة ذکر صاحب الصحاح ان  
الفلتتہ الاموال الذی یعمل فجاءة  
من غیر تردد ولا تدارک ہنگامہ  
کانت بیعت ابی بکر اول الامور  
لیکن فیہا شوری بین المسلمین  
وانما وقع بختتہ لم تخض فیہا  
الامر ولم یتمظرف فیہا الرجال  
وکانت کالتھی المستاب المنتہب و  
کان عمر یخاف ان یموت من خیر  
وصیتہ او یقتل قتلا فیما جمع  
احد من المسلمین بختتہ کبیعتہ  
ابی بکر شرح نوح البلاغۃ الجزء الاول ص ۱۲۳ :-

بہت کچھ تاویلیں کیں۔ بہت کچھ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی بحث کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن بات وہاں کی وہیں آگئی کیونکہ یہ امر واقعہ تھا اس کو کیا کرتے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت ایک ناگہانی مصیبت تھی۔ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر ہوئی تھی مثل اس شے کے تھی جو زبردستی کر کے لوٹ مار میں حاصل ہوتی ہے۔ ایسی بڑی شے تھی کہ پھر اگر دوبارہ کوئی گرتا تو دونوں واجب القتل ہوتے۔ بیعت کرنے والا بھی اور یہ بھی جس کی بیعت کی جائے۔ کیا حکومت الہیہ ایسی ہی ہوتی ہے۔ حکومت الہیہ کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ کیا وہ حکومت الہیہ ہے جو لوٹ مار کی طرح حاصل کی جاوے۔ حضرت عمر کہ تو بہت خوف تھا کہ کہیں وصیت کے بغیر نہ مر جائیں اور پھر ابتری پھیل جائے اور کسی نااہل کی بیعت ہو جائے۔ لیکن جناب رسول خدا کو آپ کی رائے میں یہ خیال نہ تھا۔ جب ہی تو باوجود وقت اور موقع اور مہلت ہونے کے خلافت کے متعلق وصیت نہ کی۔ اور اگر جناب رسول خدا بستر مرگ پر یہ وصیت کرنا چاہتے تھے تو حضرت عمر نے بوجہ ہمدردی اسلام آنحضرت کو یہ وصیت کرنے سے باز رکھ کر اسلام کی خدایت عظیم کی۔ غالباً حضرت عمر کو ڈر ہوا کہ کسی نااہل کے حق میں وصیت کر دیں گے اور پھر اسلام برباد ہو جائے گا غور تو کیجئے آپ کے اعتقادات آپ کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ آپ کے اعتقادات صحیح واقعات پر مبنی نہیں ہیں۔ لہذا اعتقادات کی درستی کیجئے۔ واقعات کو توڑنے موڑنے سے کیا فائدہ ؟

جب حضرت ابو بکر کی بیعت فلتتہ ہوئی۔ اور فلتتہ کے یہ معنی ہوئے جو اوپر بیان کئے گئے تو پھر اجماع کہاں رہا جس کا اتاراگ گایا جاتا ہے۔ یہ بیعت اجماع سے نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ تفرقہ و اختلاف کی پیدائش تھی۔ حضرت ابو بکر کی بیعت سے جملہ بنو ہاشم، ابو سفیان و جماعت کثیر بنو امیہ، زبیر، عقبہ بن ابی لہب، خالد بن سعید بن العاص، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابو ذر، عمار یاسر، براء بن عازب، والی بن کعب، جماعت کثیر انصار نے تخلف کیا۔ ابوالفداء نے

ان لوگوں کی نسبت لکھا ہے کہ مالوامع علی بن ابی طالب یعنی یہ لوگ حضرت علی کی طرف تھے۔ بنو ہاشم کی نسبت مورخ مسعودی اور علامہ طبری نے لکھا ہے کہ یہاں بعد ازاں من بنی ہاشم حتی ماتت فاطمہ رضی اللہ عنہا یعنی جناب فاطمہ کی وفات تک کسی بنو ہاشم نے بیعت نہیں کی۔ دیکھو۔ مروج الذهب مسعودی بر حاشیہ فتح الطیب الجزء الثانی ص ۱۱۲۔ تاریخ الطبری الجزء الثالث ص ۲۰۲۔ تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص ۱۵۶ شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۱۳۲ صاحب جنیب السیر لکھتے ہیں :-

روز دیگر بیعت عام ہو توغ پیوست اما بمقتضائے این بیعت سے  
زمشرق تا بہ مغرب گرامامت علی و آل او مارا تمام است  
فرقہ اہل اسلام باں ہم رضا ندادند و گفتند ما با بیعت کس بیعت نہ تا تم مگر  
بعلی بن ابی طالب و بنو ہاشم، سلمان فارسی، عمار بن یاسر، مقداد  
بن الاسود، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادین و ابوذر غفاری و ابو ایوب  
انصاری، جابر بن عبد اللہ، ابوسعید الخدری، بریدہ بن اسلمی۔

ازاں جملہ بودند۔ جنیب السیر الجزء الاول جلد چہارم ص ۲

سقیفہ نبی ساعدہ کے واقعات کو نہایت غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کے موجودہ تنزیل و ذلت کے اسباب اور ان کے تمام سیاسی و قومی عوارض کی جڑ آپ کو اس میں ہی ملے گی۔ ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ سقیفہ نبی ساعدہ کی مجلس کا انعقاد ایک ذریعہ جوش کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اس معاملہ کی پخت و پز جو اس جگہ انجام پذیر ہوا سالوں پہلے سے ہو رہی تھی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مخالف جماعت اور اس کی کارکردگیوں کا علم اچھی طرح ہو گیا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک آنحضرتؐ پر کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح ان کی امت کی خواہشات نفسانیہ کی رُو سے ظلمت اور ظلم کی طرف نہ لے جائے۔ لیکن آپ کی آخری تجویز کی ناکامیابی اور اس مخالف جماعت کی علانیہ سرکشی نے آپ کو قبل رحلت یقین دلادیا

کہ یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ اب آخری کام جو آپ نے کیا اور کر سکتے تھے وہ یہ تھا  
 اُمت کی موجودہ نسل کی حالت تو معلوم ہو گئی۔ لیکن آپ محض اس ہی نسل کے لئے  
 توبیخ نہیں ہوئے تھے۔ آنے والی نسلوں کی ہدایت کا بھی آپ کو خیال تھا ہے  
 اس مخالف جماعت کو تو ہوا یعنی کہہ کر اپنی حضوری سے نکال دیا اور آنے والی  
 نسلوں کو بتا دیا کہ یہ جماعت میری جماعت نہیں ہے۔ میں نے اس کو نکال دیا ہے  
 تم کو چاہیے کہ ان کے افعال و اقوال کی تقلید و پیروی نہ کرو۔ اور حضرت علی کو صبر  
 کی ہدایت کی کہ یہ لوگ تو اپنی حرکات سے باز نہ آئیں گے اگر تم نے تلوار اٹھائی  
 تو انہوں نے اتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ فتنہ و فساد عظیم برپا کر دیں گے۔ اب  
 تمہاری ولایت سے انکار کرتے ہیں۔ پھر میری نبوت سے بھی انکار کرنے لگیں گے  
 اور اس طرح کی رو پھیلائیں گے جو اسلام کے لئے خطرہ عظیم کا باعث ہوگی۔  
 مخالف جماعت اور اُس کے سرداران بھی غافل نہ تھے۔ انہوں نے کوشش کی  
 کہ جناب رسول خدا کی رحلت کے وقت اُن کی جماعت پوری طاقت کے ساتھ  
 مدینہ میں رہے۔ بیماری کے سنبھالنے کو حضرت ابو بکر افاقہ کی کیفیت سمجھ کر اپنی  
 نئی عروس کے پاس محلہ سُخ میں تشریف لے گئے تھے۔ وہ ابھی وہیں تھے کہ جناب  
 رسول خدا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے اتنے عرصہ تک لوگوں کو جناب رسول  
 کی موت و حیات کے شہہ میں ڈال کر مشغول رکھا کہ حضرت ابو بکر آگئے  
 واقعات و حالات کا مطالعہ فرمایا۔ اور لوگوں کو آل رسول کی محبت اُفت  
 کی طرف جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ وہ لوگ جو محمد کے لئے رہے ہیں  
 اور اُن کے غم میں مبتلا ہیں دراصل اُن کی پرستش کر رہے ہیں۔ اور ان کو ایک  
 ایسے امر کی طرف دعوت دی جو اُن کے لئے نہایت دلچسپ، مرغوب اور امید  
 تھا۔ یعنی اپنے میں سے حاکم کا انتخاب۔ اس اعلان نے جو آنحضرت کے اعلانات  
 سے بہت مختلف بلکہ متضاد تھا اُن کی جماعت کے لوگوں کے دلوں میں خوشی  
 ڈولہریں دوڑا دیں۔ قبیلہ بنو ہاشم کی حکومت کے اختتام کا امکان اور اُن



اپنی ہی حکومت کے قیام کی اُمید۔ حضرت عمر نے چاروں طرف کا انتظام کر لیا تھا۔ اُن کا انصاری دوست انصار کی حرکات و سکنات کی دم دم کی خبریں ان کو پہنچاتا تھا۔ اُن خبروں نے ان کو یقین دلا دیا تھا کہ انصار کا ہم پر اعتبار نہیں ہے۔ انصار کو علم ہو گیا ہے کہ ہم جانشین رسول کا انتظام کر رہے ہیں۔ لہذا انصار بھی اس فکر میں ہیں کہ اپنے میں سے حاکم مقرر کریں۔ لہذا حضرت عمر نے رحلت رسول کے دن اپنا خاص جاسوس انصار میں بٹھا دیا جس نے اُن کو خاص طور سے محض حضرت عمر کو اپنے پاس دیوار کی اوٹ میں بلا کر اطلاع دی کہ اب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو رہے ہیں۔ یہ حضرت عمر کی انتہائی عقلمندی و دانائی اور سیاسی قابلیت کا ثبوت ہے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ ہم اپنا علیہ حاکم مقرر کریں اور اس طرح انصار کو موقع دیں کہ وہ اپنا حاکم مقرر کریں یہ بہتر ہو گا کہ ہم خود ان میں جا کر اُن کو اپنے امیدوار کی سیادت قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ جماعت انصار میں سے چند آدمیوں کو وہ توڑ کر اپنے میں ملائے اور اس کے لئے انہیں مصالحہ ڈھونڈھنے کے لئے دور نہیں جانا پڑا۔ وہ ہی اوس و خزرج کی پرانی رقابت۔ اس کو تازہ کرنا کونسی بڑی بات تھی چنانچہ وہ بہت سرعت سے تیز ہو گئی۔ وہ مخبر جس نے حضرت عمر کو انصار کی خبر لاکر دی تھی معن بن عدی انصاری قبیلہ اوس سے تھا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجزء الثانی ص ۳۔ راستہ میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے ہوئے جو دو اشخاص ملے وہ عویم بن ساعدہ اور عاصم بن عدی برادر معن بن عدی تھے اور یہ دونوں قبیلہ اوس سے تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی نے حضرات شیخین کو اُن کے کام میں بہت مدد دی۔ اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اُن دونوں کو زمانہ آنحضرت ہی سے حضرت ابو بکر سے بہت محبت تھی اور اس کے ساتھ ہی سعد بن عبادہ کا حسد اُن کے دل میں بھرا ہوا تھا۔ جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سدا کیلائے کہ ان کی بیعت کریں تو عویم بن ساعدہ

کھڑے ہوئے اور انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ حق قریش کا ہے۔ اور قریش میں حضرت ابوبکر اس کے مستحق ہیں کیونکہ ان کو آنحضرتؐ نے نماز کے لئے کھڑا کیا تھا۔ یہ سن کر انصار نے اس کو نکال دیا اور وہ دوڑا ہوا آیا۔ اور راستہ میں ابوبکر و عمر سے ملا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ الجزء الثانی ص ۷۷، ۸۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو لوگ مسجد رسول کی طرف آئے اور شام کو انصار و ہاجرین جمع ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ تو عبدالرحمن بن عوف نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ اے معشر انصار اگرچہ تم صاحبانِ فضیلت ہو لیکن تم میں کوئی ابوبکر و عمر، علی و ابوعبیدہ الجراح کی برابر فضیلت میں نہیں ہے۔ زید بن ارقم نے جواب میں اپنے بہت سے اشخاص صاحبانِ فضیلت کو ذکر کیا اور کہا کہ وانا لنعلم ان مما سمیت من قریش من لو طلب هذا الا مولدینا رعه فيه احد علی بن ابی طالب۔

ترجمہ :- قریش میں سے جن کا تم نے نام لیا ہے اگر علی بن ابی طالب حکومت کو طلب کرنے تو کوئی علی کی تردید نہ کرتا۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۷۷، ۸۔  
دیکھئے حق کس طرح آشکارا ہو جاتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم ابھی کہہ رہے تھے کہ اگر حضرات شیخین کی جماعت حضرت علی کی مخالفت نہ کرتی تو انصار علی کی خلافت سے راضی تھے۔ آگے چل کر ابن ابی الحدید کہتے ہیں :-

سراوی الزبیر بن بکاس قال روی  
محمد بن اسحاق ان ابابکر لما بیع  
افتخرت تیم بن مرہ قال وكان  
عامۃ المهاجریں وجل الانصار  
لا یشکون ان علیا هو صاحب  
الاسن بعد رسول الله صلی الله علیہ والہ  
محمد بن اسحق سے زبیر بن بکاس نے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہوئی تو بنو تیم فخر کرنے لگے۔ راوی کہتا ہے کہ عام ہاجرین اور بڑے بڑے انصار کو مطلقاً اس بات میں شک نہ تھا کہ جناب رسول خدا کے بعد علی و ابی حکومت ہیں۔

دیکھئے۔ حق کس طرح سرچڑھ کر بولا۔ یہ ساری سقیفہ سازی باوجود اس علم و یقین کے کی گئی تھی کہ جناب رسول خدا کے جانشین برحق اور وائی حکومت حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

آگے چلئے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے چہرہ سقیفہ سے اچھی نقاب کشائی کی ہے۔ فرماتے ہیں :-

قال الترمذی وحدثنا محمد بن موسى  
 الاصبغی المصروف بن محمد بن  
 قال حدثني ابراهيم بن سعد  
 بن ابراهيم بن عبد الرحمن  
 بن عوف الزهری قال لما بویع  
 ابوبکر واستقر امره عند قوم  
 كثير من الانصار على بيعته ولا  
 بعضهم بعضا وذكروا على بن ابی  
 طالب وهنقوا باسمه وانفذ في  
 داره لم يخرج اليهم وجزع لذك  
 المهاجرون وكثرت في ذاك الكلام  
 وكان اشد قریش علی الانصار  
 نفر منهم وهم سهیل بن عمرو واحد  
 بنی عامر بن لوی والحارث بن هشام  
 وعكرمة بن ابی جهل المخزومیان  
 هؤلاء اشرف قریش الذین حاربوا  
 النبی صلی الله علیه وآله ثم  
 دخلوا فی الاسلام وكلهم موتور

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن  
 عوف سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی  
 بیعت ہو گئی اور ان کا کام قرار پکڑ گیا تو انصار  
 میں سے ایک اکثریت ابوبکر کی بیعت کرنے  
 پر نادم ہوئی اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے  
 لگے اور علی بن ابی طالب کا خیال آیا کہ یہ تو  
 ان کا حق تھا۔ اور ان کے فضائل کا ذکر کرنے  
 لگے اور اس کا افسوس کیا کہ علی اُس وقت ہاں  
 کیوں نہ موجود ہوئے۔ مہاجرین کو انصار کے  
 اس طرز عمل سے غصہ آیا اور بات بڑھ گئی  
 سب سے زیادہ قریش میں سے چند آدمی انصار کے  
 خلاف تھے۔ یہ سہیل بن عمرو، حارث بن  
 ہشام، عکرمة بن ابی جہل تھے۔ یہ وہ لوگ  
 تھے جنہوں نے جناب رسول خدا کے خلاف جنگ  
 کی تھی اور پھر اسلام میں داخل ہوئے تھے اور  
 یہ سب وہ تھے جن کو انصار سے اذیت پہنچی  
 تھی۔ سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مالک  
 بن وحشم نے قیری بنایا تھا۔ حارث بن ہشام

قد وثق الاضار اما سهيل بن عمرو  
 وفاسره مالك بن الحشم يوم  
 بدر واما الحوث بن هشام فصر به  
 به عمرو بن عمرو فخره يوم  
 بدر وهو فار عن اخيه واما  
 عكرمه بن ابى جهل فقتل ابا  
 ابناء وعفراء وسلبه درعد يوم بدر  
 زياد بن لبید و فی انفسهم ذك  
 فلما اعتزلت الاضار تجتمع هولاء  
 فقام سهيل بن عمرو فقال  
 يا معشر قریش ان هولاء القوم  
 قد سماهم الله الاضار واثنى  
 عليهم في القران فلهذا بناك  
 حظ عظیم و شان غالب وقد  
 دعوا الى انفسهم والى على بن  
 ابي طالب و على في بيته لو شاء  
 لسادهم فادعواهم الى صاحبكم  
 والى تجدید بیعت فان اجابوكم  
 والا قاتلوهم ..... ثم قام الحوث  
 بن هشام فقال ..... ليس بيننا  
 وبينهم معاينة الا السيف ...  
 ثم قام عكرمه بن ابى جهل فقال  
 والله لو لا قول رسول الله صلى

کو جنگ بدر میں عروہ بن عمرو نے  
 مجروح کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل کے  
 باپ کو عفرہ کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا تھا  
 زیاد بن لبید نے اس کی زرہ اتار لی تھی۔  
 ان لوگوں کے دلوں میں ان باتوں کا کینہ  
 بغض تھا۔ پس جب انصار علیحدہ ہو گئے تو  
 قریش جمع ہوئے۔ پس سہیل بن عمرو کھڑا ہوا  
 اور کہا کہ اے قریش! تحقیق خدا نے ان لوگوں کا  
 نام انصار رکھا ہے اور قرآن میں ان کی  
 تعریف ہے اسوجہ سے ان کی فضیلت بہت  
 حاصل ہے اور ان کی قدر و منزلت ہم پر غالب  
 ہے۔ اس بزرگی سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگوں کو  
 اپنی طرف اور علی بن ابی طالب کی مدد پر  
 ابھارتے ہیں۔ علی اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہے اگر  
 چاہتے تو وہ ان کو واپس بکھتے ریا ان کی  
 تردید کر دیتے) لہذا اب تم ان کو اپنے ساتھی  
 ابو بکر کی تجدید بیعت کی دعوت دو۔ اگر وہ  
 مان لیں تو خیر ورنہ ان سے جنگ کرو۔۔۔۔۔  
 پھر حوث بن ہشام کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔۔۔  
 ہمارے اور انصار کے درمیان میں صرف تدارک ہی  
 سے فیصلہ ہوگا۔۔۔ پھر عکرمہ بن ابی جہل  
 کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ واللہ اگر رسول خدا کا  
 یہ قیل نہ ہوتا کہ خلافت قریش کا حق ہے

اللہ علیہ والہ الا ممة من قریش  
ما انکرنا امرۃ الا نضار و لکانوا  
لہا اہلا و لکنہ قول لا شک  
فیہ ولا حیار..... اعذسوا  
الی القوم فان ابوا فقاتلوہم۔

تو ہم انصار سے انکار نہ کرتے کیونکہ وہ خلافت  
کے اہل ہیں۔ لیکن رسول خدا کا یہ قول صحیح ہے  
اس میں شک نہیں اور نہ اب کسی کو اختیار باقی  
رہا۔ پس انصار سے عذر کرو اور اگر نہ مانیں  
تو ان سے جنگ کرو۔

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ۔ الجزء الثانی ص ۱۰۶۹

غور سے اس عبارت کو پڑھئے۔ جناب رسول خدا سے لڑا عبیدوں کی وجہ سے ان  
لوگوں کے دلوں میں کینہ و بغض باقی رہ گیا تھا۔ حضرت علی کی طرف سے یہ کینہ و بغض  
کتناز یا وہ ہو گا جو قریش کی شکست کے باعث ہی تھے۔ جنہوں نے ہر ایک قبیلہ کے  
بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ باوجود ان لوگوں کے اسلام لانے کے وہ کینہ  
باقی رہا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر جماعت مخالف نے انہیں حضرت علی کی طرف سے  
بھڑکا یا اور آخر کار خود حکومت حاصل کر لی۔ دوسری بات جو عیاں ہے وہ یہ ہے  
کہ اس امر کے اعتراف کے بموجب کہ انصار ان سے افضل ہیں مہاجرین حکومت  
میں ان کو حصہ نہیں دیتے۔ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ بوقت شوریٰ حضرت  
عمر نے صاف کہہ دیا کہ انصار کا حصہ خلافت میں نہیں ہے۔ کیوں۔ یہ جمہوریت  
کیسی۔ کیا انصار مسلمان نہ تھے۔ وجہ اس عبارت سے ظاہر ہے۔ انصار علی کی  
طرف تھے اور لوگوں کو علی کی مدد کے لئے اُبھارتے تھے۔ تیسری بات جو نمایاں  
ہے وہ یہ ہے کہ مہاجرین کا طرز عمل تفرقہ و فتنہ و فساد کا باعث ہوا۔ آگے  
چل کر علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ جب انصار نے مہاجرین کی یہ باتیں سُنیں  
تو انہیں بہت بُرا لگا اور انصار کے شعراء نے مہاجرین کی ہجو کی اور مہاجرین کے  
شعراء نے اس ہجو کا جواب ہجو میں دیا۔ دیکھئے عداوت اور تفرقہ بڑھتا جا رہا ہے  
آگے چل کر لکھتے ہیں۔ قال الزبیر لما اجتمع جمہور الناس لابن ابی بکر اکروست  
قریش معن بن عدی و عویم بن ساعدہ و کان لہما فضل قدیم فی الاسلام

فاجتہت الانصار لہما فی مجلس ودعوہما فلما احضرا اقبلت الانصار علیہما فعبروہما بانطلا فہما الی المہاجرین واکبروا فعلہما فی ذلک یعنی زبیر کہتا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تو قریش نے معن بن عدی ایہ رعویم بن ساعدہ پر بہت مہربانیاں کیں اور ان کو بزرگی دی۔ یوں بھی اسلام میں ان کو فضیلت تھی۔ پس انصاری نے ان دونوں کے لئے اپنی ایک مجلس قائم کی۔ ان دونوں کو بھی بلا یا ہوا ہوئے تو انصار نے ان پر بہت لعن طعن کی۔ مہاجرین کی طرف ٹوٹ کر چلے جانے پر عار دلایا اور ان کے اس فعل کو بہت ہی بُرا و معیوب سمجھا۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۰۰ اب فرقہ بندی شروع ہو گئی۔ مہاجرین میں سے جو حضرت ابو بکر کے دوست تھے وہ خطبے دیتے تھے۔ انصار کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ انصار اس کا جواب دیتے تھے حضرت ابو بکر کی طرف سے ان کے بڑے حامی خالد بن ولید تھے جو حضرت علی کے دشمن قدیم تھے۔ قال الترمذی کان خالد بن الولید شیعۃ لابی بکر و من المنحرفین عن علی یعنی زبیر کہتے ہیں کہ خالد بن ولید حضرت ابو بکر کے دوست تھے اور حضرت علی کے دشمنوں میں سے تھے۔ یہ انصار کی حب علی کی وجہ سے بہت مذمت کرتے تھے۔ شرح نہج البلاغہ۔ الجزء الاول ص ۹۔ ان لوگوں کو جو دل سے اسلام کے دشمن تھے لیکن بظاہر اسلام لے آئے تھے بڑا موقع ملا۔ وہ دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے سے بھڑکانے لگے۔ ایک ان میں سے عمرو بن العاص تھے چنانچہ خالد بن سعید بن العاص نے ان کے یہ کر ٹوٹ دیکھ کر قریش سے کہا :-

یا معشر قریش ان عمرا دخل فی الاسلام  
 حین لم یجد یدامن الی خول فینہ  
 فلما لم یستطع ان یکیدہ بیدہ  
 کادہ بلسانہ وان من کیدہ  
 الاسلام تفریقہ وقصر بین  
 المہاجرین والانصار۔

اے جماعت قریش عمرو بن العاص اُس وقت اسلام میں داخل ہوا تھا کہ جب اُس کو سوائے اسکے کوئی چارہ ہی نظر نہ آیا۔ اور اسلام میں داخل ہونے کے لئے جب اس نے دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے اسلام کو نقصان پہنچا سکتا تو اب زبان سے نقصان پہنچانے لگا اور اسلام کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ وہ مہاجرین و انصار

شرح نہج البلاغۃ الجزء الثاني - ص ۱۳ - میں تفریق کر رہا ہے ۔  
 یہ خالد بن سعید بن العاص وہ تھے جنہوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تھی  
 اور کہتے تھے کہ لا ابا لیح الا علیا یعنی میں علی کے سوائے کسی اور کی بیعت نہیں کروں گا۔  
 شرح نہج البلاغۃ الجزء الثاني ص ۱۳ - پھر علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں :-

قال الربیر ثمان رجلا من سفہاء  
 قریش ومشیری الفتن منہم  
 اجتمعوا الی عمرو بن العاص فقا لوا  
 لہ انک لسان قریش ورجلہا فی  
 الجاہلیتہ والاسلام فلا تدع  
 الہ نصاروما قالت فاکثروا علیہ  
 من ذلک فراح الی المسجد وفیہ  
 ناس من قریش وغیرہم فتکلموا  
 قال ان الہ نصار تری لنفسہا ما  
 لیس لہا... .. ثم التفت  
 فرای الفضل بن العباس بن  
 عبدالمطلب وندم علی قولہ  
 للغوۃ التي بین ولد عبدالمطلب  
 وبنی الانصار لان الانصار کانت  
 تعظم علیا وتہتف باسمہ محببنا  
 فقال الفضل یا عمر وانا لیس  
 لنا ان نکتہما سمعنا منک ولس  
 لنا ان نجیبک وابوالحسن شاہد  
 بالمدينة الا ان یامرنا فنفعل ثم

زیر کرتا ہے کہ قریش میں سے چند مفسد  
 اور ذلیل لوگوں نے عمرو بن العاص کو بھڑکایا  
 اور کہا کہ تم تو قریش کی زبان اور پیر ہو  
 جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی - تم کو  
 چاہیے کہ اب انصار کو نہ چھوڑو۔ انہوں نے  
 عمرو بن العاص سے اصرار کیا اور اس سے بھی  
 زیادہ کہا۔ وہ سب مسجد میں آئے۔ وہاں  
 لوگ جمع تھے۔ عمرو نے کہا۔ یہاں اس کا  
 خطبہ انصار کے خلاف درج ہے (پھر عمرو بن  
 العاص کی نظر فضل بن العباس پر پڑی تو  
 نادم ہوا کیونکہ انصار اور اولاد عبدالمطلب کے  
 درمیان دوستی تھی اور انصار علی کی بہت  
 تعظیم کرتے تھے اور ان کی فضیلت کے مقرر  
 تھے۔ پس فضل بن عباس نے عمرو سے کہا  
 کہ اے عمرو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ جو  
 تو نے کہا ہے اس کو ہم چھپائیں اور نہ یہ ممکن  
 ہے کہ ہم تجھ کو جواب دیں درآنحالیکہ علی  
 مدینہ میں ہوں جب تک وہ ہمیں حکم نہ دیں  
 پھر فضل حضرت علی کے پاس گئے اور

رجع القصل الی علی فحدّثہ  
فغضب وشتّم عمر اذ قال اذی  
اللہ ورسولہ ثم قام فاتی  
المسجد فاجتمع الیہ کثیر من  
قریش وتکلم من غضبنا فقال یا  
معاشر قریش.....

شرح نبج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۲

(تعریف ہے)

یہ معاملہ سنایا۔ حضرت علی بہت غضبناک  
ہوئے اور عمرو کو برا بھلا کہا اور فرمایا کہ  
اس نے خرابی رسول کو ایذا دی۔ پھر آپ  
مسجد میں آئے اور وہاں غصّہ کی حالت میں  
لوگوں کو مخاطب کر کے خطبہ ادا کیا اس کے  
آگے وہ خطبہ درج ہے جس میں انصار کی  
تعریف ہے

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے فضل بن عباس سے کہا کہ انصار  
کی تعریف میں اشعار لکھو۔ انہوں نے اشعار لکھے۔ جب یہ امور انصار کو  
معلوم ہوئے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ حسان بن ثابت کو انہوں نے مجبور کیا  
کہ حضرت علی کی تعریف میں قصیدہ لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عمدہ قصیدہ  
لکھا۔ جس میں حضرت علی کی سبقت اسلامی و دیگر فضائل کا ذکر نہایت عمدگی  
کیا۔ انصار نے یہ قصیدہ حضرت علی کی محرمات میں بھجوا یا آپ بہت خوش ہوئے  
اور پھر مسجد میں تشریف لاکر قریش کو ایک طویل خطبہ میں انصار کی خدمات اسلامی  
یاد دلا کر ٹھنڈا کرنا چاہا۔ شرح نبج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۲، ۱۵

قال ابویکس وحدثنی ابوالحسن علی  
ابن سلیمان النوفلی قال سمعت  
ابی یقول ذکر سعد ابن عبادة  
یوم یوم السقیفہ فاذا کراما  
من امراء نسبه ابوالحسن یوجب  
ولا یتہ فقال له اینہ قیس بن  
سعد انت سمعت رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ والہ یقول هذا

ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری ابوالحسن علی  
بن سلیمان النوفلی سے روایت کرتے ہیں  
کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے  
کہ یوم سقیفہ کے بعد ایک دن سعد ابن عبادة  
نے حضرت علی کا ذکر کیا اور ان کے اپنے  
فضائل بیان کئے کہ جن سے ثابت ہوتا  
کہ خلافت ان کا حق ہے۔ اس پر اس  
بیٹے قیس نے کہا کہ جب تم نے جناب رسول خدا



الکلام فی علی بن ابی طالب ثم  
 تطلب الخلفاء ویقول اصحابك  
 منا امیر و منکم امیر لا کلمتک  
 واللہ من راسی بعد هذا کلمة  
 ابد ا قال ابو بکر و حدثنی ابو الحسن  
 علی بن سلیمان النوفلی قال حدثنی  
 ابی قال حدثنی شریک  
 بن عبد اللہ عن اسمعیل بن  
 خالد عن زید بن علی بن الحسین  
 عن ابيه عن جده قال قال علی  
 کنت مع الی نصار لرسول اللہ  
 صلے اللہ علیہ و آلہ علی السبع  
 والطاعة له فی المحبوب والمکره  
 فلما عز الی و سلام و کثر اهلہ قال  
 یا علی زد فیہا علی ان تمنعوا رسول  
 اللہ و اهل بیتہ مما تمنعون منه  
 انفسکم و ذم اریکم قال فحملها  
 علی ظہور القوم فوفی بها من وفی  
 و هلاک من هلاک قلت هذا  
 یطابق ما رواه ابو الفرج الاصفہانی  
 فی کتاب مقاتل الطالبین -

حضرت علی کے متعلق یہ باتیں بیان کرتے ہوئے  
 سنا تھا تو پھر تم نے خلافت کیوں طلب کی۔  
 اور تمہارے ساتھی کیوں کہتے تھے کہ ایک  
 امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے قسم  
 بخواب میں کبھی تم سے کلام نہ کروں گا۔  
 اور ابو بکر جو ہری نے ایک اور روایت  
 ابو الحسن علی بن سلیمان ذہلی سے بیان کی  
 ہے۔ کہتا ہے کہ میرے باپ نے شریک  
 بن عبد اللہ کہ حضرت علی سے سلسلہ ان کی  
 اولاد کے یہ روایت کی کہ حضرت علی کہتے ہیں  
 کہ انصار کہ جناب رسول خدا نے حکم  
 دیا تھا کہ جس کو میں محبوب سمجھوں اُس کو  
 تم محبوب سمجھاؤ جس کو میں بُرا سمجھوں اُس کو تم  
 بُرا سمجھو۔ جب اسلام کی قیامت ہو گئی تو آنحضرت  
 نے حضرت علی سے فرمایا کہ یا علی اس پر یہ حکم  
 اور زیادہ کر دو کہ وہ رسول اللہ اور ان کے  
 اہلبیت کی اسی طرح حفاظت کریں اور ان سے  
 مکروہ باتوں کو اسی طرح دُور رکھیں جس طرح  
 وہ اپنے نفسوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت  
 کرتے ہیں اور مکروہ باتوں کو دُور رکھتے ہیں۔

چنانچہ ان سے یہ وعدہ لیا گیا۔ پس اس وعدہ  
 کو پورا کیا اُس نے جس نے پورا کیا اور ہلاک

ہوا وہ جو ہلاک ہوا میں کہتا ہوں کہ یہ روایت مطابق ہے اُس کے جو ابو الفرج الاصفہانی نے

شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۸ -

کتاب مقاتل الطالبین میں لکھا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ سقیفہ والے دن تو بہت سے انصار و جاہل و دنیاوی اور  
 تقلید مہاجرین کی وجہ سے راہ مستقیم سے ڈگمگائے۔ اور چند اُن میں سے جماعت  
 مخالفین مہاجرین کی کوششوں سے اور اپنے خانگی حصار و عناد کی وجہ سے حضرت  
 ابوبکر کی بیعت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد اُن کی اکثریت ہمیشہ  
 اپنے اس فعل پر نادم رہی۔ خود سعید ابن عبادہ کے گھریا لے سمجھ گئے کہ ہم غلطی پر  
 تھے۔ اگرچہ انصار کے بڑے بڑے آدمیوں کو حکومت نے انعام و اکرام اور طرح  
 طرح کے لالچ دے کر اپنی طرف کر لیا۔ اور عرب کی فطرت ہے کہ اپنے سرداروں کو  
 بغیر کچھ نہیں کرتے۔ لہذا معاملہ وہیں رہا جہاں کہ سقیفہ میں قائم ہو گیا۔  
 حضرت علی کی کوششوں سے مہاجرین و انصار میں ایک گو نہ مصالحت ہو گئی  
 لیکن جماعت مخالفین جو اب برسر حکومت آگئی تھی کبھی نہ بھولی کہ انصار نے  
 حضرت ابوبکر کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکایا تھا اور یہ کہ وہ حضرت علی کے طرف  
 اور اُن کے مداح تھے۔ یہ حضرت علی کی محبت ہی کا جرم تھا کہ جس نے انہیں  
 مجلس شوریٰ میں نامزد نہ ہونے دیا اور جس کی وجہ سے حضرت عمر نے کھلے  
 بندوں کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا کوئی حق نہیں ہے۔ سوائے حبّ علی کے  
 جرم کے ان کا کیا قصور تھا۔ کیا وہ مسلمان نہ تھے۔ کیا وہ جمہوریت اسلامیہ  
 ممبر نہ تھے۔ پھر کیوں خلافت سے اس طرح نکال دئے گئے۔ ماسوائے حضرت  
 علی کے سب ممبران شوریٰ سرمایہ داروں کی جماعت ہیں سے تھے جیسا ہم نے ذکر  
 شوریٰ میں بیان کریں گے۔ لیکن یہ دولت و ثروت صرف مہاجرین میں  
 تھی۔ انصار کو اس سے بہت کم حصہ دیا گیا تھا اور عہد اُن کو وہاں رکھ  
 تھا۔ اُس زمانہ کے امراء کی جماعت میں سے کوئی انصار نہیں ہے۔ دیکھو  
 اردو ترجمہ تمدن اسلام جرجی زیدان حصہ اول ص ۸۵، ۸۶۔ حضرات شیخین کی  
 پالیسی پران کی جانفشی سلطنتوں نے نہایت اچھی طرح عمل کیا۔

نعمان بن بشیر انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت معاویہ کے پاس آئے اور اپنی غربت کی شکایت کی اور کہا کہ جناب رسول اللہ نے سچ فرمایا تھا کہ تم میرے بعد بہت مصیبت دیکھو گے۔ پس ہم پر وہ مصیبت آگئی۔ معاویہ نے پوچھا کہ پھر آنحضرت نے کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ آنحضرت نے کہا کہ تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم محشر کے دن میرے پاس آؤ۔ معاویہ نے طرہ اجاب دیا کہ بس پھر تم صبر کرو تا کہ آنحضرت سے حوض پر ملاقات کرو۔ ان کو محروم واپس کر دیا۔

اور کچھ نہ دیا۔

دیکھئے انصار سے بے رُخی اور عناد وہ ہی سنت شیخین کی پیروی ہے جناب ابن المنذر نے سقیفہ والے دن اپنی بحث میں سچ کہا تھا کہ میں دیکھتا ہوں اسے انصار تمہارے بچے ان مہاجرین کے گھروں پر بھیک مانگنے جاؤ گے اور بھیک بھی نہیں ملے گی۔ کتاب الامامت والیاستہ ابن قتیبہ الجزء الاول ص ۱۰۰۔ یہ تھے وہ جائز جانشین رسول جن کو حضرات شیخین کی پالیسی منصبہ شہود و پیر لائی تھی۔ حضرت معاویہ نے کس طرح آنحضرت کی پیشین گوئی کی تحقیر و تذلیل کی ہے۔ انصار رسول کی یہ قدر رہ گئی تھی۔

انصار تو جانتے ہی تھے۔ مہاجرین بھی اچھی طرح سے واقف تھے کہ خلافت جناب امیر علیہ السلام کا حق ہے۔ لیکن وجاہت دُنیا نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ باوجود یہ جاننے کے حضرت علی کا حق لینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ جس نبج پر سقیفہ بنی ساعدہ کی ساری کارروائی مرتب کی گئی تھی اس سے

شرح نبج البلاغہ الجزء الثانی ص ۱۳

واضح ہے کہ کارکنان سقیفہ کو حضرت علی کے حق کا علم تھا اور ان کو علیؑ کو علیحدہ رکھنے کی غرض بنو ہاشم سے دور عین اس وقت کہ جب وہ مشغول تھے اور وہاں نہیں آ سکتے تھے نہایت عجلت میں کہ اس پر فائزہ کا لفظ عائد ہوتا ہے۔ یہ کارروائی کی گئی۔ جو مکالمہ ہم نے حضرت عمر کا حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس امر خلافت پر لکھا ہے۔ اس میں حضرت عمر نے صاف تسلیم کیا ہے کہ یہ خلافت علی کا حق تھا اور وہ مظلوم ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ سقیفہ سے پہلے سقیفہ سازی کا انتظام کس طرح کیا گیا۔ اور اس و خزرج کی رقابت سے فائدہ اٹھا کر ان کو کس طرح توڑ کر اپنی طرف کیا گیا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سقیفہ کی بیعت اسلام کے لئے ایک ناگہانی مصیبت تھی۔ اور جب انصار نے اس پر غور و فکر کیا تو وہ اپنے کئے پر بہت نادم ہوئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ سقیفہ کے اندر کیا ہوا۔ اور کس طرح یہ بیعت اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ تھی۔ وہاں کے واقعات تو ہم لکھ چکے ہیں۔ اب تو فقط ان پر غور کرنا باقی ہے۔ صاحبان حکومت کا خیال ہے کہ حضرات شیخین نے اپنے محسن و پیغمبر اعظم کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ نبی ساعدہ میں جا کر خود حکومت حاصل کر کے اسلام کو تفرقہ کی مصیبت سے بچا لیا۔ اور یہ جو کچھ کیا وہ محض اسلام کی ہمدردی کے لئے کیا۔ ان حضرات نے چند علوم متعارفہ و احویل موضوعہ قائم کر لئے ہیں جن کو مد نظر رکھ کر یہ واقعات کو تاویل کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک اصل موضوعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ اسلام میں جناب رسول خدا اور اہل بیت رسول نہایت اعلیٰ وارفع تھا اور جتنی ہمدردی اسلام کی حضرت عمر کو تھی اتنی ہمدردی جناب رسول خدا و علی مرتضیٰ کو نہیں تھی۔ خود حضرت عمر نے کہا تھا کہ جناب رسول خدا تو علی کی محبت میں صراط مستقیم سے علیحدہ ہو کر ان کے حق میں وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ میں نے اسلام کی ہمدردی کی وجہ سے ان کو روک دیا۔

جب خود حضرت عمر کا یہ خیال ہو تو ان کے مقلدین کیوں نہ ان کی تائید کریں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا کو اسلام کی ہمدردی اتنی بھی نہ تھی کہ فتنہ و فساد روکنے کی خاطر اپنا جانشین مقرر کر جاتے۔ لیکن حضرت عمر بوجہ اس ہمدردی کے جو ان کو اسلام سے تھی ہمیشہ اپنے جانشین کے خیال میں غلطیاں و پیچاں رہتے تھے۔ تخلف عن جیش اسامہ، قضیہ قرطاس، مقدمہ فرک، انکار موت رسول ان سب کو بڑے بڑے علماء نے اختلافات لکھا ہے اور کہا ہے کہ ان سے امت میں تفرقہ پڑا۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ اختلاف حضرات شیخین نے بوجہ ہمدردی اسلام کیا۔ مقدمہ فرک میں حضرات شیخین کی غلطی کو مانتے ہوئے علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرات شیخین نے جو کچھ کیا وہ اسلام کے فائدہ کے لئے کیا اور ان کی نیت نیک تھی۔ دیکھو۔ شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۲۰۔ یہ اختلاف کس سے تھا۔ جناب رسول خدا، علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ و حسنین علیہم السلام سے۔ یہی نتیجہ نکلا، اس میں کسی باریک منطوق کی ضرورت نہیں ہے، کہ جن سے جناب عمر کو اختلاف تھا یعنی جناب رسول خدا اور علی مرتضیٰ۔ جناب فاطمہ و حسنین علیہم السلام ان سب میں اسلام کی ہمدردی اتنی نہ تھی جتنی حضرت عمر میں تھی۔ اختلاف تھا بوجہ زیادتی ہمدردی کے۔ اگر درجہ ہمدردی ایک ہوتا تو اختلاف کہاں سے ہوتا۔ جب ہم تحریف اسلام کی بحث کریں گے تو ثابت کریں گے کہ حضرت عمر بتدریج جناب رسول خدا کے اصول اسلام و فقہ کو اپنے ایجاد کردہ اصول و فقہ سے بدلتے رہے یہاں تک کہ اکثریت امت میں جو اسلام پھیلا وہ وہ اسلام تھا جس کو ترمیم و تنسیخ کر کے حضرت عمر نے مرتب کیا۔ اور ان کے پیروان حضرت عمر کے فقہ کو جناب رسول خدا کے فقہ سے بارہا بہتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بقول علامہ شبلی حضرت عمر کے فقہ میں ترقی زمانہ کے دوش بدوش چلنے کی قابلیت ہے۔ اور جناب رسول خدا کے فقہ میں یہ قابلیت

نہیں تھی۔ غرض کہ یہ لوگ حضرت عمر کو بہتر و افضل سمجھ کر حضرت عمر کے ہر فعل کو اسلام کے لئے مفید ہونے کے قیاس پر اپنی بحث کو قائم کرتے ہیں۔ اور اُس ہی اصول کی بناء پر یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر حضراتِ شیخین اس طرح حکومت خود نہ حاصل کر لیتے تو اسلام برباد ہو جاتا اور اُس میں تفرقہ پڑ جاتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا یہ قیاس کہاں تک واقعات کے مطابق ہے۔ واقعات سقیفہ پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:-

(۱) اس مخالف جماعت کا ایک ایک قدم اختلاف، فساد اور تفرقہ پر مبنی تھا۔ مسجد نبوی کو چھوڑا۔ آنحضرتؐ کی جائے رہائش کو چھوڑا۔ علیحدہ سقیفہ میں بیٹھ کر یہ خلیفہ سازی بلکہ سقیفہ سازی شروع کر دی۔ اصلی جماعت رسولؐ جو تھی اس کو تو ایسے وقت میں جناب رسولؐ خدا کے جسدا طہر کے پاس ہونا چاہئے تھا اور وہ جماعت وہاں تھی۔ یہ جماعت متخلفین، تفرقہ پیدا کرنے والی جماعت، قوموا عنی والی جماعت اپنے منصوبوں کے جوڑ توڑ میں سقیفہ میں علیحدہ بیٹھی ہے۔ تفرقہ ڈالنے والا کون ہوا۔ یہ جماعت ہی ہوئی۔ سقیفہ کیسی جگہ تھی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ وہ مشورہ ہائے باطل کی جگہ تھی۔ کس خاموشی کے ساتھ قدرت نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایک باطل کے فروغ دینے کی سازش تھی جس میں سُخنان بہو وہ و مشورہ ہائے باطل کے بعد امر باطل کی بنیاد رکھی گئی اور اُمت میں تفرقہ پیدا کیا گیا۔

(۲) سقیفہ نبی ساعدہ کی حکومت اُمتِ اسلامیہ کے تفرقہ و تفریق و تقسیم پر مبنی تھی۔ یہ تفرقہ عمداً پیدا کیا گیا تاکہ یہ حکومت قائم کی جاوے۔ اگر یہ تفرقہ پیما نہ کیا جاتا تو جناب رسولؐ خدا کا مجوزہ نظام تمام اُمتِ اسلامیہ کے لئے جاری نظام ہوتا۔ اور یہ جماعتِ مخالفین کو منظور نہ تھا لہذا اُس اتحاد کو بسترِ مرگ رسولؐ پر توڑ دیا اور حُسنِ کتاب اللہ اور ان الرجل لیجر کہہ کر اس متحدہ جماعت میں سے ایک حصہ توڑ لیا۔ جناب رسولؐ نے بھی فوراً قوموا عنی کہہ کر

اس جماعت کی علیحدگی کو روز قیامت تک نمایاں کر دیا۔ آگے چلے سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہوا۔ اُمتِ اسلامیہ سے علیحدہ کٹ کر یہاں آئے اور یہاں فوراً تفرقہ و تفریق کی بنیاد پر اپنی عمارت بنانی شروع کر دی۔ مخالفین علی نے فوراً اُمتِ اسلامیہ کو دو جماعتوں اور فرقوں پر تقسیم کر دیا۔ ہاجرین اور انصار۔ اور بحث کا رخ فوراً اس طرف کر دیا کہ خلیفہ ہاجرین میں سے ہو یا انصار میں سے۔ اگر ان کا وہ مدعا نہ ہوتا جو ہم نے بیان کیا ہے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی نہایت عمدہ اور عادلانہ عادلانہ تقریر یہ ہوتی کہ اُمتِ اسلامیہ کو دو گروہوں میں تقسیم نہ کیا جائے دو گروہ تصور کرنے سے آئندہ کے لئے موجب فساد و باعث تفرقہ باقی رہ جائیگا اُمتِ اسلامیہ متحدہ جماعت ہے۔ اس میں کا بہترین اور افضل ترین شخص خلیفہ مقرر کر لو۔ خواہ ہاجرین میں ہو۔ خواہ انصار میں۔ خواہ کسی قبیلہ میں ہو لیکن چونکہ اس معیار پر حضرت علیؑ کے سوا کوئی اور پورا نہ اترتا اور یہ منظور نہ تھا لہذا اُمتِ اسلامیہ کے دو ٹکڑے کر دئے۔ اور اب چونکہ ہاجرین میں سے یہاں سوائے ان تین کے اور کوئی موجود نہ تھا اس لئے ان میں ہی کا ایک مقرر ہونا تھا اور وہ ہوا۔

(۳) چونکہ انکی ہستی کا دار و مدار تفرقہ پر تھا لہذا جماعتِ مخالفین نے خود بنو ہاشم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت بوجہ عدم موجودگی صاحبانِ حل بعقد خصوصاً بنو ہاشم ناقص و مہمل ہے تو انہوں نے ایک سیاسی چال چلی جو ان کو مغیرہ ابن شعبہ نے بتائی تھی۔ ذیل کی عبارت ترجمہ ہے اس اصل عربی عبارت کا جو کتب تواریخ میں موجود ہے :-

پھر مغیرہ بن شعبہ حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو بکر یہ بہتر ہوگا کہ تم عباس سے ملو اور اس کو اس امر خلافت میں حصہ دینا کر لے جو اس کے اور اس کی اولاد کے لئے ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دونوں (ابو بکر و عمر) کو علی و بنو ہاشم پر حجت ہو جائے گی۔ جب عباس تمہارے ساتھ محکم ہونگے

پس روہ تینوں حصہ دارانِ خلافت) ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح بل کر  
عباس کے پاس آئے۔ حضرت ابو بکر نے بعد حمدِ الہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے  
محمد صلعم کو نبی اور مومنین کے لئے حاکم مقرر کیا۔ پس خداوند تعالیٰ نے  
ان پر نعمتیں نازل کیں۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے جو ار رحمت میں بلا لیا  
پس آنحضرت نے اس امر خلافت کو لوگوں کے لئے چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے  
لئے اختیار کریں جو قرین مصلحت ہو۔ گو یا رسول خدا تو اس مصلحت سے  
واقف ہی نہ تھے) اور آپس میں متفق رہیں اور اختلاف نہ کریں۔ راگر  
جناب رسول خدا مقرر کر دیتے تو اصحاب کے لئے اختلاف کرنا ضروری تھا  
پس ان لوگوں نے مجھ کو اپنا حاکم و راعی مقرر کر لیا۔ ہمیشہ مجھے خبریں  
پہنچتی ہیں کہ چن طعنہ زن اس امر کے خلاف باتیں کرتے ہیں جس پر عام  
مسلمانوں کا اجتماع ہو گیا ہے۔ اور یہ طعنہ کرنے والے تم لوگوں (نبی ہاشم)  
کو اپنی آڑ بنا لیتے ہیں۔ پس تم اس میں زیادتی کرنے سے ڈرو۔ یا تو تم اس  
امر میں شامل ہو جاؤ جس میں عام مسلمان شامل ہوئے ہیں یا طعنہ زن  
لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دو۔ بہ تحقیق ہم تمہارے پاس اس غرض سے  
آئے ہیں کہ ہمارا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے اس امر خلافت میں سے کچھ  
حصہ دیدیں جو صرف تمہارے لئے اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کے لئے  
ہو۔ کیونکہ تم رسولِ خدا کے چچا ہو۔ اور اگرچہ لوگ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی  
منزلت سے واقف ہیں پھر بھی یہ امر خلافت انہوں نے تم کو نہ دیا۔  
کیونکہ رسولِ خدا تم میں سے ہیں اور ہم میں سے ہیں اس کے بعد حضرت عمر نے  
اس طرح بیاسی چھپکا مارا) خدا کی قسم ہم تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ  
ہمیں تم سے کوئی حاجت ہے بلکہ ہم کو یہ برا معلوم ہوا کہ لوگ تم پر طعنہ کریں  
اس امر کے متعلق کہ جس میں تمام مسلمان شامل ہو گئے ہیں پس تم اپنی اور  
اپنے عام لوگوں کی بھلائی پر نظر رکھو۔



عباس صاحب فرات تھے اس چال کو تاڑ گئے اور مندرجہ ذیل دندیاں شکن جواب دیا :-

اگر تم نے رسول خدا کے ذریعہ و توسل کی وجہ سے خلافت لی ہے تو ہمارا حق غصب کیا ہے۔ اور اگر مومنین کی وجہ سے خلافت حاصل کی ہے تو ہم مومنین میں سب سے زیادہ مقدم ہیں۔ اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ امر خلافت مومنین کی وجہ سے تمہارے لئے جائز ہوا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہم اس سے راضی نہیں۔ اور یہ جو خلافت کا حصہ آپ ہمیں بخشنا چاہتے ہیں تو بات یہ ہے کہ اگر یہ تمہارا حق ہے تو اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور اگر یہ مومنین کا حق ہے تو تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اس کو اس طرح تقسیم کرتے پھرو۔ اور اگر یہ ہمارا حق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ خلافت کا فقط ایک ہی حصہ لیں۔ ساری خلافت ہمارا حق ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ رسول خدا تم میں سے بھی ہیں اور تم میں سے بھی تو امر واقعہ یہ ہے کہ رسول خدا اُس درخت میں سے ہیں جس کی ہم تو شاخیں ہیں اور تم فقط نزدیک کی اُگی ہوئی چولائی ہو۔

ابن قتیبہ: کتاب الامارت والسیاست الجزء الاول ص ۱۵

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۱۳۲، ۱۳۳

حکام سقیفہ کی وجہ بہت و بود ہی تفرقہ و افتراق تھا۔ بنو ہاشم میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش اس طرح کی تھی۔ عام مسلمانوں کو جناب رسول خدا کی جماعت میں سے توڑ کر انہی طرف ملانے کے لئے رشوت کا ایک نہایت طویل چال پھیلا دیا۔ ملاحظہ ہو :-

فلما اجتمع الناس علی ابی بکر قسم  
بین الناس قسماً فبعث الی عبوزمن  
بنی عدی بن البخار یقسم ہامع  
سریدا بن ثابت فقالت ما هذا  
جب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تو  
ابو بکر نے لوگوں میں مال تقسیم کرنا شروع کیا۔  
زید بن ثابت کے ہاتھ بنی عدی بن النجار کی  
ایک ضعیفہ کے پاس اسکا حصہ بھیجا دیا۔ اُس

قال قسم قسمہ ابو بکر للنساء  
 فقالت انراشونی عن دینی.....  
 قالت لا اخذنا منه شیئاً ابداً -  
 ابن سعد: طبقات الکبریٰ ق ۱ ج ۳ ص ۱۲۹ -  
 ابن ابی الحدید: شرح بیح البلاغۃ  
 الجزء الاول ص ۱۳۳ \*

عورت نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ زید ابن ثابت  
 نے کہا کہ ابو بکر نے عورتوں میں مال تقسیم کیا ہے  
 اور یہ تیرا حصہ دے کر مجھے بھیجا ہے۔ اس سقیفہ نے  
 کہا کہ کیا تم مجھ کو رشوت دے کر میرے دین  
 سے ہٹاتے ہو۔۔۔۔۔ قسم بخدا میں قیامت تک  
 ذرا سنا بھی نہ لیں گی \*

(۴) دوسرا امر جو نہایت صاف اور واضح طور پر نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ  
 باوجود اس کوشش بسیار کے اس جماعت مخالفین کی کامیابی کا باعث  
 محض انصار کا آپس کا عناد و حسد ہوا۔ انصاری جاسوسوں کی مدد سے  
 جماعت مخالفین علی نے اپنی تجویزوں اور کوششوں کی تشکیل و تنظیم کی اور  
 انہوں ہی نے عین وقت پر آن کر اطلاع دی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع  
 شروع ہو گیا ہے۔ سب سے بڑی خدمت جو اپنی جماعت سے بڑے بڑے انصاریوں  
 نے بحیثیت خلافت کی کی وہ یہ تھی کہ ابھی بحث جاری ہی تھی کہ کس جماعت میں سے  
 خلیفہ ہوا انہوں نے جھٹ دھڑ کر ہاتھ حضرت ابو بکر کا پکڑ لیا۔ اس ایک فعل نے  
 ساری بحثوں کو ختم کر دیا۔ اور جاننے والوں نے فوراً گہر دیا کہ بشیر ابن سعد نے  
 یہ فعل حسد کی وجہ سے کیا۔ گویا اس حکومت سقیفہ کے دو پیر جن پر یہ کھڑی  
 ہوئی افتراق و حسد تھے \*

(۵) لیکن جو رکے لئے جبر کی ضرورت ہے اور ظلم کے لئے طاقت کی۔ جماعت  
 مخالفین علی نے اس ضرورت کو بھی پورا کر لیا۔ اور ایک مسلح جماعت اپنے  
 حامیوں کی سقیفہ میں عین وقت پر بمباری \*

ولدا سرات الاوس ما صنع بشیر  
 ابن سعد وما تدعوا الیہ قولش  
 وما تطلب الخزارج من تأمیر سعد  
 جب اوس نے دیکھا کہ بشیر ابن سعد نے ابو بکر  
 کی بیعت کر لی اور یہ دیکھا کہ قریش جو وہاں  
 موجود تھے یہی چاہتے تھے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ

ابن عبادة قال بعضهم لبعض و  
فيهم اسيد بن حضير و كان  
احد النقباء و الله لن وليتها  
الخزرج عليكم مودة لا نرا الت  
لهم عليكم بذلك الفضيلة و  
لا جعلوا لكم معهم فيها نصيباً  
ابداً فقوموا فبايعوا ابا بكر فقاموا  
اليه فبايعوه فانكسر علي سعد بن  
عبادة و علي الخزرج ما كانوا  
اجمعوا له من امرهم قال  
هشام قال ابو مخنف فحدثني  
ابو بكر بن محمد الخزاز ان اسلم  
اقبلت بي باعتها حتى تضايق  
بهم السكك فبايعوا ابا بكر فكان  
عمر يقول ما هو الا ان س ايت  
اسلم فابقت بالنصر-

خروج سے ابن عبادہ کو امیر بنانے کی کوشش  
کر رہے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے  
اور ان کہنے والوں میں اسید بن خضیر ایک  
تھا جو انصار کے نقباء میں سے تھا کہ تم بنی اکر  
خزرج کو ایک دفعہ تم پر حکومت مل گئی تو  
وہ ہمیشہ تم پر حاکم رہیں گے۔ تمہیں اس میں  
سے ذرا سا بھی حصہ نہ دیں گے۔ پس اٹھو  
اور ابو بکر کی بیعت کر لو۔ پس وہ اٹھے اور  
ابو بکر کی بیعت کر لی تو جو کچھ خزرج اور  
سعد بن عبادہ نے کیا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا  
ہشام ابو مخنف سے روایت بیان کرتا ہے  
کہ اُس وقت بنو اسلم اتنی کثیر تعداد  
میں سقیفہ میں آگئے کہ گلی کی چوڑی کی  
راہیں بند ہو گئیں اور انہوں نے ابو بکر کی  
بیعت کر لی۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے  
کہ جب بنو اسلم آگئے تو مجھے اپنی فسق کا  
یقین ہو گیا \*

تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۰۹، ۲۱۰

۶۷) یہ نہایت عاقلانہ اور زیرکانہ تجویز تھی کہ حضرت عمر صرف اُسپس واران  
خلافت ہی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بحث تو فرقہ دارانہ تھی۔ مہاجرین یہ  
فقط تین ہی موجود تھے۔ جس کو یہ پیش کریں گے وہ ہی خلیفہ ہو جائے گا۔ اگر  
زیادہ آدمی مہاجرین میں سے ہوتے تو کوئی کچھ بولتا۔ کوئی کچھ کہتا۔ کوئی دیگر  
نام پیش کرتا۔ فضیلت کے اوپر بحث چھڑ جاتی تو پھر کہیں نہ تھے۔ ممکن ہے  
ان کو آمادہ دیکھ کر کوئی اور سربراہ آوردہ مہاجرین میں سے آمادہ ہو جاتا۔

ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص یہ ایسے لوگ تھے کہ اس وقت تو بنی تیمم میں خلافت نہ جانے دیتے۔ اور کسی اور آدمی کا نام پیش کرتے۔ یہ ساری باتیں مشکل پیدا کرنے والی تھیں۔ اور بہت ممکن تھا کہ اپنا آدمی نہ ہوتا۔ یہ فقط ہماری رائے نہیں ہے۔ جماعت حکومت کے مشین و علماء بھی یہی کہتے ہیں :

ولم یحضر معہ فی السقیفہ من قریش غیر عمر و ابی عبیدۃ فلن لاک دل علیہما ولم یکنہ ذکر غیر ہما ممن کان غائباً مشیتہ ان یتفرقوا عن ذلک المجلس من غیر ابرام امر و الاحکام فی فوات المقصود ولو وعدوا بالطاعة لجن غائب منهم حينئذ ما امنهم علی لتویل انفسهم الی الرجوع عن ذلک فکان من النظر السدید والامر الرشید مبادسرة و عقد البيعة والتوثق منهم فیہا حالتہ الساہنتہ۔

ریاض النضرۃ محب الدین الطبری الحجریہ الاویل تقسم الثانی الفصل الثالث عشر فی خلافت ابی بکر ص ۱۶۵

حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے سوائے عمر و ابوعبیدہ کے اور کوئی نہ تھا اور اس ہی وجہ سے ابوبکر نے بیعت کے لئے صرف ان دونوں ہی کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کا بھی ذکر کرتے جو وہاں موجود نہ تھا۔ ڈر یہ تھا کہ اگر لوگ اس مجلس سے بغیر کسی کی بیعت کئے ہوئے متفرق ہو گئے تو اپنا مقصد فیت ہو جائیگا۔ اور اگر وہ کسی غائب شخص کی بیعت کا اقرار بھی کر لیتے تو بہت ممکن تھا کہ بعد میں وہ اس سے پھر جاتے لہذا اصائب ساء اور امر نیک ہی تھا کہ اس میں جلدی کی جائے اور فوراً بیعت لے لی جائے اور ان کے وعدہ کی توثیق اسی وقت موقعہ پر کر لی جاوے۔

محب الدین طبری کی یہ بحث اس امر کی معذرت پیش کرتی ہے کہ حضرت علی کا نام باوجود ان کے فضل اور خلافت کے بہترین حق دار ہونے کے وہاں حضرت ابوبکر نے خلافت کے واسطے کیوں نہ پیش کیا۔ لائق مؤلف کی بحث ہے

کہ وہ تینوں حضرات جو محض ایک دوسرے کو خلافت کے لئے پیش کر رہے تھے ان کی کسی خاص فضیلت کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ موقعہ کی نازک حالت کی وجہ سے تھا۔ اپنا خاص مقصد و مطلب پورا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا۔ بیعت ابو بکر عجلت میں نازک حالات کے اندر ہو گئی۔ لوگوں کو موقعہ نہ ملا کہ اپنی عقل و رائے کو کام میں لاتے اور مستحق خلافت کو منتخب کر کے اُس کو رائے دیتے۔ یہ عُذر ہماری بہت سی سختیوں کی تائید کرتا ہے ورنہ بذات خود کچھ معقول نہیں اگر بیعت صاف تھی تو حضرت علی کو کیوں نہ ساٹھ لے گئے۔ اُن کو اطلاع تو دیتے جو اگر خود نہ جاسکتے تو اپنی طرف سے کسی کو بھیج دیتے وہ ہی اُن کی طرف سے بیعت لے لیتا۔ خیر اس کو جانے دیجئے۔ اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حالات ایسے تھے کہ مہاجرین میں سے جو حضرات وہاں موجود تھے صرف اُن کا ہی ذکر آسکتا تھا۔ چونکہ یہ تین وہاں تھے لہذا چوتھے کا ذکر نہیں آسکتا تھا۔ اس سے ہمارے دُور دعووں کی تائید ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی کے ذکر کو وہاں آنے سے روکنے کے لئے ہی ان واقعات کو اس طرح مرتب کیا گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ عمداً صرف تین ہی آدمی وہاں گئے جو اُمیدوارانِ خلافت تھے۔ تاکہ مہاجرین میں سے کسی اور کے ذکر آنے کا امکان نہ باقی رہے۔

۲) سقیفہ نبی ساعدہ میں حضرت ابو بکر نے جو آخری بحث کی تھی اُس میں انصار سے صاف و صریح وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے۔ تاریخ جاننے والے حضرات بتائیں تو سہی کہ حضرت ابو بکر نے یہ وعدہ پورا کیا۔ ہرگز نہیں۔ اُن کے وزیر و مشیر و صلاح کار تو حضرت عمر تھے اور حضرت عمر ایسے خود سر تھے کہ انہیں کسی مشیر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ہاں جب ناواقفیت کی وجہ سے مجبور ہو جاتے تھے تو پھر صاحبانِ علم کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ لیکن انتظامی معاملات میں مشورہ کا کام کیا۔ اپنے وعدوں کو پورا نہ کرنے والوں کا ذکر

قرآن شریف میں اس طرح کیا گیا ہے۔ لِيَا تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ كَبُرَ مَقْتًا  
عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ خدا کے  
نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہ کرو۔ جب یہ آیات نازل ہوئی تھیں  
تو کیا خبر تھی کہ یہ ان پر حاوی ہو گی جو حکومت الہیہ کی سرداری کے دعویدار ہونگے  
غرض کہ صاف عیاں ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی محض اختراق و تفرقہ پر  
مبنی تھی اور اس سے جو نتائج نکلے انہوں نے اس تفرقہ کو اور زیادہ گہرا اور  
کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا۔

ساتویں تدبیر حضرت علی سے بیعت لینے کی کوشش کرنا اور مقصد حراق بیتِ فاطمہ  
جماعت مخالفین کی سیاست کا لب لباب یہ تھا کہ آل رسول کو اس قدر  
لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے کہ پھر کبھی کسی کو خیال بھی نہ آوے کہ ان میں  
سے کسی کو حاکم بنائیں۔ اور آل رسول کو اتنا کمزور کیا جاوے کہ ان میں  
اٹھنے کی طاقت نہ رہے۔ سعد بن عبادہ ان کے براہ راست حریف تھے اور انہوں نے  
علانیہ کہہ دیا تھا کہ میں کبھی تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ لیکن بشیر بن سعد  
صلاح پر انہیں چھوڑ دیا گیا اور ان سے تعرض نہ کیا اور نہ انہوں نے بیعت  
برخلاف اس کے حضرت علی نے تو ابھی تک منہ در منہ مخالفت بھی نہیں کی  
تھی۔ صرف اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ لیکن اس پر بھی ان کو چین سے  
نہ بیٹھے رہنے دیا۔ اور ان سے جبراً بیعت لینے کی کوشش کی گئی۔ غور کر  
کی بات ہے۔ سعد بن عبادہ اور حضرت علی سے ایسا مختلف رویہ کیوں  
اختیار کیا گیا۔ وجہ ظاہر ہے۔ چونکہ آنحضرت نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ  
جانشین مقرر کر دیا تھا لہذا وہ لوگ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں برسر اقتدار آئے

ساتویں تدبیر حضرت علی سے بیعت لینے کی کوشش کرنا اور مقصد حراق بیتِ فاطمہ

حضرت علی کی طرف سے زیادہ خطرہ محسوس کرتے تھے۔ یہ مختلف طرز عمل ہی نہایت  
 درہ ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت علی آنحضرت کے مقرر شدہ خلیفہ تھے۔ ورنہ  
 اب تک بظاہر تو زیادہ مخالفت سعد ابن عبادہ کی طرف سے ظاہر ہوئی تھی۔  
 حضرت علی آنحضرت کے مقرر شدہ خلیفہ نہ تھے اور وہ حضرت ابو بکر کو مستحق  
 لاف سمجھتے تھے جیسا کہ اب بیان کیا جاتا ہے تو حضرت علی سے اس اصرار  
 رستی سے کیوں بیعت لی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم ابن قتیبہ کی کتاب الامامات  
 السیاست کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ  
 حضرت علی سے کس طرح بیعت لینے کی کوشش کی گئی۔ یہ لکھنے کے بعد کہ تمام  
 ہوا شتم حضرت علی کے گرد جمع ہو گئے اور حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی یہ تمام  
 اور دیگر متخلفین مسجد رسول میں جمع ہو گئے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں :-

”جب یہ سب متخلفین مسجد میں جمع ہوئے تو ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح  
 ان کے پاس آئے جبکہ ابو بکر کی بیعت ہو چکی تھی۔ عمر نے ان سے کہا کہ میں  
 تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں۔ اٹھو اور ابو بکر کی بیعت کرو۔ میں نے ابو  
 انصار نے اُس کی بیعت کر لی ہے۔ اس پر عثمان بن عفان اور تمام بنو امیہ نے  
 اُس کی بیعت کر لی۔ اور پھر سعد و عبد الرحمن اور ان کے ساتھی اٹھے  
 اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ لیکن حضرت علی و عباس اور جو بنو ہاشم  
 ان کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت کئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان کے  
 ساتھ زبیر بن العوام بھی چلے گئے۔ پس ان کی طرف حضرت عمر مع ایک  
 جماعت کے جن میں ابید بن حصیر اور سلمہ بن اشیم تھے گئے اور کہا کہ چلو  
 ابو بکر کی بیعت کرو۔ انہوں نے انکار کیا۔ زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے حضرت  
 عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اہی کی پکڑ لو۔ پس ان لوگوں نے زبیر کو پکڑ لیا  
 سلمہ بن اشیم نے اچھل کر تدار حصین لی اور دیار سے مارا اور زبیر کو پکڑ کر لے گئے  
 اس حالت میں اُس نے بیعت کر لی اور اسی طرح بنو ہاشم نے بھی ماسوائے

علی کے بیعت کر لی پھر حضرت علی کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لائے  
 حضرت علی کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسول کا بھائی  
 ہوں۔ اُن سے کہا گیا کہ ابو بکر کی بیعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ  
 بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا  
 تم کو چاہیے کہ مجھ سے بیعت کر لو۔ تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل و  
 حجت کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خدا سے قرابت ہے جو انصار کو حاصل  
 تھی اور اب ہم اہل بیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا  
 تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے اُن کی نسبت  
 زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر انہوں نے  
 یہ امر تمہاری سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی  
 حجت قائم کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسول خدا  
 کے ان کی حیات و وفات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم مجھ اور اسلام  
 پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر  
 کر رہے ہو۔ عمر نے کہا کہ ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے جب تک تم بیعت نہ  
 کر لو گے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ وہ نفع تو حاصل کرے جس میں تیرا  
 ہی حصہ ہے۔ آج ابو بکر کے لئے تو شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اسکو تیری  
 طرف واپس کر دے۔ اے عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہ کروں گا۔ ابو  
 ابو بکر کی بیعت نہیں کروں گا۔ ابو بکر نے کہا کہ اگر تم میری بیعت نہیں  
 کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔ ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا کہ اے ابن عم  
 تم عمر میں چھوٹے ہو اور یہ لوگ عمر میں بڑے ہیں۔ تمہارا تاجر بہانہ ابو بکر  
 ان کے برابر نہیں ہے۔ اور امور سیاسیہ کی واقفیت جان کی ہے یہ  
 تم کو نہیں ہے۔ اور میں ابو بکر کو اس امر کے لئے تم سے قوی تر پاتا ہوں  
 لہذا تم کو چاہیے کہ تم ان کی بیعت کر لو اور اگر تمہاری زندگی باقی رہی



تو پھر تم اس امر خلافت کے لئے موزوں ہو۔ اور یہ تمہارا حق ہے بہ سبب  
 تمہارے علم و فضل و قوت دینی کے اور بہ سبب سبقتِ اسلامی اور  
 دامادِ نبوی رسول کے۔ اس پر حضرت علی نے کہا کہ اے گروہ مہاجرین محمد  
 (صلعم) کی ریاست و حکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف  
 لے جاؤ۔ اور آنحضرت کے اہلبیت کو ان کے مقامِ عزت سے نہ ہٹاؤ۔  
 قسم بخدا اے گروہ مہاجرین ہم تم سب سے اس امر خلافت کے زیادہ مستحق  
 اور مختار ہیں کیونکہ ہم اہلبیت رسول ہیں۔ اگر کوئی علم قرآن جاننے والا،  
 فقیہ دین خدا، عالم سنت رسول، صاحب اطلاع امور رعایا،  
 عادل و منصف، رعایا سے ان کی تکالیف کا دُور کرنے والا ہے تو ہم  
 ہیں۔ پس تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے  
 اور حق سے بعید ہو جاؤ گے۔ بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ یا  
 علی اگر انصاری تم سے یہ کلام ابو بکر سے بیعت کرنے سے پہلے سنتے  
 تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔ حضرت علی بغیر بیعت کئے اس  
 مجمع سے واپس آئے۔ ۱۰۳۳ھ

حضرت عمر کا قصدا حراقِ بیتِ فاطمہ۔ حضرت علی سے بیعت لینے میں  
 اتنی سختی کی گئی کہ حضرت عمر آگ لے کر جناب فاطمہ علیہا السلام کے درِ دولت  
 کو جلانے کے لئے تشریف لائے۔ اور آگ لگانے کی دھمکی دی۔ ذیل میں ہم  
 پھر ابن قتیبہ کی کتاب الامت و السیاست کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ جس کو  
 اصل عبارت دیکھنی ہو وہ ہمارے کتابُ البلاغ المبین، کتاب دوم صفحات ۱۰۲  
 تا ۱۰۳ دیکھیے۔

حضرت عمر کا قصدا حراقِ بیتِ فاطمہ

۱۰۳۳ھ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ: کتاب الامت و السیاست الجزء الاول ص ۱۱، ۱۲۔  
 تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو چہارم ص ۲۰۲

راوی کہتا ہے کہ ابو بکر نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان کی بیعت سے متخلف کیا تھا تلاش کرنا شروع کیا تو ان کو حضرت علی کے گرد پایا۔ پس ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا۔ عمر نے حضرت علی کے گھر پر آواز دی۔ ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر رخصتا ان سے بہت بہت خوش ہو رضی اللہ عنہ کا ترجمہ نے جلانے والی لکڑیاں منگائیں اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں عمر کی جان ہے تم لوگ باہر نکل آؤ۔ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ اور وہ لوگ جو اس میں ہیں سب جل جائیں گے۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسولؐ ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے اس پر وہ سب لوگ سوائے حضرت علی کے باہر نکل آئے۔ اور بیعت کر لی حضرت علی نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا۔ گھر سے باہر نہ نکلوں گا اور نہ اپنے کندھے پر ردا ڈالوں گا۔ حضرت فاطمہ اپنے گھر کے دروازے پر آن کر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہے۔ تم رسول خداؐ کے جنازے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے اور اس امر کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم کو پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا پس حضرت عمر واپس آئے۔ اور حضرت ابو بکر سے کہا کہ تم اس متخلف سے کیوں بیعت نہیں لیتے۔ اس پر ابو بکر نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علی کے پاس بھیجا اور کہا کہ انہیں بلا لاؤ۔ قنفذ حضرت علی کے پاس گیا اور کہا کہ آپ کو خلیفہ رسول اللہؐ بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کتنی جلدی تم نے رسول خداؐ پر بہتان باندھا ہے۔ قنفذ واپس آیا اور یہی جواب ابو بکر کو لاکر پہنچا یا۔ ابو بکر دیر تک روتے رہے۔ عمر نے پھر کہا کہ اس متخلف کو نہ چھوڑو۔ پھر حضرت ابو بکر نے قنفذ سے کہا کہ علی سے جا کر کہو

کہ تم کو امیر المؤمنین بھاتے ہیں کہ تم ان کر ان کی بیعت کر لو۔ قفقز آیا اور اسی طرح حضرت علی سے پیغام ادا کیا۔ حضرت علی نے آواز بلند کر کے کہا کہ سبحان اللہ وہ شخص اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو اس کی نہیں۔ قفقز واپس آیا اور یہی جواب لاکر ابو بکر کو دیا۔ پس حضرت ابو بکر یہ سن کر بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک جماعت کو لے کر حضرت فاطمہ کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا جب حضرت فاطمہ نے ان کی آواز سنی تو آواز بلند کر کے فریاد کی کہ لے لے اللہ بزرگوا اے رسول خدا ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصیبتیں دیکھنی نصیب ہوئی ہیں۔ جب اس جماعت نے حضرت فاطمہ کی آواز سنی اور گریہ وزاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ صرف حضرت عمر ایک ظلیل جماعت کے ہمراہ باقی رہ گئے اور انہوں نے زبردستی حضرت علی کو حضرت فاطمہ کے گھر سے نکال لیا اور ان کو لے کر حضرت ابو بکر کے پاس آئے۔ وہاں ان سے کہا کہ تم ابو بکر کی بیعت کر لو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے کہ ہم تمہاری گردن جھا کر دیں گے۔ حضرت علی نے کہا کہ کیا تم عبد خدا اور برادر رسول کو قتل کر دو گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ عبد خدا تو تم ضرور ہو لیکن برادر رسول ہونا تسلیم نہیں۔ ابو بکر بالکل خاموش رہے اور کچھ نہ بولے۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم کیوں ان کی بیعت کا حکم نہیں دیتے انہوں نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہ ان کے پہلو میں ہیں میں کچھ نہ کہوں گا۔ وہاں سے حضرت علی قبر رسول پر آئے اور فریاد و نالہ بلند کیا اور رورور کر حضرت ہارون کی طرح فریاد کرنے لگے کہ اے بھائی قیوم نے مجھے کمزور کر دیا۔ اور قریب تھا کہ قتل کرتے۔ اس کے

بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ چلو فاطمہ کے پاس چلیں۔ ہم نے ان کو غضب ناک کر دیا ہے۔ پس ان دونوں نے حضرت فاطمہ کے دروازہ پر آن کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ نے ان کو اجازت نہ دی تو وہ دونوں مشکل کشا کے پاس آئے پس حضرت علی ان کو اندر لے گئے۔ جب وہ دونوں حضرت فاطمہ کے پاس آن کر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہ نے ان کی طرف سے منہ موڑ کر دیوار کی طرف رخ کر لیا ان دونوں نے آپ پر سلام کیا تو حضرت فاطمہ نے جواب سلام نہ دیا حضرت ابو بکر نے کہا کہ اے رسول کی پیاری بیٹی قسم بخدا مجھے رسول اللہ کے قرابت دار..... حضرت فاطمہ نے بات کاٹ کر کہا کہ کیا تم دونوں چاہتے ہو کہ میں تمہیں جناب رسول خدا کی ایسی حدیث سناؤں جو تم جانتے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ ضرور آپ وہ حدیث سنائیں۔ حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے۔ اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے پس جس نے میری دختر فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضب دلا یا اور آزر دہ کیا اس نے مجھے غضب ناک اور آزر دہ کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جناب رسول خدا سے اسی طرح سنی ہے اس پر جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزر دہ کیا اور غضب دلا یا اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور جب میں رسول خدا سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت ان سے کروں گی حضرت ابو بکر بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ جان نازنین بدن سے مفارقت کر جائے۔

لیکن حضرت فاطمہ کہتی جاتی تھیں کہ قسم بخدا ہر ایک نمازیں جو  
پڑھوں گی تیرے لئے بددعا کروں گی ۱۸

حضرت ابو بکر کا حضرت عمر کو بھیجنا۔ حضرت عمر کا اپنے ہوا خواہوں کی جماعت  
کو خائف فاطمہ پر چڑھا کر لانا۔ حضرت عمر کا حضرت فاطمہ کے گھر کو جلانے کے لئے  
آگ و لکڑیاں جمع کرنا۔ اور دھمکیاں دے کر حضرت علی کے دوستوں کو بیعت  
کے لئے لے جانے کا ذکر بہت سے مورخین نے کیا ہے۔ ۱۹

ممکن ہے کہ جماعت حکومت کے وزراء کہیں کہ سیاست کے مذہب میں یہ سختی  
بالکل جائز تھی۔ حضرت ابو بکر کی خلافت سے جو لوگ ناراض تھے ان کو بیعت کے  
لئے مجبور کرنا ہی ضروری تھا۔ اگر ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو ممکن ہے  
کسی زمانہ میں طاقت پا کر وہ تکلیف دیتے۔ بہر صورت مخالفین کو دبا کر رکھنا  
استحکام اور استقلال حکومت کے لئے واجب تھا۔ اگر یہ بحث کرتے ہو تو ایسی  
پرچم جاؤ۔ تمہاری اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت میں اور حضرت  
علی میں مخالفت شدید تھی۔ حضرت علیؑ، حضرت ابو بکر کو جائز

۱۸ کتاب الامارت والنیاست الجزء الاول ص ۱۳، ۱۴

۱۹ تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۸

امام شہاب الدین احمد المعروف بابن عساکر ربه اندلسی متوفی ۳۲۸ھ: عقدا الفرید جلد ۲ ص ۱۷۹

ملک المویہ عیاد الدین اسمعیل ابی القراء المتوفی ۳۳۲ھ: تاریخ المختصر فی اخبار النضر الجزء الاول ص ۱۵۶

ابوالدین محمد بن شحہ المتوفی ۸۱۵ھ: روضۃ المناظر بر حاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل ص ۱۱۳

مروج الذہب مسعودی مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۲۲

اردو ترجمہ ازالۃ التعمق مقصد دوم مآثر ابو بکر ص ۲۲۶

ابن عبد البر: الاستیعاب الجزء الاول ص ۳۴۵ ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ ابو بکر

مولوی عبدالعزیز: شحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۹۲

خليفة رسول نہیں جانتے تھے۔ یہ حکومت الہیہ نہ تھی بلکہ فرعونیہ تھی جس کی بنا پر  
 غضب و ظلم و جور پر تھی۔ آنحضرت کا ارشاد تھا کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی  
 حق کے ساتھ ہے۔ لہذا علی کے مخالفین حق کے مخالف ہوئے۔ آنحضرت صلعم  
 فرماتے تھے کہ علی اور قرآن قیامت تک ساتھ رہیں گے۔ لہذا مخالفین علی  
 مخالفین قرآن ہوئے۔ آنحضرت کا ارشاد تھا کہ علی کی رضا میری رضا ہے جو علی کا  
 دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔ لہذا مخالفین علی مخالفین رسول ہوئے۔ آنحضرت کا  
 قول تھا کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو نہ پہچانا وہ کافر مرا۔ من لم یعرف  
 امام زمانہ فقد مات میتنہ جاہلیتہ۔ حضرت علی اور حضرت ابو بکر  
 ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ یا ابو بکر جائز امام نہ تھے۔ یا معاذ اللہ حضرت  
 ابو بکر کو نہ پہچان کر حضرت علی نے کفر کیا۔ اگر آپ یہ سیاسی بحث کریں گے  
 تو آپ کے مذہب کی ساری بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔ یہ بحث تو آپ موجودہ  
 یورپین مورخین ہی کے لئے رہنے دیں جن کے کان نہی، خرا اور حکومت الہیہ  
 سے بالکل نا آشنا ہیں۔ آپ کے تو مذہب کی بناء ہی یہ ہے کہ یہ چاروں خلیفہ  
 ایک جان اور چار قالب تھے۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔ ان میں رشک  
 حسد نام کو نہ تھا۔ حضرت علی، حضرت ابو بکر کو جائز خلیفہ خدا اپنے سے افضل جانتے  
 تھے۔ ان عقائد کے ہوتے ہی یہ سیاسی تجاویز مخالفت و استخکام سب  
 ناروا ہیں۔

ان واقعات نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ جماعت مخالفین علی نے  
 علی و آل رسول کی مخالفت شدید کر کے امت اسلامیہ کو دو جماعتوں میں  
 قیامت تک کے لئے تقسیم کر دیا۔ آنے والی حکومتیں حکومت سقیفہ ہی کی  
 جانشین اور اس کی سیاست کی پیروی تھیں۔ ان کا طرز عمل، ان کا رویہ، ان کا  
 تخیل ان کے افعال اور ان کی تجاویز ان حکومتوں کے لئے نظر آتے تھے جن کی پیروی  
 کرنی ان پر لازم تھی۔ جبراً بیعت لینا نہ کسی مذہب میں جائز ہو سکتا ہے

نہ کسی اخلاقی ضابطہ کے موافق ہے اور نہ کوئی ضابطہ قانون اس کو رائج کر سکتا ہے لیکن حکومت سقیفہ نے جبری بیعت کی ایک نظیر قائم کر دی۔ اب اس کو سامنے رکھ کر یہ یاد بھی امام حسینؑ سے جبراً بیعت لے سکتا ہے اور حجاج ابن یوسف بھی اپنی حکومت کے مخالفین کو ہر قسم کے جو ر و ظلم و قتل کے ذرائع سے دبائے رکھنے کو ایک فعل مستحسن کہہ سکتا ہے جس کی نظیر خلافت راشدہ میں موجود تھی۔ حکومت سقیفہ نے آل رسول کی مخالفت و تحقیر و تذلیل کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کو اُس کی خواہش و نیت کے مطابق اُس کی جانشین حکومتوں نے آخر وقت تک جائز و قائم رکھا اور اب مذہب میں داخل ہو کر جمہور مسلمانوں کے مجموعہ عقائد کا ایک جز بن گیا۔ اس طرز عمل نے تاریخ انسانیت کے ورقوں کو ایسا سیاہ کیا کہ ان کو بارانِ دائمی بھی سفید نہیں کر سکتی۔ اسلام میں احسان فراموشی کی ایسی نظیر قائم ہوئی کہ جس کو دیکھ کر اسلام خود سر بگریباں ہے۔ کفر خندہ زن ہو سکتا ہے کہ دیکھو مجھ میں راچندر جی جیسے انسان موجود ہیں جنہوں نے سوئی ماں کی اتنی عزت کی کہ اُس کے اشارے پر حکومت کو لات مار کے جنگل میں چلے گئے۔ اور تمہارے اسلام کے مہر و ماہ نے اس دنیا وہی حکومت و جاہت کے حصول کے لئے وہ وہ کیا جس سے انسانیت سر بگریباں ہے اور احسان فراموشی جیسی بدترین اور مذہوم ترین عمل کے مرتکب ہوئے۔ جب ارض و سما کتاب کے ورقوں کی طرح اُلٹ دئے جائیں گے اور کتاب عمل ختم ہو جائے گی تو اُس مخلوق کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا جو خلافتِ خداوندی کی دعوے دار رہی ہے۔ اُس وقت ابلیس ان بد اعمالیوں کا جدول بغل میں باکر میں ان حشر میں آئے گا اور کہے گا کہ خداوندنا۔ دیکھ یہ اُس مخلوق کے اعمال کا نقشہ ہے جس کو تو نے مجھ سے سجدہ کرنے کو کہا تھا۔ اگر اس نقشہ کو باطل کرنے اور انسانیت کے جوہر نمایاں کرنے کے لئے حضرت فاطمہ کی مظلومانہ فریاد حضرت علی کا صبر اور امام حسینؑ کی شہادت نہ ہوتی تو شیطان پر خداوند تعالیٰ کی حجت

قائم نہ ہوتی۔ جب ہی تو ان ہادیانِ طریقت کو حجۃ اللہ کہتے ہیں \*  
**آٹھویں تجویز۔ مقدمہ فدک۔**

اہل بیت رسول میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ عورت ہو یا مرد اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقہ سے اس طرح دینِ حقہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آیہ وافی ہدایہ کُنْتُمْ وَخَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْسُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے مقصد یہی ہیں۔ اہل بیت رسول میں سے پہلی شہیدہ ظلم جناب فاطمہ ہیں۔ جو طریقہ جہاں کہ ان کے لئے میزوں تھا اور جو طریقہ تبلیغ کہ ان کی شان کے لائق تھا اس کو انہوں نے نہایت احسن شکل میں پورا کیا۔ آپ کا یہ کام اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسے بستر مرگ پر جناب رسول خدا کا تحریر و عیبتِ خلافت کے لئے قرآنِ دوات و کاغذ طلب کرنا۔ ان دونوں موقعوں پر حضرت عمر جیسا ذہین، اور صاحبِ سیاست شخص چکرا گیا۔ پہلے موقعہ پر بھی بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ ان الرجل لیجد کہنا ہی بڑا جس نے دنیا کے سامنے ان کے دل کی اندرونی حالت کو عریاں کر کے رکھ دیا۔ اسی طرح جناب فاطمہ نے براہِ راست دعویٰ فدک کر کے فریقِ مخالف کے اصلی مدعا اور مقصد کو ایسا بے نقاب کر دیا کہ اس کو حضرت عمر بھی نہ چھپا سکے۔ حضرت فاطمہ نے خود دربارِ خلافت سقیفہ میں اپنا دعوے اصلتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ان گواہوں کو پیش کر کے جن کی شہادت تصدیقِ رسالتِ خداوند تعالیٰ نے کفار کے سامنے اپنے رسول سے پیش کرانی تھی۔ حکومتِ سقیفہ کے بچاؤ کے سارے راستے بند کر دئے۔ اب تو صرف ایک سوال رہ گیا تھا۔ بتاؤ تم مجھ کو، علی کو اور حسین کو چھوٹا قرار دیتے ہو۔ یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربارِ خلافت سے فیصلہ صادر ہو گیا کہ تم اور تمہارے سب گواہانِ کاذب ہیں۔ اس فیصلہ نے منافقت کے چہرے سے آخری پردہ اٹھا دیا۔

آٹھویں تجویز۔ مقدمہ فدک



کہنے والی آنکھ، غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا ذہن چاہیے خود بخود صحیح نتیجے نکلتے چلے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ تبلیغ کا اس صورت حالات کے اندر اور کوئی نہ تھا۔ اُس نے اُس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا۔ جس کے اُپر فریق مخالف نے اپنی بحث کو قائم کیا تھا اور خود ہی اس فقرہ کی تردید اور کتاب اللہ کی مخالفت کرنے لگے۔ کتاب اللہ کے احکام وراثت کو نظر انداز کرنے کے لئے ایک حدیث وضع کرنی پڑی حالانکہ کہ چکے تھے کہ ہمیں اب تمہاری کسی ہدایت کی ضرورت نہیں رہی ہمارے لئے محض کتاب اللہ کافی ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلے میں مشکل سے پانچ منٹ لگے ہوں گے لیکن اس قلیل عرصہ میں روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔ علامہ شبلی اپنے المامون میں لکھتے ہیں: ”مامون کی بے شہہ پیغمبر صلعم کے ساتھ نہایت پر جوش اور محبت آمیز عقیدت تھی اس کا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اس کو دلی اخلاص ہو۔“

مولوی شبلی نے اچھا اصول قائم کیا۔ ہم اُس کو اب زیر عمل لاتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ پیغمبر صلعم کے ساتھ پر جوش اور محبت آمیز عقیدت کا لازمی نتیجہ و اثر خاندان نبوت کے ساتھ دلی خلوص ہوتا ہے۔ واقعاتِ فاک و قصدا حراق بیتِ فاطمہ و ناراضگی حضرت زہرا ثابت کرتے ہیں کہ حضراتِ شیخین کو خاندان نبوت کے ساتھ دلی خلوص نہ تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضراتِ شیخین کو پیغمبر صلعم کے ساتھ پر جوش اور محبت آمیز اخلاص نہ تھا جس کی تائید دیگر واقعات بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت کے جنازہ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر حصولِ حکومت کے لئے

چلا جانا۔ ان الرجل لیہجر کہنا۔

نویں تجویز۔ ارتداد کا الزام لگا کر اپنے مخالفین کو قتل کرنا۔

حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کو جناب رسول خدا گمراہی و ضلالت کا لقب دے چکے تھے۔ آنے والے واقعات نے کس خوبی سے آنحضرت کے

نہ المامون حصہ دوم ص ۱۷۰

اس ارشاد اور پیشین گوئی کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ ناظرین رسالہ ہذا پر اس کے ایک ایک سطر کے مطالعہ سے یہ امر منکشف ہوتا جائے گا اگر وہ اس کا مطالعہ اس غور و فکر و امعان نظر سے کریں گے جو اس نہایت اہم مضمون کا حق ہے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت کی خبر سن کر بہت سے قبائل نے انہیں جائز جانشین رسول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور انہیں زکوٰۃ دینا اپنا فرض نہ سمجھا۔ مخالفت علی نے حضرت ابو بکر کو سمجھا یا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ حضرت علی سے مل جائیں اور ان کو خلیفہ بنانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ آپ نے ان کے استیصال کا تہیہ کر لیا۔ ان کے قتل کے لئے ایسے شخص کو مامور کیا جو جناب امیر کا قطعی دشمن تھا یعنی خالد ابن ولید۔ بہت سے صحابہ نے اس نکتہ کو نہ سمجھا اور مانعین زکوٰۃ کی جنگ سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ان سے لڑنا جائز نہیں یہاں تک کہ حضرت عمر بھی ان انکار کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ جب حضرت ابو بکر نے دیکھا کہ ان کے دست راست ہی خلافت ہیں تو ان سے خلوت میں باتیں کیں اور اب حضرت عمر کا بھی شرح صدر ہو گیا اور ان سب نے مل کر یہ مشہور کر دیا کہ مانعین زکوٰۃ دراصل مرتد ہیں اور مرتدوں سے لڑنا جائز ہے۔ لیجئے فتویٰ بھی مل گیا کام بھی بن گیا۔ اسلام میں بادشاہ کا اپنی مرضی کے مطابق اہل فقہ سے فتویٰ حاصل کرنے کی یہ دوسری مثال ہے۔ پہلی مثال وہ تھی جب حدیث لا وارث کے لئے معاملہ فدک میں اہل فقہ کو حضرت ابو بکر نے اپنے ساتھ بلایا تھا۔ دیکھئے حکام سفینہ حضرت علی کی مخالفت میں کیسے خطرناک اور مضر نظائر آئندہ کی سلطنتوں کے لئے قائم کر رہے ہیں۔ ان ہی نظائر سابقہ کی پیروی میں حضرت یزید نے جس نے حضرت عمر کی طرح بذریعہ استخلاف حکومت حاصل کی تھی اہل فقہ کا فتویٰ لے کر جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا اور حضرت ولید نے فتویٰ لے کر اپنی لڑکی سے زنا کیا تھا۔ اگرچہ ان دونوں نے فتویٰ بازی کے اس استعمال کو درجہ کمال پر پہنچایا۔ لیکن فضیلت تو پہلے لوگوں ہی کی قائم رہے گی جنہوں نے

یومت کی طاقت کے اس استتعال کو ایجا و کیا کیونکہ الفضل للمتقدما میں  
 نفع الوقتی کے لئے تو حضرت عمر کا شرح صدر ہو گیا۔ لیکن دل سے یہی سمجھتے رہے  
 ہم نے مسلمانوں کو قتل کرنا کر گناہ عظیم اپنے سر بول لیا۔ پھر اپنے عہد حکومت  
 میں ان مانعین زکوٰۃ کی تمام لوٹوں اور قیدیوں کو واپس کر دیا اور جو مال غنیمت  
 ان سے لیا تھا وہ واپس کر دیا گویا آپ نے تسلیم کر لیا کہ وہ لوگ مرتد نہ تھے بلکہ  
 مسلمان تھے۔ اور ہماری جنگ ان سے ناجائز تھی۔ ہزار ہا آدمی قتل ہوئے وہ مسلمان  
 تھے۔ ایک مسلمان کے لئے حکم قرآنی ہے ومن قتل مومنا متعمداً فجزاءہ جہنم  
 تے مسلمانوں کے قتل کا کیا نتیجہ ہوگا۔ حساب لگالیں ۔

اہل عرب نے اپنے وفود مدینہ بھیجے۔ وہ نماز پڑھتے تھے  
 لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے تھے۔ کچھ تو ان  
 میں سے ایسے تھے جو کہتے تھے کہ ابو بکر جائز خلیفہ نہیں  
 ہیں ہم ان کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔ کچھ ایسے تھے جو  
 قرآن شریف کی اس آیت پر احتجاج کرتے تھے  
 رائے مال میں سے زکوٰۃ قبل کر لو کہ اس سے تم ان کو  
 پاک اور پاکیزہ کرتے ہو۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ  
 تمہاری دعائوں کے لئے موجب تسکین ہے، وہ  
 کہتے تھے ہم تو زکوٰۃ اسکو دینگے جس کی دعا ایسی ہی  
 موثر ہو۔ ان میں سے بعض نے یہ شعر انشا کیا تھا  
 جب تک سونچا ہم میں تمہم نے ان کی اطاعت کی  
 لیکن ابو بکر کو اس حکیمت کا حق کیا ہے۔ بہت  
 سے صحابہ نے ابو بکر کو صلاح دی کہ ان کو  
 اور زکوٰۃ کے معاملہ کو چھوڑ دو اور ان کی تالیف  
 کر دیہاں تک کہ ان کے دل میں ایمان راسخ

جعلت وفود العرب تقدم المدينة  
 يتراءون بالصلاة ويمتنعون من  
 داء الزكوة، ومنهم من امتنع  
 من دفعها الى الصديق، وذكر ان  
 منهم من اختلف بقوله تعالى  
 اخذ من اموالهم صدقة  
 تطهرهم وتزكيهم بها وصل  
 عليهم ان صلواتك سكن لهم  
 قالوا: فاسناد دفعه عنك الى  
 من صلاتك سكن لنا وانشد بعضهم  
 طعنا رسول الله اذ كان بيننا  
 فوا عجباً ما بال ملك ابى بكر  
 وقد تكلم الصحابة مع الصديق  
 في ان يتركهم وما هم عليه من  
 منع الزكوة ويتألفهم حتى يتمكن

الایمان فی قلوبہم ثم ہم بعد  
 ذلک ینکون فامتنع الصمدیق من  
 ذلک و اباءہ و قد راوی الجماعۃ  
 فی کتبہم سوی ابن ماجہ عن  
 ابی ہریرۃ ان عمر بن الخطاب  
 قال لا بی بکر علام تقتل الناس  
 وقد قال رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس  
 حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ  
 وان محمد رسول اللہ فاذا قالوا  
 ہا عصموا منی دماءہم و اموالہم  
 الا بحقہا فقال ابوبکر و اللہ  
 لو منعونی عن اقا و فی روایت  
 عقلا کا نوا یو دونہ الی رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم لاقا تلذہم  
 علی منعہا ان الزکوٰۃ حق  
 المال و اللہ لا قاتلن من فرق  
 بین الصلوٰۃ و الزکوٰۃ، قال عمر  
 فبا ہوا لا ان ساریت اللہ قد  
 شرح صدر ابی بکر للقتال  
 فعرفت انه الحق۔

پہنچائے اور پھر وہ زکوٰۃ دینے لگیں گے۔ لیکن ابوبکر  
 نے اس صلاح کے ماننے سے انکار کر دیا تاہم محدثین و  
 مورخین نے ماسوا بن ماجہ کے ابو ہریرہ کی یہ  
 روایت نقل کی ہے کہ عمر بن الخطاب نے ابوبکر سے  
 کہا کہ اے ابوبکر تم ان سے کس بات پر لڑو گے  
 حالانکہ جناب سولخا نے فرمایا کہ مجھے حکم یا گیا ہے کہ  
 لوگوں سے صرف اُس وقت تک لڑوں کہ  
 جب تک وہ کلمہ لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ  
 نہ پڑھیں اور جب انہوں نے یہ اقرار  
 کر لیا تو ان کا مال اور جان مجھ سے محفوظ ہے  
 لیکن ابوبکر نے کہا کہ اگر وہ لوگ ایک تنکا  
 یا ایک روایت میں ہے کہ اونٹ کے پیر  
 باندھنے والی رستی بھی مجھے نہ دیں گے جو وہ  
 رسول خدا کو دیتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا  
 قسم بخدا میں اُس سے لڑوں گا جو نماز  
 زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے۔ حضرت عمر  
 کہتے ہیں کہ پس میں نے معلوم کر لیا کہ  
 خدا نے ان کا شرح صدر کر دیا ہے  
 میں نے بھی سمجھ لیا کہ وہ حق بات ہے

لکھ ابن کثیر شامی:۔ البدایہ و النہایہ فی التاریخ الجزء السادس ص ۳۱۲، ۳۱۳  
 نیز ملاحظہ ہو۔ من راجع عنہ من الجزء الاول ص ۱۹ (رقیبہ بر صفحہ ۱۸۱)

اس عبارت پر نہایت اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں کو اہل ردہ میں شامل کر کے ان کا قتل عام کیا گیا وہ مسلمان تھے۔ خدا کو ایک اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کا رسول جانتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے۔ زکوٰۃ کے وجوب سے انہیں انکار نہ تھا بلکہ یہ کہتے تھے کہ حضرت ابوبکر اس کے لینے کے اہل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان میں وہ صفات نہیں ہیں جو جانشین رسول میں ہونی چاہئیں اور نہ یہ جائز جانشین رسول ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو سعید ابن عبادہ کہتے تھے۔ حضرت علی کہتے تھے۔ اور بہت سے صحابہ کرام کہتے تھے۔ جنہوں نے بیعت ابی بکر سے مختلف کیا تھا۔ چنانچہ اس امر نے صحابہ میں تفرقہ ڈال دیا۔ ایک جماعت کثیر یہ کہتی تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ان سے لڑنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بھی ان میں ہی سے تھے۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے انہیں سیاسی بیچ اونچ دکھائی تو ان کا شرح صدر ہو گیا۔ غالباً اسی طرح ان سب لوگوں کا شرح صدر ہو گیا جن کو حضرت علی کی طرف سے ضیق نفس تھا لیکن پھر بھی حضرت عمر کو یہ بات چبھتی رہی اور اپنے عہد حکومت میں حضرت ابوبکر کی غلطی تسلیم کر کے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کی۔ علامہ

(صفحہ ۱۸۰ کا بعینہ نوٹ)

عبدالحق :- اشعة اللمعات بشرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۱۲، ۱۳

تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۲۳

شاہ ولی اللہ: قرۃ العینین - ص ۶۲

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص ۱۷۱

تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی ص ۵۱

حسین دیار بکری :- تاریخ النخیس الجزء الثاني ص ۲۲۲

کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص ۲۹

صحیح مسلم الجزء الاول ص ۳۸

عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں تحریر کرتے ہیں :-

الخلاف السابغ فی قتال مانعی الزکوٰۃ  
فقال قرد لا نقاتلہم قتال الکفرۃ و  
قال قوم بن نقاتلہم حتی قال  
ابوبکر لو منعونی عقابہ ما اعطوا  
رسول اللہ لقاتلتہم علیہ و  
مضی بنفسہ الی قتالہم وواقفہ  
المصحابہ باسہرہم وقداموی  
اجتہاد عمر فی ایام خلافتہ الی  
رد السبایا والاموال الیہم و  
اطلاق المحبوسین منہم ۵۲۲ -

اجتہاد نے اس کو ناجائز قرار دیا اور انہوں نے ان لوگوں کے آدمیوں کو جو لونڈی و غلام بنا لئے گئے تھے واپس بھیج دیا۔ ان کا مال بھی واپس کر دیا۔ اور قیدی چھوڑ دئے۔

اب دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کے اس غلط حکم سے کیا کیا ظلم ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ کی جنگ میں لاکھوں مسلمان قتل ہو گئے۔ خون کے دریا بہ گئے ہزاروں یتیم و بیوہ ہو گئے۔ یہ اصلی مرتدین مسلمہ یا طلیحہ یا اسود کے ساتھی نہ تھے بلکہ مخالفین ابی بکر تھے۔ دیکھو یا قذات قبیلہ عک۔ مترجم تاریخ طبری نے ان کی لڑائی کو حکومت سے بغاوت کا نام دیا ہے۔ اور جہاں ان کا ذکر کیا ہے باغیوں کے نام سے کیا ہے۔

۵۲۲ کتاب الملل والنحل بر حاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاعواد والنحل ابن حزم الجزء الاول ص ۲۹۵

۵۲۳ تاریخ الطبری الجزء الثالث ص ۲۹۵

اور ترجمہ تاریخ طبری مترجم مولوی محمد ابراہیم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن ص ۱۱۴، ۱۱۵

اس سے زیادہ عبرتناک واقعہ مالک بن نویرہ کے قتل کا ہے ہم تاریخ ابوالفداء سے اصلی عبارت نقل کرتے ہیں :-

فی ایام ابی بکر منعت بنو یزید الزکوٰۃ  
وکان کبیر بھرمالک بن نویرہ و  
کان ملکا فارسا مطاعا شاعرا  
قد مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
واسلم فولاہ حدیثہ قومہ فلما  
منع الزکوٰۃ ارسل ابوبکر الی مالک  
المذکور خالد بن الولید فی  
مانعی الزکوٰۃ فقال انا اتی بالصلوۃ  
دون الزکوٰۃ فقال خالد اما علمت  
ان الصلوۃ والزکوٰۃ معالہ تقبل  
واحدۃ دون الاخری فقال  
مالک قد کان صاحبکم یقول  
ذلک قال خالد او ماتراہ لک  
صاحباً واللہ لقد ہممت ان  
اخرت عنقک ثم تجادل فی  
الکلام فقال لہ خالد الخ  
قاتلک فقال لہ او ین لک  
امرک صاحبک قال وھذا  
بعد تلک وکان عبد اللہ ابن  
عمر و ابو قتادۃ الانصاری حاضرین  
فکلمنا خالد فی امرہ فکرہ کلامھما

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بنو یزید نے زکوٰۃ  
ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا شرار مالک بن  
نویرہ تھا اور وہ شاہ سپاہ بادشاہ شاعر تھا۔ جناب  
رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا تھا  
آنحضرت نے اُس کو اُس کی قوم پر صاف یعنی زکوٰۃ کا  
والی مقرر کر دیا تھا۔ جب اُس نے ابوبکر کو زکوٰۃ ادا  
کرنے سے انکار کر دیا تب ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ  
سے جنگ کرنے کے لئے خالد بن الولید کو بھیجا تو  
مالک کی طرف خالد آئے۔ مالک نے کہا کہ میں مسلمان  
ہوں نماز پڑھتا ہوں۔ ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دوں گا  
خالد نے کہا کہ کیا تجھے معلوم نہیں زکوٰۃ ساتھ ساتھ  
ہیں ایک بغیر دوسرے کے قبول نہیں کی جاسکتی۔  
مالک نے کہا کہ تمہارے ساتھ یعنی ابوبکر نے یہی کہہ کر  
بھیجا ہو گا۔ خالد نے کہا کہ کیا وہ تیرا ساتھ نہیں ہے  
قسم بخدا میں تیری گردن مار دوں گا۔ آپس میں سخت  
کلامی ہونے لگی۔ خالد نے کہا کہ میں تجھ سے جنگ  
کر دوں گا۔ مالک نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھ یعنی ابوبکر  
نے حکم دیا ہے خالد نے کہا کہ ان باتوں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے  
عبداللہ ابن عمرو ابو قتادہ انصاری بھی وہاں  
موجود تھے۔ ان دونوں نے مالک کے بارہ میں خالد کو  
نصیحت کی اور اس کو حق بجانب ٹھہرایا۔ لیکن

فقال مالك يا خالد البعتنا اسل  
 ابى بكر فيكون هو الذى يبحر فينا  
 فقال خالد لا اقالنى الله ان  
 اقلتك وتقدم الى ضرار بن  
 الازهر و ضرب عنقه فالتفت  
 مالك الى زوجته وقال لحالد  
 هذا الذى قتلتنى وكانت فى  
 غاية الجمال فقال خالد بل  
 الله قتلك برجوعك عن الاسلام  
 فقال مالك انا على الاسلام  
 فقال خالد يا ضرار ا ضرب  
 عنقه ف ضرب عنقه وجعل  
 سراسه اثنية لقد روكان من  
 اكثر الناس شعرا و قبض خالد  
 امرأته قيل انه اشتراها من  
 الفقى و تزوج بها و قال لابن  
 عمى و لابی قتادة احضرا النكاح  
 فايباد قال له ابن عمر نكتب  
 الى ابى بكر و نعلم بامرها  
 و نتزوج بها فابى و تزوجها  
 و فى ذلك يقول ابو غير السعد  
 الا قتل لى او طمو بالسنا بك  
 تطاول هذا الليل من بعد مالك

خالد نے ان دونوں کی باتوں کو برا سمجھا۔ اس پر  
 مالک نے کہا کہ اسے خالد ہم کو ابو بکر کے پاس بھیج دے  
 اور وہ ہمارے درمیان میں فیصلہ کر دیگا۔ خالد نے  
 کہا کہ یہ بھی نہ ہو گا خلیا مجھے نہ بخشے اگر میں تجھ کو  
 چھڑ دوں اور یہ کہہ کر خالد نے ضرار بن الازہر کو  
 حکم دیا کہ مالک کی گردن مار دو۔ مالک نے اپنی حسین  
 زوجہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے سبب  
 میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ اُس کی زوجہ بہت  
 صاحب جمال تھی۔ خالد نے کہا بنکے تیرا اس  
 سے خارج ہونا تجھ کو قتل کر رہا ہے۔ مالک نے  
 کہ نہیں میں مذہب اسلام پر قائم ہوں خالد  
 ضرار بن الازہر سے چلا کر کہا کہ اسکی گردن مار  
 بس ضرار نے مالک کو قتل کر ڈالا۔ اُس کے  
 دیگ کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے سر پر بہت  
 اور خالد نے فوراً اُسکی زوجہ پر قبضہ کر لیا۔ کہتے  
 کہ اس نے غنیمت میں سے اُسے خرید لیا تھا  
 اس سے نکاح کر لیا۔ خالد نے عبداللہ بن عمر ابو قتادہ انصاری  
 سے نکاح میں شریک ہونے کو کہا ان دونوں نے انکار کر دیا  
 عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہم ابو بکر کو لکھیں گے اور  
 مالک کے امیر کی اور تیرا اسکے ساتھ نکاح کرنے کی طلب  
 دینگے لیکن خالد نے انکی نصیحت ماننے سے انکار  
 اور زوجہ مالک سے نکاح کر لیا ابو سعید خدری نے اس  
 متعلق چند اشعار کہے ان میں سے تین کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے



قبیلہ الیوں کے کہہ کر کہ تم کو نیزہ سناں کچل ڈالا گیا ہے یہ  
مالک کے بعد رات بہت طویل ہو گئی، خالد نے خراس سے بناؤ  
کر کے مالک کی زوجہ سے اپنی خواہش پوری کی خالد کو  
مالک کی زوجہ سے پہلے ہی سے عشق تھا، خالد نے اپنی  
خواہش کی پوری کی اور اس عورت سے اپنی خواہش پوری کر لی  
جب یہ خبر ابو بکر و عمر کو پہنچی تو عمر نے خالد سے کہا کہ خالد نے  
زنا کیا ہے اسے رجم کرو۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ  
میں اسے رجم نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ زنا اجتہاد ہی غلطی کی  
وجہ سے ہوا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا اس نے ایک مسلمان  
کو قتل کیا ہے اسے قتل کرو۔ ابو بکر نے کہا کہ میں قتل ہی نہ  
کروں گا۔ کیونکہ یہ قتل بھی خالد نے اپنی اجتہاد ہی غلطی  
کی وجہ سے کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا اس کو

معزول کر دو۔ حضرت ابو بکر نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں اس تدار کو نیا م میں نہ کروں گا  
میں کو خزانے کھینچا ہوا ہے۔

ابو نمیر السعدی کے اشعار پر غور کرو۔ یہ اس زمانہ میں کہے گئے تھے کہ جب وہ  
لوگ موجود تھے جن کے کارناموں کا ان اشعار میں ذکر ہے۔ ان میں سے کسی نے  
ان کی تردید کی جرات نہیں کی۔ بلکہ ان کے صحیح ہونے کا اندازہ اس سے بھی ہوتا  
ہے کہ خالد بن الولید اس قبیلہ مالک ابن نویرہ کی طرف محض اپنے پرانے عشق کی

۲۴۵ ملک لم یورعہا والین اسماعیل ابو الفداء: کتاب المختصر فی اخبار البشر، الجزء الاول ص ۱۵۷، ۱۵۸۔  
یہ واقعات اسی طرح دیگر کتب تواریخ میں بھی لکھے ہیں۔ دیکھو:-

اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون المجلد الثالث ص ۳۰۰، ۳۰۱۔

تاریخ طبری عربی الجزء الثالث ص ۲۲۲، ۲۲۳۔

وجہ سے آئے تھے۔ ادھر ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب انہوں نے ادھر کا رخ کیا تو انصار نے جو ان کے ساتھ تھے ادھر چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب بکرنے ہی کہا تھا کہ جب تم بڑا خنہ سے فارغ ہو جاؤ تو تاحکم ثانی وہیں قیام کرنا۔ لہذا ہم یہاں سے مالک ابن نویرہ کے قبیلہ کی طرف نہیں جاتے لیکن خالد بن مانے اور کہا کہ ہم ضرور جائیں گے تم نہیں چلتے تو نہ چلو۔ میں ہاجرین کے ساتھ جاؤں گا۔ اب پھر وہ ہی حسد نے ان کی حکمت سقیفہ کی مدد کی۔ انصار نے خیال کیا کہ خالد و ہاجرین کا میاب ہو گئے تو شہرت ان کی ہوگی۔ غنیمت انہیں ملے گی اور ہم محروم رہیں گے۔ اور اگر وہ ناکام میاب رہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ شکست ہماری وجہ سے ہوئی اور اب بکر ہم سے ناراض ہوں گے یہ خیال کر کے وہ بھی ساتھ ہو لئے ۲۵

آپ نے اراکین حکومت الہیہ کے کارنامے ملاحظہ کئے جو حضرت علی کی مخالفت میں جناب رسول خدا کی وفات کے بعد قائم ہوئی تھی۔ پہلے تو حضرت خالد بن الولید جن کو حضرت علی اسرا اللہ کے مقابلہ میں سیف اللہ کا خطاب دیا گیا ہے ایک شوہر والی عورت سے عشق قائم کرتے ہیں اور پھر ایک ماہی بہانہ بنا کر اپنی خواہش نضائی کی پیروی میں مالک کو جو مرتے دم تک مسلمان تھا۔ جس کی اذان اور نماز پڑھنے کی گواہی صحابہ نے دی تھی محض اس وجہ سے قتل کراتے ہیں کہ اُس کی نرس پر قبضہ کر لیں۔ بغیر عدت کا زمانہ گزرے اسی رات کو اُس سے نکاح کر لیا ہے اور صحبت بھی کرتے ہیں۔ غالباً کسی اہل فقہ نے کوئی فتویٰ دے دیا ہوگا کہ کفر کی پیروی اس طرح حلال ہے۔ صحابہ نصیحت کرتے ہیں تو مانتے نہیں اب مقدمہ حاکم حکومت الہیہ کے پاس جاتا ہے تو وہ خالد کے گناہوں کو تسلیم کرتے ہوئے اجتہادی غلطی کے فقہ کا پردہ اُس کے اعمال پر ڈال دیتا ہے اُس کی بریت کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خالد کو سیف اللہ کا خطاب دیتے ہیں

عجیب خدا کی تلواری ہے کہ مسلمانوں ہی کے سر پر کھنچی ہوئی ہے۔ اس فقہ بکری پر ہم تخریف وین کے سلسلے میں بحث کریں گے۔ یہاں ہم ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف دلاتے ہیں کہ حضرت علی کی مخالفت میں جو تدبیر اپنے استحقاق و استقلال کی حکمت ستیفہ نے اختیار کی وہ تفرقہ پیدا کرنے والی تھی۔ دیکھئے حکومت ستیفہ اس معاملے میں کتنے گناہان عظیم کی مرتکب ہوئی۔ اور یہ فقط مخالفت علی کی وجہ سے۔ جناب رسول خدا نے سچ کہا تھا کہ جو علی کی مخالفت کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

ان واقعات کے ہوتے ہوئے جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر و انعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں غلطی پر تھے۔ ایک بڑی جماعت صحابہ کی جس میں حضرت عمر بھی شامل تھے انہیں غلطی پر سمجھتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی رائے میں تنہا رہ گئے۔ لیکن صدر پڑے رہے اور اکیلے ہی جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اب صحابہ نے شرماترمی اور ان کو خوش کرنے کی غرض سے شامل ہونے کی رضامندی دیدی۔ حضرت عمر کا اگرچہ اس وقت سیاسی مقصد کے زیر نظر شرح صدر ہو گیا۔ لیکن جب سیاسی ضرورت نہ رہی تو پھر انہوں نے اس غلطی کا اعتراف کر لیا اور قیدی و مال واپس کر دئے۔ خالد ابن ولید کی حمایت کر کے مالک ابن نویرہ کے قتل میں حضرت ابو بکر نے عمداً شرکت کی۔ یہ ان کی دوسری غلطی تھی۔ اندر میں صورت اب یہیں ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہی کہ حضرت ابو بکر غلطی پر تھے۔ ہم اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ مالعین زکوٰۃ کے وجوب یا احکام قرآنی کے منکر نہ تھے۔ ان کا تو صرف یہ کہنا تھا کہ ابو بکر جائز جانشین رسول نہیں لہذا زکوٰۃ کے وصول کرنے کے مجاز نہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر کے نہ ماننے والے مسلمان تھے۔ سعد ابن عبادہ نے مرتے دم تک بیعت نہیں کی۔ بقول آپ کے حضرت علی نے چھیننے تک بیعت نہیں کی۔ تو یہ کیا معاذ اللہ اتنے عرصہ مرتد رہے۔

اسلام میں لفظ زکوٰۃ دو قسم کی خیرات کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو مسلمان خود اپنی مرضی سے بغیر قید زمانہ و مقدار کے غریبوں اور مستحقین کو دیتا ہے۔ اور دوسری وہ جس کا نصاب مقرر ہے۔ یہ بھی مقرر ہے کہ کس مال میں سے دی جاوے اور کس کو دی جاوے۔ اس کو مسلمان خود خرچ نہیں کر سکتا بلکہ حاکم شرع کو دیتا ہے۔ اور وہ غریب و فقراء مسلمین میں خرچ کرتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ لفظ ان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بلکہ قسم اول کے لئے بکثرت تاکید کی گئی ہے۔ قسم دوم یعنی زکوٰۃ عرفی کے لئے ان الفاظ میں حکم ہے: **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ** پارہ السورۃ توبہ ع ۱۳ یعنی اسے رسول ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم ان کو پاک اور پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا ان کے لئے باعث راحت ہے۔ اس پر اچھی طرح غور کرو۔ دو صورتیں ہیں (۱) یا تو یہ حکم صرف رسول کے لئے اور ان کی ہی زندگی تک تھا۔ (۲) یا ان کے جانشین کے لئے بھی۔ ساتھ ہی آپ اپنے اس عقیدہ کو بھی زیر نظر رکھیں کہ نہ تو رسول نے اور نہ خاتم النبیین کا جانشین مقرر کیا۔ اور نہ ہی اس کے تقرر کے لئے کوئی ہدایت کی۔ پھر تو معاملہ ہی ختم ہو گیا۔ جانشین رسول کا تخیل ہی موجود نہ تھا۔ زکوٰۃ کا حکم اور دیگر احکام جو رسول خدا کو مخاطب کر کے نئے گئے۔ سب آپ کے ساتھ ختم ہو گئے۔ لیکن کوئی مسلمان اس کو تسلیم نہ کرے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ عقیدہ عدم استخلاف غلط ہے۔ اور اس عقیدہ کی غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب ہم زکوٰۃ کے حکم مزید پر غور کرتے ہیں۔ ادائیگی زکوٰۃ مشروط ہے دعائے رسول کے ساتھ۔ فرض ادائیگی زکوٰۃ کے ساتھ جو حق ہے اس کو صریح الفاظ میں بتا بھی دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول خدا زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعائے خیر کریں۔ دوسرے کی دعا ہمارے لئے اگر موثر نہیں تو

بے فائدہ ہے۔ چنانچہ اس ہی آیت میں بتا دیا گیا کہ وہ اثر رکھتی ہے۔ اثر یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں وہ دعا کی جاتی ہے ان کے لئے باعثِ راحت ہوتی ہے لہذا نتیجہ نکلا کہ وہی شخص زکوٰۃ وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس کا بدل یعنی موثر دعا بھی دے سکے۔ چونکہ یہ قاعدہ اور قانونِ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے لہذا وہ ایسا ہی زکوٰۃ لینے والا مقرر کرے گا جس کی دعا میں وہ اثر بھی دے سکے۔ جو ظالم، گناہگار ہو گا اس کی دعا میں وہ یقینی اثر نہیں ہو سکتا جو معصوم کی دعا میں ہوتا ہے۔ نتیجہ نکلا کہ رسولِ خدا کا جانشین جو زکوٰۃ لینے کا اہل ہو یعنی جس کی دعا میں یقینی اثر ہو خدا ہی مقرر کر سکتا ہے۔ سقیفہ نبی ساعدہ کی دھینکا مٹشت سے تیار نہیں ہو سکتا لہذا نتیجہ نکلا کہ حضرت ابوبکر چونکہ خداوند تعالیٰ کے منتخب و مقرر کردہ نہ تھے زکوٰۃ لینے کے اہل نہ تھے۔ نہ ان سے خداوند تعالیٰ نے کہا کہ تم زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعا مانگو۔ اور نہ ہی انہوں نے دعا مانگی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عقیدہ عدمِ اختلاف غلط ہے اور محض عدمِ ادائیگی زکوٰۃ سے مسلمان مرتد اور واجب القتل نہیں ہوتا۔

### وسوین تجویز۔ وضع احادیث

اسلام میں محرک عمل صرف دو ہیں۔ قرآن عظیم و احادیث رسول۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں :- بعد از قرآن عظیم اصل دین و سرایہ یقین علم حدیث است قلہ حکومت سقیفہ کو اس ہی طرف سے بہت ڈر تھا۔ اس امر واقعہ سے وہ واقف تھے کہ احادیث رسول فضائلِ علی و آل نبی سے مملو ہیں لہذا ان پر قبضہ کرنا ان کا پہلا فرض ہوا۔ اور دیکھئے وہ کس طرح بتدریج کیا ہے۔ پہلے تو حکم دے دیا کہ کوئی احادیث رسول بیان ہی نہ کرے۔ پھر دیکھا کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں۔ مختلف قسم کے واقعات و مقدمات درپیش آئے۔ اصحاب رسول میں سے کسی میں اتنی استعداد و اہلیت و قابلیت نہ تھی کہ قرآن شریف میں سے

دوسری تجویز وضع احادیث

مختلف واقعات و حالات کے مناسب اخذ اصول و قواعد و استنباط مسائل کرتے  
آل رسول کی طرف رجوع کرنا ان کے اصول سیاست کے منافی تھا۔ لہذا مجبوراً  
حکم دیا کہ محض مقدمات فیصل کرنے اور اصول نقطہ معلوم کرنے کے لئے اگر قرآن  
شریف میں نہیں کچھ نظر نہ آئے، اس قرآن شریف میں جس کی نسبت حسبت  
کتاب اللہ ایک خاص وقت کے لئے کہہ چکے تھے، تو پھر احادیث رسول  
میں دیکھو اور ان کی پیروی کرو۔ اگر ان میں بھی نہ ہو تو اپنی رائے و قیاس پر  
عمل کرو۔ آگے چل کر جب حکومت زیادہ مستحکم و مستقل ہو گئی تو پھر صریحاً وہ حکم  
دیا گیا جو اب تک دل میں نہاں تھا اور خاص خاص معتدین کے حلقہ میں زیر عمل  
تھا کہ فضائل علی و آل نبی کی کوئی حدیث بیان نہ کرو۔ جو بیان کرے اس کو  
سزا دو۔ جسمانی اور مالی۔ خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص مصاحبین کے حق میں  
احادیث وضع کر کے خوب شائع کرو۔ جو ان احادیث کو وضع کرے یا بیان کرے  
اُسے خوب انعام و اکرام دو تاکہ اور لوگوں کو ترغیب ہو۔ اس طرح حکومت نے  
احادیث پر پورا قبضہ کر لیا۔

قبل اس کے کہ ہم اپنے اس بیان کی توثیق و تصدیق میں ثبوت پیش کریں  
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر واقعہ واضح کر دیں کہ حکومت امویہ و حکومت  
عباسیہ میں جو تشدد و جبر خاندان رسول پر ہوا وہ حکومت شیخین یعنی حضرت ابو بکر  
حضرت عمر کی مقرر کردہ اصول و قواعد کی پیروی میں کیا گیا۔ حضرت عمر نے  
اس حکومت کے سیاسی اصول کی ابتداء کی، ان کے بعد کے آنے والوں نے  
ان کے مقصد کو سمجھا اور اپنی حکومت کو اس ہی مقصد کا مرہون منت پایا لہذا  
ان ہی اصول و قواعد کی اپنے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات کے مطابق  
تشکیل کر کے حضرت عمر کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر ہی نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنی  
حیات کا باعث بھی پایا۔ حضرت ابو بکر کی حکومت کے روح رواں حضرت  
عمر تھے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہی گا کہ حضرت ابو بکر کی حکومت کو یا حضرت عمر کی حکومت

تھی۔ اُس زمانہ کے لوگ حضرت عمرؓ ہی کو اصلی حاکم سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ بھی اپنی اس مجبوری سے واقف تھے۔ اگر خلافت میں سیاسی بیچ بیچ سمجھا کر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو اپنا ہم خیال نہ بنا لیتے تو مالین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کو کوئی اسلامی فوج نہ جاتی۔ خالد بن ولید کے معاملہ میں دونوں حضرات میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود حضرت عمرؓ کی مخالفت کے حضرت ابو بکرؓ اپنی رائے پر قائم رہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی خاموشی کا باعث حضرت ابو بکرؓ کا حکم نہ تھا بلکہ اُن کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ وہ دونوں حضرات جانتے تھے کہ اُن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے خالد بن ولید کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں کیوں نہ خالد کو زنا و قتل کی سزا دی۔ جرائم کی سزا تو زنا و المیعا د نہیں ہو جاتی۔ فوج کی سرداری سے معزول کر دیا۔ دوسری سیاست کے ماتحت ہوا۔ یہ زنا و قتل کی سزا نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ خالد بن ولید خود رائے، صاحب عزم، جرات مند و بہت والا دلیر جنرل ہے۔ اور اُن کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اگر اس کا رسوخ و اقتدار بڑھتا رہا اور اسلامی عسا کر پر اس کا مکمل قبضہ ہو گیا تو وہ خلافت کی طرف نظر دوڑائے گا۔ پھر کون ہو گا جس کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر سکیں۔ مسند خلافت چھوڑنی پڑے گی۔ گربہ کشتن روز اول بہ۔ حضرت عمرؓ کا یہ عمل ایسا ہی تھا جیسا کہ دیگر سلاطین کا ایسی حالت میں رہا ہے۔ زمانہ قدیم میں روم کا سپہ سالار اعظم بلی ساری اس کتنا عظیم الشان سردار تھا جس نے اپنے شہنشاہ جیٹینین کے لئے افریقہ کو فتح کیا۔ ایران کی لڑائیاں سرکیں۔ اور تمام دنیا میں روم کا ڈنکا بجا دیا۔ لیکن اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت اُس کے بادشاہ کو اچھی نہ معلوم ہوئی اور آخر کار اُس کو اتنا ذلیل کیا کہ روم کی گلیوں میں

1. Belisarias

2. Justinian.

یہ کہتا ہوا بھیک مانگتا پھرتا تھا کہ کوئی ہے جو بتلے بی بی بناریس کو ایک روز  
 سے تاریخ عالم میں ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں  
 براہ کھ عروج و زوال اکبر اعظم کے زمانہ میں شاہ ہزارہ سلیم کے اشارہ سے ابو الفضل  
 قتل، انگلستان میں ہتھیاری ہتھیار کے زمانہ میں وزیر اعظم کارڈنل ولزی کا زوال  
 مامون کے زمانہ میں ذوالریاستین کا قتل اس ہی حاسدانہ سیاست کی مثالیں  
 ہیں۔ اگر یہ بات نہ تھی تو فرمائیے کہ خالد بن ولید کے معزول کرنے کا باعث کی  
 تھا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ مالک ابن نویرہ کے قتل کی سزا تھی۔ زنا کی سزا جاری  
 نہیں کی گئی۔ قتل کی سزا قتل ہوتا۔ وہ نہ دی گئی۔ جدید جرم خالد نے کیا نہیں  
 تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسند خلافت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ خالد  
 ابن ولید کی معزولی کا تھا۔

خیر یہ بات میں بات نکل آئی۔ ہم کہہ رہے تھے کہ حضرت ابو بکر کے  
 زمانہ میں بھی حضرت عمر ہی کی سیاست کار فرما تھی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے  
 منہ پر کہہ دیا حضرت ابو بکر نے زبیر قان اور اقرع سے ایک معاہدہ کیا اور ایک  
 عہد نامہ لکھ دیا۔ طلحہ بن عبید اللہ نے بیچ میں پڑھ کر یہ تصفیہ کرایا تھا۔ اس پر کہی  
 آدمی گواہ بھی بنائے گئے تھے جن میں سے ایک عمر تھے۔ لیکن جب وہ شہر  
 حضرت عمر کے سامنے بغرض ثبوت شہادت پیش ہوئی تو انہوں نے گواہی  
 کرنے سے انکار کیا اور اس کو چاک کر دیا۔ طلحہ بن عبید اللہ کو غصہ آیا۔ اور  
 حضرت ابو بکر سے آن کر کہا اانت الامیرام عمر قتال عمر خیر ان الطاعة لی  
 یعنی اے ابو بکر تباؤ تو سہی تم حاکم ہو کہ عمر۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ حاکم تو عمر ہی  
 ہیں البتہ بیعت میری ہوئی ہے۔ حضرت فاطمہ کے دعویٰ قریب حضرت ابو بکر  
 تحریر حضرت فاطمہ کے حق میں لکھ کر دی لیکن حضرت عمر نے وہ چاک کر دی



خالد بن سعید کو جناب رسول خدا نے مین میں امیر بنا کر بھیجا تھا۔ آنحضرت کی رحلت کے ایک ماہ بعد وہ مین سے مدینہ آئے تو حضرت ابو بکر کو مسندِ خلافت پر متمکن دیکھا۔ انہوں نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور کئی مہینہ بیعت نہ کی۔ حضرت ابو بکر نے غالباً تالیفِ قلوب کے لئے خالد بن سعید کو علم دے کر افواجِ شام پر امیر بنا دیا۔ لیکن ابھی وہ روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں معزول کر دیا۔ مورخ طبری لکھتے ہیں کہ معزول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مین سے واپسی پر دو مہینہ تک حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تھی اور آتے ہی فوراً حضرت علی کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ خلافت آپ کے غیر میں کیوں چلی گئی۔ تم سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ ابو بکر نے انہیں شام کے عساکر پر امیر نامزد تو کر دیا۔ لیکن عمر نے اس کو ناپسند کیا اور ابو بکر سے کہا کہ آپ ایسے شخص کو امیر بناتے ہیں جس کے یہ اقوال اور افعال ہیں اور اس پر ابو بکر کو بار بار ٹوکتے رہے۔ آخر کار ابو بکر نے خالد بن سعید کو معزول کر کے یزید بن ابی سفیان کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ حضرت عمر کی طبیعت کے مطابق تھا۔ کیونکہ نبی ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیہ کو بڑھا نا ان کی سیاست کا ایک گڑ تھا۔

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ انخفاء فضائلِ علی و وضع احادیثِ حکومتِ معاویہ کے کار نامے ہیں۔ کیونکہ تدوین احادیث ان کے ہی زمانے میں شروع ہوئی تھی۔ ان کو حکومتِ صدرِ اول کے سرچپیکنا ظلم محض ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ خلافتِ صدرِ اول، سلطنتِ امویہ اور حکومتِ عباسیہ ایک مسلسل واقعات کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ اور ان سب کی جڑ اور وجہ ہست و بود ایک ہی ہے اور وہ مخالفتِ علی ہے۔ خلفاءِ ثلاثہ اولین کا مقابلہ حضرت علی سے تھا۔ جن کی

۲۸ اردو ترجمہ تاریخ طبری مترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ جہ آباد

جلد اول حصہ چہارم ص ۱۸۸، ۱۸۹

تاریخ طبری عربی مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص ۲۸

بجائے اور جن کے احتجاج کے باوجود انہوں نے مسندِ خلافت پر قبضہ کر لیا تھا۔ حضرت معاویہ کی حکومت حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی سیاست کی مرہونِ منت تھی۔ یہ درخت انہیں حضرات کا لگایا ہوا تھا۔ اکثر لوگوں نے حضرت معاویہ و حضرت عمر کو تنہائی میں سیاستِ ملکی پر بحث کرتے ہوئے پایا۔ ایک فوجیاب امام حسینؑ کو کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑا کیونکہ حضرت معاویہ حضرت عمر سے خلوت میں راز کی باتیں کر رہے تھے۔ بنو امیہ کو خلافتِ ملنی خاص حضرت عمر کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اس کی تفصیل حالاتِ شور نے میں ملے گی۔ واقعات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ مخالفتِ خاندانِ نبوت کا نام سیرتِ شیخین رکھا گیا۔ اور وہ ایک ایسی مستقل و مستحکم شے سیرتِ رسولؐ سے علیحدہ قرار پائی گئی کہ مجلسِ شورے میں اس کو خلافت کے حصول کے لئے شرط واحد قرار دیا گیا۔ قدرتی طور سے حضرت علیؑ نے اس کو منظور نہ کیا۔ حضرت عثمان نے منظور کر لیا کہ میں سیرتِ شیخین پر عمل کرونگا لہذا حکومت ان کو مل گئی۔ وہ حکومتِ الہیہ کے افسرِ علی تھے۔ کہتے ہیں کہ صاحبانِ امر میں آتے ہیں۔ ہم کیونکر جرأت کریں اور یہ کہیں کہ انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اور بدعہدی کی۔ یقیناً انہوں نے سیرتِ شیخین پر عمل کیا۔ بنو امیہ کو بنو ہاشم پر ترجیح دینا سیرتِ شیخین کا اصلی جزو تھا۔ وہ ہی انہوں نے کیا۔ ذرا طریقہ کار میں فرق ہو گیا۔ حضراتِ شیخین اپنے دل کی حالت کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ فدک چھین بھی لیتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔ حکومت خود سنبھال لی لیکن کہتے رہے کہ علی ہمارا میرا ہے۔ حضرت عثمان کو یہ باتیں نہیں آتی تھیں لہذا مارے گئے۔ لیکن سیرتِ شیخین پر عمل کرنے والی اکثریتِ دل سے ان کی ان تمام کارکردگیوں کو بنظرِ استحسان دیکھتی رہی اور علی کو چین سے ہی نہ بیٹھنے دیا اور آخر کار خلافت کا رخ اُدھر ہی کر دیا جہاں سیرتِ شیخین کا منشاء تھا۔ غرض کہ حضرت عثمان کی حکومت جس سے حکومتِ امویہ کی بنیاد شروع ہوتی ہے۔ سیرتِ شیخین پر مبنی اور اس کا نتیجہ ہوئی۔ امیر معاویہ کی حکومت وہ ہی اموی

حکومت تھی جس کے سیاست و مقصد میں حضرات شیخین اور حضرت عثمان کی مقصد سیاست کے ساتھ پوری ہم آہنگی تھی لہذا کوئی تصادم نہ ہوا، مگر چونکہ حضرت علی کی حکومت الہیہ اور حاکم شام کی سیاست میں جو اپنے متقدّمین کی سیاست پر مبنی تھی زمین و آسمان کا فرق تھا لہذا تصادم ناگزیر تھا اور ہوا۔ مخالفت علی اور اصلی اسلام سے دوری میں حکومت عباسیہ سلطنت امویہ کی پوری جانشین تھی۔ سید ابوالحسن ندوی اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید میں لکھتے ہیں :-

”عباسی سلطنت اموی سلطنت کی پوری جانشین تھی۔ حکومت کی روح اور دستور میں اس سے متفق۔ تمدن کے مظاہر میں اس سے ترقی یافتہ صرف عربیت کی جگہ عجمیت تھی۔ قومی زندگی کے شعبے سیاست کے علاوہ، حکومت سے گہبہ آزاد تھے۔ اخلاقی ابتری پہلے سے بڑھ گئی بغداد اور اسلامی سلطنت کے اہم مرکز عیش و عشرت کا گہوارہ بن گئے تفصیلات کے لئے اغانی اور کتاب الجوان کا مطالعہ کیجئے“ ۲۹

اُس پرانی وجہ مخالفت کے علاوہ جو حکومت عباسیہ نے حکومت امویہ سے ورثہ میں پائی تھی۔ اولاد علی سے حکومت عباسیہ کی دشمنی میں بہت زیادہ اضافہ اُس دھوکے کی وجہ سے ہو گیا۔ جو ان کی حصول حکومت کا ایک جزو تھا۔ یہ دھوکہ ہر ایک تاریخ کی کتاب میں درج ہے۔ غرضکہ جو قتل عام علیؑین کا حکومت عباسیہ کے زمانہ میں ہوا وہ اظہر من الشمس ہے اور ہمارے اس دعوے کی مکمل دلیل ہے کہ حکومت عباسیہ کی وجہ ہست و بود مثل اپنے پیش رو حکومتوں کے مخالفت اولاد علی پر مبنی تھی۔ غرضکہ حکومت امویہ اور سلطنت عباسیہ نے ایک ایک کر کے اُن تمام بنیادی سیاسی اصولوں پر عمل کیا جو حضرت عمر نے قائم کر دیے تھے۔ اگر کہیں جذبات میں فرق نظر آتا ہے تو وہ حالات و واقعات کے فرق کی وجہ سے ہے۔ مثلاً حضرت عمر اپنے حالات و واقعات کی وجہ سے مجبور تھے کہ

حضرت علی کے قتل کی تجویز شوریٰ کی پیچیدہ کارروائیوں کے ذریعہ سے کریں لیکن  
 یزید کے زمانہ تک وہ حالات بدل چکے تھے۔ وہ علانیہ و براہ راست حسین کے  
 قتل کا حکم دے سکتا تھا لہذا دیا۔ یہی حالت احادیث کی تھی۔ امیر معاویہ کے  
 زمانہ میں لوگوں کی حالتیں اور عادات بدل چکے تھے۔ وہ علانیہ حکم دے سکتا تھا  
 کہ حضرت علی کے فضائل کی احادیث بیان نہ کی جائیں اور حضرات شیخین و  
 حضرت عثمان کے حق میں احادیث وضع کی جائیں۔ حضرت عمر اس وضاحت سے  
 حکم نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن وہ اصول جس کی بناء پر امیر معاویہ نے اپنا  
 حکم صادر کیا حضرت عمر ہی کا قائم کردہ تھا اور وہ یہ تھا کہ حکومت کو چاہئے  
 کہ احادیث رسول کو اپنے قبضہ میں کر لے اور محض ان احادیث کی  
 اشاعت کی اجازت دے جو حکومت کے حق میں مضر نہ ہوں اپنی مخالف  
 حدیث کو ہر ممکن طریقے سے روکے۔

اس منزل کو چار مراحل سے طے کیا ہے۔ اول تو یہ حکم دیا گیا کہ احادیث  
 رسول کی اشاعت یک قلم بند کر دی جاوے۔ لیکن مقدمات کے فیصل  
 کرنے کے لئے احادیث رسول ضروری تھیں اور ان پر قبضہ کرنے کے بعد  
 یہ اچھی آواز کار بن سکتی ہیں لہذا دوسرے مرحلہ پر یہ حکم صادر ہوا کہ امور فقہ و  
 دیگر مسائل معلوم کرنے کے لئے احادیث رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔  
 پھر تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ محض فضائل علی کی احادیث اشاعت سے روکی جائیں  
 اور چوتھا اور آخری مرحلہ یہ تھا کہ فضائل علی کی احادیث کے بجائے فضائل  
 شیخین میں احادیث وضع کر کے ان کی خوب اشاعت کی جائے۔ اب ہم ان  
 چاروں مرحلوں کا ذکر کیے بعد دیگرے کرتے ہیں :-

مرحلہ اول۔ احادیث رسول کی اشاعت بند۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکر کے حالات کے ضمن میں لکھتے  
 ہیں کہ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد جناب ابو بکر نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا

کہ تم لوگ جناب رسول خدا سے احادیث بیان کرتے ہو۔ ایسا نہ کیا کرو۔ احادیث میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے بعد جو لوگ آئیں گے ان کا اختلاف احادیث میں بہت زیادہ ہوگا۔ پس خبردار دیکھو جناب رسول خدا کی احادیث نہ بیان کیا کرو۔ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ کافی ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام جانو۔ اللہ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے والد ابو بکر نے جناب رسول خدا کی پانچ صد احادیث جمع کی تھیں۔ لیکن ایک دن اپنے زمانہ خلافت میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹی جناب رسول خدا کی جو احادیث تمہارے پاس ہیں وہ تو لاؤ۔ میں لے آئی تو حضرت ابو بکر نے ان کو جلا دیا۔ اللہ

حضرت عمر بن الخطاب کے حالات میں علامہ ذہبی اپنی تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے لوگوں کو حکم دیا کہ تم جناب رسول خدا کی احادیث نہ بیان کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ احادیث میں مشغول ہو کر قرآن شریف کو چھوڑ دیں۔ اللہ

لوگوں نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح آنحضرت کی احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر عمر کے زمانہ میں میں احادیث بیان کرتا تو وہ درہ سے میری چمڑی اُدھیڑ دیتے۔ اللہ قرظ بن کعب کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے افواج کو عراق کی طرف بھیجا

نیز ملاحظہ ہو۔ تاریخ التشریح الاسلامی مؤلف غلام محمد انحضری جس کا اردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی مترجمہ عبدالسلام ندوی ہے ص ۱۶۲، ۱۶۱ یہ صفحات اردو ترجمہ کے ہیں۔

۳۱۱ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاول ص ۳  
۳۱۲ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاول ص ۵  
الفاروق حصہ دوم ص ۲۲۵  
۳۱۳ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاول ص ۷  
۳۱۴ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاول ص ۷

تو وہ خود بھی ہماری مشالیت کے لئے کچھ دُور چلے۔ میں ان افواج میں تھا۔ حضرت عمر نے ہم سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں نے کیوں تمہاری مشالیت کی۔ ہم نے جواب دیا کہ ہماری عزت افزائی کے لئے۔ حضرت عمر نے کہا کہ خیر یہ تو ہے۔ اس کے ساتھ ہی اصلی وجہ یہ ہے کہ اب تم ایسے ملک کی طرف جا رہے ہو جہاں قرآن شریف کو شہر کی مکھیوں کی طرح گنگنا کر پڑھتے ہیں۔ احادیث کی روایت کر کے ان کی تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا۔ قرآن مجید پر بس کرو اور رسول خدا کی احادیث بیان کرنے سے پرہیز کرو۔ اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ چنانچہ جب قرظہ عراق پہنچے تو لوگوں نے روایت حدیث کی خواہش کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمر نے ہم کو اس کی ممانعت کر دی ہے۔

آپ نے دیکھا۔ کیسی گہری اور دُور اندیشی پر مبنی یہ پالیسی ہے۔ ممالک قریب و بعید میں مسلمان پھیل رہے ہیں۔ لشکرِ اسلامی آگے جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فضائلِ علی کی احادیث لوگوں میں پھیل جائیں۔ اور لوگوں کو ان پر غور کرنے کا موقع ملے۔ حضرت عمر نے تین اشخاص یعنی ابن مسعود، ابوالدرداء اور ابومسعود انصاری کو اس وجہ سے قید کر دیا کہ انہوں نے جناب رسول خدا کی احادیث کثرت سے بیان کر دیں۔ ۳۵۱ھ کیا عبداللہ ابن مسعود جیسے عظیم الشان صحابی رسول خدا پر بہتان باندھتے۔ اور اگر اس معاملے میں کذب کے مرتکب ہوتے تو آپ کی حدیثِ نجوم کہاں گئی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ زیادہ تر فضائلِ علی کی احادیث عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہیں۔ اس کی سزا ان کو قید سے ملی بالکل یہی طرز عمل معاویہ نے اختیار کیا۔ جس کا ذکر ہم ابھی کرتے ہیں اور ہمارے یہ دعویٰ ثابت ہو گیا کہ حضرت امیر معاویہ کا سارا طرز عمل حضرت عمر کی پالیسی پر مبنی تھا۔

۳۵۱ھ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاول ص ۷۰ - الفاروق حصہ دوم ص ۲۲۳

۳۵۱ھ تذکرۃ الحفاظ ذہبی الجزء الاول ص ۷۰ - اور تاریخ فقہ اسلامی مترجمہ عبدالسلام ندوی ص ۱۶۱-۱۶۲

ہم ذیل کی عبارت تاریخ فقہ اسلامی سے نقل کرتے ہیں :-

ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امیر معاویہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عمر کے زمانہ میں جاری تھا۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرنے کے متعلق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں ۰

سیدی طی نے تنویر الحواکک شرح موطا امام مالک میں ایک روایت میں جس کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیر تک فتہی ہوتا ہے یہ نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے احادیث کو لکھوانا چاہا اور اس بارے میں اصحاب رسول اللہ سے مشورہ کیا تو عام صحابہ نے اس کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غیر متیقن طیر پر اس معاملے میں استخارہ کرتے رہے، اس کے بعد ایک دن انہوں نے یقینی رائے قائم کر لی اور فرمایا کہ میں جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا۔ پھر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ اس بنا پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کرونگا اس لئے انہوں نے تحریر احادیث کا کام چھوڑ دیا ۰

ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔ ۳۶

ان عبارات کو غور سے پڑھو۔ اول تو ہمارا یہ دعویٰ ثابت ہوا کہ احادیث کے متعلق جو حضرت عمر کا رویہ تھا اس کو امیر معاویہ نے پسند کیا اور اس پر ہی عمل کیا

لہذا اب ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ جناب امیر معاویہ نے جو فضائل علی کی احادیث کو مٹانے اور حضرات ثلاثہ کے حق میں احادیث وضع کرانے کا رویہ اختیار کیا تھا وہ انہوں نے حضرت عمر سے سیکھا تھا۔ اس جگہ معترضین اعتراض اٹھا سکتے ہیں۔ (۱) اول تو یہ کہ حضرت عمر کا منشاء تھا کہ آنحضرت کی طرف منسوب کر کے لوگ غلط احادیث شائع نہ کریں۔ مولوی شبلی نے الفاروق میں یہی کہا ہے (۲) دوم یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے محض حضرت علی کے فضائل کی جو احادیث تھیں ان کو ہی بیان کرنے سے روکا۔ اور (۳) تیسرے یہ کہ حضرت عمر کے اس غم کو کیوں نہ قبول کر لیا جائے کہ مثل امم سابقہ کے مسلمان بھی کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کر جاتے۔ ہم ہر ایک اعتراض کو جواب دیتے ہیں:

**اعتراض اول۔** اگر محض غلطی کا دور تھا تو اس کا تدارک تو بہت اچھی طرح ہو جاتا۔ ابھی تو جناب رسول خدا کا انتقال ہوا تھا۔ وہ سب صحابہ موجود تھے جنہوں نے خود آنحضرت سے احادیث سنی تھیں۔ وہ تمام اہلبیت موجود تھے جن کے ساتھ رات دن آنحضرت رہا کرتے تھے۔ صاحبان آیۃ تطہیر موجود تھے۔ ایک جماعت صحابہ کی حضرت علی کی سرکردگی میں مقرر کر دیتے اور ان کے ذمہ آنحضرت کی صحیح احادیث کے جمع کرنے کا کام ہوتا۔ کیسے عمدہ طریقے سے نہایت صحیح احادیث جمع ہو جاتیں۔ وہ کام جو دو صد سال کے بعد شروع ہوا اسی وقت شروع ہو جاتا اور اس سے بہتر طریقے سے شروع ہوتا۔ آئندہ آنے والے لوگوں کی کتنی تکالیف بچ جاتیں۔ علم رجال کتنا مختصر اور آسان ہو جاتا۔ اور بہت صحیح ہوتا۔ خود راویان اول کے منہ سے جمع کی جاتیں اور ان پر مہر خلافت لگ جاتی۔ تفرقے کم ہو جاتے۔ آخر قرآن شریف بھی تو لوگوں کے سینوں ہی میں سے نکال کر جمع کیا تھا۔ اسی طرح تدوین حدیث ہو جاتی۔ اور وہ نہایت مفید ہوتی۔ تاریخ فقہ اسلامی کی مندرجہ بالا عبارت ملاحظہ ہو۔ تمام اُمت کا اجماع اس پر تھا کہ آنحضرت کی

اعتراض اول



احادیث کو جمع کیا جاوے۔ لیکن محض حضرت عمر کی رائے بوجوہات چند در چند جن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اس کے خلاف تھی۔ اب فرمائیے اس اجماع اُمت کی قدوسیت کہاں گئی جس کا تذکرہ کتب علماء و حکومت میں اس شد و مد کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ اجماع تو وہ چیز ہے جس کو محض ایک آدمی ٹھکرا سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت پر تو ایسا مکمل اجماع بھی نہ تھا جیسا اس تدوین حدیث کے مسئلہ پر تھا۔ اس نامکمل اجماع میں تو یہ قدوسیت تھی کہ اُس نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا دیا اور ایک لفظ اس کے خلاف کہنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور یہ مکمل اجماع ایسا تھا کہ اس کو ایک آدمی نے ٹھکرا دیا اور سب خاموش رہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حضرت عمر حاکم تھے لہذا اُن کو یہ اختیار حاصل تھا تو یہ بھی غلط کیونکہ بقول حضرت عمر شریعت کا منصب علیحدہ ہے۔ حکومت کا دائرہ الگ ہے۔ امور حکومت میں تو حاکم کا حکم غالب رہے گا۔ لیکن امور حدیث تو شریعت میں آتے ہیں اور شریعت میں بقول آپ کے اجماع اُمت غالب رہتا ہے۔ ایک آدمی کی رائے کچھ نہیں اور اگر اپنے اس مقام کو چھوڑ کر حاکم کے عہدے پر زور دیتے ہو تو پھر حضرت عمر کو ڈکٹیٹر کہو۔ جمہوریت کا خلیفہ کیوں کہتے ہو۔

**اعتراض دوم۔** حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے حدیث کے متعلق یہ وہ محض احادیث فضائل علی کو روکنے کے لئے اختیار کیا تھا ورنہ ہم یہ الزام اُن دونوں پر کیونکر لگا سکتے ہیں کہ وہ سنتِ رسول کی اہمیت سے واقف نہ تھے۔ کیا قرآن شریف میں یہ آیت اُنہوں نے نہیں پڑھی تھی کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ان دونوں بزرگواروں کے مقدمات فیصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اگر قرآن شریف میں مسئلہ زیر غور کا جواب نہ پاتے تو پھر احادیث رسول کی طرف رجوع کرتے اور لوگوں سے مسئلہ زیر بحث کے متعلق جناب رسول خدا کی حدیث دریافت کرتے تھے۔

علامہ شبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :-

حضرت ابو بکر کے زمانہ میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے (حدیث کے) استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا حضرت عمر کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کثرت حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت عمر نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبویؐ کا پتہ لگایا۔<sup>۳۸</sup>

دیکھئے۔ مقدمات کے فیصلہ کرنے میں علم فرائض و فقہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے متعلق احادیث کو چن چن کے جمع کیا جاتا ہے۔ ذمیوں، نو مسلموں، خراج جزیہ وغیرہ کے متعلق احادیث دریافت کی جاتی ہیں۔ اب غور تو کریں کس قسم کی احادیث باقی رہ گئیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب حضرت عمر کو ضرب کاری لگی اور اپنا جانشین مقرر کرنے کا خیال آیا تو معاذ بن جبل و خالد بن ولید و ابو عبیدہ بن الجراح، سالم مویلیٰ، آنحضرت کے فضائل آنحضرت کی احادیث سے استنباط کرتے تھے کہ آنحضرت نے فلاں کو امین اُمت، فلاں کو سیف اللہ، فلاں کو عالم کہا تھا۔ احادیث فضائل بھی آگئیں۔ اب کوئی احادیث لکھیں

صرف حضرت علی و اہل بیت کے فضائل کی احادیث۔ یہ تھیں وہ احادیث جن کی اشاعت مطلوب نہ تھی اور جن کو چھپانا چاہتے تھے۔ دیکھو اس طرف خود حضرت عمر نے صحابہ کے فضائل کی احادیث کا ذکر کرتے وقت بھی حضرت علی کے فضائل کی احادیث کا ذکر نہ کیا۔ یہ فضائل علی کی احادیث کا عمداً انفاء نہیں تو اور کیا ہے۔ خارجیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالسلام ندوی تحریر کرتے ہیں:-

یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے اور حدیثوں میں صرف انہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جن کی روایت شیخین حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں کی گئی تھی۔<sup>۵۳۹</sup>

ساری حقیقت کا انکشاف ہو گیا۔ حضرات شیخین کے احکام امتناعی فقط فضائل علی و اہل بیت رسالت کی احادیث کے متعلق تھے ورنہ یوں تو اپنے معتدوں میں احادیث کا رواج جاری کر رکھا تھا۔ کیوں نہ ہوتا۔ ان سے تو بہت بڑا سیاسی کام لینا تھا۔ لیکن ان کی جاری کردہ احادیث میں فضائل علی کی احادیث نہ تھیں اس کو ہم دوا اور دوا چار کی طرح ثابت کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے خارجیوں کو جناب امیر کے سخت ترین دشمن تھے۔ وہ ان کو خلیفہ رسول تو کیا مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور یہ خارجی صرف ان تمام احادیث کو قبول کرتے تھے جو حضرات شیخین کے زمانہ میں مروج تھیں۔ لہذا ثابت ہوا حضرات شیخین کی جاری کردہ احادیث میں فضائل علی کی احادیث نہ تھیں۔ اور ذرا اس ستمنا سبہ پر بھی غور کیجئے۔

۱۔ خارجی صرف اُن احادیث کو قبول کرتے تھے جن کو وہ لوگ بیان کرتے تھے جو خارجیوں کے دوست تھے ۔

ب۔ خارجی لوگ حضرات شیخین کی جاری کردہ احادیث کو قبول کرتے تھے ۔

ج۔ لہذا ثابت ہوا کہ خارجی لوگ حضرات شیخین کو دوست رکھتے تھے ۔

د۔ خارجی حضرت علی کے سخت ترین دشمن تھے ۔

ک۔ دشمن کا دوست کبھی اپنا دوست نہیں ہوا کرتا ۔

و۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرات شیخین حضرت علی کے دوست نہ تھے ۔

اعتراض سوم۔ حضرت عمر کا یہ عذر کچھ حضرت عمر والوں ہی کو پسند آسکتا ہے

ہمیں تو اس میں کچھ اصلیت نظر نہیں آتی۔ حضرت عمر نے کسی ایسی اُمت کا نام

لیا جس نے اپنے پیغمبر کے اقوال کے مقابلہ میں اپنی آسمانی کتاب کو چھوڑ دیا ہو۔

اور نہ ہمیں کسی ایسی اُمت اور ایسی کتاب کا پتہ ہے۔ اگر کوئی صاحب پتہ دے تو

ہم ممنون ہونگے۔ قرآن شریف میں تو اُس اُمت کا ذکر نہیں۔ ہاں تحریف زبور

انجیل تو مسلمہ ہے۔ وہ تحریف تاویل کے ذریعہ سے بھی ہوئی اور الفاظ کے

ذریعہ سے بھی۔ یہ کبھی سُننے میں نہیں آیا کہ وہ تحریف حضرت داؤد اور حضرت

عیسے کے مسلمہ جمع شدہ اقوال کے ذریعہ سے ہوئی۔ یا اُن کے جمع شدہ مسلمہ اقوال

کے مقابلہ میں زبور و انجیل کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ خبر نہیں حضرت عمر کے تخیل میں وہ

کہ نسا پیغمبر ہوگا۔ وہ عجیب ہی پیغمبر ہوگا جس کے اقوال خود اُس کی لائی ہوئی

کتاب کی تردید کرتے ہوں گے۔ اور اُمت کے لئے یہ مشکل حالت پیدا کر دی

ہوگی کہ یا تو آسمانی کتاب کو مانیں یا اُس کے اقوال کو مانیں۔ دونوں کو ایک

ساتھ نہیں مان سکتے۔ ہمارے رسول خدا تو فرما رہے ہیں کہ اگر تمہیں شک ہو

کہ کوئی حدیث میری ہے یا وضعی ہے تو اُس کو قرآن سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔

اگر قرآن کے مطابق ہے تو میری ہے ورنہ نہیں۔ جناب رسول خدا کی احادیث

تو قرآن شریف کی صحیح تاویل و تشریح کرتی ہیں۔ یہ تو جناب رسول خدا پر ایک مزید

اتہام ہوا کہ اُن کی احادیث ایسی ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے سے قرآن شریف کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اگر جناب عمر کا یہ مطلب تھا کہ مجتہد رسول کی وجہ سے وہ لوگ احادیث رسول ہی کو پڑھتے اور قرآن شریف کو چھوڑ دینے اور اُس کی طرف رجوع نہ کرتے تو اگرچہ انہوں نے پہلی امم کا ذکر تو کیا ہے۔ کسی خاص اُمت کا نام نہیں لیا جس نے ایسا کیا ہو۔ علاوہ اس کے ان احادیث سے تمسک کرنے کے کیا معنی تھے۔ یہی تھے کہ اُن پر عمل کیا جاوے۔ احادیث تو یہ کہہ رہی ہیں کہ قرآن سے تمسک رکھو۔ اور وہ لوگ قرآن کو چھوڑ دیتے تو یہ کیا عمل ہوا۔ اب دیکھ لو کیا ہوا۔ احادیث رسول جمع بھی ہوئیں لوگوں نے احادیث کی صحیح بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب باری بھی کہا۔ اُس کو صحیح احادیث رسول کا مجموعہ مانتے بھی ہیں۔ تو کیا انہوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ غدار کیا تھا۔ یوں ہی دفع الوقتی تھی۔

مرحلہ دوم۔ چند قسم کی احادیث رسول پر انحصار۔

دورِ اول میں اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے علامہ محمد النخضری لکھتے ہیں :-

رہم ان کی کتاب کے اردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی مرتبہ مولوی عبدالسلام صاحب ندوی سے نقل کرتے ہیں)

یہ لوگ اپنے فتاویٰ میں صرف دو چیزوں پر اعتماد کرتے تھے۔

۱) ایک تو قرآن، کیونکہ وہی دین و ملت کی بنیاد ہے۔ اور چونکہ وہ اُن ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لئے وہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کو خصوصیت کے ساتھ اسباب نزول کا علم تھا اور اس وقت عرب کے علاوہ اور کوئی شخص ان میں شامل نہیں ہوا تھا۔

۲) دوسرے حدیث۔ چنانچہ جب کوئی حدیث مل جاتی تھی تو وہ لوگ بالاتفاق اُس کا اتباع کرتے تھے اور جو شخص اس کی روایت کی تصدیق کرتا تھا اس پر اعتماد کرتے تھے۔ اس بناء پر جب حضرت ابو بکر کے سامنے کوئی

مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے اور اگر اس میں اس کا حکم مل جاتا تو اسی پر فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے۔ اور اگر ان کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلعم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے اس حالت میں اکثر لوگ اٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ یہ فیصلہ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ دریافت فرماتے تھے۔

یہ بہت دلچسپ مضمین ہے۔ اس کی طرف ہم پھر اس کتاب کے حصہ دوم یعنی کتاب التحریف میں رجوع کریں گے اور اس کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ کیونکہ اب حضرت عمر لوگوں کو اپنی رائے و قیاس پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اور اس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کی عملی تشریح خود اس کے مصنف سے معلوم ہوگی۔ بہر صورت یہاں اتنا معلوم ہو کہ مقدمات کے فیصلے کرنے میں اور دیگر مسائل تمدن و معیشت میں احادیث رسول کی ان لوگوں کو تلاش رہتی تھی۔ ابھی ہم الفاروق کی عبارت سے معلوم کر چکے ہیں کہ مسائل غسل جنابت، جزیرہ مجوس، تکبیر جنازہ، حقوق ذمیان وغیرہ میں حضرت عمر خاص طور سے احادیث کی تلاش کرتے تھے۔

اب جو باقی رہ گیا وہ احادیث فضائل علی ہیں۔ اور انکی ہی نسبت یہ حکم اتنا ہی تھا۔  
مراحل سوم و چہارم۔ فضائل علی کی احادیث کی حالت اور فضائل شیخین میں احادیث وضع کرنے کا حکم۔

یہ دونوں حکم یکے بعد دیگرے دئے گئے۔ لیکن چونکہ ان کی شہادت ایک

مراحل سوم و چہارم فضائل علی کی احادیث کی حالت اور فضائل شیخین میں احادیث وضع کرنے کا حکم

ہی ہے یعنی بلی جلی ہے لہذا دونوں کو ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرات شیخین کا زمانہ چونکہ جناب رسول خدا کے زمانہ سے ملا ہوا تھا لہذا یہ دونوں حکم صریحاً اُس وقت نہیں دئے جاسکتے تھے۔ لیکن جو اصول انہوں نے قائم کر دئے تھے اور جو ہوا انہوں نے چلا دی تھی اُس کا یہ دونوں حکم لازمی نتیجہ تھے۔ اپنی سیاست کی تکمیل کے لئے حضرت عمر نے نبی امیہ کو منتخب کر لیا تھا۔ چنانچہ اپنے بستر مرگ پر حکومت و خلافت کا رُخ اُدھر کر دیا۔ حضرت معاویہ سے آپ کی اکثر خلوت نشینیاں ہوا کرتی تھیں۔ اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ اُن خلوت کی گفتگوؤں کا کیا موضوع ہوا کرتا تھا۔ ہم تذکرۃ الحفاظ ذہبی سے ابن علیہ کی یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ حارِث کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرو جو حضرت عمر کے زمانہ میں جاری تھا۔ وہ کیا طرزِ عمل تھا۔ حضرت معاویہ خود اُس کی تشریح اپنے عمل سے کرتے ہیں۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں شیخ ابوالحسن المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنقطویہ سے مندرجہ ذیل واقعات نقل کئے ہیں :-

ابوالحسن علی بن محمد ابی سیف المدائنی نے کتاب الاحادیث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے امام حسن سے صلح کے بعد اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا کہ تُوْبْرَى الذمہ ہو جا اس شخص سے جو فضائل علی و اولاد علی بیان کرے۔ لہذا ہر طبقہ و سرزمین میں ہر منبر پر لکچرار کھڑے ہو گئے جو حضرت علی پر لعنت کرتے تھے۔ اُن

دروی ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف الدین المدائنی فی کتاب الاحادیث قال کتب معاویہ نسخة واحدة الی عمالہ بعد عام الجماعت ان برئت الذمہ ممن سادی شیعیاً من فضل ابی تراب و اهل بیته فقامت الخطباء فی کل کوراة و علی کل منبر یلعنون علیاً و

يُروون منه ويقعون فيه و  
 في اهل بيته و كان اشد  
 الناس بلاء حبيذا اهل الكوفة  
 لكثرة من بها من شيعة علي  
 عليه السلام فاستعمل عليهم  
 زياد بن سميه و ضم اليه البصرة  
 فكان يتبع الشيعة و هو بهم  
 عارف لانه كان منهم ايام علي  
 عليه السلام فقتلهم تحت كل  
 حجر و مدرس و اخافهم و قطع  
 الايدي و الارجل و سمل العيون  
 و صلبهم علي جذوع النخل  
 و طردهم و شردهم عن العراق  
 فلم يبق بها معروف منهم  
 و كتب معاوية الي عماله في جميع  
 الاقاق الا يجيز و الا حد من  
 شيعة علي و اهليته شهادته  
 و كتب اليهم ان انظروا من قبلكم  
 من شيعة عثمان و محبيته و اهل  
 ولايته و الذين يردون فضائله  
 و مناقبه فادنواهم بالسهم و قروبهم  
 و اكرمهم و اكتبوا الي بكل ما  
 يروى كل رجل منهم و اسمه و

سے پزار ہی چاہتے تھے اور ان کی اور ان کی اولاد کی  
 مذمت کرتے تھے۔ اس مصیبت میں سب سے  
 زیادہ اہل کوفہ گرفتار تھے کیونکہ وہاں شیعیان علی  
 بہت تھے۔ لہذا معاویہ نے کوفہ پر زیا و ابن سمیہ  
 حاکم مقرر کر دیا اور بصرہ بھی اس کے ساتھ لایا  
 وہ شیعوں کی جہاں بھی وہ ہوتے تھے نکال لینا  
 تھا کیونکہ وہ ان سے واقف تھا یہ سبب  
 کہ حضرت علی کے زمانہ میں ان ہی میں سے  
 تھا لہذا ہر ایک پتھر کنکر کے نیچے سے شیعوں  
 تلاش کر کے اس نے قتل کیا، دھکیاں  
 انکے ہاتھ پیر کاٹے۔ آنکھیں نکال ڈالیں۔ درختوں  
 کی شاخوں میں سولی سے کرٹکا دیا، اور بہت سے  
 عراق سے جلا وطن کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق  
 کوئی بھی شیعہ جس سے واقف تھا نہ رہا اور معاویہ  
 کُل اطراف میں اپنے عاملوں کو لکھا کہ کسی شیعہ  
 اہلبیت علی کی گواہی کو جائز نہ رکھو اور  
 عاملوں کو لکھا کہ عثمان کے پیروان و دوستدار  
 اور اہل ولایت پر مہربانی کرو، اور ان پر ہنس  
 کرو جو عثمان کے فضائل و مناقب بیان  
 کرتے ہیں ان کی جائے نشست اپنے نزدیک  
 قرار دو۔ اور ان لوگوں کو اپنا مقرب بنا  
 ان کی بزرگی کرو۔ انکی بیان کردہ احادیث و روایات  
 مجھے لکھو۔ اور بیان کرنے والے کا نام ا



اسرا بیہ وغشیرتہ ففعلوا  
 ذلک حتی اکثروا فی فضائل  
 عثمان و مناقبہ لما  
 کان یبعث الیہم  
 معاویة من الصلوات و  
 الکساء و الحباء و القطائع  
 و بیضہ فی العرب منہم  
 و الموالی فکثر ذلک فی کل  
 مصر و تذا فسوا فی المنانزل  
 و الذل نیا فلیس یجئ احد  
 مردود من الناس حاملا  
 من عمال معاویہ شیرونی فی  
 عثمان فضیلة و منقبلة  
 الا کتب اسمہ و قریہ و شفہ  
 فلبثوا بذلک حینا ثم کتب  
 الی عمالہ ان الحدیث فی  
 عثمان قد کثروفتنا فی کل مصر  
 فی کل وجهہ و ناحیة فاذا  
 جاء کم کتابی هذا فادعوا  
 الناس الی الروایة فی فضائل  
 الصحابة و الخلفاء الاولین  
 ولا تتركوا خبرا برویہ احد  
 من المسلمین فی ابی تراب

اس کے باپ و قبیلہ کا نام لکھیں عالموں نے  
 ایسا ہی کیا تاہنکہ فضائل و مناقب عثمان کی  
 ان لوگوں نے کثرت کر دی کیونکہ معاویہ  
 ان لوگوں کو صلہ بھیجتا تھا۔ از قسم باغات و  
 آراضیات و ملبوسات اور ان احادیث کو عرب  
 میں شائع کرتا تھا اور وہ سنہ ۱۰۰ھ میں ان کے پاس  
 بھیجتا تھا۔ پھر ہر شہر میں اس کی کثرت ہوتی۔  
 اور لوگ دنیا و دنیا دارت و دنیا کی طرف مائل  
 ہو گئے پس مردود و رذیل لوگوں میں سے جو کوئی  
 کسی عامل معاویہ کے پاس آن کر فضائل عثمان  
 عثمان بیان کرتا تھا تو وہ اس کا نام لکھ لیتا تھا  
 اور اسے مقرب بنا لیتا تھا اور اس کی  
 شفاعت کرتا تھا، پس اس  
 طرح ایک زمانہ گزر گیا معاویہ  
 نے اپنے عہد کو لکھ کر یہ  
 تحقیق حق عثمان میں حضرت  
 کثرت ہو گئی ہیں اور ہر شہر اور ہر طرف اور  
 ہر گوشہ میں پھیل گئی ہیں لہذا جس وقت یہ میرا  
 خط تم کو ملے فوراً تم لوگوں کو صحابہ و خلفاء  
 اولین کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو اور  
 اگر تم کوئی حدیث ابو تراب کے حق میں سنو  
 تو ویسی ہی اور اس کے شیخ و نظیر و ہمسر  
 حدیث صحابہ کے حق میں بنا کر مجھے ورنہ پس

الا و اتونی بمناقض له في  
 الصحابة مفتعلة فان هذا  
 احب الي و اقر لعيني و اوحض  
 لجة ابى تراب و شيعة  
 و اشد اليهم من مناقب  
 عثمان و فضله فقراكت كتبه  
 على الناس فرويت اخبار كثيرة  
 في مناقب الصحابة مفتعلة لا  
 حقيقة لها و جدا الناس في  
 رواية ما يجري هذا المجرى  
 حتى اشدوا بذكهم ذلك على  
 المنابر و القى الى محلي الكتائب  
 فعملوا صبيانا لهم و علمنا انهم من  
 ذلك الكثير الواسع حتى ردوه  
 و تعلموه كما يتعلمون القرآن  
 و حتى علموه بناتهم و نساءهم  
 و حدتهم و ختمهم فلبثوا بذلك  
 ما شاء الله ثم كتب الى عمال نسخة  
 واحدة الى جميع البلدان انظروا  
 الى من اقامت عليه البنية انه  
 يجب عليا و اهل بيته فاحوه من  
 الديون و اسقطوا عطاءه و رزقه  
 و شفح ذلك بنسخة اخر من

بتحقيق یہ امر مجھے بہت محبوب تر ہے اور میری  
 آنکھوں کو خنک کرنے والا ہے اور ابو تراب اور  
 ان کے شیعوں کی دلیل کو بہت توڑنے والا ہے  
 اور ان لوگوں کو فضائل عثمان سے سخت تر  
 معلوم ہونگے۔ معاویہ کے یہ خطوط لوگوں کو  
 پڑھ کر سنائے گئے۔ پس تعریف صحابہ میں  
 بہت سی چھوٹی احادیث بنائی ہوئی بیان کر  
 گئیں جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور لوگوں کو  
 اس قسم کی خبروں کے بیان کرنے میں کوشش  
 یہاں تک کہ یہ سب موضوعہ احادیث منبروں  
 بیان اور مشہر کی گئیں اور وہ موضوعہ احادیث  
 استادوں کے مکتبوں میں دی گئیں اور انہوں نے  
 اپنے شاگردوں اور طالب علموں اور لڑکوں  
 سکھا یا اور تعلیم کیا جیسے کہ قرآن سیکھتے ہیں  
 تا انیکہ مکتبوں نے اپنی بیٹیوں اور عورتوں  
 اور لڑکیوں کو سکھایا۔ پس اس ہی حال  
 ان لوگوں نے بسر کی، پھر معاویہ نے ایک  
 مضمون کا پروانہ اپنے عاملوں کو سب شہروں  
 میں بایں مضمون لکھا کہ تم لوگ جس شخص کو  
 نسبت گو کہ اس سے ثابت ہے کہ تحقیق وہ شخص  
 علی اور اہل بیت علی کو دوست رکھتا ہے  
 پس اسکا نام دفتر سے مٹا دو اور اس کا رزق  
 بند کر دو اور جو اس کو ملتا ہے وہ روکتا اور اس

اتھنتوا بموالاتہم اوع القوم  
 فنكلوا به واهد مواد اسره فلم  
 يكن البلاء اشد ولا اكثر  
 منه بالعراق ولا سيما بالكوفة  
 حتى ان الرجل من شيعة علي  
 عليه السلام لياتيه من يثق  
 به فيدخل بيته فيلقى اليه  
 سرا ويخفاف من خادمه وعلوكه  
 ولا يجد شرا حتى ياخذ عليه الايمان  
 الخليطة ليكتمن عليه فظهر  
 حديث كشير موضوع وبعثت ان  
 منتشر ومضى علي ذلك الفقهاء  
 والقضاة والولاة وكان اعظم  
 الناس في ذلك بليسة القراء  
 المراءون والمستضعفون الذين  
 يظهرون الخشوع والنسك فيفتعلون  
 الاحاديث ليحظوا بذلك عند ولائهم  
 ويقربوا الى السهم ويصيروا به  
 الاموال والاصبياع والمنازل  
 حتى انتقلت تلك الانبياء سرا  
 والاحاديث الى ايدي  
 الذين لا يستحلون  
 الكتب والبهتان فقبلاوها

حکم کی تائید کے لئے پر وانا ثانی ہیں لکھا کہ جس  
 شخص کے اوپر محبت علی و ابوبکر علی کا اتہام  
 تمہارے نزدیک ثابت ہو جائے تو اس کو اور  
 اس کے گھر کو گرا دو اور اس قوم سے محبت  
 کرنے والوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرو۔  
 زیادہ تر یہ بلا عراق خصوصاً کوفہ میں تھی تاہم  
 اگر کوئی شخص شیعوں علی اس شخص کے پاس آتا  
 تھا جس پر وہ بھروسہ کرتا تھا تو داخل خانہ ہوتا  
 اور اپنا راز اس سے کہتا تھا اور اس کے خادم  
 اور غلام سے ڈرتا تھا۔ اور اس سے بھی کچھ  
 بات نہیں کرتا تھا جب تک کہ غلیظ اور سخت قسمیں  
 اس سے راز پوشیدہ رکھنے کے لئے نہیں لیتا تھا  
 پس بہت سی گھڑی ہوئی موضوع احادیث  
 حق صحابہ میں ظاہر ہوئیں اور بہت سی بہتان  
 پھیلانے والی احادیث (برخلاف حضرت علی)  
 شائع ہوئیں اور اس ہی روش پر سب فقہاء  
 اور قاضی حکام چلے۔ سب سے زیادہ اس روش پر  
 چلنے والے قاریان وریا کنندگان اور مستضعفین  
 تھے جو اظہار خشوع و خضوع و عبادت کرتے تھے  
 پھر وہ جھوٹی احادیث بناتے تھے تاکہ ان کے  
 سب سے اپنے والیان ملک کے نزدیک بہرہ مند ہوں  
 اور پاس بیٹھنے سے قرب حاصل کریں اور سبب  
 تقرب کے مال شجاء اور مکانات ان کو حاصل ہوں

ورودها و هر یظنون انها  
 حق ولو علموا انها باطله لسا  
 ردوها ولا تادیوا بها فلم  
 یزل الامر کذا تک حتی مات  
 الحسن بن علی علیہ السلام  
 فآزواد البلاء والفتنه فلم یبق  
 احد من هذا القبیل الا وهو  
 خائف علی دمه او طریق  
 فی الامراض.....  
 وقد ساری ابن عرفه المعروف  
 بنفطویه وهو من اکابر  
 المرحدین واعلامهم فی تاریخہ  
 ما یناسب هذا الخبر وقال  
 ان اکثر الاحادیث الموضوعه  
 فی فضائل الصحابة افتعلت  
 فی ایام بنی امیہ تقربا الیهم  
 بنا یظنون انهم یرغمون به  
 انوف بنی ہاشم

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البدرۃ  
 الجزر الثالث ص ۱۵ و ۱۶۔ شرح خطبہ  
 ان فی ایدی الناس حقاً  
 و باطلا و صدقاً و کذباً

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ معتزلی ہے اور خلفائے ثلاثہ کا سچے اور پکے

یہاں تک کہ یہ خبریں اور احادیث ان دینداروں کے  
 ہاتھ میں منتقل ہوئیں جو جھوٹ کو حلال نہیں جانتے  
 تھے پس وہ لوگ ان احادیث کو سچا گمان کرتے  
 تھے اور سچا گمان کر کے قبول کرتے تھے اور اگر وہ جانتے  
 کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں تو ان کو روایت نہ کرتے اور نہ  
 اس راہ پر چلتے پس یہ امر اسی طرح پر رہا۔  
 تا اینکه امام حسن ابن علی نے وفات پائی پھر یہ فساد و  
 اور زیادہ ہوئے یہاں تک کہ کوئی شخص اس قسم کا باقی  
 نہیں پا کر یہ کہہ دیتا تھا اپنے قتل سے یا جلا وطن ہونے  
 سے اسکے بعد فاضل مورخ لکھتے ہیں کہ یہ بلا امام  
 حسین کے قتل کے بعد زمانہ عبدالملک حجج ابن  
 یوسف ہیں اور زیادہ ہو گئی۔۔۔ اور تحقیق روایت  
 کی ہے تاریخ میں ابن عرفہ لفظ یہ نے جو بہت  
 بڑے محشین میں سے ہے وہ خبر جو اس ہی خبر کی  
 تصدیق کرتی ہے کہا ابن عرفہ نے کہ بہت  
 احادیث موضوعہ فضائل صحابہ و خلفائے ثلاثہ میں  
 بنائی گئی ہیں زمانہ بنی امیہ میں تاکہ ان کے  
 ذریعہ سے نزدیکی و تقرب حاصل کیا جائے  
 کیونکہ بنی امیہ گمان کرتے تھے کہ وہ ان  
 احادیث موضوعہ کے ذریعے سے بنی ہاشم کی  
 ناک مرڈ کر رہے ہیں۔

دل سے حامی ہے، اس امر کو اس کی شرح نہج البلاغہ کا مطالعہ ہر ایک پر روز بروز دشمن کی طرح ظاہر کر دے گا، اس نے اپنا سارا زور بلاغت و فصاحت و استدلال خلافت ثلاثہ کی حقیقت ثابت کرنے پر لگا دیا ہے اور شیعہ عالم علامہ حلی کے اعتراضات کا جواب دینے کی بڑی کوشش کی ہے۔ کمال الدین عبد الرزاق بن احمد بن محمد بن ابی المغازی الشیبانی نے اپنی کتاب مجمع الآداب فی بحار القاب میں ابن ابی الحدید کے علم و فقہ کی بہت تعریف کی ہے اور فضل ابن روزبہان ابن الحدید کے کلام سے سند لیتا ہے۔ اور یہ واقعات تو محض ابن الحدید نے دو کتابوں سے نقل کئے ہیں یعنی کتاب الاحداث ابی الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بنقطہ یہ علم مرتبت تو ان کتابوں کا دیکھنا ہے، ابن ابی الحدید پر تو اتنا ہی بھروسہ کرنا ہے کہ اس نے صحیح نقل کیا ہوگا، تو اس قدر تو بھروسہ قطعاً ہو سکتا ہے، وہ علم کا زمانہ تھا، ہر ایک شخص ان کتابوں سے واقف تھا، کسی میں غلط نقل کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، سو یہ دونوں بزرگوار یعنی ابوالحسن علی المدائنی اور ابن عرفہ نطفویہ کا بر محمد بن اہل سنت و جماعت سے ہیں چنانچہ حافظ ابوسعید سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں لکھا ہے :-

ابوالحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن ابی	ابوالحسن علی بن محمد بن
شعیب مدائنی مولیٰ ہیں۔ عبد الرحمن	عبد اللہ ابن ابی شعیب
بن سمرقندی کے اور وہ بصرے کے	المدائنی مولیٰ عبد الرحمن
رہنے والے تھے۔ سکونت مدائن کی	ابن سمرة القرظی وهو بصری
اختیار کی۔ پھر وہاں سے نقل کر کے	سکن المدائن ثم انتقل عنہما
بغداد کی طرف چلے گئے اور تا وقت	الی بغداد فلم یزل بہا الی
وفات وہیں رہے اور وہ بہت سی	حین وفاتہ وهو صاحب
کتابوں کے مصنف ہیں زبیر ابن بکاء	الکتب المصنفة مروی

عنه الزبير بن البكاء واحمد  
ابن ابى خنيمه والحريش ابن  
ابى اسامه قال يحيى بن معين  
غير مرة اكتب عن المدائني  
كتبه وكان ابو العباس يقول  
من اراد اخبار الا سلام  
فعلية بكتب المدائني ذكر  
الحارث بن ابى اسامه ان  
ابا الحسن المدائني سرد الصوم  
قبل موته بثلاثين سنة  
وانه كان قاسم مائة  
سنة فقيل له في مرضه  
ما تشتهي فقال اشتهي ان  
اعيش وكان مولده ومنشأه  
بالبصرة ثم صار الى المدائن  
بعد حين ثم صار الى بغداد  
فلم يزل بها حتى توفي بها  
في ذى القعدة سنة اربع  
وعشرين ومائتين وكان  
عالمًا يابا بالناس واخبار  
العرب وانسابهم عالمًا بالفتوح  
والمغازي وسزاوية الشعر  
صدوقا في ذلك ذكره غيره

واحمد بن ابى خنيمه اور حرث ابن ابى  
اسامہ نے ان سے روایت کی ہے۔ یحییٰ  
بن معین نے کہا کہ میں مدائنی کی کتابوں  
سے اخذ کرتا ہوں، ابو العباس کہتے ہیں  
کہ جو شخص تاریخ اسلام معلوم کرنے کی  
خواہش رکھے اس پر لازم ہے کہ وہ مدائنی  
کی کتابیں پڑھے، حارث بن اسامہ نے  
ذکر کیا ہے کہ تحقیق ابو الحسن مدائنی نے  
اپنی موت سے تین سال قبل کے درپے  
روزے رکھے، ان کی عمر تقریباً ستائیس  
کی ہوئی تھی۔ حالت مرض میں ان سے  
پوچھا گیا کہ تم کو کون سی چیز کی خواہش  
ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میری  
خواہش ہے کہ میں اور زندہ رہوں۔  
ان کی جائے ولادت و نشوونما بصرہ  
تھی، پھر بعد ایک زمانہ کے وہ مدائن  
گئے۔ اس کے بعد بغداد گئے، اور رہا رہیں  
رہے تا ایں کہ ماہ ذی قعدہ ۲۲۲ ہجری  
میں وفات پائی۔ وہ لوگوں کے  
حالات، عرب کی خبروں اور ان کے  
نسب سے واقف تھے۔ اور  
حالات فتوحات و غزوات و روایت  
شعراء کو جانتے تھے اور ان سب

انہ مرات فی سنة ۲۲۲۔

باتوں میں بڑے سچے تھے۔

ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر السمعانی: کتاب الانساب باب الیم والوال ورق ۱۵۵

نوٹ:- یہ کتاب لاہور کی پبلک لائبریری میں ہے۔

ابن عرفہ کی تعریف علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب بغیۃ الوعاہ میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:-

ابراہیم بن محمد بن عرفہ بن سلیمان بن مغیرہ  
بن المغیرہ بن جبیب بن مہلب  
ابن ابی صفرة العتکی الانزلی  
ابواسطی ابو عبید اللہ الملقب  
نفظویہ لشیہہ بنا لفظ  
لدمامہ وادمتہ وجعل  
علی مثال سیبویہ لا نتسابہ  
فی النجوالیہ.....

ابراہیم بن محمد بن عرفہ بن سلیمان بن مغیرہ  
بن جبیب بن مہلب بن ابی صفرة  
عتکی ازوی الواسطی ابو عبید اللہ الملقب  
نفظویہ بسبب مشابہ ہونے کے  
بد صورتی اور گندمی رنگ میں ساتھ لفظ  
کے اور گردانا گیا لفظویہ مانور سیبویہ کے  
بسبب فسوب ہونے لفظویہ کے نحو میں  
طرف سیبویہ کے.....

الی ان قال یاقوت کان نفظویہ  
عالما بالعربیہ واللغۃ والحديث  
اخذ عن ثعلب والمبرد وکان  
شراہی الا خلاق حسن المجالسۃ  
صادقا فیما یرویہ حافظاً للقران  
فقیہاً علی مذهب داود  
الظاہری ساساً فیہ مسنداً  
فی الحدیث حافظاً للسیرو  
ایام الناس والتواریح والوفیات  
ذامروۃ وظرف جلس للاقراء

یا قوت نے کہا کہ لفظویہ عالم علم عربی اور  
لغت و حدیث کا تھا، اور حدیث کا علم  
ثعلب و مبرد سے حاصل کیا، پاکیزہ اخلاق  
والا نیک صحبت اور سچا تھا اس چیز میں جو  
وہ روایت کرتا تھا، حافظ قرآن تھا، اور  
طریقہ داود الظاہری کا سردار اور فقیہ تھا  
حدیث میں مستند تھا۔ علم سیرہ و وقائع  
مردم اور ازمنہ نو تیرگی علماء و محدثین کا  
حافظ تھا، صاحب مرثیہ اور ظریف تھا  
پچاس برس سے زیادہ درس دیا ہے

اکثر من خمسين سنة  
وكان يبتداء في مجلسه  
بالقرآن على رواية عاصم  
ثم يقرأ الكتب -

اپنے درس کو حسب روایت عاصم  
پہلے قرآن شریف سے شروع  
کرتا تھا۔ پھر اور کتابیں پڑھاتا  
تھا۔

جلال الدین سیوطی :- کتاب بغیۃ الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة الطبعة الاولى

۳۲۶ھ ہجری مطبوعہ مصر ۱۸۷۷ء

ابو عثمان جاحظ نے جو دشمنان علی بن ابی طالب کا راس و رئیس تھے  
ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب عثمانیہ ہے، راس میں اُس نے  
فضائل علی کے انقضاء کی بے حد کوشش کی ہے۔ اور ان کے مقابلے میں  
دیگر خلفاء و صحابہ کے فضائل میں بہت سی بناوٹی حدیثیں تحریر کی ہیں  
اس کا جواب خود سواد اعظم و جماعت حکومت کے ایک عالم معتبر  
ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں دیا ہے اس میں ایک جگہ  
ابو جعفر اسکافی تحریر کرتے ہیں :-

لولا ما غلب على الناس من  
الجهل وحب تقليد لم يحتاج  
الى نقض ما اختلفت به  
العثمانية فقد علم الناس  
كافة ان الدولة والسلطان  
لهم باب مقالتهم وعرف  
كل احدا قد ارشيوخهم  
وعلموا انهم وامرائهم وظهور  
كلبتهم وقهرسلطانهم وارتفاع  
التقيد عنهم والكرامة والجماعة

اگر لوگوں کے اوپر جہل اور اپنے سلف  
کی تقلید کرنے کے شوق کا غلبہ نہ ہوتا  
ہمیں ضرورت ہی نہ پڑتی کہ کتاب عثمانیہ  
کی رو میں بحث کریں، تمام لوگوں کو معلوم  
ہے کہ دولت و غلبہ مصنف کتاب عثمانیہ  
جیسے لوگوں کا رہا ہے اور سب کو ان  
رؤساء و علماء و امراء کے اقربار کا علم  
اور نیز جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باطنی  
اچھی طرح مشہور ہو جاتی ہے کیونکہ ان  
غلبہ ہے اور ان کو اپنے خیال



لمن ساروی الاخبار والاحادیث  
 فی فضل ابی بکر و ما کان  
 من تاکید بنی امیہ  
 لذک و ما ولدہ المحدثون  
 من الاحادیث طلباً لیساً  
 فی ایدہم فكانوا لایالون  
 جہداً فی طویل ما سکوا ان  
 یجملوا ذکر علی و ولدہ و یطفؤ  
 نورہم و یکتوا فضائلہم  
 و مناقبہم و سوا بقہم  
 و یجملوا الناس علی شتمہم  
 و سبہم و لعنہم علی المناہر  
 فلم یزل السیف یقطر  
 من دمائہم مع قلۃ  
 عدوہم و کثرة عدوہم  
 فكانوا بین قتیل و اسیر و  
 شریذ و ہارب و مستخف  
 ذلیل و خائف مترقب حتی  
 ان الفقیہ والمحدث و القاض  
 والمتکلم یتقدم الیہ و  
 یتوعد بغایۃ الابدان  
 و اشدا العقوبت ان لا  
 ینکروا شیئاً من فضائلہم

چھپانے کی ضرورت نہیں، جو شخص  
 فضائل ابی بکر میں اخبار و احادیث  
 بیان کرتا تھا اس کو انعام و اکرام  
 ملتا تھا۔ اور یہی بنو امیہ کی تاکید تھی  
 لہذا محدثین نے انعام حاصل کرنے  
 کی غرض سے کوشش کی کہ اس قسم کی  
 احادیث وضع کریں اور ذکر علی و  
 اولاد علی سے باز رہیں اور ان کے نور  
 کو بجھائیں ان کے فضائل و مناقب  
 و سابقات کو چھپائیں، لوگوں پر زبردستی  
 کی گئی کہ منبروں پر علی و اولاد علی پر  
 لعنت کریں اور سب و شتم کریں حالانکہ  
 علویین قلیل تھے اور ان کے دشمن کثیر  
 تھے۔ پھر بھی ان کے دشمن کی تلواروں  
 سے ہمیشہ ان کا خون ٹپکتا رہا، ان کو  
 قتل کرتے تھے، قید کرتے تھے اور وہ  
 بھاگے بھاگے پھرتے تھے، ذلیل ہوتے  
 تھے۔ خائف رہتے تھے، فقیہ و محدث و  
 مورخ و متکلم کو رشوت دی جاتی تھی اور  
 ان کو نہایت شدید عذاب و سزا  
 کی دھمکی سے ڈرایا جاتا تھا کہ وہ فضائل  
 علی و اولاد علی میں سے ایک شتم بھی بیان نہ  
 کریں اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ ان سے

ولا یرخصوا الاحد ان لطیف  
 بهم حتی بلغ من تفتیسة  
 المحدثات انه اذا ذکر  
 حد ثنا عن علی کتی عن  
 ذکره فقال قال رجل  
 من قریش و فعل رجل من  
 قریش ولا یند کر علیا ولا  
 یتشوة باسمه رأینا جمیع  
 المختلفین قد حاولوا نقض  
 فضائله ووجه الحیل و  
 الثاویلات نحوها من  
 خارجی ماسرق وناصب  
 حنیق ونایت مستهم  
 وناشی معاند و منافق  
 مکذب و عثمانی حسود  
 یعارض فیها ویطعن و  
 معتزلی قد نقد فی الکلام  
 وایضاً علم الاختلاف  
 و عرف الشبه و مواضع  
 الطعن و ضرور التاویل قد  
 التمس الحیل فی ابطال  
 مناقبه و تاویل مشهور  
 فضائله فیرة یتا و لها یتا

ملیں۔ مہین کے خوف کی حد یہاں تک  
 ہو گئی کہ جب حضرت علی کے واسطے سے  
 کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو علی کا نام  
 نہیں لیتے تھے بلکہ اشارہ سے کہتے تھے  
 مثلاً قریش میں سے ایک شخص نے یہ کہا  
 ہے، قریش سے ایک شخص نے ایسا کیا تھا،  
 علی کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ نہ ان کا نام  
 لیتے تھے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ ہم نے یہ  
 دیکھا کہ تمام مختلف جماعتوں نے اس امر  
 پر ایک اجتماع کر لیا کہ علی کے فضائل کو  
 گھٹائیں اور ان کی تاویلات کریں۔  
 اس ہی وجہ سے عثمانی جاسد کے موقع ملا  
 کہ طعن و اعتراض کرے۔ لیکن جانتے  
 والے اصلی بات کو جانتے ہیں۔ فضائل علی  
 کے ابطال میں بہت سے حیلے کرتے ہیں  
 اور جو فضائل ایسے مشہور ہیں کہ ان کا انکار  
 نہیں ہو سکتا تو ان کی تاویل کرنے کی  
 کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کہیں تو ایسی  
 تاویل کرتے ہیں جس کی مطلقاً گنجائش  
 نہیں ہوتی، اور کہیں ان فضائل کی تائید  
 گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن باوجود  
 ان تمام کوششوں کے فضائل علی قوت و  
 استحکام پکڑتے ہیں اور نور الہی کی طرح

لا یحتمل ومرة یقصد ان یضح  
 من قدرها بقیاس منتقض  
 ویزداد مع ذالك الا قوۃ  
 دافعة ووضوحاً واستبصاراً  
 وقد علمت ان معاویة ویزید  
 ومن كان بعدهما من بنی  
 مروان ایام ملكهم وذاك  
 نحو ثمانین سنة لم یدعوا  
 جهداً فی حمل الناس علی شتمه  
 ولعنه واخفاء قضائهم وستر  
 مناقبه وسوابقه.....  
 وقد تعلمون ان بعض الملوك  
 ربما احد شوا قولاً او دیناً  
 لهوی فیحدون الناس علی  
 ذلك حتی لا یحرفون غیره  
 كنحو ما اخذ الناس الحجاج  
 بن یوسف بقراءة عثمان و  
 ترك قراءة ابن مسعود و  
 ابن كعب وتوعد علی ذلك  
 یدون ما صنع هو وجبا برة  
 بنی امیة وطفأة بنی مروان  
 بولد علی وشیعة وانما كان  
 سلطان بنوعشرین سنة فما

خوب پھیلتے ہیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے  
 کہ معاویہ اور یزید اور ان کے بیٹے مروان  
 نے اپنے زمانہ سلطنت میں جو تقریباً اتنی  
 سال تھے۔ لوگوں کو زبردستی کر کے علی و اولاد  
 علی پر لعن و سب و شتم کرنے اور ان کے  
 فضائل و سوابق و مناقب کے چھپانے میں  
 کوئی کوشش نہ کرنا گزاشت نہیں کی تم لوگ  
 جانتے ہو کہ جب بادشاہوں میں سے  
 کسی نے اپنی خواہش کی پیروی میں ایک  
 نیا قول یا نیا دین ایجاد کیا تو لوگوں پر  
 زبردستی دھم کر کے کوشش کی ہے کہ لوگ سوائے  
 ان کے قول و دین کے کچھ اور نہ جانیں مثال کے  
 طور پر دیکھو حجاج ابن یوسف نے لوگوں کو مجبور  
 کیا کہ حضرت عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کو  
 اختیار کریں اور ابن مسعود اور ابی بن کعب کی قرأت  
 کو ترک کر دیں اس نے اس امر پر لوگوں کو خوب  
 دھمکی دی اور نیز ان امور پر جو اس نے ابو  
 سرکشان بنی مردان و بنی امیہ نے حضرت  
 علی کی اولاد اور ان کے شیعوں کے ساتھ  
 کئے تھے۔ اس کی سلطنت تقریباً بیس سال  
 رہی اور ذہ نہیں مرا یہاں تک کہ اہل عراق  
 حضرت عثمان کے قرآن پر جمع ہو گئے، ان  
 کی اولاد نے نشوونما پائی، اور اب وہ سوائے

مات الجوامح حتی اجتمع اهل  
 العراق علی قرأۃ عثمان ونشأ  
 ابناؤہم ولا یحرفون غیرہا  
 لا مسالک الا باع عنہا وکف  
 المحامین عن تعلیمہا حتی لو  
 قرأت علیہم قرأۃ عبد اللہ  
 وابی ما عرفوہا یظنوا بتالیفہا  
 الاستکراۃ والا ستہجان  
 لولف العادۃ وطول الجہالۃ  
 لہ نہ اذا استولت علی الرغبة  
 الغلبۃ وطالت علیہم ایام  
 النسلط وشتاعت فیہم المخافۃ  
 وشدتہم التقیہ اتفقوا علی  
 التخاذل والنشاکب فلا تزال  
 الا یام تاخذ من بصرہم  
 وتنقیص من ہما ثرہم و  
 تنقص من مزایرہم حتی  
 تصیر الیدۃ الی احد ثوہا  
 غامرۃ السنۃ السنۃ کانوا  
 یحرفوہا ولقد کان الحجاج  
 ومن ولایۃ کعبہ الملائک والولید  
 ومن کان قبلہا وبعدها من  
 فراعتہ بنی امیہ علی اخفاء

قرآن عثمان کے اور کسی قرأت کو نہیں جانتے  
 تھے کیونکہ ان کے باپ دادا نے اسی قرآن کو  
 پکڑا تھا اور ان کے اُستادوں نے اس کی ہی  
 تعلیم دی تھی یہاں تک کہ اگر اب ان کے  
 سامنے عبداللہ بن مسعود و ابی کے طریقہ کے  
 قرآن کو پڑھا جائے تو وہ اس سے بالکل  
 ناواقف ہو گئے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہیں اس  
 قرآن سے اُلفت ہو گئی اور دوسرے کا  
 علم ہی نہ تھا اسی طرح اس امر میں رعایا  
 کے اوپر استبداد غالب ہو گیا سلطنت کا زمانہ  
 دراز ہو گیا اور ان کے دل میں تقیہ اور  
 ڈرنے گھبر کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اس امر پر جمع  
 ہو گئے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے ان کی آنکھوں  
 میں حضرت علی کی وہ قدر و منزلت نہ رہی  
 و لیں سے ان کی عزت جاتی رہی اور حضرت  
 علی کے محاسن نہاں ہو گئے یہاں تک کہ یہ  
 بدعت راسب و شتم علی ان کے لئے سنت ہو گئی  
 جو حجاج اور وہ لوگ جنہوں نے اس کو مقرر کیا تھا  
 عبدالملک و لیا اور نیزہ فراعتہ بنی امیہ جو ان سے  
 پہلے تھے اور بعد میں ہوئے بہت شدت جو کہ  
 ساتھ ان پر تلے ہوئے تھے کہ حضرت علی کے  
 محاسن اور انکی ولاد اور شیعہ کے فضائل کو چھپائیں  
 اور ان کے قتل و عزت کو محو کریں، اور ان کی

محاسن علی و فضائلہ و فضائل  
ولداہ و شیعۃ و اسقاط اقدارہم  
احرص منہم علی اسقاط قرأۃ  
عند اللہ و ابی لاون تلك القراءة  
لا تاون سبب الزوال ملکہم  
و فساد امرہم و انکشاف  
حالہم و فی اشتہار فضل  
علی علیہ السلام و ولداہ و  
اظہار محاسنہم بوارہم  
و تسلیط حکم الکتاب المنبوعہ  
علیہم فخر صوا و اجتہد و  
فی اخفاء فضائلہ و حملوا  
الناس علی کتمانہا و سرہا و  
ابی اللہ ان یزید امرہ و امر  
ولداہ الا استنارۃ و اشراقاً  
و حیہم الا شغفاً و شداداً و ذکرہم  
الا انتشاراً و کثرة و حجتہم الا  
وضوحاً و قوۃ و فضلہم الا  
ظہوراً و شأنہم الا علواً و اقدارہم  
الا اعظاماً حتی اصبحوا  
ابانہا انتہم ایاہم اعزاء و  
ایمانتہم ذکرہم اہیاء و ما  
ادادوا بہ ربہم من الشرک و

یہ خواہش اس کے کہیں زیادہ تیز اور خوب تر تھی جو ان کو  
عبداللہ والی قرأت کو محو کرنے کے لئے تھی کیونکہ ان  
قرأتوں سے ان کے ملک کو زوال نہیں آتا  
تھا، فضائل علی و اولاد علی کے منتشر ہونے میں  
اور ان کے محاسن کے ظاہر ہونے میں ان  
لوگوں کے ملک سلطنت کی بربادی تھی، لہذا  
انہوں نے فضائل علی کے انھما میں بہت کوشش  
کی اور جو روئے ظلم کے ساتھ لوگوں کو مجبور کیا کہ فضائل و  
حقوق علی کو چھپائیں لیکن خدایہ تعالیٰ نے چاہا  
کہ حضرت علی اور ان کی اولاد کا نور چمکے اور  
پھیلے ان کی محبت زیادہ ہو، ان کا ذکر اطراف  
عالم میں منتشر ہو۔ ان کے حقوق لوگوں پر ظاہر  
ہوں ان کے فضائل و محاسن لوگوں پر آشکارا  
ہوں ان کی شان بڑھے ان کی قدر و منزلت  
زیادہ ہو یہاں تک کہ جوں جوں بنی امیہ نے انکی  
اہانت کی ان کی عزت زیادہ ہوئی جوں جوں  
بنی امیہ نے ان کے ذکر کو چھپانا چاہا ان  
ٹوں وہ لوگوں میں پھیلا جس امر سے  
بنی امیہ کا منشا انہیں بدی پہنچانے کا تھا وہ  
ان کے لئے نیکی میں تبدیل ہو گیا اس کا نتیجہ  
یہ ہوا کہ علی اور اولاد علی کے فضائل اور محاسن  
و سوابقات کا ذکر ہم تک پہنچا اور حضرت  
علی کی یہ محاسن و صفات ایسی ہیں کہ جن میں

خیرا فانتھی النیا من ذکو فضائلہ  
 وخصاً نصدہ و مزایاہ و سوا بقہ مالہ  
 یتقدّمہ السابقون ولا ساواہ  
 فیہ المقاصدون ولا یلحقہ الطالبون  
 ولو لا انہما کانت کالقبلة المنصوبۃ  
 فی الشہرۃ و کالسنن الم محفوظۃ  
 فی الکثرۃ لم یصل الینا منہا و فی ذہننا  
 حرف واحد و کان الامر کما و صفناہ

علی کی برابر ہی نہ آگے بڑھنے والوں نے کی  
 اور نہ ان کی حد تک طلب و تلاش کرنے  
 والے پہنچ سکے ان کو انھا و مردہ کرنے کے  
 لئے تو اتنے زبردست طریقے استعمال  
 کئے گئے تھے کہ اگر یہ صفات و محاسن بہت  
 اعلیٰ درجہ کے نہ ہوتے اور ان کی شہرت رسول  
 کے وقت میں اتنی عام نہ ہو گئی ہوتی تو ہم تک  
 ان کی ایک صفت بھی نہ پہنچتی

ابو جعفر اسکانی جماعت حکومت کے نہایت مشہور و معروف متکلمین و محققین  
 میں سے ہے ابو سعد عبدالکریم سمعیانی نے کتاب الاثساب رورق ۱۵ میں لکھا  
 ہے کہ محمد بن عبداللہ الاسکانی بغداد کے معتزلہ متکلمین میں سے بہت مشہور و معروف  
 اور اس کی بہت تصانیف ہیں۔ ۲۷۰ھ میں اس نے وفات پائی یا فوت جمہوری  
 معجم البلدان میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ ابو جعفر الاسکانی بغداد کے معتزلہ متکلمین  
 میں سے بہت مشہور و معروف تھا۔ اس کی مدح ابو الحدید نے اپنی شرح  
 بیج البلاغہ میں بہت کی ہے اور عبدالجبار معتزلی جس سے اہل سنت و جماعت  
 طریقہ مناظرہ سیکھا ہے اس کی بہت تعریف کرتا ہے

علامہ ابو بکر خوارزمی کے مکاتیب میں جو مصر میں چھپ چکے ہیں اور اس  
 ایک نسخہ اس حقیر کے کتب خانہ میں خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے موجود ہے  
 اس سے بھی زیادہ اس امر کی تفصیل کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

و کتب الی جماعۃ الشیعۃ بنیسا بوم  
 لہا قصد ہم محمد بن ابراہیم والیہا  
 سمعت ارشد کم اللہ سعیکور  
 جمع علی التقویٰ امرکم ماتکم بد  
 جب محمد بن ابراہیم والی نیشاپور نے وہاں  
 شیعہ جماعت کا قصد کیا تو علامہ خوارزمی  
 نے اس جماعت کے پاس یہ خط بھیجا :-  
 تمہارا بھلا کرنے میں تمہاری کوششوں

السلطان الذي لا يتخائل الا على  
العدل ولا يعيل الا على جانب  
الفضل ولا يبالي بان يمزق دينه  
اذا سرق ديناه ولا يفكر في ان لا  
يقدم رضا الله اذا وجد ما ضاهو  
انتم ونحن اصحاء الله واياكم  
عصاة لئلا يرض الله لنا الدنيا  
فقد خونا للدار الاخرى ومرغب  
بنا عن ثواب العاجل فاعد لنا  
ثواب الاجل وقسمنا قسمين  
قسما مات شهيدا وقسما عاش  
شريدا فالحي يجد الميت على  
ما ضاهو اليه ولا يرغب بنفسه  
عيا جري اليه قال امير المؤمنين  
وليسوب الدين عليه السلام  
المحن الى شيعتنا اسرع الى  
الحدود وهذه مقالة واصنست  
على المحن وولد اهلها في طالع المصائب  
والفتن فحياة اهلها نغصن و  
قلوبهم خشوها غضض والايام  
عليهم متعاملة والدينا عنهم  
ماثلة فاذا كنا شيعتنا امتنا في  
الفرائض والسنن ومتبعي انارهم في

تقویٰ کا حال اس بادشاہ سے مناسب ہے جو ہمیشہ  
عدل کرتا ہے اور فضیلت کی طرف مائل ہوتا  
ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے دین کو اس کی  
دنیا کے امور خراب کر دین اور جب رضائے  
الہی معلوم کر لیتا ہے تو اس کو سب پر مقدم  
رکھتا ہے، ہم اور تم خدا بھلا کرے ایک جماعت  
ہیں، خدا اس بات پر راضی نہ ہو کہ ہمیں دنیا  
دیوے لہذا آخرت میں ہمارے ثواب کا  
ذخیرہ جمع فرمایا۔ دنیا کی دلفریبیاں اس نے  
ہمارے لئے مناسب نہ سمجھیں، لہذا اس نے  
ہمارے لئے آخرت کی خوبیوں جمع فرمائیں اور  
ہمیں دو قسمیں پر تقسیم کیا۔ پس ایک جماعت تو  
شہید ہو گئی اور دوسری شہر بدر کی گئی پس  
زندہ لوگ مردوں پر حسد کرتے تھے بوجہ  
ان تکالیف کے جو ان پر گزری تھیں۔  
جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے  
کہ جس تیزی کے ساتھ پانی نشیب کی طرف  
دوڑ کر جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تیزی کے  
ساتھ مصائب و تکالیف ہمارے شیعوں کی  
طرف دوڑ کر آتے ہیں، اس قول کی بنیاد  
ان مصائب پر ہے جن کی نسبت کہا گیا ہے  
کہ وہ لوگ فتنوں کے طالع کے اندر پیدا  
ہوتے ہیں ان کی زندگی قبل اس کے کہ

كل قبایح و حسن فینبغی ان  
 تتبع انما رهم فی المحن غصبت  
 سیدتنا فاطمہ صلوة اللہ علیہا  
 و علی آبدیہا میراث ابیہا صلوة  
 اللہ علیہ و علی الہ یوم السقیفہ  
 و اخر امیر المؤمنین عن الخلفاء  
 و سم الحسن علیہ السلام سترًا و  
 قتل اخوہ علیہ السلام جہزًا و  
 صلب زید بن علی بالکناسہ  
 و قطع سراسر زید بن علی فی  
 المعرکة و قتل ابناہ محمد و  
 ابراہیم علی ید عیسی بن موسی  
 العباسی و مات موسی بن جعفر  
 فی حبس ہارون و سم علی بن  
 موسی بید المامون و ہزموہ  
 ادریس بفسخ حتی وقع الی الوندلس  
 فرید اومات عیسی بن زید طریدا  
 شویدا و قتل یحیی بن عبد اللہ  
 بعد الامان والا بیان و بعد  
 تاکید العہود والضمان ہذا غیر  
 ما فعل یعقوب بن اللیث بعلویہ  
 طبرستان و غیر قتل محمد بن زید  
 و الحسن بن القاسم الداعی علی

یوری ہو ختم کر دی جاتی ہے، اور وہ اپنی  
 زندگی سے پھرتے پھرتے نہیں ان کے دل  
 سے غم و اندوہ سے بھرے رہتے ہیں زنا  
 ان پر سختی کر لے اور دنیا ان سے دور ہو جاتی ہے  
 اور اگر ہم تراش و سن میں اپنے اماموں کی پیروی  
 کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم  
 چلنا چاہتے ہیں تو چاہیے ہم مصائب تکالیف  
 بھی ان کے قدم بہ قدم چلین بروز سقیفہ جناب  
 سیدہ فاطمہ الزہراء صلوة اللہ علیہا سے ان کے  
 باپ کی میراث چھین لی گئی اور جناب علی مرتضیٰ  
 خلافتِ اولیٰ سے محروم کیا گیا، جناب امام حسن کو  
 پوشیدہ زہر دیا گیا، جناب امام حسین کو علانیہ قتل  
 کیا گیا۔ زید بن علی کو کناسہ میں سوی دیا، اور  
 زید بن علی کا سر معرکہ میں کاٹا گیا۔ اور ان کے  
 دونوں بیٹوں محمد و ابراہیم کو عیسیٰ بن موسیٰ عباسی  
 نے قتل کیا، حضرت موسیٰ بن جعفر ہارون کی قید  
 میں مر گئے۔ اور حضرت علی بن موسیٰ کو مامون نے  
 نہر سے شہید کیا، اور یس بفسخ کی طرف  
 بھاگ گئے اور پھر تنہا الوندلس میں آ گئے  
 عیسیٰ بن زید جلاوطنی کی حالت میں مر گئے  
 بن جعفر کو امان اور حلف دینے کے باوجود  
 قتل کیا گیا، یہ سب اس کے علاوہ ہے  
 یعقوب بن اللیث نے طبرستان میں علی بن



یدی ال ساسان و غیر ما صنعہ  
 یوالساح فی علویۃ المدینۃ  
 حملہم بلا غطاء ولا وطاء من  
 الحجاز الی سامرا و هذا بعد قتل  
 قتیبہ بن مسلم الباہلی  
 لابن عمرو بن علی حین اخذہ  
 بابویہ وقد ستر نفسه و واری  
 شخصہ یصانع حیاتہ و یدافع  
 وفاتہ ولا کما فعلہ الحسین  
 بن اسمعیل المصعبی بیحیی بن  
 عمر التریدائی خاھتہ و ما فعلہ  
 مزاحم بن خاقان بجاویۃ الکوفہ  
 کافۃ و یحسبکہ انہ لیست فی  
 بیضۃ الاسلام بلدۃ الا  
 و فیہا لقتیل طالعی تربہ تشارك  
 قتلة الاموی والعباسی و اطین  
 علیہم العدنانی و القحطانی  
 اشعار.....  
 قادتہم الحینۃ الی المینۃ و کمرہوا  
 عیش الذلۃ فباتوا موت العزۃ  
 و تقوا بہا لہم فی الدار الباقیہ  
 فساخت نفوسہم عن ہذا الفانیہ  
 ثم لم یشریبا کاساً من الموت

ساتھ کیا، یہ اس کے علاوہ ہے کہ محمد بن زید  
 و الحسن بن القاسم کو آل ساسان نے قتل کیا  
 اور نیز اس کے علاوہ ہے جو ابوالساح نے مدینہ  
 میں علویین کے ساتھ کیا کہ ان پر یکا یک حملہ  
 کر دیا جب کہ وہ بالکل نہتے تھے اور ان کو سامرا  
 کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور یہ قتیبہ بن مسلم باہلی کے  
 قتل کے بعد ہوا، کہ جب وہ عمر بن علی کی وجہ  
 سے قتل کیا گیا تھا۔ جس کو بابویہ نے پکڑ لیا تھا  
 حسین بن اسمعیل المصعبی نے سبھی بن عمر الزیدی  
 پر اور مزاحم بن خاقان نے کوفہ میں علویین پر  
 بڑے بڑے ظلم و ستم کئے تھے، غرض کہ مملکت اسلامیہ  
 میں کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی  
 علوی قتل نہ کیا گیا ہو۔ اور اس کے قتل میں  
 اموی و عباسی و عدنانی و قحطانی سب نے  
 شرکت نہ کی ہو.....  
 علویین کو حیرت نے موت کی طرف کھینچا۔ چرنکہ  
 وہ دولت کی زندگی گوارا نہیں کرتے تھے، لہذا  
 وہ عزت کی موت مر گئے۔ چونکہ ان کا ایمان  
 یقین نعمائے اخروی پر کامل تھا۔ لہذا  
 ان کے دل اس فانی دنیا سے بیزار ہو گئے۔ مگر  
 انہیں نے کوئی موت کا کاسہ نہیں پیا۔ لیکن یہ  
 کہ ان کے ساتھ ان کے شیعوں اور  
 دوستوں نے بھی اس کو اسی طرح

الا شرکھا سیعتھم واولیاءھم  
 واولیاءتاسوا لونا من الشکر انہ الا  
 قاساکہ انصارھم واتباعھم  
 راس عثمان بن عفان بطن عمار  
 بن یاسر بالمدينة و نفی  
 اباض الغفاری الی الربذة  
 وانشخص عامر بن عبد قیس  
 التیمی وشراب الاشتر النخعی  
 و عادی بن حاتم الطائی و  
 سیر عبد بن زرارہ الی  
 الشام و نفی کیل بن زیاد الی  
 العراق و جفا ابی بن کعب واقصا  
 و عادی محمد بن حذیفہ و ناوہ  
 و عمل فی دم محمد بن سالم ما  
 عمل و فعل مع کعب ذی الحظیہ  
 ما فعل و اتبعہ فی سیرہ بنو امیئہ  
 یقتلون من حاربھم و یضارون  
 من سالمھم لا یحفلون المہاجر  
 و لا یصونون الانصاری و لا یحافون  
 اللہ و لا یحتمون الناس قد  
 اتخذوا عباد اللہ خولا و مال اللہ  
 و لا یحرمون الکعبۃ و یستعبدون  
 الصحابة و یعطون الصاوة

چکھا عثمان بن عفان نے عمار یا سر کے پیٹ  
 پر لائیں ماریں اور ابو ذر کو ربذہ کی طرف  
 جلا وطن کر دیا، اور عامر بن عبد قیس التیمی  
 کو شہر بدر کر دیا اور اشتر النخعی و عادی بن  
 حاتم کو جلا وطن کر دیا، عمر ابن زرارہ کو  
 شام کی طرف بھیج دیا، کیل بن زیاد  
 کو عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ و ابی  
 بن کعب و محمد بن حذیفہ پر ظلم کیا، اور  
 ان کو بھی شہر بدر کر دیا، محمد بن سالم کے  
 خون کے ساتھ اس نے دہ کیا جو کیا اور  
 کعب ذی الحظیہ کے ساتھ، دہ کیا جو اس نے  
 کیا اسی طرح عثمان بن عفان کے نقش قدم  
 بنو امیئہ چلے، جو ان سے لڑائی لڑتا تھا  
 تو اسے قتل کر دیتے تھے اور جو ان کے  
 ساتھ صلح کر لیتا تھا تو اس سے دھوکہ  
 کرتے تھے۔ ان کے دست بور سے  
 ہاجرین بچے ہوئے تھے اور نہ انصاری  
 وہ نہ خدا سے ڈرتے تھے اور نہ انسان کو  
 کچھ خیال کرتے تھے۔ بتراگان خدا کو اپنا  
 غلام سمجھتے تھے اور خدا کے مال کو اپنے  
 باپ کا مال خیال کرتے تھے، کعبہ کو  
 منہدم کرتے تھے۔ صحابیوں  
 سے ایسی عبادت کراتے تھے۔

ریاضیوں کو غلام بناتے تھے، نماز ہائے پنجگانہ کو ترک کر دیا تھا۔ آزاد لوگوں کو قید کرتے تھے حرم رسول کے ساتھ وہی سلوک کرتے تھے جو حرم کفار کے ساتھ کرتے تھے، نبی امیہ نے اتنا فسق و فجور کیا جو حد سے گزر گیا، معاویہ نے حجر بن عدی و عمر بن الخزاعی کو حلف کے ساتھ مان دینے کے بعد قتل کیا، زیاد ابن سمیہ نے بصرہ و کوفہ کے ہزاروں شیعوں کو قتل کر دیا اور بہت کرا سیر کر لیا، یہاں تک کہ خالی سے تعالیٰ نے معاویہ کو اس کی بد اعمالیوں کی جواب دہی کے لئے بٹایا اور اس کی عمر ختم ہو گئی اسکے برے انجام کے ساتھ اس کے بیٹے یزید نے اپنے باپ کی پیروی ان برے اعمالوں میں کی اور جن کو معاویہ نے قتل کر لیا تھا ان کے بیٹوں کو یزید نے قتل کیا یہاں تک کہ اس نے ہانی بن عروہ المرادی کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب تمام ممالک آل مروان کے لئے آل علی سے خالی ہو گئے تو انہوں نے حجاز میں عراقین پر حجاج بن یوسف کو مسلط کر دیا، پس وہ ہاشمیوں کی زندگی کے ساتھ کھیلنا، فاطمین کو ڈرا یا شیعان علی کو قتل کیا، الی رسول کی نشانیں کو مٹا دیا اس کی طرف سے کیسے ابن زیاد النخعی پر جو گزرا وہ گزرا اور یہ بلا عظیم سلطنت مروانہ

الموقوتہ و یحتمون اعناق  
الاحرام و لیبیرون فی حرم المسدین  
وسیرتھم فی حرم الکفار و اذا  
فسق الاموی فلم یات بالصلوۃ  
عن کل اولہ قتل معاویہ  
حجر بن عدی الکندی و  
عمر بن الحمق الخزاعی بعد  
الایمان الموکدہ و الموائیق  
المغلظہ و قتل زیاد بن سمیہ  
من شیعۃ الکوفہ و شیعۃ البصرہ  
صدراً و اوسعہم جلساً و امر لحتی  
قبض اللہ معاویہ علی اسوع اعمالہ  
و ختم عمرہ لشرحوالہ فأتبعہ ابنہ  
یحییٰ علی جرہاۃ و قتل ابناء قتلاہ الی  
ان قتل ہلک من العروۃ المرادی  
فلما حلت الیلاہ للال مروان  
سلطوا الجاج علی الحجازین  
ثم علی عراقین فتلعب  
بالہاشمین و اخاف الفاطمین و  
قتل شیعۃ علی و محاربا بیت النبی  
و جری منہ ماجری علی کیل بن  
زیاد النخعی و اتصل البلا و مدح  
ملک البروانیہ الی الایام

العباسیہ حتی اذا اراد الله  
ان يختم مداتهم بالكثرة اثمهم  
ويجعل اعظم ذنوبهم في اخرايامهم  
بعث على بقية الحق المهمل الدين  
المعطل زيد بن علي فخذ له منا فقوا  
اهل العراق وقتله احزاب اهل  
الشام وقتل معه من شيعة  
نصر بن خزيمه الاسدي ومعاوية  
بن اسحاق الانصاري وجماعة  
من شايعة وتابعه وحتى من  
زوجه وادناه وحتى من كلهم وماشأ  
فلما انتهموا ذاك الحريم واقترفوا  
ذالك الاثم العظيم غضب الله  
عليهم وانتزع الملك منهم فبعث  
عليهم اباجرم لابي مسلم فنظر  
لونه نظر الله اليه الى صلابة العلو  
والى لين العباسية فترك تقاه  
واتبع هواه وباع اخرته بدنياه  
واقفنته عملة يقتل عبد الله بن  
معاوية بن عبد الله بن جعفر  
بن ابي طالب وسلط طواغيت  
خراسان وخراسان سجستان  
واكواد اصفهان على ال ابي طالب

کے زمانہ میں عباسیوں کی حکومت تک رہی  
یہاں تک کہ جب خداوند تعالیٰ نے ارادہ  
کیا کہ ان کی مدت سلطنت کو عظیم الشان گناہوں کے  
ساتھ ختم کرے اور ان کے سب سے بڑے  
گناہ ان کے آخری زمانہ میں ہوں، تو زید  
ابن علی کو اس رہے سہے معطل دین اسلام پر  
کھڑا کیا، پس عراق کے منافقوں نے اس کو  
چھوڑ دیا، اہل شام نے ان کو قتل کر دیا اور  
ان کے ساتھ ان کے شیعوں میں سے نصر بن  
خزیمہ الاسدی و معاویہ بن اسحاق الانصاری  
قتل کئے گئے، اور وہ سب قتل کر دیئے گئے  
جنہوں نے ان کی پیروی یا متابعت کی تھی  
یہاں تک کہ وہ بھی قتل کر دیئے گئے جنہوں نے  
ان سے سلسلہ ازواج قائم کیا تھا ان کے نزدیک  
آئے تھے یا ان سے کلام کیا تھا پس جب  
نبی امیہ نے یہاں تک ظلم عظیم کئے تو  
خداوند تعالیٰ ان پر غضبناک ہوا اور ان سے  
ملکت چھین لیا اور ان کے اوپر ابو مسلم کو جسے  
ابو مجرم کہنا چاہیے مسلط کیا پس ابو مسلم نے  
مناسب سمجھا کہ علی بن پرستخیز کرے اور عباسیوں  
کی طرف جھکے اس نے تقویٰ چھوڑ دیا اور اپنی  
ہوا سے پیس کی پیروی کی اور آخرت کو دنیا کے عوض  
میں فروخت کر دیا اس نے اپنی بد اعمالیاں عبد اللہ

بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے  
 قتل سے شروع کیں اور خراسان کے شیطانوں و  
 سحستان کے خارجیوں اور اصفہان کے کزوں کو  
 آل ابی طالب کے اوپر مسلط کر دیا وہ لوگ ولاد اور ایطاب  
 کو ہر ایک پتھر و کنکر کے نیچے سے بڑھ کر قتل کرتے  
 تھے اور ان کو میارنوں اور پہاڑوں میں سے تلاش  
 کر کے نکالتے تھے یہ قدرت خداوندی تھی کہ ابوسلم کے  
 اوپر وہ شخص مسلط ہو گیا جو سب سے زیادہ اسکا محبوب تھا  
 پس اس نے ابوسلم کو اسی طرح قتل کیا جس طرح ابو  
 مسلم نے لوگوں کو اوس کی اطاعت میں قتل کیا تھا...  
 شاہان عباسیہ کے قیدی خانے اہلبیت رسالت سے  
 بھر دیئے گئے ان کے نائب کو ڈھونڈ کر نکالا گیا اور  
 ان کے حاضر کو قتل کیا گیا یہاں تک کہ عبداللہ بن محمد  
 بن عبداللہ الحسینی ملک نہ رہیں قتل کر دیئے گئے...  
 اور یہ سب بہت کم تھا اس کے مقابلے میں جو ہاروں  
 نے ان میں سے قتل کئے اور جو کہ بوسے نے اسے قتل  
 ان کے ساتھ کیا...  
 عباسیوں کی حالت تھی کہ اگر خانان رسالت میں سے  
 کوئی امام یا سنی مر جاتا تھا تو کوئی اس کے جنازے کے  
 ساتھ نہ جاتا تھا اور نہ ان کی قبر میں مٹی ڈالتا تھا  
 اور اگر ان کے ظالموں میں سے کوئی مرتا تھا یا کوئی  
 مسخرہ یا ہولوبک کا آدمی مرتا تھا تو اس کے جنازے  
 کے ساتھ حکام عالی و قافی جاتے تھے اور تعزیت

یقیناً ہر تخت کل حجر و مدبر و یطلبہم  
 فی کل سهل و جبل حتی سلط  
 علیہ احب الناس الیہ فقتلہ  
 کیا قتل الناس فی طاعة و اخذہ  
 بیا اخذ الناس فی بیعتہ.....  
 وقد امتلأت سجونہ باہلبیت  
 الرسالۃ و معدن الطیب و الطہارۃ  
 قد تتبع غائبہم و تعلق حاضرہم  
 حتی قتل عبد اللہ بن محمد بن  
 عبد اللہ الحسنی بالسند.....  
 و هذا اقلیل فی جنب ما  
 قتلہ ہارون منہم و فعلہ  
 موسی قبلہ بہم.....  
 و بیوت امام من ائمتہ الہدی  
 و سید من سادات بیت المصطفی  
 فلا تتبع جنازۃ و لا تجتخص  
 مقبرۃ و بیوت ضراط لہم و لاعب  
 او مسخرۃ او ضارب فتخضر  
 جنازۃ العدول و القضاۃ و بعد  
 مسجد التمزیہ عند القواد  
 و الولاۃ و یسلم فیہم من یحرفونہ  
 دہریا و سوق طائیا و لا یتعرضون  
 لمن یدرس کتا یا فلسفیا و ما ذویا

وَيَقْتُلُونَ مِنْ عَرَفَةَ شَيْعِيًّا وَيَسْفِكُونَ  
 دَمًا مِنْ سَمِيِّ ابْنِ عَلِيٍّ .....  
 وَكَفَاهُمْ أَنْ شَعْرَاءَ قُرَيْشٍ قَالُوا  
 فِي الْجَاهِلِيَّةِ اشْعَاءُ بِيحْيُونَ بَهَا  
 أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
 وَيَعَارِضُونَ فِيهَا اشْعَارَ الْمُسْلِمِينَ  
 فَجَلَّتْ اشْعَارُهُمْ وَوَدَّتْ أَخْبَارُهُمْ  
 وَرَوَاهَا الرُّوَاةُ مِثْلَ الْوَاقِدِيِّ  
 وَوَهْبِ بْنِ مَنِبِهِ التَّمِيمِيِّ وَمِثْلَ  
 الْكَلْبِيِّ وَالشُّرَيْقِيِّ بْنِ الْقَطَامِيِّ وَ  
 الْهَثِيمِيِّ بْنِ عَدِيِّ وَدَابِ بْنِ  
 الْكِنَانِيِّ وَأَنَّ بَعْضَ اشْعَارِ الشَّيْخَةِ  
 يَتَكَلَّمُ فِي ذِكْرِ مَنَاقِبِ الْوَصِيِّ  
 بِلَفْظِ ذِكْرِ مَعْجَزَاتِ النَّبِيِّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ  
 فَيَقْطَعُ لِسَانَهُ وَيَمِزُقُ دِيْوَانَهُ كَمَا  
 فَصَّلَ بَعِيدُ اللَّهِ بْنِ عَمَّارِ الْبَيْرُوتِيِّ وَ  
 كَمَا اسْرَيْدُ بِالْكَمَيْتِيِّ بْنِ سُرَيْدِ  
 الْأَسَدِيِّ وَكَبَانِيَشُ قَبْرِ  
 مَنْصُورِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْقُرْبِيِّ  
 وَكَبَادُ مَرْعِيِّ وَعَجَلُ بْنُ عَلِيِّ الْخَزَاعِيِّ  
 مَعَ سَرَفَقَتِهِمْ مِنْ مَرْوَانَ بْنِ أَبِي  
 حَفْصَةَ الْيَمَامِيِّ .....

کرنے والوں سے جن میں والیان ملک بھی شامل تھے  
 تھے مسجد بھر جاتی تھی ان میں وہ لوگ صحیح و سالم  
 رہتے تھے اور خوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جن کو  
 وہ جانتے تھے کہ یہ دہرے یا فسطائی ہیں اور ان  
 سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا جو دریسوں میں ماننے کے  
 مذہب یا دہریت کی تعلیم دیتے تھے مگر جس شخص کو  
 جانتے تھے کہ شیعہ علی ہے اس کا خون مباح کر دیتے تھے  
 اور اس کو قتل کرتے تھے اور جو شخص اپنے بیٹے کا نام  
 علی رکھتا تھا اس کو قتل کر دیتے تھے .....  
 اور یہ کہنا ہی کافی ہے کہ شعراء قریش جو میرا یمنین علی کی  
 ہجو میں اشعار کہتے تھے اور مسلمانوں کے اشعار سے  
 مواضع کرتے تھے ان کے اشعار لوگوں میں فروغ پاتے  
 تھے اور ان کے سوانح حیات تحریر کئے جاتے تھے اور ان کے  
 اشعار کو واقعی اور وہیب جیسے مورخ روایت کرتے تھے  
 مثلاً کلبی و اشرفی بن القطامی و ہثیم بن عدی اور  
 داب بن الکنانی اور وہ شعراء شیعہ جو بھی مصطفیٰ کی  
 مدح میں شعر کہتے تھے بلکہ جو صرف معجزات رسول خدا  
 بیان کرتے تھے ان کی زبان قطع کی جاتی تھی اور ان کے  
 دیوانوں کو چاک کیا جاتا تھا جیسا کہ عبد اللہ بن عمار  
 البرقی کے ساتھ کیا گیا اور جس طرح کہ منصور بن الزبرقان  
 قراکھاری لگی اور جیسا کہ عجل بن علی الخزاعی کے  
 اوپر ظلم کیا گیا حالانکہ وہ مروان بن ابی حفصہ الیمامی  
 کے رفقاء میں سے تھا .....

یہاں تک کہ ہارون بن جعفر و متوکل کسی کو کچھ مال نہیں عطا کرتے تھے اور نہ کسی پر مہربانی و تلافی نہیں کرتے تھے جب تک کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا تھا کہ یہ شخص آلِ ابی طالب پر سب و شتم کرتا ہے اور مذہبِ نوح و عیسیٰ و خارجی رکھتا ہے۔ مثل عبد اللہ بن مصعب الزبیری و وہب بن بن و وہب البختری کے، اور شاعروں میں سے مثل مروان بن ابی حفصہ الاموی کے اور ادیبوں میں سے مثل عبد الملک بن قریب الاوضعی کے۔

حتى ان هارون بن الخيزران و جعفر المتوكل على الشيطان لا على الرحمن كانوا يعطيان مالا ولا يبدون نوالاً الا لمن شتم آل ابی طالب و نضم مذهب الثواصب مثل عبد الله بن المصعب التميمي و وهب بن وهب البختری و من الشعراء مثل مروان بن ابی حفصه الاموي و من الادباء مثل عبد الملک بن قریب الاوضعی۔

کتاب رسائل خوارزمی مطبوعہ مصر ص ۷۶

غرض کہ بہت اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حکومت نے فضائل صحابہ و خلفائے اولین کے حقوق کی تائید میں بہت سی جھوٹی احادیث وضع کیں اور کرائیں، اور جدوجہد تبلیغ کی کہ فضائل علی اور وہ احادیث و اقوال رسول مقبول جن سے حضرت علی کا حق خلافت بلا فصل ثابت ہوتا ہو شائع نہ ہوں۔ ان ہی اصول کو نہ نظر رکھ کر تالیف حدیث کی گئی۔ اور ان ہی اصول کی بناء پر تدوین صحاح ستہ ہوئی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تدوین تاریخ و حدیث امیر معاویہ کے زمانہ میں شروع ہوئی اور بنی امیہ کے زمانہ تک بہت کچھ جمع ہو چکا تھا ۱۱ھ اندرین صورت تاریخ و حدیث کا ایک طرف ہونا اور تصدیق کا محض ایک نسخ یعنی حکومتی نسخ پیش کرنا ظاہر ہے معین حدیث اکثر قاضی اور قاضی القضاة ہوا کرتے تھے اور وہ حکومت کے مقرر کردہ ہوتے تھے۔ لہذا ان سردوں پر وہ ہی مقرر کئے

۱۱ھ سیرۃ النبی شبلی لقطب کمال جلد اول حصہ اول ص ۱۳

جاتے تھے جو حکومت کے طرفدار ہوتے تھے۔ اور اپنے تئیں عہدوں پر برقرار رکھنے کے لئے انہیں ضروری تھا کہ اپنی اس طرفداری کو مرتے دم تک قائم رکھیں۔  
اس طرح حدیث پر قبضہ کر کے حکومت نے اپنی پارٹی کو مضبوط و ضرور کر لیا لیکن فرق مخالف کو وہ نیست و نابود نہ کر سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں تفرق و نفاق کی خلیج بڑھتی ہی گئی۔  
گیارہویں تجویز۔ جمع قرآن۔

خاندان رسالت میں سے حکومت کو نکلنے کے لئے پہلا قدم جو اٹھایا گیا وہ یہ تھا کہ آل رسول کے مقابلہ میں صحابہ کا ایک محاذ قائم کیا جاوے اور جب اُمت محمدیہ کو اس طرح دو فرقوں پر تقسیم کر لیا تو اب یہ کوشش جاری ہوئی کہ ہر ممکن طریقہ سے آل رسول کو کمزور کیا جاوے اور ان کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جاوے۔ اور ان کے مقابلہ میں صحابہ کے اقتدار میں ترقی کی جاوے۔ آل رسول کا امتیازی نشان علم تھا اور انہوں نے اپنے علمیت کو لوگوں کے اوپر اچھی طرح ظاہر کیا تھا تا کہ اُمت اپنے اصلی امام کی شناخت کر کے راہ راست پر آجائے۔ حضرت علی کا اعلان سلوینی اس ہی ضمن میں تھا آپ فرماتے تھے اور صحیح فرماتے تھے کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے ہر ممکن علم نہ ہو۔ میں اُس کے شان نزول، وقت نزول اور مقام نزول سے تم سب سے زیادہ واقف ہوں۔ کیوں نہ ہو۔ گھر والے ہی جانتے ہیں کہ ان کے گھر میں کیا ہے۔ دوسرے آدمی کو کیا علم۔ ابھی آپ نے تاریخ فقہ اسلامی کی عبارت ملاحظہ کی کہ معرفت قرآن ان لوگوں کو زیادہ تھی کیونکہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور وہ اسباب نزول سے اچھی طرح واقف تھے۔ گویا معرفت قرآن کے لئے منجملہ دیگر علیم کے ان دو علموں کا ضروری ہے۔ علم زبان و علم اسباب نزول۔  
زبان کو لیجئے۔ یہ امر تو مسلمہ ہے کہ اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے علاوہ حضرت

گیارہویں تجویز۔ جمع قرآن



عثمان نے تمام قرآن جلا دئے۔ اُن کے مخالفین کہتے ہیں کہ چونکہ دیگر قرآن اُن کے مرتب کیے ہوئے قرآن سے مختلف تھے لہذا حضرت عثمان نے ظلم و جور سے باقی قرآن جلا دیئے اُن کے حامی کہتے ہیں کہ نہیں۔ قرآن شریف کی سات قرأتیں ہو سکتی تھیں۔ حضرت عثمان نے قریش کی قرأت والے قرآن کو قائم رکھا۔ باقی قرأتوں کو جلا دیا۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ عبد اللہ بن مسعود اپنے قرآن کو رسول خدا کی قرأت کے علاوہ کسی اور قرأت پر جمع کرتے۔ اُن کا قرآن بھی زبردستی پھینک کر جلا دیا گیا۔ یہ حدیث قرأت کی باتیں تو قاری جانیں، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اگر قرأت بھی کوئی شے تیز کرنے والی تھی تو محمدؐ کی قرأت کو محمدؐ کا بھائی ہمیشہ ساتھ رہنے والا مددگار، صلواتی سلوٹی دینے والا وارث، حاملِ علم بلی، مطلوبِ انا مدینۃ العلم وعلیٰؑ یا ہا بہتر جانتا تھا یا زید ابن ثابت انصاری جو قریش بھی نہ تھے اور ابھی اپنی ماں کی گود ہی میں تھے کہ قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا۔ اور ابھی مدینہ کی گلیوں میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہی پھرتے تھے کہ اُس کا نزول ختم ہو گیا۔ اُن کو قرأت کا علم دوسروں سے پوچھ کر ہو سکتا تھا۔ علیؑ خود اُس قرأت میں پیدا ہوئے تھے۔ اسباب نزول کی بھی یہی حالت ہے۔ زید ابن ثابت کو اسباب نزول لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو سکتے تھے۔ علیؑ کو اُن کا علم براہِ راست تھا۔ زید ابن ثابت کا علم ذاتی نہ تھا۔ بلکہ سنا سنا یا ہوا تھا۔ اگر کوئی غلط کہہ دے تو اُن کے پاس کوئی ذریعہ اُس کے درست کرنے کا نہ تھا۔ علیؑ کا علم ذاتی تھا جس میں غلطی کا امکان نہ تھا۔ ایسے شخص کو چھوڑ کر جمع قرآن کا کام ایک کمیٹی سے لیا جانا ہے۔ جس کے ممبران سب نوجوان لڑکے تھے اور زید ابن ثابت جن کی عمر وقت مشکل سے ۲۳ برس کی ہوگی اُس کمیٹی کے صدر تھے۔ کیوں علیؑ کو چھوڑا گیا۔ عبد اللہ بن مسعود اور عمار یا سر و ابو ذر و مقداد وغیرہم بزرگوں کو نظر انداز کر کے چند نوجوانوں کو اس کام پر لگایا گیا۔ یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے جو عریضاً تشریح طلب ہے۔

جب انسان راہِ راست چھوڑ دیتا ہے تو اُسے بہت نیچ اور نیچ دیکھنا پڑتا ہے جسدا طہر رسول اکرم کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں طلبِ ملک و جاہ کے لئے چلا جانا وہ نہ ہی گناہ اور اخلاقی نشترش اور سیاسی غلطی تھی جس سے خرابیاں ہی پیدا ہوتی رہیں۔ اُس ایک جرم کو چھپانے کے لئے سینکڑوں جتن کئے اور ہر جتن میں سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے پہلے جناب رسولِ خاریہ یہ شمت رکھنی پڑی کہ آنحضرت اپنے دین اور اپنے فرض سے ایسے لاپرواہ تھے کہ اپنا کوئی جانشین ہی مقرر نہیں کیا حالانکہ اور لوگ ایسی حالت میں ہی نہیں کہ اپنا جانشین مقرر کرتے ہیں بلکہ اُس ولیعهد کو اپنے سامنے تربیت و تعلیم دے کر اپنا سا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُس ہی سلسلے میں اب دوسرا الزام یہ لگانا پڑا کہ جناب رسولِ خاریہ نے قرآن شریف کی طرف سے بھی ایسی ہی لاپرواہی برتی آنحضرت کی زندگی میں تو قرآن شریف جمع نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ آخر وقت تک کسی نہ کسی آیت کے نازل ہونے کا امکان تھا۔ لیکن آنحضرت صلعم کو یہ بھی نہ خیال آیا کہ اُس کے جمع کرنے کے لئے ہدایات دے جاتے اور کسی کو اس امرِ صعب کے انجام دینے کے لئے مقرر کر جاتے۔ آنحضرت کی اس غفلت لاپرواہی کے مقابلے میں حضرت عمر کی ہوشیاری و ہمدردی اسلامی کو نہایت نمایاں کر کے اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ موقعہ اول پر بھی حضرت عمر ہی مدد کو آئے اور فتنہ و فساد بچانے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا لائے اور اب اس موقعہ ثانی پر بھی حضرت عمر ہی کے ذہن رسا نے کام کیا۔ کہتے ہیں کہ جنگ یمانہ میں بہت سے حفاظ قرآن قتل ہو گئے تو حضرت عمر حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن قتل ہوتے جائیں گے تو سارا قرآن ضائع ہو جائے گا لہذا تم کو چاہیے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دو۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں کیونکر وہ کام کروں جو جناب رسولِ خاریہ نے نہیں کیا۔ لیکن حضرت عمر اپنی بات پراڑے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر کا شرح صدر ہو گیا

اور انہوں نے زید ابن ثابت کو اس کام کے لئے بلا یا۔ اول تو زید ابن ثابت بھی سین کر حیران ہوئے اور جب حضرت ابو بکر نے کہ اکہ یہ کام تم کو کرنا ہو گا تو بڑے پریشان ہو گئے۔ اول تو اپنا غدر پیش کیا کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ لیکن جب حضرت ابو بکر نے سمجھا یا تو ان کا بھی شرح صدر ہو گیا۔ اور یہ جمع کرنے پر تیار ہو گئے۔ انہوں نے قرآن شریف کو کھجور کی شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں میں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ ان کو ابو خزیمہ انصاری سے ملا۔ اس کے علاوہ اس حصہ کو زید ابن ثابت نے کہیں اور نہ پایا۔ یہ حصہ تقدیراً کم رسول سے آخر سورہ توبہ تک تھا۔ تا دم وفات یہ صحیفہ حضرت ابو بکر کے پاس رہے اور ان کے مرنے کے بعد حضرت عمر کے پاس رہے۔ اور وہ مرتے وقت ان کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس چھوڑ گئے۔

جب زید ابن ثابت کو مجبوراً یہ پہاڑ اٹھانا ہی پڑا تو سب سے پہلے انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے ان کے قرآن طلب کئے۔ دونوں نے یہ قرآن اپنے اپنے غلاموں سے لکھوائے تھے۔

حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن شریف کو اس کی موجودہ شکل دی گئی اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے ممبران زید ابن ثابت، عبداللہ بن زبیر و سعد بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام تھے۔ جنگھائے آرمینہ و آذربائیجان کے

۱۵۰ صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۱۵۰

حافظ ابو عمر یوسف ابن عبد البر۔ کتاب الاستیعاب ترجمہ زید ابن ثابت الجزء الاول ص ۱۹۲

جلال الدین سیوطی :- تاریخ الخلفاء حالات ابو بکر ذکر جمع قرآن

کتاب الاتقان الجزء الاول ص ۵۷

۱۲۲ صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء الثاني کتاب الصلاة باب الليل لمن قال الصلاة الوسطى ص صلاة العصر ص ۱۱۲

کتاب الدر المنثور الجزء الاول ص ۳۰۲

دوران میں حذیفہ بن الیمان کو قرآن شریف میں لوگوں کا اختلاف معلوم ہوا۔  
 وہ حضرت عثمان کے پاس آئے اور صلاح دی کہ ایک سرکاری قرآن مرتب کیا جائے  
 اور باقی اختلافات کو دور کیا جائے۔ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا قرآن شریف  
 منگا کر اُس کے نقل کرنے کا حکم دیا اور اس غرض کے لئے اشخاص متذکرہ ہالا کی  
 ایک جماعت مقرر کی اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگ آپس میں زید بن ثابت سے اختلاف  
 کرو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھنا۔ کیونکہ قرآن شریف قریش کے لہجہ میں نازل  
 ہوا ہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب نقلیں ختم ہو گئیں تو عثمان نے حضرت حفصہ کا  
 قرآن شریف تو واپس کر دیا اور ان نقلوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر ملک میں  
 بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے سوا اگر کچھ اور قرآن کا حصہ کہیں ملے تو اُس کو جلا دو  
 (واہو بئاسواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق)  
 ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو زید بن ثابت کے لڑکے خارجہ نے بتایا کہ میں نے  
 اپنے باپ زید کو کہتے سنا ہے کہ جب ہم قرآن لکھنے لگے تو احزاب کی ایک  
 آیت ہم کو نہیں ملتی تھی جو جناب رسول خدا پر دھا کرتے تھے۔ پس ہم نے  
 اُس کو تلاش کیا یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت کے پاس وہ مل گئی اور وہ آیت یہی  
 من المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا للہ علیہ پس ہم نے اُس کو سورۃ  
 احزاب میں داخل کر دیا۔ ۵۷

حضرت ابو بکر نے حضرت عمرو زید بن ثابت کو حکم دیا کہ تم دونوں مسجد کے  
 دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ پس جو شخص کوئی آیت بیان کرے کہ  
 یہ قرآن شریف کی ہے اور دیکھ گیا وہ بھی لائے تو تم اس کو قرآن شریف میں لکھ لو۔

۵۷ صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزء الثالث ص ۱۵

جلال الدین سیوطی :- کتاب الاثقان فی علوم القرآن الجزء الاول ص ۵۹

تاریخ فقہ اسلامی ص ۱۶۰

پس ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن ابو خزیمہ بن ثابت کے پاس ایک آیت ملی جو اور کسی کے پاس نہ تھی اور نہ ہی اُن کے پاس دو گواہ تھے۔ لیکن چونکہ رسول خدا نے اُن کو ذوالشہادتین کہا تھا اُن کی ایک کی گواہی دو کے برابر سمجھی گئی اور وہ آیت قرآن شریف میں داخل کر لی گئی۔ زید ابن ثابت حضرت ابو بکر کے حکم سے لوگوں کے مکاتیب پر جاتے تھے اور وہاں سے آیتیں جمع کرتے تھے۔ ۱۷۹

ملکی سیاست کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں۔ حضرت فاطمہ کے دعویٰ فرک میں تو حضرت علی و ام ایمن و جنین علیہما السلام اور حضرت فاطمہ کی گواہیاں اس بنا پر رد کی جاتی ہیں کہ علی تنہا ہیں ایک مرد اور ہو۔ اور ام ایمن تنہا ہے ایک عورت اور ہو۔ لیکن قرآن شریف جیسی اہم شے میں صرف ایک آدمی کی گواہی کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ یہ وہ ہی آل رسول بمقابلہ صحابہ والا تنازعہ ہے یا نہیں؟

اب ان واقعات پر غور کرو۔ اور سوچو کہ کیا کیا نتیجے نکلتے ہیں۔ کسی ایک صحابی یا صحابیہ کے پاس جن کی طرف رجوع کیا گیا مکمل قرآن شریف موجود نہ تھا۔ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ والے قرآن شریف بھی مکمل نہ تھے۔ اگر مکمل ہوتے تو مکان بمکان نہ جاتے، اور مسجد کے دروازے پر بھیک نہ مانگتے۔ خزیمہ بن ثابت کے پاس جو آیت ملی وہ کہیں اور نہیں پائی گئی۔ گواہان و شاہدان کی ضرورت ہوئی۔ ان دونوں مخدرات عصمت کے قرآن شریف غلاموں کے کبھے ہوئے تھے۔ جن کا علم ہرگز حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عمار ابن یاسر، مقداد و ابو ذر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اندرین صورت غلطی کا بہ ایک امکان تھا۔ ہم تو کچھ نہیں کہتے۔ یہ بزرگوار خود مانتے ہیں کہ غلطیاں رہ گئیں۔ کہتے

۱۷۹ الاتقان فی علوم القرآن جلال الدین السیوطی الجزء الاول ص ۵۸

ہیں کہ آیت رجم قرآن شریف کا حصہ ہے۔ لیکن موجودہ قرآن میں نہیں ملتا۔ ۱۲۷  
 سورۃ النحل۔ سورۃ العنقہ موجودہ قرآن شریف میں نہیں ہیں۔ لیکن ان  
 بزرگواروں کا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں صورتیں قرآن شریف کا جزء ہیں۔ اور  
 خداوند تعالیٰ کا کلام ہیں۔ لیکن حضرت عثمان کی دستیاب نہ ہو سکیں۔ جلال الدین  
 سیوطی نے تو ان دونوں سورتوں کو مکمل اپنی کتاب الدر المنثور میں لکھا ہے  
 اور ان کی تفسیر بھی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ عبد اللہ ابن مسعود و ابی بن کعب ابن  
 عباس کے قرآنوں میں موجود تھیں۔ اور حضرت علی نے یہ دونوں سورتیں عبد اللہ  
 عافقی کو تعلیم کی تھیں۔ ۱۲۸

اس امر واقعہ کو یہ بزرگ خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں  
 حضرت علی کے بہت سے فضائل تھے اور بہت سے دیگر صحابہ کے مثالب و  
 معائب تھے جو جامع قرآن کمیٹی نے خارج کر دئے۔ سورۃ توبہ کی نسبت  
 یہ بات خاص طور سے کہی جاتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ سورۃ توبہ بہت طویل تھی  
 اب تو اس کی چوتھائی بھی نہیں ہے۔ اس بات کو حاکم و ابوشیبہ و طبرانی و ابوالشیخ  
 و ابن مردویہ و ابن المنذر و ابوعوانہ و جلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے۔ ۱۲۹

۱۲۷ صحیح بخاری باب رجم الحجلی الجزء الرابع ص ۱۱۹

مشلا امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۲۳، ۲۴، ۵۵۔ جزء الخامس ص ۱۳۲، ۱۳۳

کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۸۰۔ تفسیر اتقان الجزء الاول ص ۵۸

موطائی امام مالک و محاضرات امام راغب فتح الباری ابن حجر عسقلانی

۱۲۸ جلال الدین سیوطی: کتاب الدر المنثور الجزء السادس ص ۲۲۰، ۲۲۱

اتقان الجزء الاول النوع التاسع فی عہ سورہ و آیاتہ ص ۶۵

۱۲۹ جلال الدین سیوطی: کتاب الدر المنثور الجزء الثالث ص ۲۰۸

کتاب الاتقان فی علوم القرآن الجزء الاول ص ۵۲، ۵۵

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آیہٴ رحم اور آیہٴ رضاع الکریم نازل فرمائیں۔ یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ ہم تو آنحضرت کے مرض میں مشغول ہوئے اور ایک بکری آن کر کھا گئی۔ ۵۱

اگر یہ موجودہ قرآن شریف ہی وہ ہے جس کی نسبت آیہٴ وافی ہدایہ نازل ہوئی بخن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظون۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ نے اس آیت کی بہت اچھی تفسیر فرمائی۔

کہتے ہیں کہ اصلی سورۃ احزاب جو نازل ہوئی سورۃ البقر کے برابر طویل تھی اور اس میں آیت رحم بھی تھی۔ لیکن حضرت عثمان کو صرف اسی قدر مل سکی کہ جتنی اب قرآن شریف میں ہے۔ ۵۱

حضرت عمر کہتے ہیں کہ آیت رحم قرآن شریف کا حصہ ہے۔ ہم آنحضرت کے زمانہ میں اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ۵۲

بیان کیا جاتا ہے کہ آیہ تبلیغ اس طرح تھی۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ عَلَيْنَا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اس میں سے اَنَّ عَلَيْنَا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ نکال دیا گیا۔ ۵۳

۵۱ امام احمد حنبل منہ الجزء السادس ص ۲۶۹

امام راجب اصفہانی: محاضرات

فخر الدین عثمان بن علی متوفی رمضان ۳۵ھ: بیان الحقائق شرح کنز الدقائق

۵۱ منہ ابی داؤد الطیالسی الجزء الثاني حدیث ۵۲ ص ۷۳

ابن ہشام: سیرۃ النبی الجزء الرابع ص ۳۳۷

۵۲ اردو ترجمہ از الہ انحاء حصہ دوم ص ۴۳۵

۵۳ کتاب الدر المنثور الجزء الثاني ص ۲۹۸

حافظ ابو نعیم: حلیۃ الاولیاء تفسیر کبیر فخر الدین رازی

۱۰۰ حالانکہ یہ بات اہل سنت کی کتابوں میں ہے مگر التزام شیعہ کو دیا جاتا ہے

آیہ وافی ہدایہ کفی اللہ المؤمنین القتال بحلی بن ابی طالب کھنسی اس میں سے  
 بحلی بن ابی طالب نکال دیا گیا۔ ۱۵۲

ابو وائل رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کے قرآن شریف میں  
 یہ آیت اس طرح لکھی ہوئی دیکھی۔ اِنَّ اللّٰهَ اَخْتَصَّ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ  
 وَّ اٰلَ عِمْرٰنَ وَاٰلَ مُحَمَّدٍ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ۔ اس میں سے آل محمد نکال دیا۔ ۱۵۳  
 پتہ کی بات تو امام شعرائی نے اپنی کتاب الکبریٰ التامیۃ فی بیان علوم  
 الشیخ الاکبر میں کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

قال ولو ان رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم كان هو الذي تولي  
 بجمع القرآن لو قسمنا وقلنا لهذا  
 وحدا هو الذي نتلوه يوم  
 القيامة وقال لولا ما يسبق  
 للقلوب الضعيفة ووضع الحكمة  
 في غير اهلها لبنت جنح ما  
 سقط من مصحف عثمان  
 واما ما استقر في مصحف  
 فلم ينازع احد فيه -  
 بر حاشية اليواقيت والجواهر  
 مطبوعه مصر ۱۲۳

کہا کہ اگر جناب رسول خدا خود جمع قرآن کی نگرانی  
 کرتے تو ہم ضرور توقف کرتے اور کہتے کہ یہ ہے  
 وہ قرآن جس کی ہم روز قیامت تلاوت کریں گے  
 اور شیخ الاکبر نے کہا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ یہ ضعف  
 دلوتکے واسطے سبقت کرے گا یعنی ان کو شہادت  
 پیدا ہو گئے اور اس کہنے سے نااہلوں میں حکمت کو  
 ڈال دینا ہوگا یعنی ایسا کہنے سے نااہل لوگوں کو  
 حکمت کی بات بتا دینا ہوگا تو ہر آئینہ میں  
 ان تمام آیتوں کو ضرور بتا دیتا جو مصحف عثمان  
 سے ساقط ہیں۔ لیکن جو کچھ اب باقی ہے  
 مصحف عثمان میں اس کی بابت ایک شخص نے  
 بھی تنازعہ نہیں کیا۔

۱۵۴ جلال الدین سیوطی :- کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۹۲

میرزا محمد بن معتمد خاں :- مفتاح النجاء

۱۵۵ تفسیر ثعلبی



کتاب الدر المنثور میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں :-

اخرج ابو عبیدہ و ابن الضریس و ابن الاثیر فی المصاحف عن ابن عمر قال لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلمایدس یا ما کلم قد ذهب منه قرآن کثیر و لکن یقول قد اخذت ما ظهر منه جلال الدین سیوطی :- کتاب الدر المنثور :-

ابو عبیدہ و ابن الضریس و ابن الاثیر فی المصاحف عن ابن عمر قال لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلمایدس یا ما کلم قد ذهب منه قرآن کثیر و لکن یقول قد اخذت ما ظهر منه جلال الدین سیوطی :- کتاب الدر المنثور :-

مسلمانوں یا غور کرو - خدا کو جان دہی ہے - کیوں اپنے رسول پر اتنے بڑے الزامات لگاتے ہو - جناب رسول خدا جانتے تھے کہ میں دنیا میں خداوند تعالیٰ کا آخری نبی و رسول ہوں - میرا یہ دین قیامت تک رہے گا - لیکن پھر آپ کی رائے کے بموجب اُس سے یہ لاپرواہی برتی کہ اپنے بعد کے ہادی و جانشین کو بھی مقرر نہ کیا - اور نہ کچھ اُس کے تقرر کا انتظام فرمایا - اگر حضرت ابو بکر و حضرت عمر نہ ہوتے تو یہ دین تو برباد ہو ہی گیا تھا - انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالا - آپ یہ کہتے ہو کہ قرآن شریف کی طرف سے بھی کچھ توجہ نہ کی - پھر حضرت عثمان و حضرت عثمان نے سنبھالا - جناب رسول خدا تو اپنے طریقہ عمل سے قرآن کو کھو ہی چکے تھے - خود تو وہ قرآن شریف کو بکریوں اور غلاموں کے حوالے کر کے دُنيا سے رخصت ہو گئے - اگر جنگِ یدامہ میں حفاظِ قتل نہ ہوتے اور حضرت عمر کا خیال ادھر نہ جاتا تو بس سارا اسلام ہی رخصت ہو گیا تھا - برخلاف اس کے کیا یہ اعتقاد قرین عقل و قیاس و مطابق واقعات کے نہیں ہے کہ آنحضرت نے جمع قرآن کا کام اپنے وحی و جانشین حضرت علی کے ذمہ لگا دیا تھا - جب ہی تو انہوں نے سارے کام چھوڑ کر سب سے پہلے اس حکم کی تکمیل کی - آنحضرت کی زندگی ہی سے اُس کو جمع کرتے رہے تھے :-

علامہ جلال الدین سیوطی کتاب الاثقان فی علوم القرآن الجزء الاول ص ۱۵۴  
میں کہتے ہیں۔ اُن کی عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:-

حضرت علی نے فرمایا کہ جب جناب رسول خدا کا انتقال ہوا تو میں نے قسم کھائی  
کہ میں اپنے کندھے پر روانہ ڈالوں گا سوائے نماز کے لئے یہاں تک کہ  
میں قرآن شریف کو جمع کر لوں۔ چنانچہ میں نے جمع کر لیا۔ حضرت علی کو جب  
بیعت کے لئے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے  
نماز کے کبھی روا اپنے کندھے پر نہ ڈالوں گا، جب تک قرآن شریف جمع نہ  
کر لوں۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ بہتر۔ ایسا ہی کیجئے۔ جلال الدین سیوطی  
کہتے ہیں کہ وہ قرآن شریف تنزیل کے مطابق تھا اور اگر وہ ہم تک پہنچ جاتا  
تو بہت فائدہ ہوتا۔ تاریخ جیب السیر میں بھی یہی لکھا ہے۔ ۱۵۵

علامہ ابن الندیم متوفی ۳۸۵ھ اپنی الفہرست میں لکھتے ہیں:-

قال ابن المنادی حدثني الحسن بن الجباس قال اخبرت عن عبد  
الرحمن ابن ابي حباد عن الحكم بن ظهير الدوسي عن عبد خير  
عن علي عليه السلام انه ساراي من الناس طيرة عند وفات النبي  
صلى الله عليه وسلم فاقسم انه لا يضع عن ظهره رداءه حتى  
يجمع القرآن فجلس في بيته ثلاثة ايام حتى جمع القرآن فهو  
اول مصحف جمع فيه القرآن من قبله۔ ۱۵۶

ترجمہ:- (اسی لئے راویان عربی عبارت میں دیکھو) حضرت علی سے مروی ہے کہ انہوں نے  
جناب رسول خدا کی وفات پر لوگوں کے ایمان کو متزلزل پایا۔ لہذا انہوں نے قسم کھائی کہ میں  
اپنے کندھے پر روانہ ڈالوں گا۔ جب تک قرآن شریف جمع نہ کر لوں۔ چنانچہ تین دن متواتر اپنے

۱۵۶ تاریخ جیب السیر جلد اول جزو چہارم ص ۲

۱۵۷ الفہرست لابن الندیم مطبوعہ المطبعة الرحمانية بمصر ص ۲۲، ۲۱

یہ کتاب میں نے خواجہ حسن نظامی، ظلہ العالی کے کتب خانہ میں دیکھی تھی

گھر میں بیٹھ کر حضرت علی نے قرآن جمع کیا۔ پس وہ پہلا قرآن ہے جو جمع ہوا۔  
اس کے بعد لائق مولف لکھتے ہیں کہ یہ قرآن اولاد جعفر کے پاس تھا اور انہوں نے  
اس کو حجرۃ اخبینی کے پاس دیکھا۔ اس میں سورتیں تنزیل کے مطابق تھیں۔  
ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم ص ۲۴۳  
پر حضرت علی کے متعلق لکھتے ہیں:-

نصیب اوزا اچاء علوم دینیہ آن است کہ جمع کو در قرآن را بحضور آنحضرت ترتیب داد  
بود آل را لیکن تقدیر ساعد شیوع آن نہ شد۔  
مولوی انشاء اللہ مالک اخبار وطن نے جو اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء کا کرایا ہے۔  
اس میں اس جملہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:- اچاء علوم دینیہ میں سے اپنے قرآن کو  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع اور مرتب کر لیا تھا۔ لیکن تقدیر نے اس کی اشاعت کا  
موقعہ نہ دیا۔ ۵۵

اصحاب بنام علی کے تنازعہ کا پہلا اصول یہ قائم کیا گیا تھا کہ حتی المقدور حضرت  
علی کی کوئی فضیلت ایسی نہ ہو جس میں وہ تنہا رہیں۔ ان کے ساتھ کسی نہ کسی  
صحابی کو ضرور شامل کر لینا چاہیے۔ ہاں وہ فضائل کہ جس میں کوئی شامل نہیں سکتا  
تھا وہاں تو مجبوری تھی مثلاً جیسا حضرت عمر کو اکثر افسوس رہا کہ ان فضائل میں ہی  
کوئی اور نہیں تو میں تو شامل ہو جاتا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ تین فضیلتیں مجھ  
میں بھی ہوتیں تو وہ مجھے سرخ چشم اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتیں، حدیث رایت  
زوج بتول ہونا، مسجد میں دروازہ کا قائم رہنا۔

لہذا اب کہتے ہیں کہ حضرت علی و عبداللہ ابن مسعود دونوں نے قرآن  
شریف جمع کیا تھا۔ ہمیں اس سے غرض نہیں۔ اچھا عبداللہ ابن مسعود نے بھی  
جمع کیا تھا۔ تم نے ان کا ہی جمع کیا ہوا قرآن لے لیا ہوتا۔ انہوں نے تو پیش

۵۵ اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء حصہ سوم ص ۳۳۷

بھی کیا۔ تم نے انکار کر دیا۔ اور ان کو محکم دیا کہ وہ بھی اپنا قرآن شریف جلا دیں جب انہوں نے نہ جلا یا تو انہیں زد و کوب کیا گیا۔

پہلے ہم جامع قرآن کمیٹی جو حضرت عثمان نے مقرر کی تھی اُس کے ممبران پر نظر ڈالتے ہیں۔ زید ابن ثابت اُس کے صدر تھے۔ یہ وہ بزرگوار تھے کہ جن کو حضرت ابو بکر نے بھی جمع قرآن کے کام پر مقرر کیا تھا۔ سلسلہ میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ حضرت ابو بکر نے ان کو جنگ یمانہ کے بعد ہی سلسلہ میں جمع قرآن کا محکم دیا۔ گویا اُس وقت اُن کی عمر بائیس سال کی تھی۔ سقیفہ والے دن انصار میں حضرت ابو بکر سے بیعت کرتے والوں میں سب سے پہلے تھے۔ لیکن جب حضرت علی کی خلافت پہنچی تو انہوں نے حضرت علی کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کو عثمانی کہا کرتے تھے۔ حضرت عثمان کی کمیٹی کے دوسرے ممبر عبداللہ ابن زبیر حضرت ابو بکر کے نواسے تھے۔ سلسلہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ھ میں جامع قرآن کمیٹی مقرر ہوئی۔ گویا جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۳۳ سال کی تھی اور ان کے سن تمیز پہنچنے سے پہلے ہی نزول قرآن ختم ہو چکا تھا۔ قرآن شریف کا آدھے سے زیادہ حصہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ ان کو قرآن شریف سے کچھ خاص لگاؤ نہ تھا۔ ان کی وجہ انتخاب سوائے عداوت علی کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان کی نسبت حضرت علی کہا کرتے تھے کہ زبیر ہم میں سے تھے جب تک کہ اُن کے بیٹے عبداللہ بڑے نہیں ہوئے۔ سن تمیز کو پہنچ کر انہوں نے اپنے باپ کو بھی حضرت علی کے مخالف کر دیا۔ جنگ جمل ان کی ہی کوششوں نتیجہ تھی۔ یہ وہ ہی بزرگوار ہیں جنہوں نے حضرت علی کی مخالفت کے جوش میں چشمہ حباب کے متعلق حضرت عائشہ کے روبرو خود بھی جھوٹی قسم کھائی اور اوروں سے بھی کہلوائی کہ یہ چشمہ حباب نہیں ہے مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے

کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی قسم تھی۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس قرآن کو جمع کرنے کا ذمہ انہوں نے لیا تھا وہ بار بار تاکید سے کہتا ہے کہ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ تیسرے ممبر سعید بن العاص بنو امیہ میں سے تھے۔

ان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کو جنگ بدر میں حضرت علی نے قتل کیا تھا۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ رالاستیاب البحر والثانی ص ۵۵۵) عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ مخزومی تھے۔ بنو مخزوم حضرت علی کے خاص طور سے دشمن تھے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی بھی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ ان کے مقابلہ میں نظر انداز کن کو کیا گیا۔ حضرت علی، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن مسعود، عمار بن یاسر، مقداد، ابوذر وغیرہم کو۔ عشرہ مبشرہ والی حدیث کہاں گئی۔ اُس وقت تک تیار ہو چکی تھی یا نہیں۔ اگر تیار ہو چکی تھی تو ان میں کا تو ایک بھی ان میں نہیں پایا جاتا۔ اگر عشرہ مبشرہ میں سے لوہے کے پاس قرآن نہیں تھا۔ اور ان بچوں کے پاس خاص طور سے آگیا تھا تو دنیا میں حضرت علی کے پاس تو تھا۔ وہ تو لوگوں کو قرآن سیکھنے کے لئے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ جناب رسول خدا کہہ چکے تھے کہ قرآن و علی ہمیشہ ساتھ رہیں گے اگر علم سیکھنا ہے تو علی کے پاس آؤ۔ جناب رسول خدا کے صریح حکم کی نافرمانی کی گئی۔ نوجوان ہر ایک قوم و ملک میں انقلاب پسند ہوتے ہیں۔ و جاہرت ملک سے ان کی آنکھیں جلدی خیرہ ہو جاتی ہیں۔ موت اور عاقبت کے خیالات کو اپنے پاس آنے نہیں دیتے۔ سن رسیدہ لوگ حکام کی مرضی کے مطابق قرآن جمع نہ کرتے۔ بلکہ حق کو دیکھتے۔ لہذا نظر انداز کئے گئے۔ ان بچوں میں خاص بزرگی و فضیلت نہ تھی۔ صرف عداوت علی ان میں مشترک تھی اور یہی باعث انتخاب ہوئی۔ اس معاملہ پر ذرا غور تو کیجئے۔ صاف ظاہر ہے اور ذرا اور چار کی طرح ظاہر ہے کہ جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی، اس سے حمایت دین مطلوب نہ تھی۔ جانتے تھے کہ قرآن تو علی نے جمع کر لیا ہے اگر ہم نے حکومت

کی طرف سے قرآن جمع کر کے شائع نہ کیا تو علی کا قرآن شائع ہو جائیگا۔ لہذا علی کو نظر انداز کر کے علیحدہ قرآن جمع کرایا اور شائع کرایا۔ ان کی ہی کتابوں میں ہے کہ سورہ تو بہ دراصل موجودہ ضخامت سے تگنی تھی اور بہت سے صحابیوں کے مثالب معائب اُس میں درج تھے۔ بہت سی آیات فضیلت میں علی کا نام درج تھا اب سب غائب ہیں۔

جو طریقہ قرآن کے جمع کرنے کا تھا وہ رکتنا ناقص تھا۔ دو آدمیوں کی گواہی پر آیات داخل اور خارج ہوتی تھیں۔ اگر کوئی صحیح آیت ہے لیکن گواہ نہیں ملتا تو خارج کوئی غلط آیت ہے لیکن دو آدمیوں نے اُسے غلط طریقہ سے یاد کیا ہے وہ داخل۔ حضرت زید ابن ثابت سب کے پاس تو قرآن کے حصص تلاش کرنے کے لئے گئے۔ اور نہ گئے تو آل رسول کے پاس۔ اس کی وہ ہی سیاسی وجہ ہے۔ اگر حمایت و نصرت دین مطلب ہوتی تو صحیح قرآن کے لئے سب سے پہلے علی کے پاس آتے۔ علی کو قرآن کے معاملہ میں اسی طرح نظر انداز کیا جس طرح خلافت کے معاملے میں کیا تھا۔

یہ تلاش بھی بہت عام نہ تھی اور عرصہ تک جاری نہ رہی۔ فوراً ہی جب زید ابن ثابت نے قرآن اپنا پیش کیا تو حضرت عثمان نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ قرآن کا حصہ جہاں کہیں ہو وہ جلا دیا جائے۔ یہ فقرہ خاص طور سے غور کے قابل ہے۔ و امر بئاسواہ من القران فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق یعنی اس سرکاری جمع شدہ قرآن کے علاوہ جہاں بھی قرآن کا حصہ ہو وہ جلا دیا جاوے۔ اس امکان کو تو انہوں نے تسلیم کر لیا کہ قرآن شریف کے اور حصص کئی آدمیوں کے پاس ملیں گے۔ جس طریقہ سے قرآن شریف جمع کیا تھا اُس سے یہ امکان بہت قوی تھا۔ بصرہ اور کوفہ میں بہت سے صحابی رسول چلے گئے تھے وہاں تو کسی سے قرآن تلاش ہی نہیں کیا۔ ممکن ہے اُن میں سے کئی کے پاس قرآن شریف کی آیتیں ہوں اُن کے لئے حکم صادر ہوا کہ سب

جلادی جاویں۔ گو یا اصلی قرآن اس طرح چلا یا گیا کہ اب منفقود ہو گیا + **عسلیٰ** کی  
 اصلی جانشین رسول کی شناخت یہ ہے کہ رسول کی کتاب اُس کے پاس ہے۔  
 حضرت علی کی نسبت خود رسول خدا کہہ گئے تھے کہ قرآن علی کے پاس ہے۔ علی  
 اور قرآن ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ خود حضرت علی بانگِ دُہل کہہ رہے ہیں کہ  
 میں مکمل قرآن کی ہر ایک آیت سے واقف ہوں۔ اُس کے شانِ نزول مقام  
 نزول اور وقت نزول سے واقف ہوں۔ میرے پاس آؤ اور مجھ سے  
 قرآن سیکھو۔ لیکن خلفائے سقیفہ کے پاس قرآن موجود نہیں ہے۔ لوگوں میں  
 ایک ایک آیت تلاش کر رہے ہیں اور جو نہیں ملتی اس کے جلانے کا حکم دے  
 رہے ہیں۔ یہ قرآن کا جلانا ہے نہ کہ اس کا جمع کرنا۔ ظاہر ہے کہ جناب رسول خدا نے  
 کم سے کم حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کو قرآن شریف جمع کرنے کی  
 ہدایت نہیں کی اور نہ ان کے ذمہ یہ فرض لگا یا تھا اور نہ ہی اُن کے پاس مکمل  
 قرآن شریف موجود تھا۔ اب فرمائیے کہ اصلی جانشین رسول کون ہوا؟  
 آخر میں یہ بحث کی جاسکتی ہے کہ حضرت علی نے اپنے دورانِ حکومت میں  
 اصلی قرآن شریف کو جو انہوں نے جمع کیا تھا کیوں نہ راجح کر دیا۔ کسی تاریخی  
 گذشتہ زمانہ کے مسئلہ پر موجودہ مورخین اگر رائے دینا چاہیں تو اُن کا پہلا فرض یہ  
 ہونا چاہیے کہ اُس زمانہ کے حالات کا بہت اچھی طرح مطالعہ کریں اور وہ اُن  
 حالات سے ایسے ہی واقف ہونے چاہئیں جیسے کہ گویا وہ اس زمانہ میں موجود  
 تھے جس حد تک وہ یہ قابلیت اپنے میں پیدا کر لیں گے اُسی حد تک اور اُسی  
 تناسب سے اُن کی رائے زنی صحیح ہوگی۔ سوال مندرجہ بالا کا صحیح جواب حاصل کرنے  
 کے لئے ہمیں چاہیے کہ اس زمانے کی تصویر اپنے ذہن کے سامنے کھینچ لیں جب  
 حضرت علی نے حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی  
 تھی۔ تین امور خاص طور سے مد نظر رکھنے ہوں گے:

۱۔ جناب رسول خدا کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء ہوا

اور اسی روز حضرت ابو بکر نے زمام حکومت سنبھالی۔ حضرت عثمان کا قتل ۲۲۔ محرم  
 ۳۵ ہجری مطابق ۲۳۔ جون ۶۵۶ء ہجری ہوا۔ حضرت علی نے تیسرے دن لوگوں  
 کی بہت منت سماجت کے بعد مندر حکومت کو یہ کہہ کر زینت دی کہ الحمد للہ  
 علی احسانہ مرجع الحق الی مکانہ۔ یعنی خدا کا شکر ہے کہ حق اب اپنے مقام پر  
 واپس ہوا ہے۔ اس ۲۲ سال کے عرصہ میں اُمتِ اسلامیہ کے ایک فرقے نے  
 جس نے اپنی حکمتِ عملی سے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا اس حکومت کو مستقل  
 بنانے کے لئے حضراتِ شیخین کی محبت و عورت اس قدر لوگوں کے دلوں  
 میں راسخ کر دی تھی کہ سیرتِ شیخین بذاتِ خود ہنزلہ فادہ ہے کہ بن گئی  
 تھی اور اسلام کے اصولوں کو تڑپا ہر ڈر کے انہوں نے ایسے اصول قائم  
 کر لئے تھے جن کے بموجب حضراتِ شیخین کی خلافت فادہ ہے اسلام کا جزو  
 بن گئی تھی۔ وہ ایک ایسی راسخ شے ہو گئی تھی کہ حضرت عمر کے جانشین  
 یہ وعدہ لینے کی ضرورت ہوئی کہ وہ سیرتِ شیخین پر عمل کرے۔ سیرت  
 رسول کے مقابلہ میں یہ سیرتِ شیخین کیسی؟ غور کا مقام ہے۔ یہ بتا رہا ہے  
 کہ سیرتِ شیخین کا ایک علیحدہ فادہ ہے قائم ہو چکا تھا۔ جب ہم تخریفِ اسلام کا  
 ذکر کریں گے تو اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

(۲) ارکانِ حکومتِ سفینہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خلافت کے لئے جناب رسول خدا نے  
 حضرت علی کو نامزد کر دیا تھا۔ جب یہ حکومت و خلافت انہوں نے خاندانِ نبوت  
 سے نکال لی تو انہوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک ایسی جماعت قائم  
 کی جائے جو بنو ہاشم کی تو دشمن ہو اور ہمارے دوست نہ ہو۔ یہ جماعت بنو امیہ  
 سے ہٹ کر ان کو ہل سکی۔ دشمنی پیشینہ چلی آئی تھی۔ انہیں دستِ نگراں حکومت کی  
 مدد سے بنالیا۔ بنو امیہ کا سردار خاندان ابوسفیان تھا۔ یہ لوگ کبھی دل سے  
 مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت ابوسفیان نے بصدرا گراہ کلمہ شہادتِ اپنی قتل کی ہوئی  
 سے زبان پر جاری کیا۔ حضرت امیر معاویہ کا رویہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے



والد ماجد کے قدم بقدم چل رہے تھے اور جناب بیزید نے تو سارے خاندان کی  
 وہی حالت عریاں کر کے دکھا دی۔ حکام سقیفہ نے اس جماعت کو طاقتور اور بارسوخ  
 بنانا شروع کیا۔ اول تو امیر معاویہ کو شام کی جاگیر کا استمرا رہی پٹہ لکھ دیا اور پھر  
 تدبیر شوری سے حضرت عثمان کو خلافت و لا دی۔ اس دن گیارہ سال کے عرصے میں  
 بنو امیہ کی جماعت بہت طاقتور اور بارسوخ ہو گئی اور چونکہ حکومت حاصل  
 کر لی تھی قریبی طور پر اس کا لکنا بہت ناگوار معلوم ہوا۔ اور یہ کوشش شروع  
 کر دی کہ پھر خلافت واپس آ جاوے۔ چنانچہ اپنے دو ہتھیار یعنی روپیہ و زر ہر  
 استعمال کر کے خلافت کو ہمیشہ کے لئے خاندان نبوت سے نکال لیا۔

(۳) حکومت سقیفہ نے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ حضرت علی کو اپنے دور حکومت  
 میں ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ آج طلحہ و زبیر نے بیعت  
 کی۔ دوسرے دن بغاوت کر دی۔ اور وہ بغاوت جناب امیر کے آخری  
 لمحہ حیات تک جاری رہی۔ اگرچہ باوجود اس حالت کے بھی جناب امیر اپنے  
 اصل فرض یعنی تعلیم صحیح اسلام کی طرف سے غافل نہیں ہوئے لیکن لوگوں کے  
 دلوں میں مذہب سقیفہ جس کو دنیاوی وجاہت و امارت کی امید نے لوگوں  
 کی نظروں میں بہت خوشنما بنا دیا تھا اس طرح راسخ ہو چکا تھا کہ جناب امیر کے  
 خشک پند و نصائح بہت کم اثر کر سکے۔

(۴) حضرت عثمان کے مخالفین میں محمد ابن ابی بکر رہیب جناب امیر کے ہونے کے اور  
 نیز قتل عثمان پر جناب امیر کو خلافت ملنے نے مفردہ پردازوں کے لئے ایک ایسی  
 صورت حالات پیدا کر دی تھی جس سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور مشہور کر دیا  
 کہ حضرت عثمان کو تو علی نے قتل کرایا ہے۔ یہ خلافت حاصل کرنے کے لئے ایسے حربے تھے

(۵) اُس زمانہ کے لوگوں کی جہالت ان مفسدہ پردازوں کے لئے اور زیادہ ممد و معاون  
 ہوئی۔ ان کی جہالت کا نقشہ مورخ مسعودی نے بہت اچھی طرح کھینچا ہے۔  
 دورانِ محاربات صفین میں ایک شخص اپنے اونٹ پر دمشق آیا وہاں ایک

مشقی اُس سے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ یہ اُونٹنی تو میری ہے۔ صفین کی لڑائی میں مجھ سے پھین لی گئی تھی۔ معاملہ امیر معاویہ تک پہنچا۔ مشقی نے پچاس گواہ اس امر کے گرائے کہ یہ اُونٹنی اُس کی ہے۔ معاویہ نے فیصلہ کیا کہ اُونٹنی مشقی کی ہے اور کوئی کو حکم دے کہ یہ مشقی کو واپس لے۔ اُس کوئی نے کہا کہ امیر خدا تیرا بھلا کرے۔ یہ پچاس گواہ تو گئے۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ اُونٹ ہے یا اُونٹنی۔ یہ تو اُونٹ ہے اور اُونٹنی کہتے ہیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ اب تو حکم صادر ہو گیا۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھر تخلیہ میں کوئی کو بلا یا اور کہا کہ علی سے جا کر کہنا کہ میں اُن کے مقابلہ میں ایسے آدمی کو جو اُونٹ اور اُونٹنی میں فرق نہیں کر سکتے۔

اہل شام کے بڑے سرداروں اور عقلمند لوگوں میں سے ایک سے پوچھا گیا کہ ابو تراب کون ہے جس پر تمہارا امام منبر پر بیٹھ کر لعنت کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ راستہ کے رہزنوں میں سے ایک رہزن تھا (معاذ اللہ) جو احوط نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک حاجی کہتا تھا کہ خانہ کعبہ میں بولتا تھا۔ ایک اور حاجی نے لوگوں کو درود پڑھتے ہوئے سنا تو دریافت کیا کہ محمد کون ہے کیا یہ ہی ہمارا رب ہے؟

میرے دوستوں میں سے ایک نے بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنے ہمسایہ شکایت کی کہ وہ زندقہ ہے۔ حاکم نے پوچھا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ اس شکایت کنندہ نے کہا کہ وہ مرجیہ، قریہ، یا ضیہ اور رافضی ہے۔ حاکم نے پوچھا کہ اس کی ثبوت ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ معاویہ بن الخطاب سے بغض رکھتا ہے۔ معاویہ جو علی بن العاص سے لڑا تھا۔

علماء میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ہم چند اہل علم ابو بکر و عمر و معاویہ کا ذکر کر رہے تھے۔ لوگوں کی ایک جماعت آئی اور ہماری یہ باتیں سن کر ایک دن اُن میں سے ایک نے جو اُن سب کا سردار سب سے زیادہ عقلمند تھا مجھ سے کہ تم علی وغیرہ کے متعلق کیا کہہ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تم کو اُن کی نسبت کیا معلوم ہے۔

س نے کہا کہ کس کے متعلق پوچھتے ہو۔ میں نے کہا کہ علی کے متعلق اُس نے کہا۔ کہ  
 لی باپ تھا فاطمہ کا (معاذ اللہ) میں نے کہا اور فاطمہ کون تھی؟ کہا کہ نبی کی بیوی  
 عائشہ کی بیٹی معاویہ کی بہن (معاذ اللہ)۔ میں نے کہا کہ علی کا کیا قصہ ہوا۔ اُس نے  
 کہا کہ وہ تو جناب رسول خدا کے ساتھ جنگ جین میں مارے گئے۔

جب عبرا اللہ ابن علی مروان کی تلاش میں شام میں آئے تو اُن کے پاس  
 شام کے شیوخ اور بڑے بڑے امراء آئے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو یہ  
 جانتے تھے کہ نبی امیہ کے علاوہ جناب رسول خدا کا کوئی وارث ہی نہ تھا۔ دیکھو

مروج الذهب للمسعودی الجزء الثانی ص ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴

یہ تھا مسلمانوں کا مجمع جن سے جناب علی مرتضیٰ کا مقابلہ تھا۔

۷، یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ موجودہ قرآن شریف اپنے احکام و فرائض  
 میں بالکل مکمل ہے۔ حرام و حلال میں بالکل صحیح ہے۔ جہاں تک مذہب  
 اسلام کا تعلق ہے وہ کامل کتاب ہے۔ نہ اُس میں کمی ہے نہ بیشی۔ ہم امامت  
 کو ارکان اسلام میں سے سمجھتے ہیں۔ اُس کے متعلق بھی موجودہ قرآن شریف میں  
 اہل نظر کے لئے بہت کچھ ہے۔

ان تمام امور پر غور کر کے اب سوچو کہ کیا جناب امیر کے لئے یہ مناسب تھا  
 کہ اپنا ترتیب شدہ قرآن شریف لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہتے کہ یہ موجودہ  
 قرآن کے نسخے تم سب دریا بڑا کر دو۔ یا حضرت عثمان کی طرح حکم دیتے کہ  
 جلا دو۔ اور یہ کرتے تو اپنی حکومت کے کس سال یا کس مہینہ میں کرتے۔  
 بیعت ہونے ہی طلحہ و زبیر و حضرت عائشہ نے جنگ جمل شروع کر دی اور فوراً  
 ہی پھر جنگ صفین شروع ہو گئی۔ تیاری تو اُس کی پہلے ہی سے ہونے لگی تھی۔ جنگ صفین کا  
 سلسلہ ختم نہیں ہوا اور آپ انواج جمع کر رہے تھے کہ شہید کر دئے گئے۔ حضرات  
 شیخین اپنا ایک علیحدہ مذہب قائم کر گئے تھے وہ مذہب عرب کی طبائع کے  
 لئے زیادہ دلچسپ تھا۔ کیونکہ اُس مذہب میں دنیاوی وجاہت حاصل کرنا

انسان کا مقصد اولیٰ تھا۔ دنیاوی ثروت اُس کے ذریعہ سے ملتی تھی۔ لہذا حضرات شیخین کی عزت اور اُن کا مذہب لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ اُس مذہب کی تصویر اگر کچھ کھینچی گئی ہے تو علامہ مشرقی نے اپنے تذکرہ میں کھینچی ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ جس کے پاس دنیاوی وجاہت و ثروت ہے وہ ہی مسلمان ہے خواہ بت پرست ہو خواہ نیچر پرست ہو۔ اُن کی رائے میں جاپانی، جرمنی، روسی انگریز سب مسلمان ہیں۔ اور جس کے پاس دنیاوی وجاہت و ثروت نہیں وہ مسلمان نہیں خواہ نماز پڑھتا ہو۔ روزے رکھتا ہو۔ ایسے آدمی کے سجدے کا نام علامہ مشرقی نے اوندھے پڑ کر غوں غوں کرنا رکھا ہے۔ یہ ہندوستان کے مولویوں کی گت بنائی گئی ہے جو علامہ مشرقی کی رائے میں مسلمان نہیں ہیں۔ دیکھو تذکرہ، دیباچہ صفحات ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲

یہ اسلام، یہ مذہب براہ راست نتیجہ ہے سقیفہ بنی ساعدہ کا اور سیرت شیخین کا۔ علامہ مشرقی صحیح اور سچے پیرو ہیں سیرت شیخین کے۔ خیر۔ یہ جملہ مترضہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اندریں حدیث اگر حضرت علی اپنے مُرتب شدہ قرآن کو پیش کرتے تو لوگ یہ تو نہ باور کرتے کہ حضرات شیخین نے قرآن مُرتب کرنے میں غلطی کی بلکہ یہ کہتے کہ علی حرص مملکت گیری میں اب قرآن بھی دوسرا بنا رہے ہیں۔ جس میں اپنے فضائل اور صحابہ کے معائب اور مثالب اپنی طرف سے ایزا د کر کے ان کو بدنام کر رہے ہیں۔ وہ کفار جو ظاہر تھے اور وہ کفار بنو امیہ جو پوشیدہ تھے سب کو ایک نہایت عمدہ حربہ ہاتھ لگ جاتا۔ اور ببانگ دہل کہتے کہ نہ یہ قرآن خدا کی طرف سے آیا۔ نہ پہلا قرآن خدا کی طرف سے تھا۔ یہ تو سب بنو ہاشم کی حرص حکومت کا کھیل تھا۔ ایک دفعہ پیش کر کے اُس پر اصرار کرنا ضروری تھا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک دفعہ پیش کر دیا اور پھر واپس لے لیتے۔ وہ خون خرابے ہوتے کہ اسلام تو اس خون کی ندی کے ساتھ بہ جاتا۔ معاویہ کو خون عثمان کا بہانا تو ملا ہی تھا۔ یہ وضع قرآن کا دوسرا بہانا ہو جاتا۔ اور یہ بہانا پیروان شیخین کو بہت ہی

سچا معلوم ہوتا - پھر تو جناب امیر کے لشکر میں معدودے چند ہی لوگ رہ جاتے اور آج کوئی بھی اہلبیت علیہم السلام کا نام نہ سنتا۔ اب چوتھے درجہ کا خلیفہ مان کر ان کی باتوں پر کان تو دھرتے ہیں۔ پھر نہ تو خلیفہ برحق مانتے اور نہ قابل اطاعت جانتے۔ ان کی کتابوں میں اب جو فضائل اہل بیت پاتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے اسلام کو اس طرح خطرہ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی جب قرآن شریف جو مرتب ہوا تھا واقعی قرآن شریف تھا۔ کلام الہی تھا۔ اوامر و نواہی حلال و حرام، فرائض و احکام سب اسی طرح باقی تھے۔ صرف اپنے نام کے اظہار و صحابہ کے مثالب و معائب کی اشاعت کے لئے اثنا بڑا اسلام کے لئے خطرہ کیوں مول لیا جاتا۔ یہ عہد ہی تو علی مرتضیٰ تھے جو فوراً کافر پہلوان کے سینہ سے اتر آئے جب اُس نے آپ کے منہ پر ٹھوک دیا۔ اُمت کو اصلی امام کی معرفت سے دور رکھنے اور اُس میں تفریق عظیم پیدا کرنے کے لئے جمع قرآن کی تجویز کو بھی بہت دخل ہے۔ جو تفریق شروع ہوئی تھی اس طرح بڑھتی ہی گئی۔ اور ان نظائر کو دیکھ کر اور ان سے سبق حاصل کر کے ایک فرقے کے بعد دوسرا فرقہ پیدا ہوتا گیا۔

### بارھویں تجویز - استخلاف عمر

جب ایک جماعت میں تفریق ہو جائے اور فرقے پیدا ہو جائیں تو جو فعل ان میں سے ایک فرقہ کو مضبوط کرتا ہے وہ گویا اُس تفریق کو اور زیادہ گہرا اور ناقابل عبور بناتا ہے۔ جب لوگوں نے جناب رسول خدا کے نظام کو درہم و بہم کرنا چاہا اور خلافت و حکومت کو خاندان نبوت میں سے نکلانے کی کوششیں شروع کیں اسی وقت اُمت میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور جس جماعت نے جناب رسول خدا کی خواہش و حکم کے خلاف عمل کرنا شروع کر دیا وہ ہی پہلا فرقہ ہوا جو اصلی جماعت سے بنا ہوا گیا۔ تمام آنے والی نسلیوں سے جناب رسول خدا نے اس جماعت کا تعارف اپنے قوموا عنی کے جملہ سے کرا دیا اور بتا دیا کہ یہ جماعت ہے جو تفرقہ پیدا کر رہی ہے۔ یہ جماعت وہ ہی مخالف جماعت رہی اگرچہ اس نے اپنی تعداد

بارھویں تجویز - استخلاف عمر

میں ہر ممکن طریقہ سے اضافہ کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور اب جو فعل اس نے اپنی خاص جماعت کو تقویت پہنچانے کے لئے کیا وہ اس تفرقہ کے گہرا اور ناقابلِ عبور ہونے کا باعث ہوا۔ استخلافِ عمر تفرقہ پیدا کرنے والے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ ہم نے البلاغ المبین کتاب دوم میں اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ اس مخالف جماعت کا مقصد اولیٰ یہ تھا کہ حکومت کبھی خاندان رسالت میں نہ جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے جناب رسالت مآب صلعم کے پشتینی دشمن نبی امیہ کو ابھارنا اور تقویت پہنچانا شروع کیا۔ امیر معاویہ کو شام کا استمراری پتہ لکھ دیا گیا۔ لیکن حضرت ابو بکر کی عمر نے زیادہ وفانہ کی۔ اور ابھی امیر معاویہ اپنی جگہ میں پورے مضبوط نہیں ہوئے تھے کہ پیغام اجل آ گیا۔ اول تو شروع ہی سے آپس میں معاہدہ ہو چکا تھا کہ تمہارے بعد میں خلیفہ ہوں گا اور حضرت عمر نے دورانِ زمانہ خلافت ابو بکر میں اپنا وہ ہی رویہ رکھا جو اُنہ کے حکم کا ہوا کرتا ہے۔ تاہم اس وعدہ کی تکمیل کے لئے کچھ تدبیر تو کرنی ضروری تھی۔ جناب رسول خدا کی رحلت کے وقت تو یہ مشہور کرنا اپنے مقاصد کے لئے ضروری تھا کہ جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ تاکہ خود خلیفہ منتخب کرنے کا موقع مل جائے۔ لیکن اب حالت اور تھی۔ اب اگر اس طرح لوگوں پر چھوڑتے ہیں تو ممکن ہے کہ علی خلیفہ ہو جائیں یا کم سے کم وہ شخص خلیفہ نہ ہو جس کو خلیفہ کرنا شروع سے قرار پا چکا تھا۔ لہذا بغیر اس بات کا خیال کئے ہوئے کہ دنیا کیا کہے گی۔ ہم مشہور کر چکے ہیں کہ سنتِ رسول یہ ہے کہ خود خلیفہ مقرر نہ کیا جائے بلکہ امت خلیفہ مقرر کرے۔ حضرت ابو بکر اپنے معتبر حضرت عثمان کو اپنی بیماری میں بتاتے ہیں۔ وصیتِ خلافت لکھانا شروع کرتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ حضرت عمر کا نام لکھوائیں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ حضرت عثمان خود حضرت عمر کا نام لکھ لیتے ہیں۔ آپس میں سارے حالات سے باخبر تھے۔ حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ حضرت ابو بکر ہوش میں آئے۔ پوچھا کہ کیا لکھا۔ انہوں نے حضرت عمر کا

نام پڑھ کر سنا یا۔ حضرت ابو بکر نے بجائے اس کے کہ اس نا جائز فعل پر سرزنش کرتے انہیں دعائے خیر دی۔ اور کہا کہ غالباً یہ تم نے اس وجہ سے لکھا کہ اگر میں بیٹھ میں نہ آؤں اور در جاؤں تو تم کہہ سکو کہ یہ ابو بکر نے لکھوایا تھا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ ہاں یہ ہی میرا منشاء تھا۔ یہ وثیقہ لکھ کر خود حضرت عمر کو دیتے ہیں وہ لے جاتے ہیں۔ ذرہ ہاتھ میں ہے۔ حضرت ابو بکر کا غلام ساتھ ہے۔ لوگوں سے کہتے ہیں کہ جو اس میں خلیفہ رسول نے لکھا ہے۔ اس کی اطاعت کرنے پر حلف اٹھاؤ۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میں اس کی اطاعت کا حلف اٹھاتا ہوں۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا ہے تو وہ جو قی در جو ق حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کہ تم خیر سے ملاقات کرنے والے ہو۔ کیا جواب دو گے۔ تم نے ہم پر ایسا قوی غلیظ شخص حاکم مقرر کیا ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر کو اپنے حکم پر اصرار ہے۔ بیچارے کیا کرتے مجبور تھے یہ امر قابل غور ہے کہ لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ مقرر کرنا ہمارا حق ہے۔ ہم مقرر کریں گے۔ بلکہ یہ کہا کہ عمر کو کیوں خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ان واقعات کی توثیق و تصدیق کے لئے متذکرہ نوٹ حاشیہ کتابیں دیکھیے۔ ہر ایک متلاشی حق کا فرض ہے کہ ان واقعات پر اچھی طرح غور کرے۔

یہ ہم ہی نہیں کہتے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر کے امت میں اختلاف و تفرقہ عظیم پیدا کر دیا۔ اور اس طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچایا بلکہ

۱۔ محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۲۵، ۵۱، ۵۲، ۵۴۔

ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۱۴۳۔

حسین دیار بکری:۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۴۸، ۲۴۹۔

ابن قتیبہ:۔ کتاب الامانۃ والسیاستہ الجزء الاول ص ۱۹۔

مولوی شبلی:۔ الفاروق مطبوعہ ۱۹۰۵ء مفید عام اگر حصہ اول ص ۴۲، ۴۳۔

شمس التواریخ ص ۸۔

خود اُن ہی کے علماء کہتے ہیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جو شخص ذرا بھی غور کرے گا اس ہی نتیجہ پر پہنچے گا۔ ہم ابھی کتاب الملل والنحل شہرستانی سے عبارات نقل کرینگے جن سے ساری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ پہلے ہم ذرا اپنے ناظرین کو استخلاف عمر کے ہر ایک پہلو کا منظر دکھادیں :

(۱) جب بستر مرگ پر جناب رسول خدا حضرت علی کے لئے وصیتِ خلافت رکھنے لگے تب تو حضرت عمر نے کہہ دیا کہ اس وصیت کی ضرورت نہیں ہے۔ حسینا کتاب اللہ اب حضرت ابو بکر سے کیوں نہ یہ ہی کہا۔ اُن کی وصیت لکھی ہوئی تو آپ لئے پھرے۔ اور لوگوں کو منوایا :

(۲) حضرت ابو بکر سُنتِ رسول کی پیروی کا زیادہ دعوے کرتے تھے۔ اگر جناب رسول خدا کی یہ سُنت تھی کہ اپنا جانشین انہوں نے مقرر نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر نے سُنتِ رسول کی خلاف ورزی کیوں کی ؟

(۳) اگر جناب رسول خدا نے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور حضرت ابو بکر نے اس حکم کو خلاف ورزی کی تو وہ گناہِ عظیم کے مرتکب ہوئے ؟

(۴) اگر جناب رسول خدا نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ یہ حق رعایا کو دیا تو حضرت ابو بکر نے سُنتِ رسول کے خلاف کر کے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے میں گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ؟

(۵) یہ سُنتِ رسول ایسی ہی قابلِ پابندی تھی جیسی کہ وہ سُنتِ رسول جس نے نماز کے لئے رکعات مقرر کی تھیں۔ کیونکہ قرآن میں تو تعدادِ رکعات نہیں ہے :

(۶) ہم البلاغ المبین کتاب اول ص ۳۵ تا لغایت ۴۴۶ طبع ثانی میں حضرت ابو بکر کے امامتِ نماز کے قضیہ کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسول خدا نے حضرت عمر کے ایک دفعہ کی نماز پڑھانے سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خدا و رسول و مومنین انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائے۔ خلیفہ کا پہلا فرض نماز پڑھانا تھا۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر کے خدا و رسول اور پیغمبر



مومنین کو ناراض کیا ۔

(۷) امور متذکرہ بالا سے قطعاً ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر کا یہ فعل یعنی اختلافِ عمر ناجائز تھا ۔

(۸) یہی حکم حضرت عمر کی خلافت کی بناء تھا۔ لہذا حضرت عمر کی خلافت ناجائز ہوئی ۔

(۹) لہذا ناجائز خلافت کے دوران میں حضرت عمر نے جو احکام صادر کئے اور جن افعال کے وہ مرتکب ہوئے وہ سب ناجائز تھے ۔

(۱۰) حضرت عمر کا نماز پڑھانا، لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، سزائیں دینا، لڑائیاں اور احکام تقریر شوریٰ سب ناجائز ہوئے ۔

(۱۱) لہذا حضرت عثمان کا تقرراً اور ان کی خلافت بھی ناجائز کیونکہ ان کی خلافت حضرت عمر کے مقرر کردہ شورعی کا صحیح یا غلط نتیجہ تھی ۔

(۱۲) ان بزرگواروں کی ذہنیت و سیاست تو ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو بکر کی بیہوشی ہی میں بغیر ان کے بتائے ہوئے حضرت عثمان نے حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ آپس میں مل کر جو اپنا مقصد قائم کر لیا تھا اس کے حصول کے لئے

انہی اہم جلساری بھی کرنے کے لئے تیار تھے اور مردہ آدمی کی طرف سے اس دستاویز کو لکھ کر یہ ظاہر کرنے کے لئے تیار تھے کہ اس کو حضرت ابو بکر نے

اپنی حیات میں لکھا یا ہے۔ غور کریں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار جناب رسول خدا کا ایسا حکم ماننے والے تھے کہ اگر جناب رسول مقبول کسی کو اپنا

جانشین مقرر کر جائے تو پھر یہ لوگ تنازعہ نہ کرتے۔ بھلا اس ذہنیت کے لوگ جو آپس میں حکومت کا دور چلانے پر تلے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کے

لئے جلساری بھی کرنے کو تیار تھے۔ تنازعہ نہ کرتے۔ حضرت ابو بکر اس جلساری کی تحسین یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے اختلافات کا سدباب ہوتا

تھا۔ اب تو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جلساری بھی جائز ہو گئی۔ کیونکہ

ان کو اسلام کا بہت درد تھا۔ مگر جناب رسول خدا کو یہ جائز نہ تھا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے۔ اور نہ معاذ اللہ ان کے دل میں اسلام کا اتنا درد تھا کہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ جانشین مقرر نہ کرنے سے اختلاف کا راستہ کھل جائے گا۔ اس بحث کی منطق قابلِ داد ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ کارکنان سقیفہ نبی ساعدہ کے اوپر سے کسی طرح الزام اٹھ جائے۔ اگر وہاں سے اٹھ کر وہی الزام جناب رسول خدا کے گلے میں پڑ جائے تو کچھ ہرج نہیں۔

(۱۳) حضرت عمر کے لئے جبراً بیعت لی گئی۔ ہاجرین و انصار اس اختلاف کے خلاف تھے۔

(۱۴) اس قسم کی حکمت کا کیا نام ہوگا؟ جمہوریت؟ آمریت؟ انتخاب؟ یا کچھ اور نام رکھو گے؟

(۱۵) حضرت ابو بکر نے بھی اول عبد الرحمن بن عوف کو خلافتِ عمر پر راضی کرنا چاہا۔ حضرت عمر نے بھی اس ہی عبد الرحمن بن عوف کو ثالث مقرر کیا تھا۔ حضرت ابو بکر کے راز دار حضرت عثمان تھے۔ ان ہی کو خلافت پر قائم کرنے کے لئے حضرت عمر نے یہ سارے جن کئے تھے۔ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنایا۔ ابو بکر نے وہ بدلہ اتار کر خلافت کا ہاں حضرت عمر کے گلے میں ڈالا۔ یہ سب امور ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ایک ہی جماعت تھی جس کے ہر فرد کا اتحاد مقصد نمایاں ہے۔

(۱۶) نہ اجلاس سقیفہ سازی کے وقت اور نہ اب اختلافِ عمری کے وقت کتاب اللہ کو اٹھا کر دیکھا کہ یہ کیا کہتی ہے۔ یہ ہے اُس مشہور فقرے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ كَاشِفٌ

(۱۷) معلوم ہوتا کہ ان بزرگوں کے فعل کا محرک نہ اسلام کا عشق اور نہ جمہوریت کا خیال تھا۔ اور نہ ہی کتاب اللہ کی اطاعت منظور تھی۔ غرض تو فقط یہ تھی کہ کسی طریقے سے اپنا مقصد حاصل ہو۔

(۱۸) اختلاف عمری نے اُس تفریق میں ایک اور اضافہ کر دیا۔  
تیرھویں تجویز۔ شوری

یہ وہ آخری تدبیر تھی جس سے حق کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی جس سے خلافت کا رخ آل رسول کے دشمنوں کی طرف کر دیا گیا۔ جن میں حضرت علی کے قتل کی طرف اشارہ کر کے یہ سیاسی اصول قائم کیا گیا اور آئندہ والے جانشینوں کو بتایا گیا کہ ہماری حکومت کبھی مستقل اور بے خطرہ نہیں رہ سکتی جب تک کہ خاندان نبوت میں سے کوئی امیدوار باقی ہے اور اس ہی سیاسی اصول کو مد نظر رکھ کر یزید نے امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کی اور بصیرت انکار کر دیا۔ بعینہ یہی حالت شوری میں حضرت عمر نے حضرت علی کے لئے پیدا کر دی تھی۔ واقعات شوری ہمارے مضمون زیر بحث پر بہت اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام تفرقوں اور خونریزیوں کے باعث اور ان کے منبع و مخرج ہیں۔ وہ (۱) ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ اور (۲) واقعات شوری۔ آئے والی نسلیں نے ان دونوں واقعات کو جو اذیت کا جامہ پہنا کر ان کی کارروائیوں کی تقلید کی اور تفرقہ اور خونریزیاں بڑھتی رہیں۔ ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ناظرین معاف کریں گے اگر شوری کو بھی ہم ذرا تفصیل سے بیان کریں۔

عن عبد اللہ ابن عمر بن الخطاب لما طعن قال له الناس يا امير المؤمنين لو شريت شربا فقال اسقوني بيذا وكان من احب الثراب اليه قال فخرج البيذ من جرحه مع صدقيد الدم وقال هذا حين لو ان لى ما  
عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر کو زخم  
جھک لگا تو لوگوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اس وقت  
آپ شربت پیئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ  
مجھے بیذا پلاؤ۔ حضرت عمر کو تمام شرابیوں  
بیذا بہت محبوب تھی۔ بیذا پلائی گئی۔ لیکن وہ زخم  
کے راستہ سے نکل آئی۔ مصنف کہتے ہیں کہ  
اُس وقت تمام لوگ رونے لگے کیونکہ حضرت

طلعت علیہ الشمس لا فتدیت  
 بہ من ہول المطلع ..... واللہ  
 لو ان لی طلوع الاسرار ذہباً  
 لا فتدیت بہ من عذاب اللہ  
 قبل ان اسراہ -

تاریخ عمر بن الخطاب تالیف امام جمال الدین  
 ابوالفرج ابن جوزی ص ۱۵۰، ۱۶۰

عمر کی موت کا یقین ہو گیا، موت کے یقین کے  
 بعد حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر دنیا کی وہ تمام  
 چیزیں جن پر شیورج چمکتا ہے میرے پاس ہوتیں  
 تو میں ان سب کو اس کے بدلہ میں دیدیتا جو  
 اب میرے اوپر آئیدالائے ... قسم بخدا اگر تمام  
 زمین سونا ہوتی تو میں اس عذاب الہی کے بدلہ میں  
 جو مجھ پر نازل ہونے والا ہے اس سب کو دیدیتا  
 قبل اس کے میرے اوپر وہ عذاب نازل ہوتا

اب ہم ان کی مستند تاریخ کی کتابوں سے تجویز شوری کے حالات رکھتے ہیں  
 حضرت عمر کو بنید پلائی گئی۔ وہ باہر نکل آئی۔ لوگوں کو اور حضرت عمر کو موت کا  
 یقین ہو گیا۔ یہ رکھنے کے بعد مولوی شبلی لکھتے ہیں :-

اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب  
 کرنا تھا تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو اپنے  
 کر جائیے، حضرت عمر نے خلافت کے معاملے پر ہڈیوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو  
 سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے  
 اگ متفکر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ  
 خلافت کے باب میں غلطان و پیچاں ہیں۔

موت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی  
 بارہا ان کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بار گراں کا کوئی  
 اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی  
 نظر پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعید بن وقاص، عمار بن یوسف  
 مگر حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے، اور اس کا انہوں نے  
 مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے

ریمارک تفصیل مذکور ہیں، مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

الفاروق مبلوغہ سن ۳۰ء مبلوغ مفید عام آگرہ حصہ اول ۲۰۲ء لٹماہیت ۲۰۰۶ء

الفاروق کے اس ایڈیشن کی یہ خوبی ہے کہ مصنف مرحوم کی حیات میں طبع ہوئی تھی، اس میں ان کے اپنے حاشیے بھی ہیں چنانچہ ص ۲۱۰ پر اس فقرہ کے اوپر لکھیں حضرت عمر ان سب سے کچھ نہ کچھ کمی پالتے تھے۔ یہ حاشیہ درج ہے۔

حاشیہ: ”حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو فردہ گیریاں کیں گوہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے، حضرت علیؑ ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا کہ لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔“

حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ ۳۳ ہجری مطابق ۴ نومبر ۶۴۴ء ہوا تھا۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قینبہ متوفی ۲۸۸ھ نے اپنی کتاب الامت والسیاستہ کے صفحہ ۲۲۰ پر زیر عنوان تولیۃ عمر بن الخطاب السہ الشوری و عمرہ الیم لکھتے ہیں:-

قال ثمان المهاجرین دخلوا  
 علی عمر رضی اللہ عنہ وهو  
 فی البیت من جراجنہ ثلاث  
 فقالوا یا امیر المؤمنین  
 استخلفنا علینا قال واللہ  
 لا احد لکم حیاً ومیتاً ثم قال  
 ان استخلفتم فقد استخلفتم  
 من ہو خیر منی یعنی ابوبکر

راوی کہتا ہے کہ پھر وہا جرین حضرت عمرؓ کے پاس آئے وہ اس وقت اپنے مکان میں نخم خوردہ پڑے ہوئے تھے، ان لوگوں نے کہا امیر المؤمنین ہم پر خلیفہ و حاکم مقرر کرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہارا بوجھ زندگی اور مرنے کے بعد بھی اٹھائوں یہ ہرگز نہ ہوگا، پھر فرمایا کہ اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو یہی شک اس نے جو مجھ سے بہتر تھا اپنا

وان ادع فقد دع من هو  
 خیر منی یعنی النبی علیہ  
 السلام فقالوا جزاک اللہ  
 خیرایا امیرالمومنین فقال ما  
 شاء اللہ راغباً ودوت ان  
 الخو منھا لا لی ولا علی  
 فلما احسن بالموت قال لا ینہ  
 اذھب الی عائشۃ و اقرئھا  
 منی السلام واستاذنھا  
 ان اقبرفی بیتھا مع رسول  
 اللہ ومع ابی بکر فاتھا  
 عبد اللہ بن عمر فاعلمھا  
 فقالت نعم و کرامۃ ثم  
 قالت یابنی ابلغ عیر  
 سلامی و قل لہ لا تتدع  
 امۃ محمد بلا راع استخلف  
 علیہم ولا تدعہم بعدک  
 ہذا فانی اخی علیہم  
 الفتنۃ فاتی عبد اللہ فاعلمہ  
 فقال ومن تا مرنی ان  
 استخلف لو ادرکت ابا عبیدہ  
 بن الجراح باقی استخلفتہ  
 ولیتہ فاذا قد مت علی ربی

جانشین مقرر کیا یعنی ابو بکر نے اور اگر میں  
 جانشین مقرر نہ کروں تو بے شک اسے اپنا جانشین  
 مقرر نہیں کیا جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسول خدا نے  
 ان لوگوں نے کہا کہ خدایا آپ کو جزائے خیر دے  
 آپ نے فرمایا وہی ہو گا جو خواہا ہے گا۔ میری تو  
 خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں  
 نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخا  
 کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے  
 تو اس کو میں غنیمت سمجھوں گا پس جب حضرت  
 نے میت کو آتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے کہا  
 کہ عائشہ کے پاس جاؤ، میرا سلام کو اور ان کے  
 اجازت مانگو کہ میں ان کے گھر میں جانا  
 رسول خدا اور ابو بکر کے پاس دفن کر دیا جائے  
 پس عبد اللہ بن عمر حضرت عائشہ کے پاس آئے  
 اور یہ پیغام پہنچایا انہوں نے کہا سمرانکھوں سے  
 بڑی خوشی سے، اور کہا اے بیٹے عمر کو میرا سلام  
 پہنچانا اور کہنا امت محمدیہ کو بغیر محافظہ کے نہ  
 چھوڑ جاؤ۔ اپنا جانشین ان پر مقرر کر دو اپنے  
 بعد ان کو حیران اور بغیر گہبان کے نہ چھوڑ جانا  
 مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو، پس عبد اللہ آئے  
 اور حضرت عمر کو یہ پیغام پہنچایا، حضرت عمر نے  
 کہا کہ عائشہ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں  
 خلیفہ مقرر کروں، اگر ابو عبیدہ بن الجراح

زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور  
جب اپنے خدا کے پاس جاتا اور وہ پوچھتا کہ  
کس کو امت محمدیہ پر حاکم مقرر کیا ہے تو میں  
جواب دیتا کہ اس شخص کو جس کی بابت تیرے  
بندے اور رسول کو یہ کہتے سنا تھا کہ ہر ایک  
امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس  
امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے یا اگر  
معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر  
کرتا اور جب میں خدا کے حضور میں حاضر ہوتا  
اور وہ مجھ سے دریافت فرماتا کہ امت محمدیہ  
پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا  
کہ اے میرے رب اس کو مقرر کیا ہے جس کی  
بابت تیرے بندے اور رسول کو یہ کہتے سنا تھا  
کہ قیامت کے دن معاذ بن جبل علماء کے گروہ  
میں ہوگا۔ یا اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو  
میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے  
حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا  
کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو  
میں کہتا کہ اے میرے خدا اس کو مقرر کیا ہے  
جس کی بابت میں نے تیرے بندے و نبی کو یہ  
کہتے سنا تھا کہ خالد بن ولید خدا کی تلواروں  
میں سے ایک تلوار ہے جس کو خدا نے مشرکین  
کے اوپر کھینچا ہوا ہے۔ اچھا اب میں ان

فَسَأَلَنِي وَقَالَ لِي مَنْ وَلِيَّتْ  
عَلَىٰ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ قُلْتُ أَيْ رَبِّي  
سَمِعْتُ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ يَقُولُ  
لَكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَامِينُ  
هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ  
الْجُرَّاحِ وَلَوْ أَدْرَكَتْ مَعَاذُ  
بْنِ جَبَلٍ اسْتَخْلَفْتَهُ فَإِذَا  
قَدِمْتَ عَلَىٰ رَبِّي فَسَأَلَنِي  
مَنْ وَلِيَّتْ عَلَىٰ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ  
قُلْتُ أَيْ رَبِّي سَمِعْتُ عَبْدَكَ  
وَالنَّبِيَّكَ يَقُولُ إِنَّ مَعَاذَ  
بْنِ جَبَلٍ يَأْتِي حِينَ يَأْتِي  
الْعِبَادَ يُؤَدُّ الْقِيَامَةَ وَلَوْ  
أَدْرَكَتْ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ  
لَوَلِيَّتَهُ فَإِذَا قَدِمْتَ عَلَىٰ  
رَبِّي فَسَأَلَنِي مَنْ وَلِيَّتْ  
عَلَىٰ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ قُلْتُ أَيْ رَبِّي  
سَمِعْتُ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ يَقُولُ  
خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ سَيَقْبُ  
مَنْ سَيُؤَدُّ اللَّهُ سَلْبَهُ  
عَلَىٰ الْمُشْرِكِينَ وَلَكِنِّي  
سَأَسْتَخْلِفُ لِنُصْرَةِ الَّذِينَ  
تَوَلَّىٰ رَسُولَ اللَّهِ وَهُوَ عَنْهُمْ

سراض فارس علیہم جمعہم  
 وحم علی بن ابی طالب و  
 عثمان بن عفان وطلحة  
 بن عبد اللہ والزبیر بن  
 العوام وسعد بن ابی وقاص  
 وعبدا الرحمن بن عوف رضوان  
 اللہ علیہم وکان طلحة  
 غایباً فقال یا معشر المهاجرین  
 الاولین انی نظرت فی امر  
 الناس فلم اجد فیہم شقاقاً  
 ولا نفاقاً فان یکن بعدی  
 شقاق و نفاق و هو فیکم  
 تشاور واثلاثة ایام  
 فان جاءکم طلحة الی ذلك  
 والا فاعزم علیکم باللہ ان  
 لا تتفرقوا من الیوم الثالث  
 حتی تستخلفوا احدکم  
 فان اشرتم بها الی طلحة  
 فهو لها اهل ولیصل بکم  
 صہیب ہذا الثلثة ایام  
 التی تتشاورون فیہا  
 فانہ سرجل من الموالی  
 لا یناظرکم امرکم

لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسول خدا  
 بوقت رحلت خوش تھے پس ان سب کو حضرت  
 عمر نے بلایا اور وہ یہ تھے۔ علی، عثمان، طلحہ  
 زبیر، سعد بن وقاص اور عبد الرحمن بن  
 عوف، طلحہ اس دن مدینہ میں موجود نہ تھے  
 حضرت عمر نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا  
 کہ اے گروہ مهاجرین اولین میں نے لوگوں  
 امور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان میں نفاق  
 کینہ نہیں ہے۔ اور اگر میرے بعد ان میں  
 نفاق و دشمنی ہوئی تو یہ تمہاری وجہ سے ہو  
 پس تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا، اگر طلحہ  
 بھی تم میں آئے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ  
 کر لینا۔ تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق  
 ہونا جب تک کہ خلیفہ نہ مقرر کر لیا، اگر تم نے  
 طلحہ کا مشورہ لیا تو وہ اس کا اہل ہے  
 اور ان تین ایام تک صہیب نماز پڑھائے  
 کیونکہ وہ موالی میں سے ہے اور وہ تم سے  
 خلافت میں تنازعہ نہیں کرے گا۔ تم  
 انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی بلال لینا  
 مگر ان کے لئے امر خلافت میں سے  
 کچھ حصہ نہیں ہے۔ اور تم حسن بن  
 علی و عبد اللہ بن عباس کو بھی بلال لینا  
 کیونکہ ان کو درجہ قرابت حاصل ہے



اور مجھے امید ہے کہ ان کے حضور میں تم کو برکت ہوگی۔ مگر ان دو لوگوں کے لئے بھی امر خلافت میں سے کچھ نہیں ہے۔ میرے بیٹے عبداللہ کو بھی مشورہ کے لئے بلا لینا۔ لیکن خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر کو خلافت کا حق پہنچتا ہے اس کو خلیفہ مقرر کر دو ہم راضی ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ اول خطاب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص خلافت کے بارگراں کو اٹھائے عبداللہ بن عمر کے لئے اس میں حصہ نہیں ہے۔ پھر کہا کہ خبردار عبداللہ خبردار خلافت کے ساتھ اپنے تئیں ملوث نہ کرنا، پھر ان اصحابِ شہور کے کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا۔ اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان دو کی گردن مار دینا۔ اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالف کریں تو سب میرا لڑکا عبداللہ ہوگا۔ ان تین میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہ

واحضروا معکم من شیوخ الانصاری و لیس لہم من امرکم شیئاً واحضروا معکم الحسن بن علی و عبد اللہ بن عباس فان لہما قرابۃ و اسر جواکم البرکۃ فی حضورہما و لیس لہما من امرکم شیئاً و یحضر ابنی عبد اللہ مستشامراً و لیس لہ من الامر شیئاً قالوا یا امیر المؤمنین ان فیہ للخلافة موضعا فاستخلفہ فانما مراضون بہ فقال حسب ال الخطاب تحمل مرجل منهم للخلافة لیس لہ من الامر شیئاً ثم قال یا عبد اللہ ایاک ثم ایاک لا تتلیس بہا ثم قال ان استقام امر خمسة منکم و خالف واحد فاضربوا عنقه و ان استقام اربعة و اختلف اثنان فاضربوا اعناقہما و ان استقام ثلاثة و اختلف ثلاثة فاحتکبوا الی ابنی

عبدالله ثلاثه  
 قضی بالخلیفة منهم وفيهم  
 فان ابی الثلاثة الآخر من  
 ذلك قاضوا عنا فهدموا  
 قتل فینا یا امیر المؤمنین  
 مقالة اشتد لقیها برایک  
 ونقتدی به فقال والله  
 ما یمنعی ان استخلفک یا  
 سعد الا شتاتک وغلظتک  
 مع انک رجل عرب وما یمنعی  
 منک یا عبد الرحمن الا انک  
 فرعون هذه الامة وما یمنعی  
 منک یا زبیر الا انک مد من  
 الرضا کافر الغصب وما یمنعی  
 من طلحة الا انخوته وکبره  
 ولو ولیها وضع خاتمه فی صبع  
 امرأته وما یمنعی منک یا  
 عثمان الا عصیتک وحبک  
 قومک وما یمنعی منک  
 یا علی الا حرصک علیها وانک  
 اخو القوم ان ولیتها ان تقیم  
 علی الحق المبین والصراط  
 المستقیم..... ثم التفت الی

اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار  
 کریں تو ان تینوں کو قتل کر دینا۔ پھر ان  
 صحاب شوری نے کہا کہ اے امیر المؤمنین  
 کچھ ایسی گفتگو فرمائیے جس سے ہماری رہنمائی  
 ہو اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اس پر  
 عمر نے فرمایا کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم  
 کو خلیفہ مقرر کرنے سے نہیں روکا، الا اس  
 امر نے کہ تو سخت ہے اور تیری فطرت  
 غلیظ ہے۔ حالانکہ تو مرد میدان ہے اور  
 اے عبد الرحمن مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے  
 اس امر نے روکا کہ تو اس اُمت کا فرعون  
 ہے اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے  
 سے اس امر نے باز رکھا کہ تو اپنی رضا مندی  
 کے وقت تو میں ہے مگر غصہ کے وقت  
 کافر ہے اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس  
 امر نے روکا کہ اس میں نخوت و غرور ہے اور  
 اگر وہ حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی  
 اپنی عورت کے ہاتھ میں پہنائے گا اور  
 اے عثمان مجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھ کو  
 اس امر نے باز رکھا کہ مجھ میں تعصب  
 قبیلہ اور اپنے قوم کی محبت ہے اور اے علی  
 تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی امر نے نہیں  
 روکا صرف اس بات نے روکا کہ تم کو اس کی

علی بن ابی طالب فقال لعل  
 هو لواء القوم يعرفون لك  
 حقاك وقرابتك وشرقك من  
 رسول الله وما اتاك الله  
 من العلم والفقہ والدين  
 فيستخلفونك فان وليت  
 هذا الامر فائق الله يا علي فيه  
 ولا تخجل اهدا من بنی هاشم  
 على رقاب الناس ثم التفت  
 الى عثمان فقال يا عثمان  
 لعل هو لواء القوم يعرفون  
 لك صهرتك من رسول الله  
 وسناك وشرقك وسابقتك  
 فيستخلفونك ان وليت  
 هذا الامر فلا تخجل اهدا من  
 بنی امیة علی رقاب الناس  
 ثم دعا صهيبا فقال يا  
 صهيب صل بالناس ثلاثة  
 ايام يجتمع هؤلاء النفر و  
 يتشاورون بينهم -

مورخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے :-

ثم دعا عبيد الرحمن وقال  
 اسيد ان اعهد اليك قل

خواہش ہے ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر  
 چلنے والے ہو اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم  
 اس کو حق میں اور صراطِ مستقیم پر چلاؤ گے  
 پھر حضرت عمر علی کی طرف مخاطب ہوئے اور  
 فرمایا کہ اے علی یہ لوگ تمہارے حق اور  
 قرابتِ رسول سے آگاہ ہیں۔ تمہاری عظمت  
 اور بزرگی ان کو معلوم ہے اور خدا نے تم کو  
 جو علم و فقہ و دین حقہ عنایت کیا ہے  
 اس سے بھی یہ اچھی طرح آگاہ ہیں اگر یہ  
 تم کو خلیفہ مقرر کریں تو اے علی خدا سے  
 ڈرتے رہنا اور بنو ہاشم میں سے ایک  
 شخص کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا  
 پھر آپ حضرت عثمان کی طرف مخاطب ہوئے  
 اور فرمایا کہ اے عثمان اگر یہ لوگ تمہاری  
 داماد علی رسول اور تمہاری عمر و شرافت کا  
 خیال کر کے تم کو خلیفہ مقرر کریں اور تم کو حکومت  
 مل جائے تو بنی امیہ میں سے ایک کو بھی  
 لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر انہوں نے صہیب کو  
 بلا کر کہا کہ اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت سنبھال  
 کرنا جب تک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں

حضرت عمر نے عبد الرحمن بن عوف کو بلایا اور  
 کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا عہد تمہارے سپرد

اتشیر علیؑ بہا قال لا قال واللہ  
 لا اقتل قال فہی بنی  
 صمت حتی اعہد الی الذین  
 توفی رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم و ہر منہم  
 سراض ثم دعا علیاً و عثمان  
 والتر بیر وسعدا و عبد  
 الرحمن معہم وقال انتظروا  
 ثلاثا فان جاء طلحہ و ابی  
 فاقضوا امرکم و ناشد اللہ  
 من یقضی الیہ الامر منہم  
 ان یجیل اقرارہ علی رقاب  
 الناس... ثم دعا ابی طلحہ  
 الانصاری فقال قم علی  
 باب ہؤلاء ولا تدع احد  
 یدخل الیہم حتی یقضوا  
 امرہم... ثم قال یا  
 عبد اللہ ان اختلفت القوم  
 فکن مع الاکثر فان تساوا  
 فکن مع الذین فیہم عبد  
 الرحمن بن عوف... و جاء  
 علی و ابن عباس فقعدوا  
 عند سراسہ و جاء الطیب

کروں عبد الرحمن نے کہا کیا آپ مجھ سے خائف  
 کے متعلق مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے  
 کہ نہیں عبد الرحمن نے کہا کہ بخراہیں اس بوجھ کہ  
 نہیں اٹھائیں گا حضرت عمر نے کہا کہ وعدہ کر  
 کہ تم میری گفتگو کا کسی سے ذکر نہ کرے گے یہاں تک  
 کہ میں ان لوگوں کی طرف اس امر کو موڑ دوں  
 جس سے جناب رسول خدا بوقت رحلت رضی  
 تھے حضرت عمر نے علی و عثمان و زبیر و سعد کو بلایا  
 عبد الرحمن بھی ان کے ساتھ تھے اور کہا کہ تین دن  
 انتظار کرنا، اگر طلحہ آجائے تو شامل کر لینا ورنہ  
 بغیر اس کے تم اپنے میں سے خلیفہ مقرر کر لینا  
 جو خلیفہ مقرر ہو اس کو چاہیے کہ اپنے قرابتداروں کو  
 لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرے... پھر  
 حضرت عمر نے ابی طلحہ انصاری کو بلایا اور کہا  
 کہ تم ان لوگوں کے دروازے پر کھڑے رہنا  
 اور جب تک یہ لوگ فیصلہ نہ کر لیں کسی کو اندر  
 آنے دینا... پھر عبد اللہ ابن عمر سے کہا کہ  
 اگر ان چھ لوگوں میں اختلاف ہو تو تم اکثریت  
 کے ساتھ ہونا اور اگر طرفین برابر ہوں تو تم  
 اس گروہ کے ساتھ ہو جانا جس میں عبد الرحمن  
 بن عوف ہو... پھر علی ابن عباس  
 آئے اور حضرت عمر کے سر ہانے کھڑے ہو گئے  
 پھر طیب آیا اس نے نبیذ شراب بلایا

فتناء نبینا اخرج متغیرا ثم  
 لبنا فخرج کن لک فقال له  
 اعهد قال قد فعلت ولم  
 یزل ذکر اللہ الی ان توفی  
 لیلۃ الاربعاء لثلاث  
 بقین من ذی الحجہ سنۃ  
 ثلاث وعشرین وصلی  
 علیہ صہیب وذلك لعشر  
 سنین ستة اشهر من خلوفہ  
 وجاء ابو طلحۃ الی نصاریح  
 مع المقداد بن الاسود و  
 قد کان امرہما عیران یجبعا  
 ہولاء والرهط الستۃ فی  
 مکان ویلزمہما ہما ان  
 یقیدوا للناس من یختاروا  
 منہم وان اختلفوا کان  
 الاتباع للاکثر وان قتلوا  
 حکموا عند اللہ بن عمرو اتبعوا  
 عند الرحمن بن عوف و  
 یوجانویہم فی ذلک ثلاثا  
 یصلی فیہا بالناس صہیب  
 ویحضر عبد اللہ بن عمر معہم  
 مشیرا لیس لہ نشئی من

ذہ زخم کے راستے نکل گئی، پھر وہ پلایا، وہ  
 بھی زخم کے راستے نکل گیا، طبیب نے کہا اب  
 آپ آخری وصیت کر لیں۔ عمر نے کہا کہ میں  
 پہلے ہی کر چکا ہوں، اور اپنی موت تک خلیفہ تو اب  
 کو یاد کرتے رہے آپ کی موت شب چہار  
 شنبہ کو ہوئی جب کہ تین راتیں ذی الحجہ ۳۳ھ  
 کے ختم ہونے میں باقی تھیں۔ نماز جنازہ  
 صہیب نے پڑھائی اور یہ آپ کی خلافت کے  
 دس سال اور چھٹے مہینے میں ہوا اور اب ابو  
 طلحہ انصاری آئے اور ان کے ساتھ مقداد  
 بن الاسود تھے، اور ان دونوں کی حضرت عمر  
 نے حکم دیا تھا کہ ان چھ آدمیوں کو ایک مکان  
 میں جمع کریں اور ان سے کہیں کہ اپنے میں سے  
 جس کو خلیفہ مقرر کریں اس کو لوگوں کے  
 سامنے پیش کریں اور اگر اختلاف کریں تو اکثریت  
 کی پیروی کی جائے، اور اگر طرین برابر رہیں تو  
 میرا بیٹا ثالث ہوگا، لیکن عبد اللہ وصر ہوگا  
 جاحر عبد الرحمن بن عوف ہوں گے تین دن  
 تک ان کو اس مکان میں رکھیں اور مہلت میں  
 اس عرصہ تک صہیب امامت نماز کریں  
 عبد اللہ ابن عمر کو مشورہ کے لئے بلا لیں، لیکن  
 اس کا حصہ خلافت میں نہ ہوگا، اور اگر تین  
 دن میں طلحہ آجائے تو وہ بھی شریک ہو جائے

الا مروط لحد شریکھم ان قدم  
 فی الثلاث لیال فجمعہم  
 ابو طلحہ والمقداد فی بیت  
 المسور بن مخرمہ وقیل فی  
 بیت عائشہ وجاء عمر و بن  
 العاص والمغیرہ بن شعبہ  
 فجلسا بالباب فھصبھا سعد  
 اقامھما وقال تزید ان ان  
 تقولوا حضرنا وکتافی اھل  
 الشوری ثم دار بینھما الکلام  
 وتنافسوا فی الامر فقال عبد الرحمن  
 ایکم یخیر جمیعھا نفسہ یجتھد  
 فیولیھا افضلکم وانا افعل  
 ذلک فرضی القوم وسکت علی  
 فقال ما تقول یا ابا الحسن  
 قال علی شریطہ ان تو شر  
 الحق ولا تتبع الهوی ولا تخض  
 زارھم ولا تالوا لامة نصھا  
 وتعطینھا العهد بذلک قال  
 وتعطونی انتم موثیقکم علی  
 ان تکونوا معی علی من خالف  
 وترضوا من ائمترت وتواثقوا  
 ثم قال تعلی انت احق من حضر

پس ابو طلحہ ومقداد نے ان کو مسور بن مخرمہ  
 کے گھر میں جمع کیا، روایت یہ بھی ہے کہ  
 سب عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے عمرو بن  
 العاص ومغیرہ بن شعبہ آئے اور اس مکان  
 کے دروازہ پر بیٹھ گئے لیکن سعید نے یہ کہہ کر  
 ان کو وہاں سے ہٹا دیا کہ تم اس لئے یہاں آئے  
 کہ کل کو کہو کہ ہم بھی حاضر تھے اور ہم بھی اہل شوری  
 میں سے تھے۔ پھر رباب شوری میں انتخاب  
 خلیفہ کی باہت بحث ومباحثہ ہونے لگا...  
 عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ آیاتم میں ایسا  
 کوئی شخص ہے جو اپنے تئیں خلافت کی امید  
 سے علیحدہ کر کے افضل ترین شخص کو منتخب  
 کرے میں تو ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں  
 اور سب تو راضی ہو گئے مگر علی خاموش رہے  
 عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ اے ابوالحسن تم کیا کہتے  
 ہو۔ حضرت علی نے کہا کہ یہ بھی تو شرط کرو کہ تم حق  
 کرو گے اپنے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو گے  
 نہ کسی رشتہ داری کا پاس ولحاظ کرو گے، حق  
 کہنے میں کسی کی ملامت اور کسی کے مشورہ کا خیال  
 کرو گے، اس بات کا اقرار تم ہم سے کرو  
 عبدالرحمن نے کہا کہ تم لوگ مجھ سے یہ اقرار کرو  
 کہ تم میرے ساتھ ہو گے اور اس کی مخالفت  
 کرو گے جو میرے فیصلے کی مخالفت کرے اور

متر ابناك وسوا بفاك وحسن  
 اترك في الدين المرتعد في  
 نيك فمن تولى حق فيه  
 بعدك من هؤلاء قال عثمان  
 وخلا بعثمان فقال له مثل  
 ذاك فقال علي ودا سر عبد  
 الرحمن يا ليه كلها يلقي اصحاب  
 رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 ومن يوافي المدينة من امرأ  
 الاجناد و اشرف الناس و  
 يشيرهم الى ضيقتهم الرابع  
 فاتي منزل المسور بن مخرمه  
 و خلا فيه بالزبير و سعد  
 ان يترك الامر لعلي او عثمان  
 فاتفقا على علي ثم قال سعد  
 بايع لنفسك و امرحينا فقال  
 قد خلعت لهم نفسي على  
 ان اختاروا لولم افعل ما  
 اريد ها ثم استدعى عبيد  
 الرحمن عليا و عثمان فناجى  
 كل منهننا الى ان رضوا بل الى  
 ان صلوا الصبر ولا يعلم احد  
 ما قالوا ثم خرج المهاجرين

اس کے خلیفہ ہونے سے راضی ہو گئے جس کو میں  
 مقرر کروں پھر عبدالرحمن نے حضرت علی سے  
 کہا تم ان سب موجودہ لوگوں میں رسول اللہ کی  
 قرابت داری و سبقت اسلامی اور حسن  
 مساعی دین کی وجہ سے ان سب سے زیادہ  
 خلافت کے مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزوں  
 اور کوئی شخص اس خلافت کے لئے نہیں ہے  
 مگر یہ تو بتاؤ کہ ان لوگوں میں سے جو خلافت  
 کے لئے نامزد کیے گئے ہیں تمہارے بعد کون  
 زیادہ مستحق ہے حضرت علی نے جواب دیا کہ عثمان پھر  
 عثمان سے تخلیہ میں لینا کر یہی پوچھا کہ انہوں نے  
 جواب دیا کہ علی اور عبدالرحمن تمام راتوں کو  
 جناب رسول خدا کے اصحاب یا امراء لشکر و  
 اشراف سے جو مدینہ میں تھے ملتے تھے اور مشورہ  
 کرتے تھے چوتھے دن صبح تک انہوں نے  
 ایسا کیا، چوتھے دن کی صبح کو مسور بن مخرمہ کے  
 مکان پر عبدالرحمن آئے اور وہاں سعد و زبیر کو  
 علیہ علیہ بلا کر کہا کہ عثمان یا علی ان دونوں میں  
 ایک کو منتخب کر لو، ان دونوں نے متفق ہو کر  
 علی کو منتخب کیا پھر اس کے بعد مسور نے کہا کہ تم خود  
 اپنے لئے بیعت کیوں نہیں لیتے اور ہم پر رحم  
 نہیں کرتے، یہی عبدالرحمن نے جواب دیا کہ میں ان  
 لوگوں کے سامنے اپنے تئیں علیہ علیہ کر چکا ہوں،

واهل السابقة من الانصار  
 وامراء الاجناد حتى غص  
 المسجد بهد فقال اشيروا على  
 فاشار عمارة بن جلی فقال ابن ابی  
 شرح ان اردت ان لا تختلف  
 قریش فبايع عثمان وواقفه  
 عبد الله ابن ابی ربيعة فتفاوضا  
 وتثابتا ونادى سعد يا عبد  
 الرحمن افرغ قبل ان يفتن  
 الناس فقال نظرت وشارت  
 فلا تخعن ايها الرهط على  
 انفسكم سبيل ثم قال لعلي  
 عليك عهد الله وميثاقه  
 لتعلمن بكتاب الله وسنة رسوله  
 وسيرة الخلفين من بعد  
 قال ارجوان اجتهد بل ان  
 افعل بمبلغ علي وطاعتني وقال  
 لعثمان مثل ذلك فقال لي  
 نعم فرفع سراسه الى سقف  
 المسجد ويدا في يد عثمان  
 وقال اللهم اشهد اني قد  
 جعلت ما في عنقي من ذلك في  
 عنق عثمان فبايعه الناس

اور اگر ایسا نہ کرتا تب بھی خلافت کو اختیار نہ کرنا  
 پھر عبدالرحمن نے علی و عثمان کو بلا کر علیہ علیہ ان سے  
 گفتگو کی تاکہ یہ آپس میں راضی ہو جائیں لیکن  
 حجاج کا وقت ہی ہی میں گزر گیا اور کسی کو معلوم نہ  
 تھا کہ انہوں نے کیا کہا پھر عبدالرحمن نے مہاجرین کو  
 اور انصار میں سے سابق الاسلام اور امراء لشکر کو  
 جمع کیا یہاں تک کہ مسجد کعبہ بھر گئی پھر عبدالرحمن نے  
 کہا کہ جس کو تم لوگ خلافت کے لئے منتخب کرنا  
 چاہتے ہو اسکی طرف اشارہ کر دو عمیر نے علی کی طرف اشارہ  
 کیا ابن ابی اسرح نے کہا اگر چاہتے ہو کہ قریش میں خلافت  
 پر تو عثمان کی بیعت کر لو عمار بن ربيعة نے اس بات پر  
 اتفاق کیا، عمار اور ابن ابی شرح میں گفتگو بڑھ گئی سخت کلام  
 کی نیت آگئی اس پر سعد نے ندا کی کہ اے عبدالرحمن اس قضیہ کو  
 ختم کر و قبل اسکے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو عبدالرحمن نے  
 کہا کہ میں اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے اور رائے  
 قائم کر لی ہے اے لوگو! ڈر دم بھر خاموش رہو پھر علی کی  
 طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کا عہد ميثاق دو، کہ اگر خلافت  
 تم کو دی جائے تو تم کتاب اللہ و سنت رسول و سنت ہر دو  
 خلفاء گذشتہ پر عمل کرو گے علی نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں  
 کہ میں اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کروں گا یہ جواب  
 عبدالرحمن نے عثمان کی مخاطب ہو کر یہی الفاظ کہے عثمان نے فوراً  
 اقرار کر لیا اور کہا کہ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ ایسا ہی کرنا  
 ہی عبدالرحمن نے سقف مسجد کی طرف سر اٹھایا اور انکا ہاتھ عثمان کے



ہاتھ میں تھا اور یہ کہہ رہے تھے خداوند اگواہ رہیو کہ اس امر خلافت کا جو فرض میری گردن میں تھا وہ میں نے عثمان کی گردن میں ڈال دیا ۔

ابن خلدون :- بقیۃ النجلاء الثانی من تاریخ ابن خلدون - مطبوعہ دارالطباعة الخیریہ ببلق مصر  
المغربیہ در ۱۲۸۱ھ ہجری ص ۱۲۲ تا ص ۱۲۶

قبل اس کے کہ ہم اپنے نفس مضمون میں آگے چلیں یہاں ذرا وکلائے گروہ حکومت یعنی مورخین اہل سنت و جماعت کی ذہنیت اور تعصب کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، عبارت ابن خلدون مندرجہ بالا کا ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی نے اپنے ترجمہ تاریخ ابن خلدون کی جلد چہارم ص ۱۸۳ پر کیا ہے اس میں وہ ہم مقامات پر ترجمہ سے اعراض کر کے بلکہ اصلی عبارت کے مفہوم کو بھی ترک کر کے ضروریات مناظرہ کو مد نظر رکھ کر کچھ کا کچھ ترجمہ کر دیا، جو اصل عبارات عربی سے بالکل مختلف ہے، اول تو جب عبدالرحمن نے خود ساختہ ثالث بنا چاہا تو عربی کی عبارت یہ ہے کہ حضرت علی رضی نہ ہوئے، ایک نہایت ضروری شرط پیش کر دی کہ فیصلہ حق پر مبنی ہو، خود غرضی وہو ائے نفس کا اس پر اثر نہ ہو، رشتہ داری کا لحاظ نہ کیا جائے، عبدالرحمن نے اس کا جواب دینے سے اعراض کیا، اس شرط کو قبول نہ کیا اور وہ معاملہ وہیں ختم ہو گیا سوائے حضرت علی کے دیگر اشخاص نے رضامندی دیدی لیکن مترجم صاحب یوں ترجمہ کرتے ہیں "الغرض دونوں بزرگوں اور حاضرین جلسہ نے باہم عہد و پیمان کیا" عربی عبارت میں ہرگز نہیں ہے، ہم نے تو اصل عبارت کی ہی ہے۔ ناظرین دیکھ لیں، دوم یہ کہ جب عبدالرحمن نے سعد زبیر کو بلایا تو ان سے یہ کہا کہ یا علی یا عثمان کے حق میں ہو جاؤ اور ان دونوں نے علی کو منتخب کیا یہ تو عربی عبارت کا صحیح ترجمہ ہے۔ لیکن مترجم صاحب کہتے ہیں "زبیر و سعد کو بلانے کہا لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوا ہے، تم لوگ کیا کہتے ہو ان دونوں بزرگوں نے بھی اس سے اتفاق کیا، ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ ترجمہ اصل عربی عبارت کا ہرگز نہیں ہے۔ مترجم صاحب نے مناظرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھے تھے

اور وہ بے معنی ہیں۔ مترجم کے بموجب تو عبدالرحمن نے کہا کہ لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوتا ہے اور سوال کیا تم ان دونوں میں سے کس کو منتخب کرتے ہو، یہی غرض اس سوال کرنے کی تھی ورنہ یہ گفتگو لغو ہو جاتی ہے اس کا جواب جو مترجم اپنی طرف سے ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ان دونوں یعنی سعد و زبیر نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے معنی ہے، کس سے اتفاق کیا، علی و عثمان کی مشترکہ خلافت سے؟ غرض کہ یہ اصحاب اسی پیرا میں تاریخ کی کتابوں کو کتب مناظرہ بنا لیتے ہیں اور ان کتابوں کی تاریخی حیثیت جاتی رہتی ہے۔

شمس التاریخ حضرت عمر کا نثر میں قصیدہ ہے جس کو مولوی محی سعادت اللہ مولف نے حضرت فاروق اعظم کے نام سے معنون کیا ہے اور مولف نے وہ کتاب اس یقین کے ساتھ لکھی ہے کہ اس کے تخریر کرنے کی ہدایت اس کو خود حضرت عمر نے ایک خواب کے ذریعہ سے کی ہے، اس کے صفحات ۱۲۱۱، ۱۲۱۲

۱۲۱۳، ۱۲۱۴ سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں:-

ادھر تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے بے ہوش تھے، اور وہ عمر میں بھی جناب مُرضی سے بڑے تھے اس لئے لوگوں کا رجحان زیادہ تر ان ہی کی طرف تھا۔

”اس پر بھی عثمانیوں کو صبر نہ ہوا، اور تار پیر سے باز نہ آئے۔ سمجھے کہ اگر عبدالرحمن بن عوف جناب علی کی علم و جلالت پر نظر کر کے انہیں پسند کر لیا تو ہماری ہیٹی ہوئی۔ ان ہی میں حضرت عمرو بن العاص بڑے چلتے ہوئے اور ذہین و چالاک تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ جناب ایسے وقت میں مدد فرمائیے.....“

”اس کے بعد ہمارے حضور عبدالرحمن بن عوف کے پاس پہنچے اور بولے کہ حضرت آپ کس دلدل میں پھنس گئے، جس رشتہ پر آپ پڑے ہیں اس سے برسوں بھی فیصلہ نہ ہوگا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو می روی ہرکستان است

میں اس جھگڑے سے نکلنے کی ایک ترکیب آپ کو بتاؤں جس سے ایک دم میں فیصلہ ہوا جاتا ہے

حضرت عبدالرحمن:- اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں، پھر بتلاتے کیوں نہیں؟

حضرت ابن العاص :- جب کل انتخاب کے لئے لوگ جمع ہوں تو آپ علی عثمان کی طرف مخاطب ہو کر یہ سوال کریں۔ تم لوگ رسول اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی سنت پر بھی عمل کرنے کو راضی ہو یا نہیں، دونوں میں سے جو صاحب اس کا مقبول جواب اور قابل اطمینان دیں ان ہی سے آپ بیعت کر لیں، اور جس سے آپ بیعت کر لیں اسی کی طرف سب رجوع ہو جائیں گے۔

”جناب عبدالرحمن کی بھی سمجھ میں یہ بات آگئی اور کہا خاطر جمع رکھو، کل ایسا ہی ہو گا۔ چنانچہ دو روز بعد جب جناب مرتضوی اور حضرت عثمان اور سب لوگ جمع ہوئے تو پہلے نبیوں نے جناب علی کے سامنے یہ سوال پیش کر کے جواب چاہا۔۔۔۔۔ جناب علی نے سوال مذکورہ بالا کا یہ جواب دیا جہاں تک مجھ سے ممکن ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ“

”اگرچہ حضرت شیر خدا کا جواب نہایت معقول تھا، کیونکہ آدمی خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور جو کرتا ہے اپنی بساط کے موافق کرتا ہے اور اپنے مقدر سے باہر اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ پس اگر عمرو بن العاص کی تعلیم انہیں نہ بھی ہوتی تو بھی ان کی ذات پاک سے ہمیں یہی جواب پانے کی امید تھی۔ مگر وہاں تو قوم ابو بکر و عمر کی ہر ادب قربان ہو چکی تھی، ان کے عہد میں مسلمانوں نے بڑی بڑی موجیں کی تھیں اور ایسے امن و چین سے رہے تھے جیسے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں۔ وہ جناب مرتضوی کے جواب سے خوش و مطمئن نہ ہوئے۔ اور ان کے قول کا مطلب یہ سمجھے کہ شیر خدا خلیفہ اول و ثانی کے قدم بقدم چلنا پسند نہیں فرماتے۔ لہذا ان کا ٹھیک جواب جو موقع اور وقت کے خلاف تھا اٹا پڑا“

”اب جو عبدالرحمن نے جناب عثمان سے پوچھا تو انہوں نے چھاتی ٹھونک کر کہا کہ بسر و چشم ابو بکر و عمر کی تقلید منظور ہے“

شمس التواریخ صفحات ۱۱۱ تا ۱۱۲ لغایت ۱۲۱۲

اگرچہ مضمون طویل ہو گیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری سے کچھ عبارات نقل کروں۔

ان عمر بن الخطاب لما طعن قيل  
 له يا امير المؤمنين لو استخلفت  
 قال من استخلف لوكان  
 ابو عبدة بن الجراح حيا  
 استخلفته فان سألني ربي  
 قلت سمعت نبيك يقول  
 انه امين هذه الامة ولو  
 كان سأل مولاي حذيفة  
 حيا استخلفته فان سألني  
 ربي قلت سمعت نبيك  
 يقول ان سألما شديدا  
 الحب لله فقال له رجل ادلك  
 عليه عبد الله بن عمر  
 فقال قاتاك الله والله ما  
 اسذت الله بهذ او يحككيف  
 استخلف رجل عجز عن طلاق  
 امرآته.....  
 فقالوا يا امير المؤمنين لو عهدت  
 عهدا فقال كنت اجعت بعد  
 مقالتي لكم ان انظر فاولي  
 رجل امركم هو حرا. كوان يحبكم  
 على الحق وشار الى علي.....  
 وخرجوا فقال العباس لعلي

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے لوگوں  
 نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ اپنا جانشین  
 مقرر کر دیں انہوں نے کہا کہ اگر آج کو ابو  
 عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ  
 مقرر کرتا، اور اگر خدا مجھ سے سوال کرے  
 تو میں کہتا کہ اے میرے خدا میں نے  
 تیرے نبی کو کہتے سنا تھا کہ ابو عبیدہ  
 اس امت کا امین ہے اور اگر سالم  
 ابو حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو  
 میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور اگر  
 خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب  
 دیتا کہ اے خدا میں نے تیرے نبی کو کہتے  
 سنا تھا کہ سالم میں خدا کی محبت بہت  
 ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمر سے کہا کہ  
 آپ اپنے بیٹے عبد اللہ کو خلیفہ مقرر کر دیں  
 انہوں نے جواب دیا کہ خدا تجھے غارت کرے  
 یہ تو نے کیا کہا کیا میں اس کو خلیفہ مقرر کروں  
 جو عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتا.....  
 پھر لوگوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اپنا  
 جانشین مقرر کر دو، حضرت عمر نے کہا کہ تمہاری  
 پہلی گفتگو کے بعد جو میں نے غور کیا تو نتیجہ نکلا  
 کہ اگر میں علی کو خلیفہ مقرر کروں تو وہ تمہیں راہ حق  
 پر چلا دے گا وہ تم سب سے زیادہ افضل ہے

لا تدخل معهم قال  
 اكره الخلاف .....  
 فانهمضوا الى حجرة عائشه باذن  
 منها فقتلوا نورا واختا سرا  
 رجلا متكما ثم قال لا  
 تدخلوا حجرة عائشه ولكن  
 كونوا قريبا .....  
 قال لصهيب صل بالناس  
 ثلاثه ايام وادخل عليا  
 وعثمان والزبير وصعدوا  
 عبد الرحمن بن عوف وطاحه  
 ان قدموا حضرة عبد الله بن  
 عمر ولا شئ له من الامر وقع  
 على رؤسهم فان اجتمع خمسه  
 ورضوا رجلا والجا واحد فاشدخ  
 سراسه او اضرب سراسه بالسيف  
 وان اتفق اربعة فريضوا رجلا  
 منهم والى اثنان فاضرب  
 سوسهما فان رضى ثلاثه  
 رجلا منهم وثلاثه رجلا  
 منهم فحلبوا عبد الله ابن عمر  
 فالى الفريقين حكوله فليختاروا  
 رجلا منهم فان لم يرضوا

ر شوری کا تذکرہ ہونے کے بعد سب لوگ  
 باہر آگئے تو عباس نے حضرت علی سے کہا کہ  
 تم ان کے ساتھ شوری میں داخل نہ ہونا۔  
 حضرت علی نے جواب دیا کہ میں اختلاف نہیں  
 چاہتا۔ ر شوری کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا  
 تم سب حجرہ عائشہ میں جا کر مشورہ کرنا اور  
 اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لینا پھر  
 کہا کہ حجرہ عائشہ میں نہ جانا بلکہ اس کے قریب  
 ہی رہنا .....  
 صہیب سے حضرت عمر نے کہا کہ تین دن تم  
 لوگوں کی نماز پڑھانا اور شوری میں علی و عثمان و  
 زبیر و سعد و عبد الرحمن اور طلحہ کو اگر وہ  
 آجائے تو داخل کرنا، عبد اللہ بن عمر کو بھی  
 بلا لینا لیکن اس کا حصہ خلافت میں نہیں ہے  
 اور تم ان لوگوں کے سر پر کھڑے رہنا پس ان  
 میں سے اگر پانچ ایک طرف ہوں اور چھٹا  
 مخالف ہو تو اس چھٹے کو قتل کر دینا اور چار  
 ایک طرف ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان  
 کو قتل کر دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور  
 تین مخالف ہوں تو میرے بیٹے عبد اللہ ابن عمر کو  
 ثالث مقرر کر لینا اور جس فریق کے حق میں عبد اللہ  
 فیصلہ کرے اس میں ایک شخص خلیفہ بنا لینا اور  
 اگر عبد اللہ کے فیصلے سے یہ لگ راضی نہ ہوں

بجکم عبد اللہ بن عمر فکونوا  
 مع الذین فیہم عبد الرحمن  
 بن عوف وقتلوا الباقین  
 ان رغبوا مآ اجتماع علیہ  
 الناس فخرجوا فقال علی لقومہ  
 کانوا معہ من بنی ہاشم  
 ان اطیع فیکم قومکم ولکم  
 توؤمروا ابدًا وتلقاہ العباس  
 فقال عدلت عنا فقال وما عدتک  
 قال قرون بی عثمان وقال  
 کونوا مع الاکثر فان رضی  
 سرجلان رجلا ورجلان رجلا  
 فکونوا مع الذین فیہم  
 عبد الرحمن بن عوف فسعد  
 لا یخالف ابن عمہ عبد الرحمن  
 وعبد الرحمن صہر عثمان لا  
 یختلفون فیولیہا عبد الرحمن  
 عثمان او یولیہا عثمان  
 عبد الرحمن فلو کان الاخران  
 لم یفعا فی بلہ انی لا ارجوا  
 احدہما -

رحالات شوری، فقال عبد الرحمن  
 ایکم یخرج منها نفسہ ویتقلدہا

تو پھر تم سب اس طرف ہونا جد صریحاً الرحمن  
 ابن عوف ہیں اور اگر فریق مخالف اس  
 فیصلے سے ناراض ہو تو ان سب کو قتل کر دینا  
 پھر وہ سب لوگ باہر آگئے علی نے بنو ہاشم کی  
 جماعت سے جو ان کے ساتھ تھی کہا کہ اگر میں ان کی  
 اطاعت کرتا رہوں گا تو یہ لوگ کبھی تم کو  
 خلیفہ نہ بنائیں گے۔ اور عباس ان سے ملے  
 تو حضرت علی نے کہا کہ اس دفعہ بھی ہم سے  
 خلافت کو دور کر دیا، عباس نے کہا کیونکر،  
 حضرت علی نے کہا کہ میرے ساتھ عثمان کو  
 لگا دیا ہے اور شرط رکھی ہے کہ اکثریت  
 جس کے ساتھ ہو وہ خلیفہ ہو پس اگر دو  
 ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں اور اس  
 شرط کی وجہ سے وہ خلیفہ ہو جس کی طرف  
 عبد الرحمن ہو یہ نتیجہ ہو گا کہ سہ تو اپنے ابن عم  
 عبد الرحمن کی مخالفت نہ کرے گا اور عبد الرحمن  
 اور عثمان میں رشتہ سسرال کا ہے، پس  
 عبد الرحمن عثمان کو یا عثمان عبد الرحمن کو خلیفہ  
 کر دیں گے۔ پس اگر دو باقی میرے ساتھ ہونگے  
 تب بھی کچھ فائدہ نہ ہو گا اور میرا تو  
 خیال ہے کہ شاید ایک ہی میرے ساتھ ہو۔  
 (حالات شوری) عبد الرحمن نے ممبران  
 شوری سے کہا کہ تم میں سے کون اپنے تئیں

علی ان یولیہا افضلکم فلم  
 یحبہ احد فقال فانما اخلع منہا  
 فقال عثمان انا اول من رضی  
 فانی سمعت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم  
 یقول امین فی الارض امین  
 فی السماء فقال القوم قد  
 رضینا وعلی ساکت فقال  
 ما تقول یا ابا الحسن قال  
 اعطینی موثقاً لتوثرن  
 الحق ولا تتبع الهوی ولا تخص  
 دارحم ولا تالوا لامة.....  
 ودار عبد الرحمن لیالیہ  
 یلقی اصحاب رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم ومن وافی  
 الدینۃ من امراء الاجناد  
 واشراف الناس یشاورہم  
 ولا یخلو برجل الا امرہ بعثمان  
 حتی اذا کانت اللیلۃ التي  
 یتکبل فی حبیبحتہا الاجل  
 التي منزل المسورین محرمہ بعد  
 ابھیرار من اللیل فایقظہ  
 فقال الا وراک نائما ولم اذق

اس امر سے خارج ہوتا ہے اور مجھے اختیار  
 دیتا ہے کہ میں تم سب میں سے بہترین شخص کی  
 خلیفہ مقرر کر دوں کسی نے اس کا جواب نہ  
 دیا، اس پر عبدالرحمن نے کہا کہ اچھا میں اپنے  
 تئیں نکال لیتا ہوں، اس پر عثمان نے کہا کہ  
 سب سے پہلے میں تم سے راضی ہوں کیونکہ  
 جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ جو اس دنیا  
 میں امین ہے وہی آسمانوں پر بھی امین ہے  
 پس وہ لوگ بولے کہ ہم راضی ہیں لیکن علی  
 خاموش رہے، عبدالرحمن نے کہا کہ ابو الحسن تم  
 کیا کہتے ہو حضرت علی نے کہا کہ میری یہ شرط ہے  
 کہ اگر تم انصاف کرو حق کی طرف ہو، اپنی  
 خواہش کی پیروی نہ کرو اپنے رشتہ دار کا پاس نہ  
 کرو..... اور عبدالرحمن راتوں کو صحابہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے تھے اور نیز  
 مدینہ کے شرفاء و امراء بشکر سے جو مدینہ میں  
 تھے مشورہ کرتے تھے پس جس سے وہ ملتے تھے وہ  
 عثمان کی ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا تھا  
 پس اس رات کو جس کی صبح کی یہ امر خلافت  
 طے ہونا تھا عبدالرحمن مسور بن مخرمہ کے  
 مکان پر آئے، اور ان کو جگایا، اور کہا  
 کہ اس رات میری تو پلک نہیں چمکی  
 پس تم جاؤ اور سعد و زبیر کو بلا لاؤ۔

فی هذه الليلة كخیر غمض  
 انطلق فادع الزبير وسعدا  
 قد عاهبا فداء بالنزير  
 فی مؤخر المسجد في الصفة  
 التي تلي داس مروان فقال  
 له خل ابني عبد مناف  
 وهذا الا مر قال نصيبي لعلي  
 وقال لسعد انا وانت كالة  
 فاجعل نصيبك لي فاختر  
 قال ان اخترت نفسك  
 فنعم وان اخترت عثمان  
 فعلى احب الي ايتها الرجل  
 بايع لنفسك وارحمنا وارفع  
 سرؤسنا قال يا ابا اسحق اني  
 قد خلعت نفسي منها على  
 ان اختار.....  
 قال سعد فاني اخاف ان يكون  
 الضعف قد ادراك فامض لرايك  
 فقد عرفت عهد عمر والنصف  
 الزبير وسعد وارسل المسور  
 بن مخزوم الى علي فاجاه طويلا  
 وهو لا يشك انه صاحب الامر  
 ثم نهض وارسل المسور الى

پس وہ دونوں آگئے۔ عبد الرحمن نے پہلے  
 زبیر سے مسجد میں غلبت کی اس جگہ پر جو  
 مروان کے مکان سے متصل تھی۔ اور ان  
 سے کہا کہ اولاد عبد مناف میں سے کس  
 کے لئے تمہاری رائے ہے، زبیر نے کہا کہ  
 میرا حصہ تو علی کے لئے ہے۔ پھر عبد الرحمن نے  
 سعد سے کہا کہ ہم تم کو ایک ہی ہیں۔ تم  
 اپنا حصہ مجھ کو دیدو۔ سعد نے کہا منظور ہے  
 اگر تم خود خلیفہ بنو، لیکن اگر تم عثمان کو  
 خلیفہ کرنا چاہتے ہو تو میں علی کو ترجیح دیتا  
 ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم خود بیعت  
 لے لو، اور ہم کو اس مخصوصہ سے آزاد کر دو۔  
 عبد الرحمن نے کہا کہ اے ابا اسحق میں نے  
 تو اپنے تئیں اس سے نکال لیا ہے۔  
 سعد نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم میں  
 ضعف آ گیا ہے، جو تمہاری رائے  
 ہے وہ کر ڈالو۔ یہ تو تم کو معلوم ہی ہے  
 کہ عمر کیا چاہتے تھے، اس کے بعد زبیر  
 سعد چلے گئے تو عبد الرحمن نے مسور کو  
 علی کے پاس بھیجا۔ پس علی آئے اور دیر  
 تک عبد الرحمن نے علی سے ایسی گفتگو  
 کی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ علی کو خلیفہ مقرر  
 کرینگے، پھر عبد الرحمن اٹھے اور مسور کے



عثمان فكان في نجيبها حتى فرق بينهما  
 اذ ان الصبح فقال عمرو بن ميمون  
 قال لي عبد الله بن عمر يا عمرو  
 من اخبرك انه يعلم ما كلم  
 به عبد الرحمن بن عوف علياً  
 و عثمان فقد قال بغير علمه فوقع  
 قضاء ربك علي عثمان  
 فقال عثمان يا ايها الناس ان الله  
 عز وجل اكرمنا بنبيته واعترنا  
 بدينه فاني تصرفون هذا  
 الامر عن اهل بيت نبيكم  
 فقال سعد بن ابى وقاص  
 يا عبد الرحمن افرغ قبل ان  
 يفتتن الناس فقال عبد  
 الرحمن انى قد نظرت وشاورت  
 فلا تجعل ايها السهط علي  
 انفسكم سبيلاً ودعا علياً  
 فقال عليك عهد الله وميثاقه  
 لئلا تحلن ابيك ابان الله وسنة  
 رسوله وسيرة الخلفين  
 من بعده قال ارجوان افعل  
 واعمل بمبلغ علي وطاقتي ودعا  
 عثمان فقال له مثل ما قال لعلي

ذریعے سے عثمان کو بلایا، وہ آئے تو ان سے  
 صبح تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے  
 عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ  
 ابن عمر نے پوچھا کہ آپس میں کیا گفتگو ہوئی  
 میں نے جواب دیا کہ قضائے ربانی  
 عثمان کی طرف ہے.....  
 عمار نے کہا کہ لوگوں خداوند تعالیٰ نے  
 ہم کو اپنے رسول کی وجہ سے عزت دی  
 ہے۔ تم لوگ کیوں خلافت کو رسول  
 کے خاندان سے نکالتے ہو.....  
 پس سعد نے کہا کہ اے عبد الرحمن اپنا  
 کام فوراً ختم کرو، قبل اس کے کہ لوگوں میں  
 فتنہ ہو۔ عبد الرحمن نے کہا کہ میں  
 نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اے لوگو  
 تم فساد نہ کرو، اور پھر علی کو بلایا کہ  
 کہ تم عہد کرتے ہو کہ کتاب خدا و  
 سنت رسول اور ابو بکر و عمر کی سیرت  
 پر عمل کرو گے، علی نے کہا کہ امیر کرتا ہوں  
 کہ میں اپنی علم و طاقت کے مطابق کام  
 کروں پھر عثمان کو بلایا کہ تم نے یہی  
 بات کہی تو عثمان نے فوراً اتر کر لیا  
 پس عبد الرحمن نے عثمان سے بیعت  
 کر لی، اس پر حضرت علی نے کہا کہ

قال نعم فبايعه فقال علي جوتته  
 جبود هر ليس هذا اول يوم  
 تظا هر توفيه علينا فصبو  
 جميل والله المستعان على  
 ما تصفون والله ما وليت  
 عثمان الا لير والامر  
 اليك والله كل يوم هو  
 في شان .....  
 فخرج علي وهو يقول سيبلىع  
 الكتاب اجله .....  
 فقال المقداد يا عبد الرحمن  
 اما والله لقد تركته من الذين  
 يقضون بالحق وبعيدون .....  
 ما رايته مثل ما اوتى الى اهل  
 هذا البيت بعد نبيهم الى اوعجب  
 من قولش انهم تركوا رجلاً  
 ما اقول ان احداً اعلوا واقضه  
 مسنه بالعدل اما والله لو اجد  
 علي اعدوا نأفقال عبد الرحمن  
 يا مقداد اتق الله فاني  
 خائف عليك الفتنه فقال  
 من اجل للبقداد رحمة الله  
 من اهل هذا البيت و

تم نے عثمان کو بغیر حق و استحقاق کے  
 بخشش کی ہے یہ پہلا دن نہیں ہے کہ  
 خلافت میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے، پس  
 صبر جمیل ہی مناسب ہے اور خداوند  
 تعالیٰ ہماری مدد کرے گا جو تم کرتے ہو  
 بخدا تم نے عثمان کو اسوجہ سے حکومت دی  
 ہے کہ وہ یہ حکومت تم کو ہی واپس کرے  
 یعنی دراصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہارے  
 ماتحت کام کرے خداوند تعالیٰ غنی و حمید ہے  
 پس علی باہر آئے اور کہتے جاتے تھے کہ کتاب  
 قدر کا لکھا ہوا ہے اور یہ کہ رہے گا .....  
 مقاد نے کہا کہ اے عبد الرحمن بخدا تم کے  
 اس کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ  
 کرتا ہے اور انصاف کرتا ہے .....  
 پس مقاد نے کہا کہ میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں  
 دیکھا جیسا ظلم و ستم اس گھر کے لوگوں پر ان کے  
 نبی کے بعد ہوا مجھے قریش سے تعجب ہے  
 کہ انہوں نے ایسے شخص کو چھوڑا جس سے زیادہ  
 علم و عدل والا کوئی اور نہیں، کاش میرے مدد  
 ہوتے، عبد الرحمن نے کہا کہ اے مقاد خدا سے  
 ڈر، مجھے ڈر ہے کہ تیرے اوپر آفت نہ آجائے، ایک  
 آدمی نے مقاد سے کہا کہ تم پر خدا رحم کرے، اس گھر  
 سے تمہارا کیا مطلب ہے اور اس شخص سے تمہارا

بن هذا الرجل قال اهل  
لبیت بنوعید المطلب والرجل  
علی بن ابی طالب فقال علی  
ان الناس ينظرون الی قریش  
وقریش تنظر الی بیتها  
فتقول ان ولی علیکم  
بنوہا مشرک تمخرجنہم ابدًا  
وما کان فی غیرہم من  
قریش تداولتموہا ببینکم۔

کیا مطلب ہے مقصد نے کہا کہ اس گھر سے  
مطلب بنوعید المطلب اور اس شخص سے مطلب  
علی بن ابی طالب ہیں۔ حضرت علی نے کہا  
اور لوگ تو قریش کی طرف دیکھتے ہیں، اور  
قریش اپنے گھروں کی طرف دیکھتے ہیں یعنی  
اپنے دنیاوی فائدہ کو مد نظر رکھتے ہیں پس وہ  
آپس میں کہتے ہیں کہ اگر بنو ہاشم تمہارے  
اوپر حاکم ہو گئے تو پھر یہ حکومت ان کے خاندان سے  
کبھی نہیں نکلے گی اور اگر ان کے علاوہ قریش

میں سے کوئی اور حاکم ہو تو یہ خلافت قریش میں ایک سے دوسرے کی طرف پھرتی رہے گی +

محمد بن جریر الطبری: تاریخ الأمم والملوک الجزء الخامس ص ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸

نیز ملاحظہ ہو:۔

تاریخ حبیب السیر: جلد اول جزو چہارم ص ۲۷، ۲۸

ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثانی ص ۴۰۹

تاریخ ابی الفدا: الجزء الاول ص ۱۶۵ و ۱۶۶

واقعات تو یہ تھے۔ اب ہم ان پر غور کرتے ہیں۔ ڈرامور قابل توجہ ہیں۔  
ایک تو ترکیب و ساخت شوری اور دوسرے وہ ہدایات جو حضرت عمر نے جماعت  
شوری کو طریق کار اور طرز عمل کے متعلق دیں۔ حضرت عمر کے طریقہ حکومت اور  
روش سیاست کی وجہ سے جس کو ہم تفصیل سے البلاغ المبین میں بیان  
کر چکے ہیں۔ حضرت عمر کے زمانہ میں سرمایہ داری بہت بڑھ گئی تھی۔ اور  
حکومت پر سرمایہ داروں کا بہت اثر تھا۔ یہ سرمایہ دار جماعت حضرت علی کے  
بہت مخالف تھی۔ اس مخالفت کی وجوہات تو بہت تھیں۔ سب سے بڑی وجہ  
یہ تھی کہ جماعت حکومت سقیفہ نے عمداً اور بطور اپنے آلہ کار کے اس مخالفت کو

پیدا کیا اور پھیلایا تاکہ خاندان نبوت میں حکومت کے پہنچنے کا امکان ہی نہ رہے  
اس کے بعد دوسری وجہ یہ تھی کہ سرمایہ دار جماعت جانتی تھی کہ یہ سرمایہ داری  
اصول اسلام کے خلاف ہے اور اگر حکومت علی تک پہنچ گئی تو وہ سرمایہ داری کو  
قائم نہیں رہنے دیں گے۔ حضرت عمر نے بیت المال کے وظائف اور اقطاع و  
جاگیرات کی تقسیم اس طریقے سے کی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ان کی جماعت کے  
لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اپنے دوستوں اور بارسوخ لوگوں کو رقبہ میں زیادہ اور  
قسم میں اعلیٰ اقطاع و جاگیرات تقسیم کرتے تھے۔ بیت المال سے کسی نہ کسی بہانہ  
سے ان کی پارٹی کے لوگوں کو زیادہ رقم ملتی تھی۔ فتوحات کے غنائم کا بہت بڑا  
حصہ ان میں تقسیم ہوتا تھا۔ ہمارے اس بیان کی توثیق و تصدیق کے لئے  
دیکھو البلاغ المبین۔ سب سے بڑا اور بہن نبوت یہ ہے کہ شوری میں خلیفہ کا تقرر  
بس ایک شرط پر منحصر تھا۔ وہ یہ کہ خلیفہ سیرت رسول اور سیرت شیخین پر  
عمل کرے۔ سیرت رسول تو سمر آنکھوں پر۔ یہ اس کے مقابلے میں سیرت شیخین  
کیسی۔ کیا سیرت رسول کے اندر ہی سیرت شیخین نہیں آگئی؟ ایک شخص سیرت  
رسول پر عمل کرتا ہے۔ وہ کافی نہیں ہے۔ خلافت کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ  
اس کے مستزاد سیرت شیخین پر بھی عمل کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ سیرت شیخین  
اس کے علاوہ کچھ اور تھی۔ اس سیرت کا بڑا جز وہی سرمایہ داروں کی حفاظت  
تھی۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ دار جماعت حکومت پر چھا گئی  
حضرت ابو ذر نے اس سرمایہ داری کے خلاف آواز اٹھائی تو پہلے تو وہ شام کی  
طرف ننگے اڈنٹ پر بٹھا کر بیٹھے گئے اور پھر جب حاکم شام نے ان کے نصائح سے  
تنگسہ ان کو نہیں واپس پھینچا تو مدینہ سے چلا وطن کئے گئے اور ریزہ بھج گئے گئے

۱۵ اردو ترجمہ جرجی زبان تمدن اسلام حصہ دوم ص ۱۵

سرمایہ داری کے ذکر کے لئے دیکھو جرجی زبان تمدن اسلام حصہ دوم ص ۱۴، ۱۵، ۱۶

قصہ مختصر کہ حضرت علی کو تو فقط ظاہر داری کے لئے ان میں شامل کیا گیا۔ باقی پانچوں امیر و اہل خلافت جماعت سرمایہ داران میں سے لئے گئے اب ہم ایک ایک کے حالات بیان کرتے ہیں۔

طلحہ بن عبید اللہ۔ ان کی ثروت کا یہ حال تھا کہ روزانہ ایک ہزار دینار کی آمدنی فقط عراق سے آتی تھی۔ کہا گیا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھی۔ اور سمرات کے اطراف کی آمدنی ایک ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی۔ دو ہزار سے زائد روزانہ آمدنی تو یہی ہوئی۔ اور کوفہ میں انہوں نے بڑا عالیشان محل بنایا تھا جو مورخ مسعودی نے خود دیکھا تھا۔ ایک محل انہوں نے مدینہ میں بھی بنایا تھا جو بکری اینٹ چوڑے اور نہایت اعلیٰ شیشم کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ بوقت وفات ان کے پاس بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار تھے۔ جائداد کی قیمت تین کروڑ درہم تھی۔<sup>۵۲</sup>

زبیر بن العوام۔ یہ حضرت ابوبکر کے داماد تھے شروع شروع میں یہ حضرت علی کی طرف تھے۔ حضرت عمر کی حکمت عملی اور اپنی سالی حضرت عائشہ کی کوششوں سے یہ حضرت علی کے بہت خلاف ہو گئے ان کی ثروت کی یہ حالت تھی کہ ان کے محلات بصرہ، مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں تھے۔ جو مال انہوں نے غنائم اور بیت المال کی تقسیم اور اقطاع و چالیات سے حاصل کیا وہ انہوں نے تجارت میں لگایا۔ اپنی ثروت کے وقت انہوں نے نقد پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور سینکڑوں غلام اور کونڈیاں چھوڑیں۔ ایک ہزار ان کے مملوک تھے جو ان کو

۵۲ مروج الذهب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲

ابن عبد البر۔ الاستیعاب الجزء الاول ص ۲۱۵

خراج ادا کرتے تھے۔ ۶۳

حضرت عثمان بن عفان - ان کا کیا کہنا یہ تو عثمان غنی تھے۔ انہوں نے مدینہ میں بہت بڑا محل بنایا تھا جس کو ٹیچر اور چوڑے سے مضبوط کیا تھا۔ اور آبنوس اور صندل کی لکڑی کے دروازے بنائے تھے۔ اور بہت سے باغات اور چشمتے مدینہ کے نزدیک تھے۔ جس دن قتل ہوئے ہیں اُس دن ان کے ذاتی خزانچی کی تحویل میں ایک صد ہتھیار ہزار یعنی ایک لاکھ ہتھیار ہزار دینار، دس لاکھ درہم نقد تھے۔ وادی القریٰ جنین وغیرہ میں جو ان کی جاگیریں تھیں ان کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار گھوڑے اور اونٹ تھے۔ یہ ابوسفیان کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔

عبدالرحمن بن عوف - یہ بہت مالدار تھے۔ انہوں نے بھی زبیر بن العوام کی طرح مال جمع کر کے تجارت شروع کر دی تھی۔ نہایت عالی شان محل وادی حقیق میں بنایا تھا۔ ان کے اہل میں ایک صد گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ ایک دن میں انہوں نے تیس تیس غلام آزاد کئے ہیں۔ جب مرنے لگے تو بہت رشے لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ مصعب بن عمیر اور حمزہ بن عبدالمطلب دونوں مجھ سے بہتر تھے۔ ان دونوں کا انتقال زمانہ رسول خدا میں ہوا۔ اور انہوں نے اتنا بھی نہ چھوڑا کہ کفن کے لئے کافی ہوتا۔ ان کے پاس اتنا نقد تھا کہ ان کی چار بیویاں تھیں ان کے ورثہ میں ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم ملا۔ ۶۵

۶۳ مروج الذهب مسعودی الجزء الثاني ص ۲۲۲

الاستیعاب ابن عبد البر الجزء الاول ص ۲۰۸

S. Khuda Baksh: Politics in Islam. P 151.

۶۴ مروج الذهب مسعودی الجزء الثاني ص ۲۲۲

۶۵ مروج الذهب مسعودی الجزء الثاني ص ۲۲۲

الاستیعاب ابن عبد البر الجزء الثاني ص ۵۶۰

S. Khuda Baksh: Politics in Islam. P. 151.

سعد ابن ابی وقاص۔ یہ بھی بہت امیر تھے۔ ان کا عالی شان محل وادی عقیق میں تھا۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ۴۶

کیسی جلدی اسلام میں سرمایہ داری آگئی اور یہ سرمایہ دار جماعت ایسی بارسوخ تھی کہ حضرت عمر مجبور ہو گئے کہ ان میں سے خلیفہ لیں۔ یہ عذر کہ میں ان کو اس لئے مقرر کرتا ہوں کہ جناب رسول خدا بوقت رحلت ان سے خوش تھے ایک سیاسی عذر تھا۔ کیا تمام اُمت میں سے آنحضرت صرف ان چھ آدمیوں ہی سے خوش تھے۔ انصار میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس سے آنحضرت خوش ہوں۔ کیا انصار کی یہاں نوازی اور نصرت رسول کا یہ انعام تھا کہ حضرت عمر نے فیصلہ کر دیا کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے۔ کیا عمار یاسر، مقداد، ابو ذر، عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن جابر، امام حسن، امام حسین، ان سب سے آنحضرت ناراض تھے۔ صرف شوری ہی پر منحصر نہ تھا۔ محکمہ قضا میں تمام سرمایہ دار تھے۔ حضرت عمر نے حکم عام جاری کر دیا تھا کہ کوئی غریب آدمی قاضی نہ مقرر کیا جاوے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن مسعود کو محض ان کی غربت کی وجہ سے مقدمات فیصلہ کرنے سے روک دیا۔ دیکھو۔ الفاروق حصہ دوم ص ۵۹، ۶۰۔ اس کا جواب جو مولوی شبلی نے دیا ہے کافی نہ ہو گا کہ غریب آدمیوں کو رشوت لینے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے۔ جناب شبلی خود لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاضیوں کو تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی تھی تاکہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ الفاروق حصہ دوم ص ۶۷۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے بھی عبد اللہ ابن مسعود جیسے صحابی رشوت لے لیتے۔ اور اگر لے لیتے تو آپ حدیث نجوم کہاں گئی۔

۴۶ مروج الذهب مسعودی الجزء الثاني ص ۲۲۲

الاستیعاب ابن عبد البر الجزء الثاني ص ۵۶۰

یہ ساری تفصیل ہم البلاغ المبین میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت زبیر ابن ثابت  
جامع قرآن کمیٹی کے صدر تھے۔ ان کے پاس ہزاروں سونے چاندی کی اینٹیں  
تھیں جو ان کی وفات پر گنڈا سے توڑ توڑ کر ورثہ میں تقسیم کی گئیں۔ ان کے علاوہ  
ایک لاکھ دینار کی قیمت کی جائیداد چھوڑی۔

دوسری وجہ انتخاب ان بزرگوں کی یہ تھی کہ یہ حضرت عمر کی پارٹی میں تھے اور  
حضرت علی علیہ السلام کے مخالف تھے۔

طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابو بکر کے ابن عم تھے۔ ان کی والدہ صعبہ ابوسفیان  
کی بیٹی معاویہ کی بہن اور زبیر کی پھپھی تھیں۔

عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان کے بہت قریبی رشتہ دار تھے عبدالرحمن  
بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی ماں کی طرف  
سے بہن تھیں۔ سعد ابن ابی وقاص نہایت قریبی رشتہ دار عبدالرحمن  
بن عوف کے تھے۔ چنانچہ جب شوری میں بحث ایک خاص مرحلہ پر  
پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میں اپنا حق اپنے ابن عم عبدالرحمن بن عوف کو دیتا ہوں  
سعد ابن ابی وقاص کی والدہ حننہ بنت سفیان بن امیہ تھیں اور اس طرح حضرت  
عثمان و معاویہ کی قریبی رشتہ دار ہوئیں۔ ان کے صاحبزادے عمر بن سعد وہی  
بزرگ ہیں جنہوں نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کو اس ظلم و ستم کے ساتھ  
شہید کیا۔ حضرت عثمان بن عفان اموی تو امیدوار خلافت تھے ہی۔ اب  
رہ گئے زبیر بن العوام۔ یہ حضرت ابو بکر کے داماد تھے۔ ان کی والدہ ہاشمیہ  
تھیں۔ یہ ہمیشہ مذہب رہے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ جنگِ حمل ان کا کھڑا کیا ہوا  
تھا۔ آخر میں میدانِ جنگ سے علیحدہ بھی ہو گئے۔ بہر صورت کثرتِ رائے حضرت

۵۶۴ مروج الذهب سعودی الجزء الثاني ص ۲۲۳ \*

۵۶۵ مروج الذهب سعودی الجزء الثاني مطبوعہ بغداد ص ۲۲۹ \*



عثمان کی طرف سے یہی گئی۔ اس کے علاوہ شرط یہ بھی تھی کہ اگر مساوی ہوں تو عبداللہ ابن عمر ثالث رہیں گے۔ یہ بڑے بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کی بیعت تو شوق سے کر لی۔ لیکن حضرت علی کی بیعت نہ کی۔ جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو اہل مدینہ میں بیزید کے خلاف جوش پھیلنا قدرتی امر تھا۔ لوگ تجویز کرنے لگے کہ اس کی خلع خلافت کی جاوے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بگڑ گئے اور اپنی اولاد و مقربین کو جمع کر کے کہا کہ جو بیزید کی خلع خلافت کرے گا اس میں اور مجھ میں ہمیشہ کے لئے عداوت ہو جائے گی اور ذرا دستور سابق کے مطابق ایک حدیث سنا دی کہ قیامت کے دن بغاوت کرنے والوں کے لئے علیحدہ جہنم بنا دیا جائے گا۔ ان کے بھائی عبداللہ ابن عمر حضرت علی کے دشمنوں کے ساتھی تھے۔ اور جنگ صفین میں حضرت علی کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ان دونوں کے والد تھے ہی حضرت عمر۔ ان خانہ ہمہ آفتاب ست۔ باوجود اس کے عبداللہ ابن عمر کو حضرت عمر نے یہ ہدایت کی کہ تم اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمن ہوں۔ یہ نئی رسم کی سرپنچی ہے۔ پس تو ثالث۔ لیکن حکم یہ ہے اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمن بن عرف ہوں۔ اونٹ سے اونٹ ترسی کونسی کل میدھی۔ یہ تجویز شیری بھی ایک پیچیدہ و مانع سے نکلی ہوئی عجیب شے تھی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر میں کونسی فضیلت تھی جس کی وجہ سے انہیں یہ عجیب اختلاف سر بیچ بننے کا فخر عطا ہوا۔ بقول حضرت عمرؓ وہ تو فقہ سے ایسے بے بہرہ تھے کہ اپنی عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتے تھے۔ غالباً یہ وجہ ہو کہ یہ اپنے باپ کی ولی حالت سے واقف تھے لہذا سارے امیر اپنے والد کی خواہش کے مطابق طے کریں گے۔ یہ حضرت عمر کی پیچیدگی و مانع کی بین مثال ہے۔ یہی

کیوں نہ کہہ دیا کہ عبدالرحمن بن عوف خلیفہ مقرر کر دیں۔ کارروائی شوری سے معلوم ہوگا کہ جب معاملہ بیچ ادھر میں لٹک گیا، دونوں طرف تقریباً مساوی رائے ہوئیں تو بیچارے عبداللہ ابن عمر کو تو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ عبدالرحمن بن عوف ہی جوڑ توڑ کرتے رہے۔ انہیں یہ معلوم ہی تھا کہ حضرت عمر کیا چاہتے تھے شوری کی تجویز عام لوگوں میں ظاہر کرنے سے پہلے حضرت عمر نے عبدالرحمن ابن عوف کو بلایا اور ان سے تخلیہ میں باتیں کیں۔ مورخ ابن خلدون کہتے ہیں :-

ثم دعا عبد الرحمن وقال اريد ان اعمد اليك قال اتشير علي بها قال لا قال والله لا اقبل قال فهبني صمت حتى اعمد الى الذين توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو منهم سراض ثم دعا عليا وعثمان والنزير وسعدا وعبد الرحمن معهم. ۱۰

پھر حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ خلافت تمہارے سپرد کروں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ کیا آپ مجھ سے اس کی بابت صرف مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ تمہیں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا قسم بخدا میں اس پوچھ کو نہیں اٹھاؤں گا اس پر حضرت عمر نے کہا کہ اچھا جو میں تم سے کہتا ہوں وہ کسی سے نہ کہنا یہاں تک کہ میں

ان لوگوں کی طرف خلافت کو کر دوں جن سے بوقت رحلت جناب رسول خدا راضی تھے پھر حضرت عمر نے علی و عثمان و زبیر و سعد کو بلایا۔ عبدالرحمن بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ نے تجویز شوری کی پیچیدگی کو ملاحظہ فرمایا۔ عبدالرحمن قطعاً انکار کر چکے ہیں۔ پھر انہیں امیر واران خلافت میں رکھا جاتا ہے لیکن یہ امیداری کیسی کہ خلیفہ گر بھی ہیں۔ یہ دونوں باتیں مل کر صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ عبدالرحمن

۱۰ ابن خلدون :- بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ دار الطباعة الخدیوہ بولاق

مصر المغربیہ در ۱۲۸۲ ہجری ص ۱۲۲، ۱۲۵

وہاں شوری میں خاص غرض کے لئے بھیجے گئے تھے۔ چونکہ ان کے ہاں مرنے کے لئے کچھ بہانہ چاہئے تھا لہذا کہہ دیا گیا کہ یہ بھی امیدوار خلافت ہیں۔ وہ خاص غرض کیا تھی۔ ترکیب و ساخت شوری بتا رہی ہے۔ حضرت عمر کے ارادے جو پہلے ظاہر کر چکے ہیں وہ بتا رہے ہیں۔ حضرت عمر کا عبد الرحمن ثالث کو صیغہ ساز میں ہدایت دینا بتا رہا ہے۔ ترکیب و ساخت شوری کا تو ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔ حضرت علی وہاں اقلیت میں تھے۔ عبد الرحمن ثالث تھے اور وہ حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے۔ اور کارروائی شوری بتائے گی کہ آیا انہوں نے رشتہ داری ہدایت عمری کی بنا پر فیصلہ کیا یا انصاف کی بنا پر خلیفہ مقرر کیا۔ اب اسے حضرت عمر کے پورا نے منصوبے سے وہ اب ہم ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت عمر پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوں گے۔

عن حذیفہ قال قيل لعمر بن الخطاب وهو بالمدینة یا امیر المؤمنین من الخلیفة بعدک قال عثمان

خدیفہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر مدینہ میں تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا عثمان۔

علی المتقی: کنز العمال الجزء الثالث ص ۱۵۸ - حدیث ۲۲۴۸

حدیثنا ابن ابی ادیس عن شعبہ عن ابی اسحاق عن حارث عن مطرف قال حجرت فی امارۃ عمر فلم یكونوا یشکون ان الخلوۃ من بعد عثمان

مطرف سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں لوگوں کو یقین تھا کہ ان کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

کنز العمال الجزء الثالث ص ۱۶۰ حدیث ۲۲۵۹

سرای الزبیر ایضاً عن سداد بن عثمان قال سمعت عوف بن مالک فی ایام عمر یقول یا طاعون خذنی فقلنا لم تقول هذا وقد سمعت

سداد بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عوف بن عثمان سے سنا کہ عوف نے کہا کہ تم کیوں ایسا کہتے ہو تم نے رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم یقول ان المؤمن لا یزید  
طول العمر الا خیرا قال انی اخاف  
ستأخلاقہ بغی امیہ..... ہے

ابن ابی الحدید - شرح نہج البلاغۃ - الجزء الثانی ص ۳۹۸ \*

اب سوچئے کہ حضرت عمر نے خلوت میں عبد الرحمن بن عوف کو کیا  
ہدایت دی ہوگی۔ وہ ایسی ہدایت ہے کہ جو عام لوگوں میں کہنے کی نہیں  
لہذا حضرت عمر نے انشاء رکھنے کا وعدہ لے لیا پھر کہی۔ اور لوگوں کو ہدایت کی  
کہ اُدھر ہونا بدھ عبد الرحمن ابن عوف ہیں۔ جائز قیاس اور صحیح استدلال سے  
نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہدایت یہ ہوگی کہ خلیفہ کس کو بنائیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف  
کا طرز عمل جو انہوں نے شوری میں اختیار کیا اور جس کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں  
صاف بتا رہا ہے کہ ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں  
حضرت عمر نے پہلے ہی اپنے منصوبوں میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کے بعد حضرت  
عثمان خلیفہ ہوں۔ لہذا آخری اور صحیح نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر نے خلیفہ ہدایت حضرت  
عبد الرحمن کو یہ دی تھی کہ تم کسی نہ کسی طرح عثمان کو خلیفہ مقرر کر دینا \*

جب اتنا معلوم ہو گیا تو اب آپ حضرت عمر کے اس حکم کی اہمیت پر غور  
کیجئے کہ جو عبد الرحمن بن عوف کے فیصلے یا اکثریت کی رائے سے اختلاف کرے  
تو اس کو قتل کر دینا۔ حضرت عمر کا مشاء کس کو قتل کرانے کا تھا، حضرت عبد الرحمن  
ابن عوف کا فیصلہ تو ظاہر ہی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت علی اس کو پسند نہ  
کرتے اور نہ کیا۔ نتیجہ نکلا کہ حضرت عمر کا صاف و صریح حکم یہ تھا کہ ہمیشہ کی  
خلش مٹ جائے گی تم علی کو قتل ہی کر دینا۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس وقت  
کی حالت کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں کی ہمت نہیں پڑی کہ علی کو قتل  
کر دیتے۔ بہر صورت حضرت عمر نے ایک راستہ تو دکھا دیا۔ طریقہ تو بتا دیا

جب حالت بدل گئی اور واقعات نے مساعرت کی توجہ اب یزید نے اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ یزید نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ اپنی طرف سے کوئی نیا سیاسی اصول ایجاد نہیں کیا۔ صرف حضرت عمر کے حکم کی اطاعت کی۔ اکثریت نے اس کو خلیفہ مان لیا تھا۔ اُس نے امام حسین سے بیعت طلب کی جس طرح حضرت عمر نے حضرت علی سے ابوبکر کے لئے طلب کی تھی۔ اور اب حضرت عثمان کے لئے طلب ہوئی تھی۔ امام حسین نے انکار کیا جس طرح حضرت علی نے انکار کیا تھا۔ حضرت عمر ایک دفعہ گھر جلا کر حضرت علی کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے۔ دوسری دفعہ حکم دیا کہ اس متخلف (علی) کو قتل کر دینا۔ لیکن وہ زمانہ جناب رسول خدا کے زمانہ سے اتنا نزدیک تھا اور حضرت علی کی وقعت گرتے گرتے بھی ابھی اتنی باقی رہ گئی تھی کہ حضرت عمر کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ تیسری دفعہ یزید نے کیشش کی۔ حالات بدل چکے تھے۔ کامیاب ہو گیا۔ پھر چونکہ اس انتخاب کی جوازیت محض حضرت عمر کے احکام و ہدایات پر منحصر تھی لہذا یہ معلوم کرنا خالی از لہجی نہ ہو گا کہ حضرت عمر نے اس انتخاب کے لئے ضابطہ کیا مقرر کیا تھا اور کس طریقہ سے دینا تھا۔

(۱) سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ حضرت عمر نے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ انتظام کیا تھا کہ ممبران شوری محض اپنی رائے سے محض ایک نتیجہ پر پہنچیں۔ صرف برکت کے لئے جناب حسین علیہما السلام کو اور عبداللہ ابن عباس کو بلا لیں۔ اُن کو بلانے یا اس میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ اور دو تین انصار کو بھی محض کارروائی کو Watch کرنے کے لئے دیکھنے کے لئے بلا لیں۔ حصہ لینے کا اختیار اُن کو بھی نہ تھا۔ دیکھتے حضرت عمر کی سیاست کیسی زمانہ حال کے قواعد و ضوابط کے مطابق تھی۔ کسی صاحب رسوخ شخص یا کسی فریق کے ممبران کو محض Watch کرنے (دیکھنے) کے لئے بلا نا۔ زمانہ حال ہی کی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے زمانہ کے لوگوں کے دماغ میں تو یہ بات نہیں آ سکتی

تھی کہ کچھ آدمی آئیں اور گونگیوں کی طرح بیٹھ کر چلے جائیں۔ کچھ حصہ نہ لیں۔  
دیکھئے ان باتوں میں حضرت عمر اپنے زمانہ کے لوگوں سے کتنے آگے تھے۔ جس طرح  
حضرت علی اپنی خاص سیاست اور خاص امور میں اس زمانہ کی ساری دنیا سے  
آگے تھے اس شرط کو حضرت عمر نے اتنی اہمیت دی تھی کہ اب طلحہ انصاری کو حکم  
تھا کہ جب تک شوری جاری رہے تم کسی اور کو اندر نہ آنے دینا۔ اب دیکھو  
یہ ہو گا کہ اہل شوری نے اس پر عمل کیا یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے شوری کے لئے محض تین دن دئے  
تھے اور اس شرط میں یہ سختی تھی کہ پچیس دن تم اپنی جگہ سے نہ اٹھنا  
جب تک خلیفہ مقرر نہ کر لو۔ اگر شوری تین دن میں مکمل نہیں ہوئی تو چوتھے  
دن کی کارروائی ناجائز تھی؟

پچیسویں بات جو ہے وہ نہایت غور کے قابل ہے۔ ہمت اہم ہے۔ حضرت  
عمر نے یہ نہیں کہا کہ تم امیدواروں کے سامنے کسی شرط کو پیش کرنا۔ اور  
خلیفہ کا انتخاب اس کی اس شرط کی تعمیل کے اقرار پر مبنی کرنا۔ اگر ایسا کیا گیا  
تو سارا انتخاب ہی ناجائز ہو گیا؟

اس امر کا ثبوت کہ حضرت عمر نے شوری کی تجویز محض ایک مقصد کے لئے  
کی تھی اور وہ مقصد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی تک نہ پہنچے بلکہ نبی امین  
کی طرف جاوے اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ اپنے اس مقصد کے حصول  
کے لئے تو ہر ایک ہدایت دی اور جو صحیح انتخاب کے لئے صحیح ہدایت ہوتی وہ بھی  
نہ دی۔ یہ نہ بتایا کہ خلیفہ کن صفات کا ہونا چاہیے۔ اس میں کیا کیا فضیلتیں تم  
تلاش کرنا۔ ان فضائل کی جانچ کس طرح کرنا۔ اسلام کی خدمات کو مد نظر رکھنا  
آیت قرآنی السابقون السابقون الایۃ پر عمل کرنا۔ یہ دیکھنا کہ پہلے کون  
ایمان لایا۔ جہادوں میں کون ثابت قدم رہا۔ کون بھاگتا رہا۔ جناب رسول خدا  
کے نزدیک کس کی منزلت زیادہ تھی۔ بقول خود ان چھ لوگوں کو اس لئے

منتخب کیا تھا کہ مرتے دم تک جناب رسول خدا اُن سے راضی تھے۔ یہی کہہ دیتے کہ ان سب میں اُس کو منتخب کرنا جس سے جناب رسول خدا سب سے زیادہ راضی تھے۔ جس نے آخر دم تک اُن کی خدمت کی تھی۔ لیگ جنازہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور وہ عشق رسول میں جنازہ کے ساتھ رہا۔ جب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ وجہ انتخاب جناب رسول خدا کی خوشنودی تھی تو پھر جناب رسول خدا کے نزدیک سب سے زیادہ جس کی منزلت ہوتی اُس کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کی ہدایت فرمائی جاتی۔ یہ عجیب بات تھی شروع تو تمہیں اس طرح باندھی کہ یہ چھ آدمی جناب رسول خدا کی مرتے دم تک کی خوشنودی کی وجہ سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ اور ختم اس معاملہ کو حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی خوشنودی پر کیا۔ یہ منطق تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس استدلال کا صحیح و منطقیانہ نتیجہ تو یہ ہوتا کہ ان میں سے جس شخص کو اُس خوشنودی کا سب سے زیادہ حصہ ملا ہوا تھا وہ ہی خلیفہ ہو۔ جماعت سرمایہ داران کے سب سے بڑے سرمایہ دار کے ڈکٹیٹرانے پر خلیفہ کے انتخاب کو چھوڑنا بغیر کسی قسم کی فضیلت اور وجہ انتخاب کی شرط لگانے کے صاف بتا رہا ہے کہ مدعا کیا تھا۔ یہ غرض نہیں تھی کہ خلافت کے لئے بہترین اور موزوں ترین شخص منتخب ہو۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں جو اس ہی جماعت سرمایہ داران کے ایک اعلیٰ ممبر تھے۔ یہ ڈکٹیٹر، یہ خلیفہ گر کون تھے۔ یہ وہ ہی تھے جس کو حضرت عمر صحیح طور سے فرعون اُمت جانتے تھے۔ اور کہہ چکے تھے۔ کہ خلافت الہیہ کی باگ ڈور ایک فرعون کے ہاتھ میں دے کر اُس کو اپنے اصلی مقام و مقصد سے گرا دیا۔

حضرت عمر نے یہ نہیں کہا کہ عبدالرحمن ثالث ہوں یعنی جس کو وہ مقرر کریں وہ ہی خلیفہ ہو۔ بلکہ یہ کہا کہ جس کی طرف عبدالرحمن ہوں وہی خلیفہ ہو جائے۔ بصورت مساوی ہونے کے عبداللہ ابن عمر ثالث ہوں اور عبداللہ ابن عمر کو ہدایت کی تھی کہ تم اس کے حق میں فیصلہ دینا جس کی طرف عبدالرحمن ہوں۔

ابہم شوری کے اندر کی کارروائی پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت  
عبدالرحمن نے کیا کیا۔ عبدالرحمن ابن عوف نے دیگر امیر واروں سے ان کا حق لینے  
کی کوشش کی اور اپنے تئیں واحد ثالث بنا لیا۔ یہ انصاف کے خلاف تھا۔ اور  
ہدایات حضرت عمر کے خلاف تھا۔ اس کا اختیار ان کو نہیں دیا گیا۔ انہوں نے  
حد اختیارات سے تجاوز کیا اور ثالث بن کر ساری کارروائی جو کی وہ ناجائز ہوئی  
تین دن وہ براہ اجلاس شوری سے باہر جا کر لوگوں سے صلاح و مشورہ کرتے  
رہے۔ عثمانی جماعت سے ملتے رہے۔ عمرو بن العاص سے تجویز پوچھی گئی کہ  
کس طرح علی کو دور رکھا جائے۔ انہوں نے سنت شیخین کی پیروی کی شرط کی  
تجويز مقرر کی جو عبدالرحمن بن عوف کو پسند آئی۔ دیکھو شمس التواریخ ص ۱۲۲ یہ کارروائی  
بھی حدود اختیارات سے باہر ہے۔ لہذا ناجائز ہوئی۔

باد جو داس کے تین دن جو ان کو دئے گئے تھے ان کے اندر وہ خلیفہ مقرر نہ  
کر سکے۔ ان کو صرف تین دن تک اختیارات تھے۔ چوتھے دن وہ بے اختیار  
ہو چکے تھے۔ چوتھے دن جو انہوں نے کارروائی کی وہ ناجائز ہوئی۔

چوتھے دن مقام شوری بھی چھوڑ دیا۔ مسجد میں آگئے۔ وہاں خود فیصلہ نہ کیا۔  
لوگوں سے کہا کہ خلیفہ مقرر کر لو۔ حضرت عمار بن یاسر نے حضرت علی کی طرف اشارہ  
کیا۔ اور ابن ابی سرح نے حضرت عثمان کی طرف۔ آپس میں بات چیت بڑھ گئی۔  
اپنے اختیارات ان لوگوں کو ویدئے۔ اب واپس نہیں لے سکتے تھے۔

اب تمام لوگوں کے سامنے انہیں دکھا کر اور سنا کر حضرت علی و حضرت عثمان  
کے سامنے وہ سیرت شیخین والی شرط پیش کی جاتی ہے جو عمرو بن العاص نے  
بنائی تھی۔ اس شرط کی بناء پر جو خلیفہ مقرر ہوا۔ وہ ناجائز تھا۔ یہ بات ان کے  
اختیارات سے باہر تھی۔ حضرت عمر نے یہ شرط مقرر نہیں کی تھی۔ لہذا جو  
خلیفہ اس شرط کی وجہ سے مقرر ہوا وہ ناجائز تھا۔ تمام لوگوں کے سامنے اس  
شرط کو پیش کرنے کا یہ مدعا تھا کہ ان کو معلوم ہو جاوے کہ علی کو اس وجہ سے



پہلی دفعہ مقرر نہیں کیا ہے کہ انہوں نے تمہارے بنائے ہوئے تمہارے پیارے شیخین کی سیرت کی پیروی کرنا قبول نہیں کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے خلافت لوگوں کو بھڑکانے کی یہ بھی ایک تجویز تھی۔

یہ شرط بہت اہم تھی۔ اس پر ہی خلافت کا انعقاد منحصر کیا گیا تھا۔ اور اس ہی سے اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات و اندرونی حالت کا پتہ چلتا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مورخین ہی کے الفاظ میں بیان کریں :-

پس عبد الرحمن بن عوف نے علی سے شروع کیا اور کہا کہ آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ کتاب اللہ سنت رسول سنت شیخین ابو بکر و عمر کی پیروی آپ کی سنت حضرت علی نے جاری رکھا کہ کتاب اللہ سنت رسول کی پیروی تو منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا میں اپنے اجتہاد سے پر عمل کروں گا۔ عبد الرحمن نے پھر اسی طرح عثمان کو بلا کر ان کے سامنے یہ شرط پیش کی۔ عثمان نے فوراً منظور کر لیا۔ عبد الرحمن نے اسی طرح تین دفعہ علی و عثمان پوچھا تینوں دفعہ حضرت علی نے سنت شیخین کی پیروی سے انکار کر دیا اور عثمان نے اقرار کر لیا۔ اس پر عبد الرحمن نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المؤمنین :-

فبدا بعلي عليه السلام وقال له  
ابايعك علي كتاب الله وسنة  
رسول الله وسيرة الشيخين ابي بكر  
وعمر فقال بل علي كتاب الله وسنة  
رسوله واجتهاد رأي فعدل عنه  
الى عثمان فعرض ذلك عليه فقال  
نعم فعاد الى علي عليه السلام فاعاد  
قوله فعلى ذلك عبد الرحمن ثلثا  
قلنا رأي ان عليا عليه السلام غير  
راجع عما قاله وان عثمان ينعى له بالاجابة  
صفت علي بيد عثمان وقال السلام  
عليك يا امير المؤمنين :-

۱۵ ابن ابی الحدید :- شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۶۳ :-

ابن خلدون :- بقية الجزء الثاني من تاريخ ابن خلدون مطبعة ۱۲۵۰ بھری ص ۱۲۶ :-

شمس التواريخ ص ۱۲۱۲ :-

تاریخ طبری :- الجزء الخامس ص ۳۷ :-

تاریخ حبيب السير جلد اول جزو چہارم ص ۲۸، ۲۷ :-

تاریخ ابی الفداء :- الجزء الاول ص ۱۶۵، ۱۶۶ :-

غور کرو مسلمانوں! محمد مصطفیٰ صلعم کی حکومت، علی کی تلوار سے حاصل کی ہوئی کس طرح غیروں میں اُچھالی جا رہی ہے۔ اور اُن کی اولاد کو کس طرح اُمت کا دست نگر بنایا جا رہا ہے۔ اُس کو عطا کرنے والا کون؟ ایک شخص جو مجبور ہو کر ایمان لایا اور جس کو حضرت عمر نے فرعون اُمت کا لقب دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کو جو ہدایت دی گئی تھی وہ بھی قابل غور ہے۔ جب تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہوں تو تم اُدھر ہونا جہر عبدالرحمن بن عوف ہوں۔ حضرت عمر نے خود ہی یہ کہیں نہ کہہ دیا کہ اُس صورت میں عبدالرحمن بن عوف خلیفہ ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ عبدالرحمن تو شرع ہی سے انکار کر چکے تھے۔ وہ تو خلیفہ ہونا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اس لئے حضرت عمر کا یہ کہنا بے فائدہ ہوتا کہ اُس صورت میں عبدالرحمن خلیفہ ہوں۔ یہ ہدایت عبدالرحمن کو دے ہی چکے تھے کہ عثمان کو خلیفہ کرنا۔ پس اب عبداللہ ابن عمر کے لئے یہی ہدایت باقی تھی کہ تم اُدھر ہونا جہر عبدالرحمن ہوں۔

میر خین نے بہت چھپایا لیکن بات چھپ نہ سکی۔ راز فاش ہو ہی گیا طبری کی روایت دیکھو جو ہم نے اوپر نقل کی ہے۔ جب تیسرا دن ہو گیا معاملہ کسی طرح طے نہ ہوا تو آخر کار سعد بن ابی وقاص نے عبدالرحمن سے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ضعف آ گیا ہے۔ جو تمہاری رائے سے وہ کر ڈالو یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ عمر کیا چاہتے تھے“

کہا جاسکتا ہے کہ اگر محض حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا ہی مقصود تھا تو حضرت عمر خود ہی حضرت عثمان کو مقرر کر دیتے۔ اتنی پیچیدہ تجویز و ترکیب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں:-

۱) اگر خود کرتے تو کس بہانہ سے کرتے۔ ظاہر حضرت علی بدرجہا حضرت عثمان سے افضل تھے۔ سبقت اسلامی میں بھی، جہاد میں بھی، منزلت رسول

میں بھی۔ یہ رائیں ہی کا بہانہ ایسا ہے کہ جس میں افضلیت کا سوال نظر انداز ہو سکتا ہے۔ رائے دینے والے کہتے ہیں ہم رائے دیتے ہیں۔ یہ ہم نہیں بتاتے کہ کیوں نہیں دیتے ہیں کہ کو نہیں دیتے۔ لیکن ساری اُمت میں اس انتخاب کو ڈال بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر تو بحث ہوئی۔ افضلیت کا ذکر آتا۔ لہذا انتخاب کو بہت ہی محدود رکھا۔

حضرت عمر نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر وہ حضرت عثمان کو اپنے حکم سے نامزد کر دیں تو شاید بنو ہاشم کسی ترکیب سے اس تجویز کو قائم نہ رہنے دیں۔ لہذا انہوں نے تجویز سوچی کہ اگر مختلف قبائل کے چار اور آدمی عثمان کی حمایت کے لئے مقرر کر دئے جائیں تو وہ اور ان کے قبیلے کے لوگ اپنی بات کی بیج کے لئے عثمان کی حمایت کریں گے۔ اور پھر بنو ہاشم کے لئے ان سب کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا خصوصاً جبکہ ان لوگوں میں عبدالرحمن بن عوف جیسے دو تین اور طاہر جیسے کبر و نجات کے پتلے شامل ہوں گے۔

حضرت عمر ظاہر داری کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے۔ جانتے تھے کہ حضرت علی کا حق چھینا گیا ہے۔ لہذا الفاظ سے ان کی دلجوئی کرنا اور زبان سے ان کے ساتھ بتائے رکھنا حضرت عمر کی سیاست کا اہم پہلو تھا۔ تاکہ بنو ہاشم اور ان کے دوست تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل نہ کر ڈالیں۔

فطرت انسانی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کچھ ایسی طبائع ہوتی ہیں جو جوڑ توڑ اور پیچیدگی کو پسند کرتی ہیں۔ سیدھا اور صاف راستہ ان کے ناپسند ہوتا ہے۔ حضرت عمر کی طبیعت ایسی ہی تھی۔

غرضکہ تاریخ کو تاریخ کی طرح مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اُمتِ اسلامیہ میں تفرقہ و فساد کی بناء سقیفہ ہی ساعدہ میں پڑی اور شوری میں اس کو خلدتِ دوام عطا ہوا۔ منتہی و لوگوں کو خلافت کا اُمیدوار ٹھہرا کر اور درمیان میں سے افضلیت کا سوال نکال کر کامیابی کو اکثریت اور ثروت پر منحصر کرنے سے

لوگوں کے دلوں میں خلافت کی طمع پیدا کر دی۔ گو یا خلافت الہیہ اسلامیہ کو اُس کے اعلیٰ مقام سے گرا کر ہندوستان کے کسی صوبہ کی وزارت کے درجہ پر لے آئے جس کا حصول زبان کی درازی اور کیسہ کی وسعت پر منحصر ہوتا ہے اور اس طرح اسلام میں اُس فساد اور طوائف الملوکی کا رواج ہو گیا جس نے فرقہ اسلام کے شر سے زیادہ ٹکڑے کر دیے۔

جس طرح اُمتِ اسلامیہ میں فرقہ پیدا کر کے ایک جماعت نے اپنا مقصد حاصل کیا۔ وہ ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ کئی ہمارا اپنا نیا خیال ہے۔ بلکہ جو ہم نے کہا ہے وہ مفکرین اسلام اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور نہایت اچھی طرح کہہ چکے ہیں۔ ہمارا تو یقین ہے کہ جو شخص تاریخ اسلام کا مطالعہ ذرا وقت نظر سے کرے گا وہ اس ہی نتیجہ پر پہنچے گا۔ اس موضوع پر علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ ہجری کی کتاب الملل والنحل بہت عمدہ ہے۔ یہ کتاب ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ ہجری کی کتاب الفصل فی الملل الاہواء والنحل کے حاشیہ پر مطبعہ ادبیہ سوق الخضر القادیم مصر میں چھپی ہے۔ علامہ ابن حزم کی کتاب پانچ مجلدات میں ہے۔ لیکن علامہ شہرستانی کی کتاب الملل والنحل اس کے اول کے تین مجلدات کے حاشیہ پر آگئی ہے۔ یہ کتاب دہلی یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اُس کی عبارت ہمارے موضوع پر براہ راست اثر رکھتی ہے۔ لہذا ناظرین معاف فرمائیں گے اگر ہم اُس عبارت کو پورا نقل کریں۔ وہ لکھتے ہیں:-

المقدمة الثالثة في بيان اول شبهة وقعت في الخليفة ومن مصدرها في اول يوم من مظهرها في الاخر  
 مقدمہ سوم۔ اس بیان میں کہ مخلوق میں پہلا شک و سوسہ کیا تھا۔ کس نے پہلے پہل پیدا کیا تھا اور آخر میں کس لوگوں میں وہ سوسہ ظاہر ہوا۔ جان لو کہ پہلا شک و سوسہ مخلوق میں ابلیس

الخلیقة شبهة ابليس احسن الله  
 ومصدرها استنباداً بالسرائی  
 في مقابلة النص واختباراً  
 الهوى في معارضة الامر و  
 استكباراً بالمادة التي خلق  
 منها وهي الناس على مادة ادم  
 حلية السلام وهي الطين والشعيرة  
 من هذه الشبهة سبع شبهات  
 وسارت في الخلیقة وسرت في  
 اذهان الناس حتى صارتا  
 مذاهب بدعة وضلال وثالث  
 الشبهات مسطورة في شرح الاناجیل  
 الاربعة انجيل اوقا ومارقوس و  
 یوحنا ومتی ومذکور في التوراة  
 متفرقة على شکل مناظره بلینہ و  
 بین الملائكة بعد الامر بالسجود  
 والامتناع منه قال كما نقل عن  
 سلمت بن الباری تعالی الهی واله  
 الخلق عالم قادر ولا یسأل عن  
 قدرته ومشیته فانهما امراد  
 فیدان قال له کن فیکون وهو  
 حکیم الا الله یتوجه علی مساق  
 حکمتہ اسئلة قالت الملائكة

لعین کا تھا۔ اسکا باعث یہ تھا کہ ابلیس نے اپنی رائے  
 کو نص کے مقابلہ میں مقدم رکھا اور حکم صریح کے  
 مقابلہ میں اُس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اپنے  
 مادہ خلقت یعنی آگ کو آدم کی طینت یعنی مٹی پر  
 ترجیح دی اور اس ایک شک اور وسوسے سے  
 سات شاخیں نکلیں جو مخلوق میں پھیلیں اور  
 لوگوں کے ذہن میں جاگزیں ہوئیں یہاں تک  
 کہ ان کی بناء پر مذاہب بدعت و ضلالت  
 پھیلے۔ اور یہ ساتوں شبہات چاروں اناجیل  
 یعنی لوقا، مارقوس، یوحنا اور متی کی  
 شروح میں اور نیز توراہ میں بشکل مناظرہ  
 جو حکم سجدہ و انکار ابلیس کے بعد ما بین  
 ابلیس و ملائکہ ہوا درج ہیں۔ جیسا کہ  
 ان شرحوں میں درج ہے۔ ابلیس نے  
 کہا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ  
 میرا اور تمام خلق کا خدا ہے عالم  
 قادر ہے۔ اس کی مشیت و قدرت میں  
 چون و چرا نہیں ہو سکتی کیونکہ جب وہ  
 کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے  
 کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ  
 حکیم مطلق ہے لیکن اُس کی حکمت کے  
 متعلق چند سوالات ہو سکتے ہیں  
 ملائکہ نے پوچھا وہ کتنے ہیں۔ اور

ماہی و کرم ہی قال لعنہ اللہ سبع  
 (الاول) انہ علم قبل خلقی ای شیئ  
 یصدر عنی و یحصل منی فلم یخلقنی  
 اولاً و ما الحکمة فی خلقی ای (الثانی)  
 اذ خلقنی علی مقتضی ارادته و مستقیمتہ  
 فلم کافنی بمعرفتہ و طاعتہ و ما الحکمة  
 فی التکلیف بعد ان لا یتقنع بطاعة  
 لا یتضرر بمعصیة و الثالث اذ خلقنی  
 و کافنی قال لترمت تکلیفہ بالمعرفة  
 و الطاعة فصرفت و اطعت فلم کلفنی  
 بطاعة ادم و السجود له و ما الحکمة  
 فی هذا التکلیف علی الخصوص بعد  
 ان لا یزید ذلک فی معرفتی و طاعتی  
 (والرابع) اذ خلقنی و کلفنی علی الاطلاق  
 و کلفنی بهذا التکلیف علی الخصوص  
 فاذا لم اسجد فلم لعنتی و اخرجتني  
 من الجنة و ما الحکمة فی ذلک بعد  
 ان لم ارتکب تمیماً الا قولی لا  
 اسجد الا لک (والخامس) اذ  
 خلقنی و کافنی مطلقاً و خصوصاً  
 فلما طعم فلحنتی و طردنی فلم  
 طرقتنی الی ادم حتی دخلت الجنة  
 ثانیاً و غیرتہ بوسوستی فاکل من

کیا ہیں۔ ابلیس نے کہا سات ہیں۔  
 (اول) میری پیدائش سے پہلے وہ جانتا  
 تھا کہ مجھ سے کیا کیا صادر ہوگا تو مجھے  
 پیدا ہی کیوں کیا۔ میری خلقت میں کیا حکمت  
 تھی۔ (دوم) اپنے ارادہ و مشیت سے جب  
 اس نے مجھے پیدا کر دیا تو مجھے اپنی معرفت و  
 طاعت کی تکلیف کیوں دی۔ اور اس  
 تکلیف میں کیا حکمت ہے جب کہ اس کو نہ  
 تو میری طاعت سے فائدہ ہوتا ہے اور نہ میری کشتی  
 سے اس کو نقصان پہنچتا ہے۔ (سوم) جب اس نے  
 مجھ کو پیدا بھی کر دیا۔ تکلیف معرفت طاعت بھی  
 بس میں نے اس کو پہچانا اور اس کی اطاعت کی  
 تو مجھ کو اُس نے آدم کی طاعت اور اس کے سجدہ کی تکلیف  
 کیوں دی اس میں کیا حکمت تھی خاص کر جب کہ  
 آدم کی یہ طاعت اور اس کو سجدہ کرنا میری معرفت  
 عبادت خدا میں کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ (چہارم) جب  
 اُس نے مجھے پیدا بھی کر لیا، تکلیف عام بھی دیدی اور  
 آدم کے سجدہ کرنے کی تکلیف خاص بھی دیدی تو جب میں نے  
 سجدہ نہیں کیا تو خدا نے مجھے لعنت کیوں کی اور جنت سے  
 کیوں نکالا۔ اس میں کیا حکمت تھی وراثتاً لیکر میں  
 کسی قبیح فعل کا مرتکب نہیں ہوا یعنی صرف اتنا ہی  
 تو کہا تھا کہ میں تیرے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔  
 (پنجم) مجھے پیدا بھی کر لیا، تکلیف عام بھی دیدی

الشجرة المنهى عنها واخرجهم من  
الجنة معي وما الحكمة في ذلك بعد  
ان لو منعتني من دخول الجنة  
لاستراح مني ادم وبقی خالداً  
فيها ووالسآدمس، اذ خلقني و  
كلفني عبوداً وخصوصاً ولفني  
ثم طرفني الى الجنة وكان انت الخصة  
بيني وبين ادم فلم سلطني على  
اولاده حتى امراهم من حيث لا  
يروني وثو ثرفيهم وسوستي  
ولا يوثرفي حولهم وثوقهم وقد رجم  
واستطاعتهم وما الحكمة في  
ذلك بعد ان لو خلقهم على الفطرة  
دون من يجتالهم عزها فيخيشوا  
طاهرين سامعين مطيعين كان  
اخري بهم والبق بالحكمة ولسنا  
سلبت هذا كما خلقني وكافني  
مطلقاً ومقيداً واذ لما طع لعني  
وطردني واذ اردت دخول الجنة  
مكنني وطرفني واذ عمات عملي  
اخرجني ثم سلطني على بني ادم  
فلم اذ استمهلتهم امهلتني فقامت  
انظرنني الى يوم يبعثون قال انا

جسینے حکم نہ مانا تو مجھے لعنت بھی کر دی اور جنت سے  
بھی نکال دیا تو پھر اس نے مجھے آدم تک جنت میں کیوں  
جائے دیا۔ یہاں تک کہ میں دوبارہ جنت میں داخل ہوا آدم  
کو دھوکہ دیا۔ اسے شہر ممنوعہ کا پھل کھایا اور خدا نے  
اسے جنت سے نکال دیا۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ اگر مجھے  
جنت میں جانے سے روک دیتا تو آدم بھی مجھ سے محفوظ  
ہو جاتا اور ہمیشہ جنت میں رہ جاتا۔  
رشتہ مجھے پیدا بھی کر لیا، عام و خاص تکلیف بھی  
دیدیں، مجھ کو لعنت کر کے جنت سے نکال بھی دیا اور مجھ سے  
اور آدم میں خصومت بھی پیدا ہو گئی تو پھر مجھے  
اولاد آدم پر کیوں مسلط کر دیا اور وہ بھی اس  
طرح کہ میں انہیں دیکھتا ہوں اور وہ مجھے نہیں  
دیکھ سکتے میرا سوہ تو ان میں اثر کر جاتا ہے اور  
انکی قوت، طاقت، قدرت اور استطاعت مجھ پر کچھ  
اثر نہیں کر سکتی۔ اس میں کیا حکمت ہے دراصل ایک اگر  
اولاد آدم کو ایسی فطرہ پر پیدا کرتا کہ کوئی ان کو بہکا ہی نہ  
سکتا تو وہ ہمیشہ طاہر مطہر رہتے۔ یہ ان کے لئے بھی اچھا  
ہوتا اور عین حکمت کے مطابق ہوتا۔ (مفہم) یہ سب میں  
تسلیم کر لیا، مجھے پیا بھی کر دیا۔ تکلیف عام و خاص  
بھی ہی۔ جب میں نے حکم نہ مانا تو مجھے لعنت کر کے مردود  
کر دیا اور جب میں نے جنت میں داخل ہونے کا  
ارادہ کیا تو مجھے جلانے دیا۔ میں اپنا کام کیا مجھے نکال دیا  
پھر مجھے بنی آدم پر مسلط کر دیا تو جب میں نے قیامت تک کی

من المنتظرین الی یوم الوقت المعلوم  
وما الحکمت فی ذلک بعد ان لواھلک  
فی الحال استراخ ادم والمخلوق منی  
وما بقی شریما فی العالم الیس  
بقاء العالم علی نظام الخیر غیراً  
من امتزاجہ بالشیء قال فھذا  
حجتی علی ما ادعیۃ فی کل مسئلۃ  
قال شارح الانجیل فادھی اللہ  
تعالی الی الملائکۃ علیہم السلام  
قالوا لہ انک فی تسلیمک الاول  
انی الھاک والہ المخلوق غیر صادق  
ولا مخلص اذ لو صدقت انی الہ  
العالمین ما احتکمت علی بلم  
فانا اللہ الذی لا الہ الا ان لا  
اسأل عما فعل والمخلوق مسؤلون  
اقول ان من المعلوم ان  
لا مراۃ فیہ ان کل شہتہ وقت  
لبنی ادم فانا وقعت من اضلال  
الشیطان الرجیم ووساوسہ نشأت  
من شہاتہ واذکانت الشہات  
محصورة فی سبع عادت کبار البدع  
والضلالۃ الی سبع ولا یوزان  
تعد وشہات فرق التریخ والکفر ہذا

ہدیت مانگی تو مجھے ہدیت کیوں قیامت تک میری  
اس میں کیا حکمت تھی۔ اگر مجھے اسی وقت ہلاک کر دینا  
تو آدم اور مخلوق مجھ سے بچنے پہنچتے اور دنیا میں شہر  
باقی نہ رہتا۔ کیا خیر کے نظام پر عالم کا چلنا بہتر نہیں  
یہ نسبت خیر و شر کے امتزاج کے نظام کے۔ پس یہ  
ہیں میری حجتیں جن کا مجھے دعویٰ ہے۔ انجیل کا  
شارح کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس بحث کا  
جواب ملا کہ کو جو چی کیا پس انہوں نے ابلیس کو  
جواب دیا کہ تو اپنے پہلے ہی دعوے میں کہ تو مجھ کو  
اپنا اور مخلوق کا خدا سمجھتا ہے صادق نہیں ہے اگر  
تو صادق ہو تا تو مجھ سے چون و چرا کے ساتھ  
نہ پیش آتا کیونکہ میں وہ خدا ہوں جس کے  
کوئی اور خدا نہیں ہے۔ مجھ سے کوئی جواب طلب  
نہیں کر سکتا اور مخلوق سے جواب طلب ہو  
سکتا ہے۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ بطور امر  
واقف معلوم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ  
جتنے گمراہیاں اور وسوسے جو بنی آدم سے درپور  
ہیں وہ شیطان بعین ہی کی گمراہی اور وسوسوں  
سے پیدا ہوئے ہیں یہ سب شک ان سات  
عنوانوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں اور تمام بدعتیں  
اور گمراہیاں ان سات ہی طرف راجع ہوتی  
ہیں۔ اور اگر کفار کے اور اسلام کے  
گمراہ فرقوں کے حجتیں اور شک کے شمار کئے



الشبهات وان اختلفت العبارات  
وتباينت الطرق فانها بالنسبة الى  
انواع الصلوات كالبدن ورجح  
جملتها الى انكار الامر بعد الاعتناء  
بالحق والى الجرح الی الهوى فى  
مقابلة النص. هذا ومن جادل  
نوحاً وهوداً وصالحاً و ابراهيم و  
لوطاً وشعيباً وموسى وعيسى ومحمداً  
صلوات الله عليهم اجمعين كما  
نسجوا على سنو اللاحين الاول فى  
اظهار شبهاتة وحاصلها يرجع  
الى دفع التكليف عن انفسهم  
ومجد اصحاب الشرائع والتكاليف  
باسرهم اذ لا فرق بين قولهم  
البشر يهدوننا وبين قوله اسجد  
لن خلق طيناً وعن هذا صار  
مفصل الخلاف ومخالفات كما  
هو فى قوله تعالى وما منع الناس  
ان يؤمنوا بعد اذ جاءهم الهدى  
الا ان قالوا بعث الله بشراً  
رسولاً فيبين ان المانع من الايمان  
هو هذا المعنى كما قال فى الاول  
ما منعك ان لا تسجد اذا امرت

جائیں تو وہ ان سات وساوس ہی میں آئیں گے  
اگرچہ وہ الفاظ اور اپنے طریقوں میں مختلف ہوں  
یہ سات جہتیں ہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہیں اور  
ان سب کا باعث حق کا اعتراف کرنے کے بعد  
حکم سے انکار کرنا اور نص کے مقابلہ میں اپنی  
خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ  
جنہوں نے حضرت نوح و ہود و صالح و ابراہیم و لوط  
و شعیب و موسیٰ و عیسیٰ و محمد علیہم السلام سے  
مجادلہ کیا وہ اس لعین اول ہی کے راستہ پر  
چلے اور ان سب کی غرض یہ تھی کہ اپنے نفس  
سے شرع کی تکالیف دور رکھیں اور صاحب  
شرع سے انکار کریں۔ کیونکہ ان کے اس قول  
میں کہ کیا ایک بشر ہماری ہدایت کرے گا  
اور لعین اول کے اس قول میں کہ کیا میں  
سجدہ کروں اس کو جس کو تو نے مٹی سے پیدا  
کیا کچھ فرق نہیں ہے اور اس ہی سے تمام  
اختلاف اور افتراق پھیلا جیسا کہ قرآن شریف  
میں ہے کہ ہدایت آنے کے بعد لوگوں کو ایمان  
لانے سے صرف اس بات نے روکا کہ کیا خدا نے  
ہم جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے  
اور یہ وہ ہی ہے جو لعین اول کی نسبت  
خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے ابلیس تجھے کس چیز  
سجد کرنے سے روکا۔ جب میں نے اسکا حکم دیا۔ ابلیس نے

قال انا خير منه. وقال المتأخر من ذم ربيته كما قال المتقدم انا خير من هذا الذي هو مبهين وكن لك لو تعقبنا احوال المتقدمين منهم وجدناها مطابقة لاقوال المتأخرين كذا قال الذين من قبلهم مثل قولهم تشابهت قلوبهم .....  
 وعن شامنا هب الخوازمي اوله  
 فرق بين قولهم لا حكم الا الله  
 ولا يحكم الرجال وبين قوله لا  
 اسجد الا لك اسجد لبشر خلقته  
 من صلصال .....  
 وانت ترى ان هذه الشبهات  
 كلها ناشئة من شبهات  
 اللعين الاول وثالث في الاول  
 مصدرها وهذا في الاخر  
 منظرها واليه اشار التنزيل  
 في قوله تعالى ولا تتبعوا خطوات  
 الشيطان انه لكم عدو مبين .....  
 (المقدمة الرابعة) في بيان  
 اول شبهة وقعت في الملة الاسلامية  
 وكيف انشأ بها ومن مصدرها

کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں ابلیس کے آخری  
 والے پیروان نے بھی وہ ہی کہا جو اول  
 والے نے کہا تھا۔ میں اس بہتر ہوں یہ  
 بہت کمزور ہے۔ اسی طرح اگر ہم پہلے گزرنے  
 ہوئے گمراہیوں کے حال کا تفحص کریں تو  
 بعد کے آنے والے گمراہیوں کی بحث  
 کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ اُن کے دل آپس  
 میں تشابہ تھے ..... اس سے ہی  
 خواجگان مذہب نکلا ہے کیونکہ اس کے اس قول  
 میں کہ حکم تو صرف خدا کے لئے ہے انسان حکم نہیں  
 بن سکتا اور بعین اول کے اس قول میں کہ میں  
 سوائے تیرے اور کسی کو سجدہ نہ کرونگا۔ کیا میں کسی  
 انسان کو سجدہ کروں جبکہ تو نے کچھ سے پیدا کیا ہے کوئی  
 نہیں ہے اب تم دیکھتے ہو کہ یہ سب شہادت بعین اول  
 کے شہادت سے نکلے ہیں وہ تو اس کا  
 پہلا مصدر ہے اور بعد میں آنے والے گمراہ  
 لوگ اس کے منظر ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے  
 اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب فرمایا ہے کہ  
 شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ وہ  
 تمہارا اہلکم کھلا دشمن ہے .....  
 (مقدمہ چہارم) پہلا شہرہ اور سوسہ جو ملت  
 اسلامیہ میں واقع ہوا۔ کہاں سے نکلا، کن میں  
 آخر جا کر ظاہر ہوا اور اسکی شاخیں ہم بیان

من مظهرها وكما قررنا ان  
 لشيهاة التي في اخر الزمان  
 هي بعينها تلك الشبهات التي  
 وقعت في اول الزمان كذلك  
 ان يقرر في زمان كل نبى  
 ودور كل صاحب ملة وشرية  
 ان شبهات امته في اخر زمانه  
 ناشئة من شبهات خصماء اول  
 زمانه من الكفار والمنافقين  
 واكثرها من المنافقين وان  
 خفي علينا ذلك في الامم السابقة  
 لتأدى الزمان فلم يخف في هذا  
 الامة ان شبهاتها نشأت  
 كلها من شبهات منافقي زمن  
 النبى عليه السلام اذ لم يرضوا  
 بحكمه فيما كان يامر وينهى وشرعوا  
 فيما لا مسرح للفكر فيه ولا مسرى  
 وسألوا عما منعوا من الخوض  
 فيه والسؤال عند وجادلوا بالباطل  
 فيما لا يجوز الجدل فيه - اعتبر  
 حديث ذا الخولصة التميمي اذ قال  
 اعدل يا محمد فانك لم تعدل حتى  
 قال عليه السلام ان لما عدل فمن

کر چکے ہیں پیچھے آنے والے زمانوں کے شبہات  
 بالکل ویسے تھے جو مخالفت کے پہلے زمانہ میں واقع  
 ہوئے اسی طرح ہر زمانہ کے ہر نبی اور صاحب  
 شریعت کی امت کے بعد کے زمانہ کے شبہات  
 پیدا ہوئے تھے ان شبہات سے جو اس نبی و  
 صاحب شریعت کے زمانہ کے کفار و منافقین نے  
 اٹھائے تھے پہلی امتوں کے یہ اختلافات تو بوجہ  
 بعد زمانے کے ہم سے مخفی رہے۔ لیکن امت اسلام  
 کے اختلافات ظاہر ہیں۔ آنحضرت کے بعد کے  
 زمانہ کے امت کے شبہات و مسائل آنحضرت  
 کے زمانہ کے منافقین کے شبہات سے  
 پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ منافقین بھی  
 آنحضرت کے اوامر و نواہی کو خوشی سے قبول  
 نہیں کرتے تھے اور ان امور میں نکتہ چینی  
 اور چون چرا کرتے تھے جن میں یہ جائز نہیں  
 اور انہوں نے ان امور کے متعلق سوال کئے  
 جن امور پر غور و خوض کرنے سے وہ منع کر دئے  
 گئے تھے۔ اور ان امور میں مجادلہ کیا جن میں  
 آنحضرت سے مجادلہ جائز نہ تھا۔ غور کرو  
 خوبصورتی کا قصہ جب اس نے کہا کہ  
 اے محمد عادل کرو۔ تم انصاف نہیں  
 کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت کہنا پڑا  
 کہ اگر میں عادل نہ کروں گا۔ تو کون

یعدال فعاود اللعین وقال ہذا  
 قسمة ما اسرید بها وجهہ اللہ تعالیٰ  
 وذک خروج صریح علی النبی علیہ  
 السلام ولو صار من اعترض  
 علی الامام الحق خارجاً فمن  
 اعترض علی الرسول الحق اولی  
 ان یصیر خارجاً اولیس ذلک  
 قولاً بتحسین العقل وتبجیح حکما  
 بالہوی فی مقابلة النص استکباراً  
 علی الامر بقیاس العقل حتی قال  
 علیہ السلام سیخرج من ضیضتی  
 ہذا الرجل قوم یمرقون من الدین  
 کما یمرق السهم من الرمیة  
 الخیر بتامہ - واعتبر حال  
 طائفتہ من المنافقین یوم احد  
 اذ قالوا اهل لنا من لا مرشح  
 ما قتلنا ہمنا وقولہم لو کانوا  
 عندنا ماتوا وما قتلوا فهل  
 ذلک الا تصریح بالقدس وقول  
 طائفتہ من المشرکین لو شاء اللہ  
 ما عبدنا من دونہ من شیء و  
 قول طائفتہ الطعم من لویشاء اللہ  
 اطعمہ فهل ذلک الا تصریح بالجبر.....

عدل کرے گا۔ اُس نے پھر اسی بات کا  
 اعادہ کیا اور کہا کہ یہ تقسیم جو آپ نے کی ہے  
 بوجہ اللہ نہیں کی ہے۔ اور یہ آنحضرتؐ پر  
 خروج صریح ہے۔ امام برحق پر اعتراض کرنے  
 والا تو خارجی ہو جاتا ہے تو جو رسول برحق پر  
 اعتراض کرے گا تو وہ تو بہت زیادہ خارجی ہوا  
 ان لوگوں کا ایسا کہنا ان کی اپنی خواہشات  
 کی وجہ سے نص کے مقابلہ و مخالفت میں  
 تھا اور محکم صریح کے مقابلہ میں اپنے قیاس پر  
 بھروسہ کر کے وہ یہ کہتے تھے۔ اسی وجہ سے  
 آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس شخص کی پیروی  
 تقلید ایک قوم کرے گی۔ جو اسلام سے اس  
 طرح خارج ہوگی جس طرح کمان سے تیر نکلتا  
 ہے۔ اور نیز غور کرو منافقین کی اس جماعت کے  
 حال پر جنہوں نے روزِ احد یہ کہا کہ اگر  
 ہمارا بس ہوتا تو یہ لوگ یہاں کبھی نہ قتل کئے  
 جاتے۔ یہ قول محض قدریہ ہے اور اُس  
 جماعتِ مشرکین کا قول کہ اگر خدا چاہتا تو ہم  
 اُس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے یا  
 ایک جماعت کا یہ قول کہ ہم اس کو کیوں طعام  
 کھلائیں۔ جس کو اگر خدا چاہے تو رزق  
 دے سکتا ہے۔ یہ بالکل مسئلہ جبر کی  
 تقلید ہے.....

فہذا ما کان فی زمانہ علیہ السلام  
 وهو علی شوکتہ وقوتہ وصحتہ  
 بد نہ والمناقون یجادون  
 فیظہرون الاسلام ویبیطنون  
 النفاق وانما یظہر نفاقہم فی  
 کل وقت بالاعتراض علی  
 حرکاتہ وسکناۃ فصہارت  
 الاعتراضات کالبدوس وطمہا  
 منہا الشبہات کالنہر وعم واما  
 الاختلافات الواقعتہ فی حال  
 مرضہ وبعد وفاتہ بین الصحابہ  
 رضی اللہ عنہم فی اختلافات  
 اجتہادیتہ کما قبل کان غرضہم  
 منہا اقامۃ مراسم الشرع وادامۃ  
 مناہج الدین (فاول تنازع)  
 فی مرضہ علیہ السلام قیبارواہ  
 محمد بن اسماعیل البخاری باسناد  
 عن عبد اللہ بن عباس قال لما  
 اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ و  
 سلم مرضہ الذی ما فیہ قال  
 ائتونی بدواۃ وقوط اسکتب  
 کم کتابا و تظیلوا بعدی فقال عمر  
 ان رسول اللہ قد غلبہ الوجع

یہ آنحضرت کے اُس زمانہ کی باتیں ہیں  
 جب آپ پوری شوکت، قوت و صحت بدن  
 میں تھے اور منافقین دھوکہ کرتے تھے۔ سلام  
 ظاہر کرتے تھے۔ نفاق کو چھپاتے تھے اگرچہ  
 اُن کا نفاق ہر زمانہ میں اُن کے  
 آنحضرت کے حرکات و سکنات پر اعتراض  
 کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح  
 یہ شبہات دائیں کی طرح پھیلے اور اُن میں  
 سے شاخوں کی طرح اور شبہات نکلے۔  
 لیکن وہ اختلافات جو آنحضرت کے مرضِ خیر  
 کے دوران میں اور آپ کی رحلت کے  
 بعد صحابہ میں رونما ہوئے تو وہ تو جیسا  
 کہا گیا ہے اجتہاد یہ اختلاف تھے جن کی  
 غرض یہ تھی کہ شرعِ دین کے اصول  
 قائم ہوں۔ (پس پہلا تنازعہ) جناب  
 رسولِ خدا کے مرض کے دوران میں تھا۔  
 جس کو بخاری نے اپنے اسناد سے عبد اللہ  
 ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ابن عباس کہتے  
 ہیں کہ جب مرضِ خیر میں جنابِ رسول نے زہد و  
 کاغذ مانگا اور فرمایا کہ لاؤ میں تمہیں ایسا  
 صحیفہ لکھ دوں کہ پھر تم میرے بعد کبھی گمراہ  
 ہی نہ ہو تو عمر نے کہا کہ رسولِ خدا پر  
 تو مرض و تکلیف نے قبضہ کر لیا ہے

حسبنا کتاب اللہ وکفر اللفظ فقال  
النبي عليه السلام قوموا عني لا  
ينبغي عندي التنازع قال  
ابن عباس الرزية كل الرزية  
ما حال بيننا وبين كتاب  
رسول الله -

التلاف الثاني) في مرضه  
انه قال جفن واجيش اسامه  
لعن الله من تخلف عنهما  
فقال قوم يجب علينا امثال  
امرء واسامه قدا بر من المدينة  
وقال قوم قد اشتد مرض النبي  
عليه السلام فلا تسع قلوبنا مفارقة  
والحالة هذه فنصبر حتى ينصر  
اي شئ يكون من امرء وانما  
اوسدت هذين التنازعين لان  
المخالفين ربما عدوا ذلك من  
المخالفات الموثرة في امر الدين  
وهو كذلك وان كان الغرض  
كله اقامة مراسم الشرع في  
حال تنزيل القلوب و  
شكيب نأثر الفتنة الموثرة  
عند قلب الامور -

ہمارے لئے تو بس کتاب خدا کافی ہے  
اس پر غل شور ہوا تو رسول خدا نے فرمایا  
کہ میرے پاس سے نکل جاؤ۔ میرے پاس تنازعہ  
جائز نہیں ہے۔ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ  
وہ بہت بڑی مصیبت تھی جو ہمارے اور اس بیٹھے  
کی کتابت کے درمیان میں حائل ہوئی۔  
(دوسرا اختلاف) بھی آنحضرت کے دوران مرض  
میں تھا۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ اسامہ کے لشکر کو  
تیار کرو۔ لعنت خدا کی ہو اس پر جو ما مورین میں  
سے اس سے تخلف کرے۔ ایک جماعت نے تو  
کہا کہ ہمارے اوپر آنحضرت کے حکم کی تعمیل واجب  
ہے اور اسامہ مدینہ سے چل بھی کھڑے  
ہوئے لیکن ایک جماعت نے کہا کہ آنحضرت کے  
مرض میں شدت ہو گئی ہے۔ ہمارا دل ان کو  
چھوڑنے کو نہیں چاہتا ہمیں چاہیے کہ ہم قیام  
کریں اور نہ جائیں اور دیکھیں کہ آنحضرت کے  
مرض کا کیا انجام ہوتا ہے۔ تحقیق کہ میں نے  
ان دونوں تنازعات کا ذکر اس وجہ  
سے کیا کہ بعض لوگ جو مخالف تھے انہوں نے  
ان دونوں تنازعات کو امور دین کے  
اختلافات میں شمار کیا ہے اور یہ امر واقعہ  
بھی ہے۔ لیکن اس کی غرض دین کو تقویت  
دینا تھی۔

الخلاف الثالث، فی موتہ علیہ السلام قال عمر بن الخطاب من قال ان محمداً مات قتلتہ بسيفی هذا وانما رفع الی السماء کما رفع عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام وقال ابو بکر الصديق من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد الہ محمد فانه حی لا یموت وقرا هذه الایت وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم فرجع القوم الی قوله وقال عمر کانی ما سمعت هذا الا یت حتمه قرأها ابو بکر۔

والخلاف الرابع، فی موضع دفنہ علیہ السلام اراد اهل مکہ من المهاجرین رده الی مکہ لانها مسقط راسه وما نس نفسه و موطنی قدمه و موطن اهلہ و موقع رحله و اراد اهل المدینة من الانصار دفنہ بالمدينة لانهما دار هجرتہ و مدار نصرته

تیسرا اختلاف، آنحضرت کی موت میں تھا عمر بن الخطاب نے کہا کہ جو کہے گا کہ محمد مرگئے اس کو میں اپنی تلوار سے قتل کر دوں گا آنحضرت تو آسمان پر حضرت عیسیٰ کی طرح اٹھائے گئے ہیں۔ اور ابو بکر صدیق نے کہا کہ جو محمد کی عبادت کرتا تھا وہ تو معلوم کر لے کہ محمد مرگئے اور جو خدائے محمد کی عبادت کرتا تھا وہ معلوم کرے کہ خدایا زندہ ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ وما محمد الا رسول قد خلت الایہ من لوگوں نے ابو بکر کے قول کی تائید کی اور عمر کہتے تھے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ آیت میں نے سنی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ ابو بکر نے اس کو پڑھا۔

چوتھا اختلاف، آنحضرت کے دفن کے مقام میں تھا۔ مکہ کے ہاجرین چاہتے تھے کہ آپ کی میت مکہ میں دفن ہو جو آپ کا وطن تھا۔ پیدائش و نشوونما کی جگہ تھی۔ مدینہ کے انصار چاہتے تھے کہ آپ مدینہ میں دفن ہوں۔ کیونکہ وہ آپ کی ہجرت کا مقام و جائے نصرت تھا۔

وارادت جماعة نقله الى بيت المقدس لانه موضع دفن الانبياء ومنه معراجهم الى السماء ثم اتفقوا على دفنه بالمدينة لما راوى عنه عليه السلام الا نبيآء يدفنون حيث يموتون -

والخلاف الخامس في الامامة واعظم خلاف بين الامم خلافا للامامة اذ ما سل سيف في الاسلام على قاعدة دينية مثل ما سل على الامامة في كل زمان وقد سهل الله تعالى ذلك في الصدور الاول فاختلف المهاجرون والانصار فيها وقالت الانصار منا امير ومنكم امير واتفقوا على ان يسيرهم سعد بن عبادة الانصاري فاستداره ابوبكر وعمر في الجبال بان حضرا سقيفة بني ساعدة وقال عمر كنت انشور في نفسي كلاما في الطريق فلما وصلنا الى السقيفة اسرقت ان اتكلم فقال ابوبكر يا عمر فحمد الله واشنى عليه وذكر

ايك جماعت چاہتی تھی کہ بیت المقدس میں آپ کو دفن کیا جائے کیونکہ وہاں انبیاء دفن ہوئے ہیں اور وہیں سے آپ کو معراج ہوئی لیکن جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ انبیاء وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کا انتقال ہوگا تو سب اس پر متفق ہو گئے۔

ریانچوال اختلاف امامت کے متعلق ہے اور امامت میں سب سے بڑا تفرقہ و اختلاف مسئلہ امامت ہی کی بابت ہے۔ کیونکہ اسلام میں جتنی خونریزی امامت کے مسئلہ پر ہوئی ہے اتنی خونریزی دین کے کسی اور قاعدہ پر نہیں ہوئی۔ صدر اول میں خداوند تعالیٰ نے اس کو آسان کر دیا۔ انصار و مهاجرین میں اختلاف ہوا۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے اور انصار اپنے رئیس سعد بن عبادہ پر متفق ہو گئے اس وقت ابوبکر و عمر دونوں سقیفہ بنی ساعدة میں پہنچ گئے۔ عمر کہتے ہیں کہ راستہ میں میں نے اپنے دل میں ایک فکر آئیز گفتگو تیار کی تھی۔ پس جب ہم سقیفہ میں پہنچے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں کلام کروں ابوبکر نے کہا کہ اے عمر ٹھہر جا۔ پس ابوبکر نے بعد حمد و ثنائے خداوند تعالیٰ وہی گفتگو کی۔



ما كنت اقدسرا في نفسي كانه يخبر  
 عن غيب فقتل ان يشتمن الانصا  
 بالكلوم مددت يدي اليه فبايعته  
 وبايع الناس وسكنت النائرة  
 الا ان بيعة ابي بكر كانت فلتنة  
 وفي الله شرها فمن عاد الى  
 مثلها فاقتلوه فاجارجل بايع  
 من جلا من غير مشورة من  
 المسلمين فانها تغرة ان  
 يقتلوا وانا سكنت الانصار  
 عن دعواهم لرواية ابي بكر  
 عن النبي عليه السلام الائمة  
 من قرينش وهذه البيعة هي التي  
 جرت في السقيفة ثم لما عاد  
 الى المسجد انشال الناس  
 عليه ويايعوه عن سرغبة سوي  
 جماعة من بنى هاشم وابي  
 سفيان من بنى امية وامير  
 المؤمنين علي كرم الله وجهه  
 كان مشغولا بما امره النبي صلى  
 الله عليه وسلم من تجهيزه  
 ودفنه وملازمة قبره من  
 غير منازعه ولا مدافعة -

جو میں اپنے دل میں سوچ چکا تھا۔ گویا انہیں  
 غیب سے معلوم ہو گیا۔ پس قبل اس کے کہ  
 انصار کچھ بحث کریں میں نے فوراً اپنا  
 ہاتھ بڑھا کر ابو بکر سے بیعت کر لی۔ اور  
 لوگوں نے بھی بیعت کی اور آگ ساکن ہو گئی  
 لیکن خبردار ابو بکر کی بیعت اتفاقاً ناگہانی  
 مصیبت تھی۔ خدا نے اُس کے شر سے  
 بچا لیا۔ پس اب جو شخص اُس کی تقلید  
 کرے تو اس کو قتل کر دو۔ مسلمانوں  
 کے مشیرہ کے بغیر جو بیعت ہو تو بیعت  
 لینے والا اور کرنے والا دونوں قتل  
 کر دئے جائیں۔ آخر کار ابو بکر نے  
 جو حدیث سنائی کہ ”الائمة من  
 قریش“ اس کے سننے پر انصار  
 خاموش ہو گئے۔ یہ تو وہ بیعت تھی  
 جو سقیفہ میں ہوئی۔ پھر حضرت ابو بکر  
 مسجد رسول میں آئے اور وہاں  
 لوگوں نے اُن سے بیعت کی۔  
 سوائے نبی ہاشم اور ابو سفيان اور  
 حضرت علی کے جو تہمیز و تکفین و  
 تدوین رسول میں مشغول تھے۔  
 رچھٹا اختلاف امر فدک اور رسول خدا  
 کے ورثہ میں ہوا۔ اور حضرت فاطمہ

والخلاف السانوس) فی اسرفدك  
 والتوارث عن النبي عليه السلام  
 ودعوى فاطمة عليها السلام  
 ورافة تارة وتليكا اخرى حتى  
 دفعت عن ذلك بالرواية المشهورة  
 عن النبي عليه السلام نحن  
 معاشر الانبياء لا نفوسا ما  
 تركناه صداقة -

والخلاف السابع) في قتال مانعي  
 الزكوة فقال قوم لا نقاتلهم فقال  
 الكفرة وقال قوم بل نقاتلهم  
 حتى قال ابو بكر لو منعوني عقالا  
 مما اعطوا رسول الله لقاتلتهم  
 عليه ومضى بنفسه الى قتالهم  
 وافقد الصحابة باسرههم وقد  
 اري اجتهاد عمر في ايام  
 خلافة الى رد السبا والاموال  
 اليهم واطلاق المحبوسين  
 منهم -

والخلاف الثامن) في تنصيب  
 ابى بكر على عمر بالخلافة وقت  
 الوفاة فمن الناس من قال  
 قد وليت علينا فذا غليظاً و

نے دعوی وراثت و ہبہ کی بناء پر کیا۔  
 لیکن حضرت ابو بکر نے حدیث لا نورث  
 بیان کر کے ان کے دعویٰ کو رد کر دیا۔  
 رسالوں اختلاف) مانعین زکوٰۃ سے  
 قتال کرنے کے امر میں ہوا۔ ایک  
 جماعت نے کہا کہ وہ مسلمان  
 ہیں ہم کافروں کی طرح ان سے  
 جنگ نہیں کریں گے۔ ایک جماعت  
 نے کہا کہ جنگ کرنا چاہیے۔ یہاں تک  
 کہ ابو بکر نے کہا کہ اگر یہ لوگ زکوٰۃ میں  
 ایک رسی بھی مجھے کم دیں گے جو  
 جناب رسول خدا کو دیتے تھے تو میں  
 ان سے جنگ کروں گا۔ اور تنہا  
 لڑنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ  
 دیکھ کر صحابہ ان کی رائے سے متفق  
 ہو گئے۔ لیکن حضرت عمر کا اجتہاد  
 اس کے خلاف تھا۔ انہوں نے اپنی  
 خلافت کے زمانہ میں مال و قیدی و  
 لونڈیاں سب واپس کر دیں +

راٹھواں اختلاف) حضرت ابو بکر کا اپنے  
 مرض موت میں عمر کو خلیفہ مقرر کرنے  
 میں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ تم نے  
 ہمارے اوپر بدخلق و بد مزاج و بد تمیز

اس نفع الخلاف بقول ابی بکر  
لو سألتني سألني يوم القيامة لقلت  
وليت عليهم خيرا اهلهم  
وقد وقع في زمانهم اختلافات  
كثيرة في مسائل ميراث الجاهل  
والاخوة والكلالة وفي عقل  
الاوصابح وديات الاسنان حدود  
بعض الجرائم التي لم يروفيها  
نص وانما اهدا مورهم الا شتغال  
بقتال الروم وغزوات الجحيم وفتح الله  
الفتوح على المسلمين وكثرت البايات  
والغنائم وكانوا كلهم يصدعون  
عن سرايهم وانتشرت الدعوة  
وظهرت الكلمة ووانت العرب و  
لات العجم -

الخلاف التاسع في امر  
البشوري واختلاف الاسراء  
فيها -

آدمی کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ لیکن ابو بکر نے  
یہ کہہ کر لوگوں کو خاموش کر دیا کہ جب  
قیامت کے دن خداوند تعالیٰ مجھ سے  
سوال کرے گا تو میں جو اب دونگا کہ میں نے  
بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا تھا  
ان کے زمانہ میں بہت سے اختلافات  
ہو گئے۔ مثلاً میراث جہود و اخوة میں۔  
میراث کلالة میں۔ دعات میں اور  
نیز بہت سے جرموں کی سزائوں  
میں اختلافات ہو گئے۔ ان کے  
بہت اہم کام روم و عجم کی لڑائیاں  
تھیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی  
غنائم اور لوٹاریوں کی کثرت ہو گئی  
اور یہ سب حضرت عمر کی رائے کے  
مطابق تھا -

رناں اختلاف (تجویز شوری میں اور  
وہاں لوگوں کی رایوں میں بہت اختلاف  
تھا -

محمد بن عبدالکریم شہرستانی :- کتاب الملل والنحل بر حاشیہ کتاب الفصل فی الملل والاصواء  
والنحل میلہ امام ابو محمد علی بن احمد بن حزم الجزع الاول ص ۱۹ الغایت ۲۲ :-  
ناظرین کو چاہیے کہ علامہ شہرستانی کی ان عبارات کو بہت غور سے پڑھیں  
کیونکہ ان عبارات سے ہمارے تمام دعویٰ ثابت ہوتے ہیں۔ قول خدا بھی  
یہی ہے۔ حدیث رسول بھی یہی ہے۔ اور علامہ شہرستانی بھی یہی کہتے ہیں۔

کہ تمام اُمتوں میں جو گمراہیاں پھیلی ہیں، ضلالتیں ظاہر ہوئی ہیں اور افتراق پڑا ہے۔ اُن سب کا باعث یہ تھا کہ اُن اُمتوں کے لوگوں نے لعین اول یعنی ابلیس کی سرکشی کی پیروی کی۔ اور ابلیس کی گمراہی یہ تھی کہ اُس نے اپنی رائے کو نص سرب پر مقدم رکھا اور خواہش نفس کی وجہ سے اُس کے حکم کی اطاعت نہ کی جس کے حکم کی اطاعت کرنا اُس کا فرض تھا۔ اُس نے اپنے اوپر تکبر کیا اور آدم کو کمتر سمجھا۔ انجیل میں جو مناظرہ ابلیس و ملائکہ کا درج ہے اسکو آپ بطور امر واقعہ صحیح مابین یا نہ مابین یہ ظاہر ہے کہ ابلیس کی جو بحث قرآن شریف میں درج ہے۔ وہ ساتوں وسیوں سے اُس بحث ہی سے نتیجہ ہوتے ہیں۔ اُن کا جواب جو دیا گیا اس سے بہتر اور مسکت جواب نہیں ہو سکتا خراوند تعالیٰ پر ابلیس کا ایمان کامل نہ تھا۔ اس نے عبادت تو بہت کی لیکن ایمان کمال نہ ہو سکا۔ ایمان کامل کی شرط اول اور اس کی نشانی اطاعت مُطلق ہے۔ اور اطاعت مُطلق میں چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ یہی تعلیم قرآن شریف کی ہے۔ *فَلَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخْلِقُوا لَكَ فِیْ اَشْجَارٍ بَیِّنَةٍ ثُمَّ لَا یُجِدُوا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا*۔ پارہ ۱۰ سورۃ النساء ۷۹۔ چونکہ منافقین آنحضرت کی نبوت پر دل سے ایمان نہیں رکھتے تھے۔ لہذا وہ آنحضرت کے احکام و حرکات سکناات پر اعتراض کرتے تھے۔ جس لعین نے آنحضرت کی تقسیم غنائم پر اعتراض کیا تھا وہ یا تو سر سے آپ کی نبوت کا منکر تھا۔ یا شان نبوت کی معرفت کامل اُس کو نہ تھی۔ معرفت نبوت کا نقص انکار نبوت ہی کے مساوی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ صفات الہیہ کی ناقص معرفت انکار الہیہیت کے مرادف ہے۔ علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ تمام ضلالتیں، گمراہیاں اور تفرقہ بندی یا امام کو زبانی مان لینے کے بعد اس کے حکم کی نافرمانی کرنے اور نص کے مقابلے میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جناب محمد مصطفیٰ

ورا نبیاء سابق کے زمانہ کے مشرکین کے ایمان لانے میں یہ امر مانع ہوا کہ انہوں نے  
 اپنے نبی سے بہتر سمجھا۔ اور یہی ابلیس کے انکار کی وجہ تھی۔ ابلیس کی سرکشی  
 کے نتیجے میں خوارج کا مذہب نکلا ہے۔ کیونکہ ان کے اس قول میں کہ حکم فقط خدا  
 کے لئے ہے۔ اور ابلیس کے اس قول میں کہ میں بشر کو کیوں سجدہ کروں۔ میں تو  
 تیرے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کروں گا کوئی فرق نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام  
 جھٹتیں اور شبہات لعین اول کے شہرہ اور وسوسہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ جب ہی تو  
 خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ تم شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ شیطان  
 کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ علامہ شہرستانی جو تھے مقدمہ میں  
 ان شبہات اور اختلافات کا ذکر کرتے ہیں جو ملت اسلامیہ میں واقع ہوئے۔  
 وہ کہتے ہیں کہ ہر ایک زمانہ کے نبی و رسول کی امت میں ان کے بوجہ شبہات  
 اختلافات رونا ہوتے وہ ان ہی شبہات و اختلافات سے پیدا ہوئے تھے  
 جو اس نبی یا رسول کے زمانہ میں منافقین نے پیدا کئے تھے۔ اہم سابقہ کے یہ  
 اختلافات تو بوجہ بعد زمانی کے ہم سے مخفی رہے۔ لیکن امت اسلامیہ کے یہ  
 تنازعات ہم کو معلوم ہیں۔ یہ ان شبہات و وسوسوں سے پیدا ہوئے تھے  
 جو خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں منافقین نے پیدا کئے تھے۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ  
 کے احکام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور انہوں نے ان امور میں غور و خوض نہ کیا  
 شروع کر دیں جن امور میں ان کو یہ نہ چاہیے تھا اور جن میں غور و خوض کرنے  
 سے وہ منع کئے گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں مسلمان نما کا فروں یعنی  
 منافقین کا آنحضرتؐ کے تقسیم غنائم کو پسند نہ کرنا، روز اُحد ان کا کہنا کہ اگر  
 مسلمان افواج مدینہ سے باہر نہ جائیں تو وہ قتل نہ کئے جاتے۔ یا ان کا یہ کہنا  
 کہ ہم ان لوگوں کو کیوں کھانا کھلاؤں جن کو اگر خدا چاہے تو رزق دے سکتا  
 ہے اس نامناسب و ناموزوں و مشرکانہ غور و خوض کی مثالیں ہیں۔ کیونکہ یہ نص  
 صریح کے خلاف ہیں۔ آنحضرتؐ نے غنائم کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ سے حکم دیا۔

یا آپ نے مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کا حکم دیا یا خداوند تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسکین  
مستحقین کو طعام کھلاؤ یہ سب نصیص صریحہ تھیں، جن کا ایمان کامل نہ تھا انہوں نے  
اپنی جہاگاہ نہ بحث نصیص صریحہ کے خلاف کی۔

یہ تو وہ اصول صحیحہ ہیں جو فقہہ اسلامیہ قائم کرتا ہے اور جن کا ذکر علامہ  
شہرستانی نے کیا۔ اب اُمتِ اسلامیہ کے افتراق کو اُن کی روشنی میں دیکھنا  
چاہیے۔ لیکن قبل اس تحقیقات کے ایک نتیجہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ  
اس افتراق میں دو جماعتیں صاف نظر آرہی ہیں۔ ایک تو وہ جو جناب  
رسول خدا کے مقرر کردہ نظام سے مطمئن تھی اور جس کے اس رئیس حضرت  
علی تھے۔ دوسری وہ جماعت جو بقول حضرت عمر خلافت کو خاندانِ نبوت سے  
نکالنا چاہتی تھی اور جس کے سردار وہ تھے جن کو اس جماعت نے خاندانِ نبوت سے  
خلافت نکالنے کے بعد خلافت سپرد کی۔ یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر۔ دراصل  
اس جماعت کا سردار حضرت عمر کو سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ہم البلاغ المبین ہیں  
اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمر ہی نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر کیا  
اور حضرت ابوبکر کی خلافت کو یا حضرت عمر کی حکومت تھی۔ ہماری تہنیت یہ ہے  
کہ ان تینوں حضرات کے افعال و حرکات کی جانچ پرتال بطور مورخ کے اپنے  
آبائی عقیدوں کو نظر انداز کر کے کرنی چاہیے۔ اس ذہنیت کے ساتھ اس  
تحقیقات کو شروع کریں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ تینوں حضرات کیسے تھے  
ہم تو ان کو ویسا ہی مانیں گے جیسا واقعات ثابت کریں گے۔ ہمیں کیا معلوم  
ان میں سے کس کا ایمان کامل تھا۔ کون منافق تھا۔ جہادوں میں اُن کے ثبات  
قدم کی کیا حالت رہی ہے۔ زمانہ حیاتِ رسول میں کس کی خدمات اسلامیہ  
اُس کو خلافت کا مستحق ٹھراتی ہیں۔ ان میں سے کس کی خدمات دین کو امیر جماعت  
یعنی محمد مصطفیٰ اس قابل سمجھتے تھے کہ وہ ان کا صحیح معنوں میں لائق جانشین  
ہو سکتا ہے۔ کیا زمانہ حیاتِ رسول میں کوئی افتراق اس جماعت میں ہو گیا

وہ اختلاف کس سے تھا۔ آپس کی دونوں جماعتوں میں تھا۔ یا کسی جماعت کا وہ  
 اختلاف جناب رسول خدا یعنی امیر جماعت سے تھا۔ کس فریق کو جناب رسول خدا نے  
 نہ سمجھا اور اپنے سے دور کر دیا۔ جناب رسول خدا کے رحلت ہوتے ہی پہلا  
 افتراق کی طرف علی نے اٹھایا تھا یا عمر نے۔ آگے چل کر افتراقی کارروائیاں  
 میں نے کیں اور کون اس افتراق کو بچانے کے لئے صبر کر کے بیٹھ گیا۔ مورخ  
 کا شان یہ ہے کہ ان سوالات کو حل کرتے وقت اپنے آبائی اعتقادات اور  
 رجحانات کو اپنی تحقیقات پر اثر ڈالنے کی اجازت نہ دے ورنہ اگر  
 تحقیقات کو اس کلیہ کے ساتھ شروع کریں کہ حضرت علی کی ذات سے  
 رہا کہ وہ افتراق پیدا کرتے یا اگر کہیں کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر  
 ان اسلام کے مہر و ماہ تھے۔ ان کی نسبت اس خیالی امکان کو نسبت دینی  
 وہ بھی منافی ہو سکتے تھے اور حجت ملک و جاہ کے زیر اثر امت اسلامیہ  
 افتراق پیدا کر کے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتے تھے گناہ کبیرہ ہے اور ایسا  
 کرنے والا کافر۔ تو بس تحقیقات تو ہو چکی۔ مورخ کی ضرورت ہی نہیں رہی  
 بیاں کی بینڈ کی کی طرح اپنے عقائد کے دائرہ میں مگن رہو۔ ایسے لوگوں  
 لئے یہ کتاب نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو خود تحقیقات  
 کے حق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی عقل اور قوت استدلالیہ کو تعصب سے  
 برب نہیں ہونے دیتے۔ اگر کمزوری نظری نظر کی وجہ سے عینک بھی لگاتے  
 تو شفاف و مصفی شیشے یا بلور کی لگاتے ہیں۔ تاکہ ہر ایک شے اپنی اصلی  
 ت میں نظر آئے۔ رنگین عینک کو نظر کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں جب خود  
 بزرگواروں کا طرز عمل زیر تحقیقات ہو تو پھر اس تحقیقات کا یہ کلیہ فرض  
 کے نہیں شروع کر سکتے کہ وہ آسمان اسلام کے مہر و ماہ تھے کیونکہ ثابت تو  
 کرنا ہے کہ وہ آسمان اسلام کے مہر و ماہ تھے بھی یا نہیں ؟  
 فقہ اسلامی اور علامہ شہرستانی مندرجہ ذیل اصول و قواعد قائم کرتے

ہیں جو ہماری اس تحقیقات پر حاوی ہیں اور ہونے چاہئیں :

(۱) ابلیس کی ملعونیت و مردودیت، منافقین کی منافقت اور ناقص ایمان والے ظاہری مسلمانوں کی ضلالت کی فقط ایک مشترکہ وجہ تھی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی رائے کو نص صریح پر مقدم رکھا۔ اور خواہش نفس کی وجہ سے اُس کے حکم کی اطاعت نہ کی جس کے حکم کی اطاعت کرنا اُن کا فرض تھا۔ لہذا جو ایسا کرتا ہے وہ ملعون منافق اور گمراہ ہے :

(۲) اُمتِ اسلامیہ کے شروع، وسط، اور آخر زمانہ کی تمام گمراہیوں، ضلالتوں اور تفرقوں اور کمزوریوں غرضکہ اُس کی مغلوبیت کا باعث فقط ایک تھا۔ اور وہ آنحضرت کے زمانہ کے منافقین اور ناقص ایمان والے مسلمانوں کے شبہات، وساوس اور نمکتہ چنیاں تھے۔ کیونکہ آنے والے ہر ایک زمانہ میں ان کا تتبع ہوتا رہا۔ یہ لوگ آنحضرت کے احکام، افعال و حرکات و سکنات کو پسند نہیں کرتے تھے اور نمکتہ چنیاں کرتے تھے :

(۳) تمام ضلالتیں، گمراہیاں اور تفرقے بنی یا امام کو زبانی مان لینے کے بعد اُس کے حکم کی نافرمانی کرنے اور نص کے مقابلے میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں :

(۴) ایمان کامل کی پہلی اور آخری شرط اطاعت مطلقہ ہے۔ ابلیس نے خداوند تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہ کی۔ کیونکہ، جیسا کہ اُس کو اُس کی بحث کا جواب دیا گیا، اُس کا ایمان کامل نہ تھا۔ منافقین اور ناقص ایمان والے آنحضرت کے حکم کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کا ایمان کامل نہ تھا :

(۵) ابلیس کی سرکشی کے تتبع سے خوارج کا مذہب نکلا ہے۔ کیونکہ اُن کے اس قول میں کہ حکم فقط خدا کے لئے ہے اور ابلیس کے اس قول میں کہ میں تیرے سوا کسی کو سجدہ کروں گا کوئی فرق نہیں ہے :

اب ہم اپنی تحقیقات شروع کرتے ہیں۔ بنی برحق کے افعال و احکام پر نمکتہ چینی کرنا منافقت کی علامت اور ابلیس کی پیروی کی نشانی ہے۔ تاریخ



اسلامیہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اس جماعت نے آنحضرتؐ کے افعال و احکام پر نکتہ چینی کرنے کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ صریح نافرمانی اور سرکشی کا موقع تو قضیہ قرطاس اور بھیم جیش اُسامہ کے وقت آیا۔ لیکن اس سے پہلے کئی مرتبہ یہ جماعت آنحضرتؐ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کر چکی تھی۔ جنگ حنین کے بعد محاصرہ طائف کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے بہت دیر تک خلوت میں راز کی باتیں کیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اعتراض کر دیا کہ آج تو آپ نے بہت دیر تک اپنے ابن عم سے تنہائی میں گفتگو کی۔ اس اعتراض کو اتنا پھیلایا گیا کہ آنحضرتؐ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ منبر پر خطبہ عام میں لوگوں کو متنبہ کریں کہ میں نے علیؑ سے راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے کی ہیں۔ اسی طرح سدا لباب کے موقع پر اس جماعت نے عام لوگوں میں اس اعتراض کو پھیلایا کہ رسولؐ خدا نے ہم سب کا دروازہ مکان کا مسجد کی طرف کا بند کر دیا۔ لیکن علیؑ کا کھلا رکھا۔ پھر آنحضرتؐ کو خطبہ عام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اپنے منبر پر فرمایا کہ نہ میں نے تمہارا دروازہ بند کیا اور نہ علیؑ کا کھلا رکھا بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کر دئے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ مومن کامل جو تھے انہوں نے نہ تو پہلے اعتراض کیا اور نہ ہی آنحضرتؐ کے اس جواب میں شک کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کو یقین نہ آیا۔ اور آنحضرتؐ کے جواب نے اُن کی تسلی نہ کی۔ چنانچہ قضیہ قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مکالمہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسولؐ خدا حضرت علیؑ کے معاملہ میں اُن کی محبت کی وجہ سے صراط مستقیم سے ڈلگایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا اشارہ ایسے ہی واقعات کی طرف تھا۔ امر واقعہ یہ ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ ان بزرگواروں نے نہ تو شان نبوت کو اچھی طرح سمجھا اور جتنا سمجھا تھا اُس کو بھی اپنے حصول مقاصد کی ضروریات کی وجہ سے گرانے کی کوشش کی۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو ہر ایک مؤرخ و محدث نے

دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں آنحضرتؐ کی نبوت میں شک نہ کرتا تھا۔ ہم تفسیر در المنثور سے عبارت نقل کرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

فقال عربین الخطاب والله ما شككت منذ اسلمت الا يومئذ  
فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت است نبى الله قال بلى  
فقلت اسنا على الحق وعدونا على الباطل قال بلى قلت فلم نعط  
الدنية في ديننا اذن قال انى رسول الله ولست اعصيه وهو  
ناصرى قلت اوليس كنت تحذتنا اناسنا فى البيت ونطوت به  
قال بلى افاخبرت انك تاتيه العام فقلت لا قال فانك اتيه  
مطوف به فاتيت ابا بكر فقلت يا ابا بكر اليس هذا نبى الله

ترجمہ :- حضرت عمر نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ہوا مجھے آنحضرتؐ کی نبوت میں اتنا شک نہیں ہوا کہ جتنا اس صلح حدیبیہ والے دن۔ پس میں جناب رسول خدا کے پاس آیا اور میں نے کہا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نبی برحق ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا ہم تو اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بے شک ہیں۔ تو پھر میں نے کہا کہ یہ امیر دین میں ان سے دینا کیسا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور کبھی اس کے حکم کی نافرمانی نہ کروں گا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم غقریب

۵۴ کتاب الدر المنثور :- الجزء السادس ص ۷۷

یہ واقعہ اور یہ شکوک اسی طرح مندرجہ ذیل کتب میں لکھے ہیں۔

حسین دیار بکری :- تاریخ النخیس الجزء الثانی ص ۲۵

ابن ہشام :- سیرۃ النبى الجزء الثالث ۳۶۵ ، ۳۶۶

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الثالث کتاب التفسیر سورۃ الفتح ص ۱۲۷

عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۲۷

الفاروق حصہ اول ص ۵۲ ، ۵۳

کعبہ میں جائیں گے اور طواف کریں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں کہا تھا۔ لیکن کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اس ہی سال جا کر طواف کریں گے۔ میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں کہا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم ضرور کعبہ جاؤ گے اور طواف کرو گے۔ پھر میں ابو بکر کے پاس آیا اور کہا کہ کیا یہ شخص نبی اللہ نہیں ہے..... پھر وہی سارا مکالمہ اور شکوک کے وجوہات

(درج ہیں)

ہر ایک محدث و مؤرخ نے حضرت عمر کی اس لغزش کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ یہ کہہ کر ان کی بریت چاہی ہے کہ اس کے کفارہ میں حضرت عمر نے روزے رکھے اور قرباتی کی۔ مولوی شبلی نے اس کے اوپر یہ بھی ایراد کیا ہے کہ ان کا اعتراض جائز تھا۔ آنحضرتؐ کے احکام و تقسیم کے ہوتے تھے ایک نبی کی حیثیت سے۔ دوسری عام حاکم اور انسان کی حیثیت سے۔ نبوت کا جو اس طرح تجزیہ کیا گیا ہے اس کا تذکرہ ہم ابھی کتاب التحریف میں کریں گے۔ جناب رسول خدا کو اس مخالف پارٹی کی موجودگی اور ان کے حرکات و سکنات و اغراض و مقاصد کا علم کلی حاصل تھا۔ تفصیلات و ثبوت کے لئے دیکھو البلاغ المبین کتاب دوم صفحہ ۹۷۔

آنحضرتؐ کو اس بات کا تو یقین کلی ہو گیا تھا کہ آپ کے انتقال پر یہ لوگ حضرت علی کو خلیفہ و حاکم نہ ہونے دیں گے۔ لیکن آپ محض اس زمانہ کے لوگوں کے لئے نبی نہ تھے۔ بلکہ آئندہ کی نسلوں کی ہدایت و رہنمائی بھی آپ ہی کے ذمہ تھی اور آپ ہی کی تعلیم سے ہونی تھی۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ لوگ مخالفت علی کرتے بھی ہیں اور اس کو چھپانے کی کوشش بھی کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو مغالطہ ہو۔ اور آنحضرتؐ نے جو فضائل علی بیان کئے ہیں وہ تاویل کے پردوں میں چھپ کر رہ جائیں۔ آپ نے یہ اپنا فرض محسوس کیا کہ لوگوں کو اس مغالطہ میں نہ رہنے دیں۔ اور ان کو ان کے اصلی امام کی شناخت ہر ممکن طریقہ سے کرا دیں۔ آپ نے بستر مرگ پر

اس فرض کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ادا کیا کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ تجہیز و تہیہ اور قضیہ قرطاس و قلم ایسے دو واقعات تھے جنہوں نے اس مخالف پارٹی کے دلوں کی حالت کو بالکل عریاں کر دیا۔ کوئی بات نہ بن سکی۔ ظاہر داری قائم رکھنے کا کوئی جیلہ نظر نہ آیا۔ لشکرِ اُسامہ کے ساتھ نہ جانے کا صاف اور کھلم کھلا انکار ہی کرنا پڑا۔ اور یہ بھونٹا فقرہ کہہ کر تخریر و وصیت کو منع کرنا پڑا کہ یہ آدمی بیماری میں ہریان بک رہا ہے۔

اس کو علامہ شہرستانی تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ بھی نہیں کیونکہ یہ بدیہی ہے کہ (۱) قضیہ قرطاس (۲) تجہیز و تہیہ اُسامہ سے انکار (۳) حضرت عمر کا آنحضرت کی موت سے انکار کرنا (۴) حضرت ابو بکر کا آنحضرت پر رونے والوں کو عابدانِ محمد کہنا (۵) موضعِ دفینِ رسول (۶) اجلاسِ سقیفہ بنی ساعدہ (۷) امر فدک (۸) قتالِ مانعین زکوة (۹) حضرت ابو بکر کا حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنا اور (۱۰) امرِ شوری۔ یہ سب اختلافات تھے جو موجب و باعثِ افتراقِ اُمت ہوئے۔ دوسرا نہایت اہم نتیجہ جو علامہ شہرستانی نے اپنی تحقیقات سے نکالا ہے وہ یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلا اختلاف قضیہ قرطاس کا ہے اور دوسرا اختلاف تجہیز و تہیہ اُسامہ سے مخالفت کا۔ اس سے پہلے اُمتِ محمدیہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان ہی اختلافات سے افتراق پیدا ہو کر بڑھتا گیا۔ لہذا جس شخص یا جماعت نے یہ پہلے دو اختلافات پیدا کئے وہ ہی اُمتِ اسلامیہ میں افتراق کا باعث ہوا۔ اور یہ مابعد کی جتنی تفرقہ بازی ہے یہ سب اس کے ذمہ ہونی۔ کیونکہ عقلِ سلیم بھی یہی کہتی ہے اور علامہ شہرستانی بھی یہی کہتے ہیں اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ آئندہ کے اختلافات و تفرقے سب اُن ہی اصول و قواعد کی بناء پر تھے جن کو مد نظر رکھ کر آنحضرت کے زمانہ کے لوگوں نے یہ تفرقہ شروع کیا تھا۔ مابعد کے آنے والے لوگوں نے اُن کے طرز عمل کی تقلید کی۔ اور ایک

تفرقہ سے دوسرا تفرقہ پیدا ہوتا گیا۔ اب ان پہلے دونوں اختلافات کو لو۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ لشکرِ اسامہ تیار کرو اور ان اکابر صحابہ کے خواص طرح سے نام بتا دئے گئے۔ جن کو اس لشکر میں جانے کے لئے مامور کیا تھا۔ ان میں حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و خالد بن ولید وغیرہ سب ہی تھے۔ حضرت عمر اور ان کی جماعت نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے یا جناب رسول خدا نے حکم دے کر افتراق پیدا کیا۔ یا حضرت عمر اور ان کی جماعت نے انکار کر کے تفرقہ پیدا کیا۔ اسی طرح آنحضرت نے تخریر و وصیتِ خلافت کے لئے قلم و دوات و کاغذ لانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں نے انکار کیا۔ یا تو جناب رسول خدا نے حکم دے کر افتراق پیدا کیا۔ یا حضرت عمر اور ان کی جماعت نے انکار کر کے امت میں تفرقہ ڈالا۔ اب ساری بحث ایک نقطہ پر آگئی۔ یا محمد قابل الزام یا عمر مورد الزام۔ کیوں مسلمانو تمہارا کیا جواب ہے؟ حضرت عمر نے جواب دے دیا کہ محمد قابل الزام تھے۔ کیونکہ وہ علی کی محبت میں جاوہ مستقیم سے تجاوز کر جاتے تھے، اور اس تخریر و وصیت کے معاملے میں وہ ناحق پر تھے۔ میں نے ہمدردی و شفقتِ اسلامی کی وجہ سے ان کو روک دیا۔ اور یہی جواب علامہ شہرستان کا ہے جو حضرات شیخین کی محبت سے مغلوب ہو کر کہتے ہیں کہ صحابہ کا یہ اختلاف اجتہاد یہ تھا اور ان کی غرض اقامتِ شرع و دین تھی۔ یہ حضرت عمر کے جواب کا پیرا فریب ہے یعنی وہ ہی جواب دوسرے الفاظ میں ہے۔ اور دراصل یہ ہی جواب اس ساری جماعت کا ہے جو حضرت عمر کو حکومتِ اسلامیہ کا خلیفہ جائز سمجھتی ہے۔ اگر حضرت عمر کو وہ مورد الزام سمجھیں تو خلیفہ جائز کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟

اب ہم اس جواب پر غور کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے تو صاف اور صریح الفاظ میں کہہ دیا کہ جناب رسول خدا غلطی پر تھے۔ اگر وہ اپنے ارادہ پر اصرار

کرتے تو اسلام کی نقصان ہوتا۔ اُن کی تجویزِ مخربِ اسلام تھی۔ مجھ میں شفقت و ہمدردی اسلام زیادہ تھی۔ میں حق پر تھا۔ علامہ شہرستانی اور دیگر علماء اہل سنت و جماعت کا بھی یہی منشاء ہے اگرچہ وہ اتنی صراحت و صاف بیانی سے کام نہیں لیتے۔ علامہ شہرستانی کا یہ کہنا کہ مخالفت کرنے والوں کی غرض اقامتِ دین و شرع تھی کیا مطلب رکھتا ہے۔ یہی مطلب ہے کہ مخالفت کرنے والوں کی مخالفت سے اقامتِ دین و شرع ہوئی یا ہو سکتی تھی۔ اقامتِ دین و شرع اچھی چیز سے ہوتی ہے یا بُری چیز سے؟ ظاہر ہے کہ اقامتِ دین و شرع اچھی چیز سے ہوتی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اس مخالفت سے اقامتِ دین و شرع ہوئی یا ہو سکتی تھی۔ لہذا یہ مخالفت اچھی شے ہوئی۔ اچھی شے کے جو مخالف ہو وہ بُرا۔ یہ مخالفت کس سے تھی؟ احکامِ رسول سے۔ لہذا احکامِ رسول بُرے ہوئے۔ اس نتیجہ تک ہم پہنچے ہیں کہ احکامِ بُرے اور اُن کی مخالفت اچھی۔ اچھے کام کا فاعل اچھا ہوتا ہے۔ مخالفت کرنے والے حضرت عمرؓ تھے لہذا حضرت عمر اچھے اور بہتر ہوئے۔ بُرے کام کا فاعل بُرا ہوتا ہے۔ احکامِ صادر کرنے والے جناب رسولؐ خاتم تھے لہذا جناب رسولؐ خدا (حاکمِ بدہن) اس تھیوری کی بناء پر بُرے ہوئے۔ کیوں مسلمانوں تمہاری حیثیتِ دینی اس کو قبول کرنا گوارا کرتی ہے؟ علامہ شہرستانی اور دیگر علماء اہل سنت و جماعت منطق کے اس نتیجہ سے آگاہ تھے لہذا انہوں نے لفظ اجتہاد یہ ایزا دکر کے اپنے خیال میں اس کے اثر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ کوشش پہلے ہی قدم پر لڑ کھڑا جاتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ جن آنکھوں کی بصارت کو حجت و تعصب سے معذور کر دیا ہے وہ اس لغزش کو نہ دیکھیں۔ اجتہاد وہاں جائز ہے کہ جہاں نصِ صریح نہ ہو۔ اور نصِ صریح حکمِ خدا و حکمِ رسول کو کہتے ہیں۔ یہاں خود رسول ہی تو حکم دے رہا ہے۔ اس کے حکم کے خلاف کیسا اجتہاد۔ خداوند تعالیٰ

حکم دیتا ہے کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ“ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس حکم صریح کے خلاف اجتہاد کیسا۔ ابھی ابھی تو علامہ شہرستانی کہہ چکے ہیں کہ منافق اس وجہ سے منافق تھے کہ وہ احکام رسول کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اُن پر مکنتہ چینی کرتے تھے۔ ابلیس اس وجہ سے ملعون ہوا کہ اُس نے حکم خداوندی کی اطاعت نہیں کی۔ ابھی تو کہہ چکے ہیں اور ابھی بھول گئے۔ کہ ابلیس لعین کی ساری بحث کا صرف ایک جواب ملا کہ کو الہام کیا گیا کہ تیرا یہ کہنا کہ تو مجھے خدا ماننا ہے غلط ہے۔ اگر تو مجھے خدا ماننا تو میرے احکام کی اطاعت کرتا اور مکنتہ چینی نہ کرتا۔ عدم ایمان کامل کی وجہ سے عدم اطاعت یعنی نافرمانی ہوتی ہے۔ اگر ایسی جگہ اجتہاد کی گنجائش ہو سکتی ہے تو ابلیس نے بھی اجتہاد کیا۔ اُس کی بحث کیسی بظاہر معقول نظر آتی ہے۔ تیرے سوا میں کسی اور کو کیوں سجدہ کروں۔ اُس نے خدا کی خدائی سے تو انکار نہیں کیا۔ خدا کو تو وہ وہا بیوں کی طرح سنجھی کے ساتھ ماننا تھا۔ سجدہ میں اُس نے آدم کو خدا کا شریک نہ کرنا چاہا۔ پھر ملعون و مردود ہوا۔ مسلمان تو غور تو کرو۔ ایک لمحہ کے لئے تو اپنے آبائی عقیدے کو نظر انداز کرو۔ ابلیس کی ملعونیت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نافرمانی کی۔ تکبر کیا۔ اپنے تئیں آدم سے بہتر سمجھا۔ حضرت عمر نے نافرمانی کی۔ تکبر کیا۔ اپنے تئیں جناب رسول خدا سے بہتر سمجھا۔ اگر اجتہاد جائز تھا تو ابلیس بری ہوا۔ اگر رسول خدا کے احکام کی نافرمانی بوجہ اجتہاد خود کر سکتے تھے تو منافق کیوں منافق کہلائے۔ انہوں نے بھی اپنا اجتہاد کیا۔

یہ بات کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ تجمیز جیش اُسامہ اور قضیہ قرطاس کے واقعات میں جو اختلاف کیا گیا وہ خود جناب رسول خدا یعنی بانی جماعت سے اختلاف کیا گیا تھا۔ بانی جماعت یا شارع دین کے خلاف جو اختلاف ہو اُس کو اجتہاد نہیں بلکہ ارتداد کہتے ہیں۔ کسی تحریک کو لو کسی مذہب کو دیکھو۔ ہمیشہ اصلی جماعت وہ ہوتی ہے جو تحریک یا مذہب کے

بانی کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو اُس کے خلاف ہوں گے وہ مرتد کہلائیں گے یا متخالفین  
اصلی مسلمانوں کی جماعت وہ ہی جماعت تھی جو ان اختلافات میں جناب  
رسول خدا کے ساتھ اور ان کی ہمنیال تھی۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ تعداد میں  
کم ہو تعداد کبھی معیارِ حقیقت یا اصلیت نہیں ہوتی۔ قرآن شریف میں اکثریت کی  
جا بجا مذمت لکھی ہے۔ دُنیا کا مشاہدہ بھی یہی بتا رہا ہے۔ عالم و فاضل کے  
ہوتے ہیں۔ جاہل زیادہ۔ غور و فکر کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ واہی لا ابالی زیادہ  
ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اچھی چیز کم ہے اور بُری چیز کی کثرت ہے۔

ہم ایک اور مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ خوارج نے حضرت علی سے اختلاف  
کیا وہ علیؓ پر ہو گئے۔ اب وہ علی کی جماعت تو نہیں کہلائیں گے اسی طرح  
اس جماعت صحابہ نے جناب رسول خدا سے اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ  
اُن پر ہزبان کا الزام لگایا۔ اب وہ محمدؐ کی جماعت نہیں کہلائیں گے  
اور محمدؐ نے بھی تو مواعنی کہہ کر تمام دُنیا کو بتا دیا کہ یہ میری جماعت نہیں ہے  
لیکن چونکہ انہیں محمدؐ کی حکومت و سلطنت لینا تھی وہ بظاہر یہی کہتے رہے کہ  
محمدؐ کی جماعت میں ہیں۔

چلتے چلتے ہم امام غزالی کی منطق کا جواب بھی دے دیں جو انہوں نے نص  
خلافت کے خلاف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر خلافت کے معاملہ پر کوئی نص  
صریح ہوتی یعنی رسول خدا کا حکم صریح ہوتا تو صحابہ کرام کبھی اس کی مخالفت نہ  
کرتے۔ ہم نے دیکھ لیا کہ معمولی دوا حکام کی نافرمانی اُن ہی صحابہ کرام نے  
کس شہ و مد کے ساتھ کی ہے اور صرف اس وجہ سے کی ہے کہ اُن کا تعلق  
اس عہدہ امامت ہی سے تھا۔ تو پھر امامت کے حکم صریح کی نافرمانی اُن سے  
کیا بعید تھی۔

اس بحث کے بعد غالباً اب اس سوال پر غور کرنے کی تو ضرورت  
نہیں رہی کہ آیا جناب رسول خدا نے یہ احکام صادر کرنے میں غلطی کی یا جناب



عمر نے ان احکام کی نافرمانی کرنے میں غلطی کی۔ ہماری زبان اور ہمارے فہم میں تو یہ جرات نہیں ہے کہ وہ اس کا اشارہ بھی کریں کہ جناب رسول خدا نے غلطی کی۔ اگر ان کے عہدہ رسالت پر بھی غور نہ کیا جاوے تب بھی دنیاوی سیاست کے لحاظ سے وہ احکام صحیح تھے۔ آنحضرت اپنے اسلام، اپنی امت کے لئے مرکزیت قائم کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر نے اس مرکزیت کی تجویز کی مخالفت کر کے امت محمدیہ میں ایسا افتراق پیدا کر دیا کہ وہ زمانے کے ساتھ بڑھتا ہی گیا۔ اور آج امت اسلامیہ جو اس قدر ملت میں گری ہوئی ہے اس کا باعث یہ ہی ہے کہ امت محمدیہ نے اپنے طرز عمل کو ہمیشہ سقیفہ نبی ساعدہ کے اصولوں کے مطابق رکھا۔ جس کا نتیجہ افتراق، نافرمانی، جاہ پسندی ہوا۔

تاکہ ذرا سا شائبہ بھی شک کا اس بحث میں باقی نہ رہے اور ہمارے مخالفین کو سوراخ سو سمار بھی آڑ کے لئے نہ ملے۔ ہم یہ بھی ثابت کئے دیتے ہیں کہ اس مخالف جماعت کی غرض اس مخالفت سے اقامت دین و شریعت نہ تھی۔ بلکہ ان کا طرز عمل نفسانیت، انایت اور خود غرضانہ مقاصد پر مبنی تھا۔ جن میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ حکومت ہمیں ملے۔ علی تک نہ جاوے۔ یہ ایک ایسی سلسلہ وار سازش تھی جس کی ایک کڑی نمایاں ہے۔ یہ ایسا جال تھا جس کی ایک ایک کڑی جہاں ہے۔ ان تمام کڑیوں کو۔ ان تمام کڑیوں کو ہم نہایت تفصیل کے ساتھ البلاغ المبین میں ایک ایک کر کے گنوا چکے ہیں۔ یہاں صرف ان کی طرف اشارہ ہی کرتے ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کہانت کا عام رواج اور نہایت زور تھا۔ اور اس اصول خداوندی کے بموجب کہ شیاطین بھی اپنے دوستوں کو الہام کرتے ہیں۔ ان کی پیشین گوئیاں سچی بھی اترتی تھیں۔ صحیح بخاری تک میں اس کا ذکر ہے۔ تاریخ کی کوئی سی کتاب دیکھ لو۔ مسعودی کی

مروج الذہب، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن اثیر کی تاریخ الکامل، ہر ایک سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ کابھیوں کی پیشین گوئیوں اور اور واقعات کی اُفتاد و روش نے بہت جلد لوگوں کو یقین دلا دیا کہ تمام عرب میں بلکہ ایران و روم میں اسلام کی حکومت عنقریب ہونے والی ہے کوئی دماغ اس خیال سے خالی نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد کون اس سلطنت کی والی و وارث ہوگا۔ جناب رسول خدا کے افعال و اقوال صریحاً بتا رہے تھے کہ آپ نے اس غرض کے لئے حضرت علیؑ کو منتخب کر لیا ہے۔ لیکن یہ بات اس مخالف جماعت کے سرداروں کو پسند نہ تھی۔ اور کئی امیر اور واقعات ایسے تھے جنہوں نے اُن کی ہمت بڑھا دی اور انہیں خیال ہو گیا کہ شاید ہم کامیاب ہو جائیں۔ اُن تمام امور کا ذکر ہم نے تفصیل کے ساتھ البلاغ المبین میں کیا ہے۔ اُن میں سے پہلی امور بہت نمایاں تھے۔ ایک تو حضرت علیؑ علیہ السلام کی اسلامی خدمات اور اُن کے جہاد۔ دوسرے حضرت علیؑ کی رفعت فطرت۔ تیسرے قبائلی حسد۔ کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا کہ جس کے نامی سرداروں اور پہلوانوں نے اپنے جہاد میں حضرت علیؑ نے نہ مارا ہو۔ وہ لوگ جو دل سے منافق تھے اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ محض حضرت علیؑ کی تلوار تھی جس نے ہمیں یہ دن دکھایا اور ہمارے آبائی خُداؤں کو ہمارے گھروں سے نکالا۔ جب ہی تو جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ منافق کی شناخت یہ ہے کہ اُس کے دل میں بغض علیؑ ہوگا حضرت علیؑ کی صاف طبیعت سازش کی تجویزوں کو معیوب سمجھتی تھی۔ لہذا جو خفیہ سازشیں کر سکتے تھے اور کرتے تھے انہیں جہاں تک دُنیاوی اسباب کے تعلق سے لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف کرنے میں آسانی تھی۔ پھر قبائلی حسد بھی ایک عنصر موثر تھا۔ یہ تو وہ جانتے تھے کہ حضرت علیؑ انصافانہ و عادلانہ طبیعت سے انہیں کسی خاص فائدے کی اُمید نہیں اور حضرت علیؑ بھی اُن کو جھوٹے وعدوں اور بیت المال کے روپیہ سے خوش نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا

ان قبائل کی خوشی اس ہی میں تھی کہ حکومت علی کی طرف نہ جائے۔ لیکن یہاں ایک تہنیتیہ ضروری ہے۔ اگرچہ یہ اور دیگر امور جماعت مخالفین کے مفید معاون ضرور ہوئے۔ لیکن بذات خود یہ اس قابل نہ تھے کہ علی کو خلافت سے محروم کر دیتے اور کچھ عرصہ کے طرز عمل سے یہ لوگ ان کی حکومت سے مانوس ہو جاتے۔ قبائلی رشک و حسد تو ہر قبیلہ کے ساتھ تھا۔ آخر کار یہ لوگ بنو تیم اور بنو عدی کی حکومت پر راضی ہو ہی گئے۔ اور حضرت علی کا منصفانہ رویہ تو بہت جلد ان کے دلوں سے کہ ورت نکال دیتا۔ اگر جماعت مخالفین کی منظم سازش نہ ہوتی تو محض یہ امور حضرت علی کو خلافت سے محروم نہ کرتے۔ اس منظم سازش نے تو ان کی دلی عداوتوں کو کمزور نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس آگ کو بھڑکانی ہی رہی اور پھر ان تمام عناصر کو نہایت عقلمندی کے ساتھ حضرت عمر نے اپنا آلہ کار بنا لیا۔

غرض کہ جماعت مخالفین کی ہمت بڑھانے والے عناصر موجود ہی تھے۔ انہوں نے اپنی کوششیں ابتدا ہی سے شروع کر دیں۔ زمانہ حیات رسول میں تو اتنا ہی کر سکتے تھے کہ اپنی ہتھیال جماعت کو چیکے چکے بڑھاتے رہیں۔ اور جب جناب رسول خدا حضرت علی کے ساتھ منتظر حکومت والا سلوک کریں اسی وقت ٹوک دیں۔ نکتہ چینی کریں اور لوگوں میں نہایت مبالغہ سے بیان کریں کہ قبائلی رشک و حسد کے جذبہ کو بڑھائیں۔ چنانچہ وہ ایسا کرتے رہے ہم ان کی نکتہ چینیوں کا ذکر اوپر کر چکے ہیں۔ اگر ابھی کچھ شک باقی رہ گیا تھا کہ یہ نکتہ چینیوں ذاتی اغراض کے لئے تھیں یا نہیں تو تجمیر جیش اُسامہ اور قضیہ قرطاس کے واقعات نے تو صاف ہی ظاہر کر دیا کہ یہ لوگ کچھ کر رہے تھے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے کر رہے تھے۔

جیش اُسامہ کے روکے رکھنے کا یہ بہانہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں آنحضرتؐ کی محبت موجزن تھی، نہیں چاہتے تھے کہ اس حالت میں

آنحضرتؐ کو چھوڑ جائیں۔ بہت خوب۔ آؤ دیکھیں اس محبت کا مظاہرہ کہاں کہاں اور کس کس طرح ہوا۔ جیش اُسامہ کے ساتھ جانے کے لئے تو محبت مانع ہو گئی اگر محبت تھی تو آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ حضرت ابو بکرؓ تو محلہ سخ میں اپنی نئی بیوی کے پاس چلے گئے۔ اور ان کی غیر حاضری میں آنحضرتؐ کا انتقال ہوا۔ پھر جب تشریف لائے تو آنحضرتؐ سے محبت کرنے والوں اور ان کے لئے رونے والوں کو عابرانِ محمداً کہہ کر لوگوں کے خیال کو اُدھر جانے سے روکا۔ عشق رسولؐ تھا تو آئے۔ میت کے پاس بیٹھتے اور ان کی رحلت کا سوچ کرتے جس طرح حضرت علیؓ و بنو ہاشمؓ کہہ رہے تھے۔ بجائے اس کے یہ تو سقیفہ نبی ساعدہ میں حکومت حاصل کرتے چلے گئے اور وہاں اس طرح بحث کی کہ گو یا بقول شبلی کچھ واقعہ ہی نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے بستر مرگ پر کیسا محبت آمیز فقرہ کہا تھا کہ ان الرجل لیہجد یہ آدمی تو ہذیان بک رہا ہے سبحان اللہ کیسا محبت سے لبریز فقرہ ہے۔ اس کے ایک ایک حرف سے محبت بلکہ عشق ٹپکتا ہے۔ جناب رسولؐ خدانے بھی اس محبت سے لبریز فقرے کا جواب کیسا محبت آمیز الفاظ میں دیا ہے کہ دُور ہو یہاں سے۔ قوموا عنی کیا کہنے۔ خوب محبت کی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ تھی وہ محبت جس کی وجہ سے جیش اُسامہ کو روکے رکھا۔

قضیۃ قرطاس والے معاملے کو لو۔ ایسی جلدی اور اس بے صبری سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ اگر کچھ شک تھا تو خاموش رہتے۔ قلم دوات لے آتے۔ جناب رسولؐ خدایا لکھوانے لگتے۔ ہذیان کی تحریر کہیں چھپی رہتی ہے۔ وہ خود بتا دیتی کہ میں ہذیان کا نتیجہ ہوں۔ بے لگاؤ ہوتی۔ بے ربط ہوتی۔ کبھی آسمان کی گفتگو ہوتی۔ کبھی زمین کی۔ ہذیان خود ظاہر ہو جاتا اور ان کی زبان اس بے ادبی سے بچ جاتی۔ لیکن صبر کیونکر کر سکتے تھے۔ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کیا لکھوائیں گے۔ یہ فقرہ کہ اس وثیقہ سے تم عمر بھر

گمراہ نہ ہو گے کانوں کو کھٹک رہا تھا۔ جانتے تھے کہ پہچانی ہوئی آواز ہے۔ غدیر خم پر بھی یہی فقرہ کہا تھا۔ مسرعت کی ضرورت ہوئی۔ بے صبری کی ضرورت ہوئی۔ بے قراری کی ضرورت ہوئی۔ جلدی سے روکنا چاہیے۔ اگر کسی نے قلم و دوات لا کر دے دی اور آپ نے وصیت لکھانی شروع کر دی تو ہمارے عمر بھر کی محنت رائیگاں جائے گی۔ جلدی میں کچھ اور بات تو بن نہ سکی۔ یہ بھونڈا فقرہ ہی کتنا پڑا تاکہ غل غباڑہ ہو کر وہ بات تو روک جائے۔

ایک اور فقرہ فرمایا تھا۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ يَهْدِيْهُ فِقْرَهُ هُوَ جو خوارج کے بھی اصول کے مطابق تھا۔ وہ بھی الحکم اللہ اور حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہا کرتے تھے۔ علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ ابلیس کی سرکشی کی پیروی ہی میں مذہب خوارج نکلا ہے کیونکہ خوارج کے اس فقرہ میں کہ لِحْكَمِ اللّٰهِ وَلَا يَحْكُمُ الرَّجَالُ اور ابلیس کے اس فقرہ میں لَا اسْبَاحَ اِلَّا لِلّٰهِ کچھ فرق نہیں ہے ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ یہ فقرہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ علامہ شہرستانی کچھ یاد کر کے رک گئے۔ خوارج کا ایک ہی فقرہ نقل کیا ہے۔ لِحْكَمِ اللّٰهِ اُنْ كَاوَسْرَا فِقْرَهُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ بھی نہ لکھا۔ بہر صورت وہ لکھیں یا نہ لکھیں۔ دونوں ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ اور یہ تینوں فقرے ایک ہی نوعیت کے دلی مقصد کو چھپانے کے لئے کہے گئے تھے۔ ابلیس تو اپنے تکبر کی وجہ سے آدم کو سجدہ نہیں کرنا چاہتا تھا لہذا اس پر وہ میں اپنا تکبر چھپایا۔ خوارج حضرت علی سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے اور ان کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہذا یہ بہانہ ڈھونڈا۔ حضرت عمرؓ پر وصیت خلافت بحق علی کو ناپسند کرتے تھے۔ اپنے اس دلی حالت اور اپنے اس مقصد کو چھپانے کے لئے یہ فقرہ کہا۔ کون کہتا ہے کہ کتاب اللہ کافی نہیں۔ لیکن دل سے تو کہو۔ کتاب اللہ میں سے ہر مشکل مسئلہ کے حل کے لئے معافی نکالنے کی اہلیت تو پیداکر دو۔ واقعی کتاب اللہ کافی ہے لیکن سقیہ نہ بنی ساعدہ

کے بھی

والے دن اتنی لمبی جوڑی بختیں ہوئیں اُس وقت کیوں نہ کتاب اللہ یاد آئی  
اُس کا ذکر تک بھی نہیں۔ آنحضرتؐ کی تحریر وصیتِ خلافت کے وقت تو حَسْبُنَا  
كِتَابُ اللّٰهِ ہو گیا۔ جب حضرت ابو بکر پہوش ہو ہو کر وصیتِ خلافت حضرت  
عمر کے حق میں لکھوا رہے تھے تو انہیں یہ کہہ کر کیوں نہ روکا گیا کہ بھائی جان  
رہنے دو۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ حضرت ابو بکر تو وصیت لکھواتے وقت پہوش  
ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان ہی حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ اگر اس وقت حضرت  
عمر ان الرجل لیہجر کہتے تو مناسب بھی تھا۔ لیکن وہ تو اپنے مقصد کے مطابق  
تھا۔ اس وقت یہ کیوں کہتے۔ شوریٰ والے دن حضرت عمر نے ہر ایک  
قسم کی ہدایت دی اور یہ بھی فرمایا کہ تم سب اُدھر ہونا جدھر عبد الرحمن  
ابن عوف ہوں۔ یہ نہ فرمایا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا اور اُدھر ہونا  
جدھر کتاب اللہ ہو۔ جناب فاطمہ نے اپنی وراثت کا دعویٰ کیا اور کتاب اللہ  
کو بیچ میں ڈالا۔ لیکن حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والوں نے اُس دن کتاب اللہ  
کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نتیجہ نکلا کہ کتاب اللہ کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے  
اپنا مقصد ہے۔ مسلمانوں ذرا غور تو کرو۔ آنحضرتؐ تو فرما رہے ہیں۔ کہ لاؤ  
میں ایک وثیقہ تحریر کر دوں تا کہ تم قیامت تک گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر  
کہتے ہیں کہ نہیں۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ کیا رسول خدا جو لکھواتے وہ کتاب اللہ  
کے مخالف ہوتا۔ اور موقعوں پر جو جناب رسالتناہ ہدایت آمیز احکام دیا  
کرتے تھے کیا اس وقت بھی آنحضرتؐ کا منہ یہ کہہ کر بند کر دیا جاتا تھا۔ کہ  
آپ کچھ نہ بولیں۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ اس خاص موقع پر کیا بات تھی جو  
آنحضرتؐ کا منہ بند کر دیا گیا ؟

بدیہی نتیجہ نکلا کہ یہ دونوں اختلافات کسی اجتہاد میں حالت میں یا بغرض  
اقامت دین و شرع نہیں پیدا کئے گئے تھے بلکہ اپنے خود غرضانہ مقاصد کی تکمیل  
میں ان اختلافات کو عمداً پیدا کیا گیا ۔

بات میں بات نکلتی چلی آتی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ میں نے آنحضرتؐ کو اس وجہ سے تحریر وصیت خلافت سے منع کیا تھا کہ لوگ علی کی حکومت کو پسند نہ کرتے۔ اور اگر وہ خلیفہ ہو جاتے تو ان کے اوپر چاروں طرف سے یورش ہوتی۔ پیروان عمر سردھنتے ہیں کہ دیکھو تو یہ حضرت عمر کی دور بینی بھی بمنزلہ پیشین گوئی کے تھی۔ جب علی کو خلافت ملی تو ایسا ہی ہوا۔ جن لوگوں کو مطالعہ تاریخ کی صلاحیت نہیں یا جو عملاً واقعات کو ان کی اپنی اصلی حالت میں دیکھنا نہیں چاہتے وہ تو غالباً حضرت عمر کے ہم زبان ہو جائینگے ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ایک بہانہ ہی تھا مثل دیگر بہانوں کے۔ غور کیجئے ابھی سقیفہ نبی ساعدہ میں کیا کہہ چکے ہیں۔ وہاں چونکہ انصاری سے خلافت یعنی مقصد و نھی وہاں تو یہ فرمایا کہ عرب اس بات کو پسند نہ کریں گے کہ محمدؐ کی حکومت ان لوگوں میں جائے جو محمدؐ کے خاندان سے نہیں ہیں اور ان پر وہ حکومت کریں جو محمدؐ کے قبیلہ سے نہیں ہیں۔ وہ اپنے وقت کی بات تھی ختم ہو گئی۔ اب فرماتے ہیں کہ عرب اس بات کو پسند نہ کرتے کہ محمدؐ کے خاندان کا آدمی ان پر حکومت کرے۔ علی سے نزدیک ترین اور کون تھا۔ جن لوگوں کے پاس حق نہیں ہوتا وہ اسی طرح متضاد باتیں کہا کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب چوتھے درجہ پر حضرت علی خلیفہ ہوئے تو اس جماعت نے جس کو حضرات شیخین کی کوششوں نے پیدا کر کے منظم کیا تھا حضرت علی کی حکومت کو پسند نہ کیا۔ لیکن اگر حضرات شیخین اس جماعت کو پیدا ہی نہ کرتے اور حضرت علی کو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی خلافت کا موقعہ دیدیتے تو وہ مخالف جماعت ہی نہ ہوتی۔ مخالفت کون کرتا۔ یہ تو مسلسل بچپن سال کی محرومی، گوشہ نشینی یا توہین و تذلیل اہلبیت نے لوگوں کو حضرت علی پر دلیر کر دیا تھا۔ اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ خلافت حضرت علی کا حق نہیں ہے بلکہ یہ ایک عطیہ ہے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ کتنا فرق ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ کی

حضرات شیخین نہ ہوتے تو خلافت خاندان رسالت میں جاتی

رحلت پر تو لوگ سمجھتے رہے کہ خلافتِ علی کے سوا کسی اور کا حق ہی نہیں اور اب سمجھنے لگے تھے کہ خلافتِ علی کی طرف جانا ایک تعجب انگیز امر ہے۔ حضرت علی کے زمانہ میں کن لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ طلحہ و زبیر نے جنگِ جمل اور معاویہ نے جنگِ صفین پیدا کی۔ غور تو کیجئے یہ تینوں حضرات جنابِ عمر کی کوششوں کا براہِ راست نتیجہ ہیں۔ اور ان کے ہی زمانہ کی پیدائش ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ اور شوریٰ کی کارروائیوں نے ہر ایک کے دل میں خلافت کی اُمید پیدا کر دی تھی۔ جب افضلیت اور قرابتِ رسولؐ اور اعلیٰ علمیت ہی معیار نہ رہی تو ہر ایک شخص جس کی زبان دراز اور تھیلی وسیع تھی اپنے تئیں خلافت کا اُمیدوار سمجھنے لگا۔ طلحہ و زبیر ان ہی اُمیدواروں میں سے تھے۔ اور حضرت معاویہ تو جنابِ عمر کی ساری عمر کی کمائی تھے۔ ان سے تو ان کی بڑھی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اگر سقیفہ بنی ساعدہ کی حکومت نہ ہوتی اور اس وقت علی خلیفہ ہو جاتے تو تاریخِ اسلامی کا سارا رخ ہی بدلتا۔ کون معاویہ کو شام کی جاگیر عطا کرتا تھا کہ شام میں اپنی طاقت مستقل کر کے خلیفہ وقت کا مقابلہ کریں۔ کون بنو اُمیہ کو سر پر چڑھا کر بادشاہان بنی امیہ کی بنیاد ڈالتا۔ نہ معاویہ ہوتے نہ یزید ہوتا۔ جب یہ نہ ہوتے تو بنو عباس کہاں سے پیدا ہوتے۔

جناب امیر بھی جانتے تھے کہ اگر حضرت عمر نہ ہوتے یا ان کی مخالفت کوششیں نہ ہوتیں تو پھر خلافت میں کوئی آپ سے تنازعہ نہ کرتا اور خلافت شروع ہی سے آپ کو مل جاتی۔ مجلسِ شوریٰ میں عثمان کی بیعت ہونے کے بعد جب جناب امیر اپنے بیت الشرف کی طرف تشریف لائے تو عبد اللہ بن عمر بن الخطاب نے آپ سے کچھ باتیں کیں جن سے آپ کو غصہ آیا۔ اور آپ نے اُس کو مخاطب کر کے کہا: اسکت و یجاک فواللہ لواد ابوک و ما سرکب منی قد یما و حدیثاً ما ناعنی ابن عفان و لا ابن



عوف فقہام عبد اللہ فخرج ۳۳۷ یعنی خاموش رہا، وائے ہو مجھ پر۔ اگر تیرا باپ نہ ہوتا اور مجھ سے شروع سے اب تک وہ عداوت کی باتیں نہ کرتا جو اس نے کیں تو مجھ سے امر خلافت میں کوئی تنازعہ نہ کرتا۔ نہ عثمان ابن عفان اور نہ عبد الرحمن بن عوف۔ یہ سن کر عجب اللہ اٹھے اور چلے گئے۔

## باب پنجم

### امامت کو حکومتِ ملکی میں بطرز حکومتِ یونانیہ تبدیل کرنا

اسلام میں امامت اور حکومتِ ملکی ہمیشہ سے باعث تنازعہ رہی ہیں۔ اس تنازعہ نے مسلمانوں کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا۔ ایک جماعت تو امامت بالنص کی قائل ہے۔ یعنی اُن کا اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کا امام اور حاکم خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ اور خدا کا نبی اُس کا اعلان لوگوں میں کرتا ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ جناب رسول خدا نے حکم خداوندی حضرت علی کو اپنا جانشین اور نائب بلا فصل مقرر کر دیا تھا۔ دوسری وہ جماعت ہے جس نے سقیفہ کے اجلاس میں اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ رسول خدا کے لئے اُن کا جانشین ہونا ہمارا کام ہے۔ یہ بات ہمارے اختیار کی ہے۔ اس کو جماعت اختیار کہہ سکتے ہیں اس تنازعہ سے اسلام کے فقہ و فلسفہ پر بہت اثر پڑا۔ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ فقط یہ ہی ایک تنازعہ کل اختلاف و ترمیم و تسبیح فقہ اسلام کا باعث ہوا۔ کیونکہ اس تنازعہ کو پیدا کر کے جو جماعت برسر اقتدار

اس تبدیلی کی غرض و غایت

آئی اُس نے اپنی حکومت کے استحکام اور استتباب کے لئے چند نظریات قائم کیے اور پھر فقہ اسلام کو ترقی دینے کے لئے اپنے نظریات کے مطابق کرنا چاہا۔ اور امامت کو حکومت پر تالیف میں تبدیل کر دیا۔ اس تبدیلی کے لئے وہ تمام نظریات جن پر امامت مبنی تھے بدلے پڑے اور ان کے بدلنے کے ساتھ اسلام بدل گیا۔

یہ لوگ اپنے اقتدار کو امامت کے نظریات کے مطابق قائم نہیں رکھ سکے۔ خدا و ہر تعالیٰ نے اقتدار کی بناء تقویٰ پر رکھی تھی۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتَّقَاكَ اور سقیفہ کی بحثوں میں جہاں انہوں نے اپنے زعم میں اقتدار کا فیصلہ کر لیا تھا قرآن کا ذکر آیا اور نہ سنتِ رسول کا۔ لہذا ان کو وہ فلسفہ اقتدار تلاش کرنا پڑا جس میں نہ تو تقویٰ کا ذکر ہو اور نہ خدا کا۔ ان کو یہ بہت آسانی سے حکومت لینا مل گیا۔ ان دونوں میں اقتدار تو قدر مشترک تھا۔ فرق ان کے مقصد میں تھا۔ جس کی وجہ سے اقتدار کے حصول اور طریقہ استعمال میں اور نیز صاحبان اقتدار کی صفات ڈرامہ میں بھی فرق ہو گیا۔ اراکین خلافت کو اپنا اقتدار و حکومت قائم رکھنے کے لئے ان تمام نظریات و تصورات کو بدلنا پڑا جن میں یہ فرق تھا یعنی اسلامی اصول و نظریات کو یونانی فلسفہء حکومت اور نظریات میں بدل دیا۔

اب یہاں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ اقتدار کی متلاشی جماعت کون تھی، کیوں اور کیونکر پیدا ہو گئی۔ اس کی کوششیں کس کے خلاف تھیں۔ دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ کونسی دو پارٹیاں تھیں جن میں یہ کشمکش پیدا ہو گئی کیوں نہ اسلام وہ ہی واحد و متحد دین رہا جو جناب رسول خدا نے جاری فرمایا تھا تاکہ اسلامی نظریات کے مطابق امامت قائم ہو جاتی۔ اور اسلام تفریق اور مسلمان خون خرابے سے بچ جائے۔ کونسی جماعت اپنے دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئی اور کن نتائج سے۔ اور کونسی جماعت اپنے مقاصد اخروی میں کامیاب ہوئی۔ ان سوالات کے جوابات اور حل اشکال اس کتاب میں دئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا عنوان یہی ہے مضمون ہے جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اس باب میں ان کی تدابیر

ن سے صرف ایک تدریس کا بیان کیا گیا ہے۔ یونانی حکومت کے نظر پر یہ ثابت کیا ہے،  
 اسلامی نظریات سے وہ کیوں اور کہاں مختلف تھے۔ ان نظریات پر یونانیہ سے مسلمانوں کی  
 تلاش حکومت جماعت کو کس طرح مدد ملی۔ عربوں کی فطرت کے وہ کونسے نمایاں عناصر  
 تھے جن کی وجہ سے عربوں نے یونانی تجربات کو ایسی آسانی سے قبول کر لیا وغیرہ وغیرہ  
 ان سوالات کے جوابات اس باب میں دئے گئے ہیں۔

جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنی اصول۔ اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ  
 وَرَخَايَ تَاكِيْرِيْ حُكْم۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنزِلَ اِلَيْكَ الْاٰیةِ پْرِ عَمَلِ كْرِ كِ  
 حضرت علی کو اپنا جانشین اور قائم مقام مقرر کر دیا یہ بات ان لوگوں کو پسند نہ آئی جن کے  
 بزرگوں اور رشتہ داروں کا خون ابھی علی کی تلوار سے ٹپک رہا تھا۔ قبائلی عصبیت  
 اور حسد نے جو عربوں کے پورا نے ساتھی تھے اور ان کی فطرت نے جو علی کی اعلیٰ  
 صفات اور ان کے عدل و مساوات کامل کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی اس جلتی ہوئی  
 آگ پر اور تیل بلکہ پٹرول ڈال دیا۔ اس موقع سے ان لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا  
 جن کی دور بین نظریں جنگِ بدر کے بعد ہی سے۔ اگر اُس سے قبل نہیں۔ ایک اسلامی  
 حکومت کو بنتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ کس طرح ان لوگوں نے اپنے مباح عناصر سے  
 سازش کر کے ایک مضبوط جماعت بنالی جو جناب رسول خدا کے مقرر کردہ نظام  
 کو منقلب کرنے میں کامیاب ہو گئی، ہم اس کتاب میں اور اپنی سابقہ تصانیف میں  
 بیان کر چکے ہیں جن میں ہم نے یہ بھی بہت تفصیل سے اور اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ  
 جناب رسول خدا نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر کر کے اس کا اعلان کئی دفعہ  
 کیا۔ خصوصاً غدیر خم کے موقع پر۔ یہ نظام تھا جس کو منقلب کرنے کے لئے یہ  
 جماعت متلاشی اقتدار اٹھی تھی۔ ان امور کے لئے دیکھو ہماری تین ضخیم کتابیں۔  
 البلاغ المبین حصہ اول، حصہ دوم اور یہ ہی کتاب التقرین والتحریق  
 فی الاسلام ان وجوہات کی بناء پر اور ان تدریس سے جو اس جماعت نے استعمال کیں  
 اور جن کا ذکر ہم اس کتاب میں کر چکے ہیں ان کو اقتدار تو حاصل ہو گیا۔ لیکن اُس کا

استقلال اور استحکام اُس کے حصول سے زیادہ مشکل تھا۔ اس کے لئے انہوں نے چاروں طرف نظر ڈالی یونانی نظریہ و فلسفہ حکومت کے علاوہ انہیں کہیں اور جاہ پناہ ملی۔ انہوں نے نتیجہ نکالا اور صحیح نتیجہ نکالا کہ اگر انہوں نے اپنے اقتدار اور اپنے جاری نظام کا نام امامت رکھا تو مشکلات پیش آئیں گی۔ اُس کے لئے قرآن و اقوال رسول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور وہاں جو کچھ ملیگا وہ ہمارے خلاف ہوگا۔ لہذا عربوں کی فطرت سے جس پر پہلے ہی سے یونانی اثرات پڑ چکے تھے انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔

عرب، ہندوستان، ایران، یونان اور مصر کی تہذیبات سے اچھی طرح واقف تھے اور ان سے بہت کچھ اثر لے چکے تھے۔ ان سب میں صنم پرستی رکن مشترک تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ عرب ایک ایسا قطعہ زمین تھا جو دنیا کی تہذیب و رفتار سے دور ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا جس کے ریگستان اور بیابان طاقتور اقوام کے حملوں سے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عرب میں دنیا کی تہذیبیں آن کر مل گئی تھیں۔ زمانہ قدیم میں عرب ایک ایسا مرکز تھا جو ہر کارروان تجارت کا گورگاہ تھا۔ اور اُس زمانہ میں یہ تجارتی کارروان ہی تصورات و تہذیبات کو اپنے ساتھ لے کر چلا کرتے تھے۔ ایک مصری مسلمان مورخ لکھتا ہے:- ان العرب کا نوا علی اتصال عن حولہم ما دیا و دینا

یعنی اہل عرب کی مادی تہذیب اور ان کا مذہب اپنے ارد گرد کے ممالک کی تہذیب و مذہب کے موافق تھے۔ حیرہ کی ذریعہ سے ایرانی اور عسکان کی طرف سے مسیحیت و یہودیت اور شام و روم کی روایات اور فلسفے آئے۔ ہم کتاب فلسفہ اسلام کے حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں کہ نصرانیت و یہودیت عرب میں داخل ہونے سے پہلے یونانیت اور اُس کے بے دینی فلسفہ سے متاثر ہو کر مسخ ہو چکے تھے۔ نصرانیت کے دو بڑے فرقے (۱) نساطرہ (NESTORIANS) اور (۲) یعقوبیہ (JACOBITES) عرب میں داخل ہوئے، نساطرہ حیرہ میں اور یعقوبیہ عسکان و شام میں پھیلے ہوئے تھے۔

۳۵ احمدیہ :- فخر اسلام ص ۱۲، ۱۶

۳۵ فلسفہ اسلام حصہ اول ص ۲۳۶ تا ۲۶۹

عرب پروردگار سے ممالک کی تہذیب تمدن کا اثر

یہ نسا طرہ ہی یونان و عرب کے درمیان واسطہ تھے۔ نصرانیت اور یہودیت اگرچہ مشرق میں پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن ان دونوں نے یونانی شاہان روم کے ظلِ عاطفت میں پرورش پائی تھی اور پھر فریقہ شمالی کے شہر اسکندریہ میں ان کا اور فلسفہ و تہذیب یونان کا امتزاج بہت اچھی طرح ہو گیا۔

ان کے علاوہ تجارت بھی ایک ذریعہ اتصال تھا۔ عربوں کی تجارت شام و ایران کے علاوہ ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ تجارتی کاروان ان ممالک کی اشیاء کے علاوہ وہاں کی مادی اور دینی تہذیب اور روایات بھی لے کر آتے تھے۔ ان تینوں عناصر نے یعنی تجارت، سرحدی ممالک خیرہ و غسان اور یہودیت و نصرانیت نے عرب کو تمام دنیا سے ملا دیا تھا۔ ہند و شام و افریقہ کے تجارتی کاروان عرب سے ہو کر جاتے تھے۔ عرب جو دیگر ممالک اور اقوام عالم کے حملوں سے بچا رہا یہ ان ممالک و اقوام کی بے توجہی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ ان سب کی توجہ عرب کی طرف اتنی زیادہ تھی کہ وہ کسی ایک قوم یا ملک کو اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ عرب کو فتح کریں۔ خیرہ کی طرف سے ایران و حمیر کی روایات و تہذیب، شام کی طرف سے روم و یونان و بنی اسرائیل کی روایات تہذیب و تصورات اور بحرین کی طرف سے سندھ و ہند کی روایات و ثقافت اور تہذیب آئین۔ اور یمن سے جو تجارت کا مرکز تھا تمام تہذیب دنیا کی ثقافتیں آئیں اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ عرب تمام دنیا کا مرکز تھا۔ اور اس ہی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اس کو اپنی آخری رسالت کا مرکز اور دارالقرار مقرر فرمایا تھا تاکہ وہاں اسلام دنیا کی ہر ایک تہذیب اور ہر تہذیب کا مقابلہ کرے۔ اور اہل عرب کی شکست تمام دنیا کے مذاہب و فلسفیوں کی شکست تھی۔ ہم فلسفہ اسلام کے پہلے حصہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ دنیا کی آبادی وسط ایشیا سے نہیں بلکہ عرب سے شروع ہوئی ہے اور وہیں سے مختلف قبائل نکل کر اطراف عالم میں پھیلے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ان اثرات سے بہت پہلے، غالباً تاریخ کے ابتدائی

تجارت بھی ایک ذریعہ تھا

عرب تمام دنیا کے مذاہب و تہذیب کا مرکز

نور میں، مصر قدیم، اور سیرانی قدیم نے عرب کے کچھ حصے فتح کر کے اپنے اثرات وہاں پھیلا دیئے تھے۔ شاہنشاہ م میں سارغون، شاہ اسپریا نے شمالی عرب کے قبائل کو فتح کر دیا تھا۔ اُن قبائل میں سے ایک قبیلہ غالباً اُثمیر کا بھی تھا جن کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے۔ سارغون کا ذکر فلسفہ اسلام کے حصہ اول ص ۸۴ پر ہے۔ تقریباً ۶۹۹ ق م میں اسپریا کے بادشاہ سناخرب نے اور شاہنشاہ م میں اُس کے بیٹے ایسرحدون نے عرب قبائل پر حملہ کر کے اُن کو زیر کیا۔ ان دونوں بادشاہوں کا حال ہماری کتاب فلسفہ اسلام حصہ اول کے ص ۹۰ پر دیکھو۔ ۶۲۵ ق م اور ۶۳۵ ق م کے درمیان ایشوریا کے بادشاہ اشربانی پال نے پھر عرب قبائل کے غدار کو سختی کے ساتھ دبا یا۔ اس بادشاہ کا حال کتاب فلسفہ اسلام حصہ اول کے ص ۹۰ پر دیکھو۔ ۵۳۹-۵۴۰ ق م میں ایران کے بادشاہ کریش اعظم (CYRUS THE GREAT) نے عربوں پر کامیاب حملہ کیا۔ گویا عرب میں عقاد، سمیر، بابل، اشوری اور مصر قدیم کی تہذیبیں یونان کی مقابلہ جدید تہذیب کے ساتھ آن کر رہ گئیں اور اس طرح عرب میں دنیائے قدیم و جدید کا اتصال ہو گیا۔ اس نتیجہ اور متفقہ تہذیب و دین و ثقافت کے خلاف اسلام کو جدوجہد کرنی پڑی ۔

اس صورتِ حالات نے اُن لوگوں کے لئے جو امامت اسلامیہ کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنا چاہتے تھے کتنی آسانی پیدا کر دی۔ اس آسانی کو دیگر بہت سے اموی نے آسان تر بنا دیا۔ اُن میں سے ایک عربوں کی فطرت ہے جس نے آنحضرت کے وقت تک ایک معین صورت اختیار کر لی تھی۔

ان بیرونی اثرات میں جن کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے۔ بابل کا سحر اور وہاں کی کہانت، اشوریوں کی عادتِ ظلم اور خود غرضی صریح، عیلام و عقاد کی سازشی و مکارانہ فطرت زیادہ قابل ذکر ہیں جنہوں نے عرب کی عادت و فطرت پر اپنا رنگ جما دیا۔ اولاد کو زندہ دفن کرنے کی ظالمانہ رسم عربوں نے ان ہی اقوام سے لی تھی۔ عربوں کی اپنی خصوصیات کا ذکر Mr. DE LACY O' LEARY نے اپنی کتاب

اسیریا، بابل، مصر قدیم کے اثرات عرب پر

سحر بابل و کہانت



علامہ احمد امین نے عرب کی عصبیت پر بڑا زور دیا ہے۔ اور اس ہی کو انہوں نے بعد اسلام کے تفرقوں اور لڑائیوں کا باعث قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب مختلف قبائل میں منقسم تھے جن کی رشتہ داری و انساب کی صحت پر ان کو پورا یقین تھا۔ اور ان ہی قبائل کی بناء پر انہوں نے اپنی عصبیت قائم کی تھی۔ اور یہ عصبیت کا باعث اور منفتح ہے ان تمام سوانح اور حوادث کی جو مسلمانوں کی تاریخ میں واقع ہوئے۔ خلفاء بنی امیہ نے ان کی اس عصبیت سے ایک کو دوسرے سے لڑا کر بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ صدر اول کی حکومت اسلامیہ میں بھی یہ عصبیت برابر جاری تھی۔ یہ جاہلیت ہی کے نمونہ کی عصبیت تھی جس میں ہجو و فخر و حمیت جاہلانہ شامل ہیں۔<sup>۳۹</sup> شعراء بنی امیہ میں بھی یہ عصبیت بہت زوروں پر تھی۔<sup>۴۰</sup> یہی قبائلی عصبیت شہروں کی آپس کی عصبیت اور رقابت میں تبدیل ہو گئی۔<sup>۴۱</sup> موالی اور عرب کی رقابت بھی اس ہی عصبیت پر مبنی تھی۔<sup>۴۲</sup>

عربوں نے اپنے قبیلہ اور اپنی جنسیت کی عصبیت کو کبھی نہیں چھوڑا۔ جس سے اسلام برباد ہو گیا۔ حالانکہ قرآن مقدس میں عصبیت کو جائز نہیں رکھتا۔ اُس کا ارشاد ہے: **رَبِّتَ الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْدَحُوا بَيْنَ أَيْحُوِيْكُمْ**۔ **إِنَّا كَرِهْنَا لَكَ** **عِيْدًا لِلَّذِي أَنْقَاكُم مِّنْ دُونِ مَا أَنْقَاكُم مِّنْ دُونِ مَا أَنْقَاكُم مِّنْ دُونِ مَا أَنْقَاكُم** **أَوْ قَاتَلَ عَصِيْبِيَّةً** یعنی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی طرف بکرایا یا عصبیت کے لئے یا اُس کی بناء پر قتال کیا۔ اس کلام پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے، عربوں نے جو خلافت صدر اول میں لڑائیاں کیں اور جس غرض کے لئے حکومت کی وہ محض عربی عصبیت کے لئے تھی۔ ان کا غرور، ان کے وہ قوانین جو مفتوحہ ممالک میں مفتوحہ اقوام کے لئے جاری کئے، جنگھائی موالیان اور انقلاب خراسان جس نے بنو امیہ کو مغلوب کر کے بنو عباس کی حکومت کی بناء ڈالی یہ سب اس عصبیت ہی کی طرف

<sup>۳۹</sup> فخر الاسلام ص ۸ • <sup>۴۰</sup> فخر الاسلام ص ۸۳ • <sup>۴۱</sup> فخر الاسلام ص ۸۰ •

<sup>۴۲</sup> فخر الاسلام ص ۱۸۱ • <sup>۴۳</sup> فخر الاسلام ص ۹۰ •



دلالت کرتی ہیں۔ کیا وہ قبیلہ کی عصیت نہ تھی جس نے ان سے کہلا یا کہ ہم بنو ہاشم میں نبوت و حکومت مجتمع نہ ہوتے دیں گے۔

اب اس جماعتِ متلاشیانِ حکومت کی آسانیاں بہت اچھی طرح سامنے آئیں۔ اس آسانیت سے مطلب صرف ذرائع کی موجودگی ہے۔ ان کا علم ہونا، اس علم سے ناناہٹا ہونا، اور اپنے ارد گرد کی اقام کا مطالعہ کر کے اس سے اپنے لئے ایک راستہ بنانا اور اس پر گامزن ہونا بہت وقت طلب تھا۔ یہ فقط ایک یومِ سقیفہ کی گفتگو کا نتیجہ نہ تھا بلکہ رسولِ خدا کے پیدا کردہ نظام کا مطالعہ کرنا، اس سے بیجا خزا کرنا، اپنی بیجا جماعت پیدا کرنا، اور آخر کار ان بنو ہاشم کو محروم کر دینا جن میں سے رسولِ خدا تھے جن کے ایک فرد یعنی علی کی ذوالفقار نے وہ ملک حاصل کر دیا تھا۔ جس سے اب علی کو باوجود رسولِ خدا کے ارشادات کے محروم کرنا چاہتے تھے یہ سب آسان کام نہ تھے۔ اور اس دماغ کے حیر العقول طاقت غور و فکر کی نادر دینی پڑتی ہے جس نے یہ سب کام کئے۔ مولانا شبلی الفاروق میں سچ کہتے ہیں کہ گھنٹیوں حضرت عمر خلافت پر غور و فکر کرتے رہتے تھے اور ایسے غوطہ میں چلے جاتے تھے کہ اپنے ماحول سے کچھ عرصہ کے لئے بے پرواہ نظر آنے لگتے تھے۔ کتاب البلاغ المبین اور کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام اس ہی غور و فکر کے سمجھنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ اور اس باب میں ان تباہیوں میں سے ایک تباہی کا ذکر کیا جائیگا۔

حضرت عمر کے خلافت پر غور و فکر کا مضمون کیا تھا۔ صرف جادوہ یہ تھا کہ ہم نے پہلا مشکل کام تو کر لیا ہے کہ خلافت کو بنو ہاشم میں سے نکال لیا۔ اب کیا تباہی اختیار کی جائیں گی۔ ہمارا یہ نظام مستقل ہو جائے ان تباہیوں میں سے ایک تباہی یہ تھی کہ امامت کے لئے لوگوں کے دلوں میں سے بانکل مچو کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک امامت کا شخیل باقی ہے علی سے بہتر کوئی امام نظر نہ آئیگا۔ اور آج نہیں تو کل لوگ ان کی طرف چلے جائیں گے۔ رسولِ خدا کی جانشینی اور امامت میں اقتدار لازمی تھا۔ علی کی اس بحث کا جواب نہیں دیا جاسکتا تھا کہ تم نے یہ اقتدار صرف رسولِ خدا کی قرابت کے بناء پر حاصل کیا۔ میں

بہت سے تباہیوں کا ذکر ہے۔ امامت کے خاتمہ کو ان تباہیوں سے سمجھ کرنا

ہر معنی میں تمہاری نسبت رسول سے قریب تر ہوں۔ رشتہ داری و مذہب دونوں کو دیکھ لو رسول خدا سے یہ قرابت محض امامت تھی۔ علی کی اس بحث کا اثر زائل کرنا ضروری تھا۔ اپنے سے پہلے اور اپنے زمانہ کی دنیا پر جو نظر ڈالی تو انہیں یونانی حکومت سے بہتر جاننا نہ ملی۔ حضرت ابو بکر کا زمانہ ۶۳۲ء تا ۶۳۴ء حضرت عمر کا زمانہ ۶۳۴ء تا ۶۴۴ء حضرت عثمان کا زمانہ ۶۴۴ء تا ۶۵۶ء اور حضرت علی کا زمانہ ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء تھا جناب محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سال پیدائش ۶۱۰ء اور سال رحلت ۶۳۲ء ہے۔ ابتدائی سنہ ہجری ۶۲۲ء سے ہے۔

جناب رسول خدا کی قائم کردہ امامت اور کارکنانِ خلافت صدرِ اول کی اختیار کردہ حکومت مملکی کے فرق کو سمجھنے اور ان دونوں کی حقیقتِ اصلی کو معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم حکومت کی ابتداء اور اس کے درجہ بدرجہ ارتقاء پر نظر ڈالیں تاکہ ان کے عیوب و ثواب سے آگاہی ہو اور ہم نتیجہ نکال سکیں کہ جناب رسول خدا نے ان سب سے علیحدہ امامت کا تخیل کیوں قائم کیا۔

جب حضرت آدم کی اولاد اقطاعِ عالم میں عروج و زور پھیلی تو وہ اپنے قدیم مستقر اور مسکن اور اپنے آباء و اجداد کی روایات و تخیلات کو بالکل بھول گئے۔ اور اپنی غیر منذب اور ناتراشیدہ فطرت کی پیروی میں از سر نو طرزِ رہائش اپنے لئے قائم کیا۔ چونکہ ان کی اکثریت تھی لہذا ان کے ہی طرزِ عمل کی تاریخ لکھی گئی جو ہم تک پہنچی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان نما جانوروں کی جماعت ڈلیوں میں تقسیم ہو گئی تو ایک آدمی کی سرداری و رہنمائی ضروری ہوئی جو ان میں کسی قسم کا ضبط رکھ سکے۔ انہوں نے اپنے میں سے طاقتور اور عقلمند شخص کو سرداری کے لئے چن لیا۔ یہ بادشاہت کی ابتداء تھی۔ وہ ایک شخص بہت بڑی جماعت میں ضبط نہیں قائم رکھ سکتا تھا لہذا جماعتیں الگ الگ ہو کر شہروں میں تقسیم ہوئیں۔ اور ایک شہر حکومت کی ایک اکائی ہو گیا۔ ہر شہر کی حکومت جدا ہوتی تھی اور صرف اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی اشیاء چھپا ہوتی تھیں۔ اس کے چاروں طرف دیوار یا فصیل بنا کر اس کو سب سے بے نیاز کر دیا گیا۔ چونکہ آبادی کم تھی سب آپس میں پیٹھ کر

اس کی بجائے یونانی فلسفہ و حکومت کی طرف لے جانا

امامت و حکومت مملکی میں فرق

حکومت کے ابتدائی مراحل بادشاہت

شہری حکومت

فیصلہ کر لیتے تھے کہ وہ امور جو پیش آئیں ان کے لئے کیا قواعد ہوں۔ یہ قانون کی ابتداء تھی ان قواعد کو جاری اور روان کرنے کے لئے ایک جماعت کارکنان قائم ہوئی جو محض ایک سال کے لئے رہتی تھی پھر اُس کے دیگر ممبران منتخب کر لئے جاتے تھے۔ یہ محض قریباً تریسہ سے ہوتا تھا اور ہر ایک شخص کو حکومت کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یہ ریپبلک کی ابتداء ہوئی۔ جب تک یہ انتظام اپنی صحیح روش پر چلا گیا اچھا رہا۔ لیکن انسان کی خود غرضی و ذاتی غور نے بہت جلد اس میں خرابیاں پیدا کر دیں۔ یونان کی یہ شہری حکومتیں خاص کر مشہور ہیں۔ لیکن وہ بھی کھل اور عدل محض نہ تھیں۔ کیونکہ عورتوں اور غلاموں کو نہ تو رائے دہندگی حق تھا اور نہ وہ حکومت میں حصہ لیتے تھے۔ لہذا ان کے حقوق وہ لوگ فیصلہ کرتے تھے جو ان میں سے نہ تھے بلکہ ان کے مخالف تھے۔ اور چونکہ ان فیصلہ کرنے والوں کی شہرت عدل محض اور غیر جانبداری سے جاری تھی لہذا ان کا ہونا یقینی تھا اور ہوا۔ عرب کی ہر قبیلہ کی علیحدہ شیخانی حکومت بھی تقریباً اسی طرح ایک علیحدہ اکائی تھی اور اس میں بھی یہی نقائص تھے۔ واللہم ارزقنی شمارة فی سبیلک جو محل قبری فی بلدک سورۃ البقرہ

یونان کی سرزمین ان علیحدہ شہری حکومتوں کے لئے بہت عزیز و ان تھی۔ اُس کے پہاڑوں کی وادوں اور سمندر کی خلیجوں نے ہر ایک شہر کو قدرتی طور پر دوسرے خلیجہ کر دیا تھا۔ لیکن انسانی خود غرضی نے ان کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ سپارٹا اور ایتھنز کی لڑائیاں اس خود غرضی کی اچھی مثالیں ہیں۔ پھر حالات کے تغیر و تبدل اور معاملات باہمی خصلت تجارت کی پیدا کیوں نے شہری حکومت کو اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا۔ حکومت کی کچھ ہی شکل ہو دراصل چند امراء کی حکومت ہو گئی۔

یونان کی حالت یہ تھی کہ جب ۳۳۶ ق م میں یونان کو روم نے فتح کر لیا۔ اور یونان کی حکومت کے چند عناصر کی نقل کی۔ بہر صورت اپنا فلسفہ حکومت روم نے بالکل یونان کے فلسفہ حکومت پر مبنی کر لیا۔ روم کی حکومت پہلے بادشاہت، پھر ریپبلک، پھر پرنسپٹ اور پھر ایمپائر ہوئی۔ مختلف شکلیں بدلیں۔ لیکن وہی وہی امراء کی حکومت شاہنشاہیت کے زمانہ میں کچھ دنوں کے لئے بادشاہ مطلق العنان

قانون کی ابتداء

مشکل

سورۃ البقرہ

امراء کی حکومت

ہو گیا تھا۔ لیکن بہت جلد پھر امراء کے شکنجہ میں آ گیا۔ کیونکہ بادشاہ کا انتخاب اُن کے ہاتھ میں تھا۔ رومن حکومت کی سینٹ میں محض امرا ہوتے تھے۔ غربا کی نمائندگی مطلقاً نہ تھی اور یہ سینٹ ہی کبھی برائے نام اور کبھی زور کے ساتھ بادشاہ کا انتخاب کرتی تھی۔ پھر یہ انتخاب افواج کے سرداروں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور اب شاہنشاہ بالکل فوج کے ہاتھ میں کٹ پتلی ہو گیا۔

ازمنہ سابقہ کے چند اصول اس رومن ایمپائر نے بھی لئے جن میں امراء کی حکمرانی خاص طور سے نمایاں ہے۔ شہری حکومت کے نمونہ پر شہر روم کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کا ذکر کچھ تفصیل سے آگے کریں گے۔ ہمارا کہنے کا مدعا صرف اتنا تھا کہ ابتدائی عالم سے آنحضرتؐ کے زمانہ نبوت تک اُن لوگوں کی اکثریت میں جو جادہ وحی سے ہٹ کر اپنی خود اختیاری کی بناء پر حکومتیں قائم کرتے رہے حکمران طبقہ کی خود غرضی اور ظلم کی موجودگی نہایت نمایاں عناصر تھے۔ اسلام میں وحدانیت ہر امر میں نمایاں ہے، خدا ایک، گناہ ایک اور ثواب ایک ہے۔ گناہ ایک ظلم ہے اور ثواب ایک عدل ہے۔ باقی جتنے گناہوں یا بدیوں ہیں یا ثواب اور نیکیاں ہیں وہ ظلم اور عدل ہی کی شاخیں ہیں۔ ان الشوک نظام و عظیم۔ شرک بھی کیا ہے محض ظلم ہے۔ یہ سچوونکہ خدا کے خلاف ظلم ہے لہذا ظلم عظیم ہے۔

امامت۔ جناب رسول خدا نے جو طرز حکومت بحکم خداوندی قائم کیا اس کا نام امامت رکھا اور حاکم کا نام امام رکھا گیا۔ امامت کے معنی آگے چلنے اور رہنمائی کرنے کے ہیں۔ امام اُس کو کہتے ہیں جو سب سے آگے چلنے والا اور رہنمائی کرنے والا ہو۔ عربی میں امام آگے کو کہتے ہیں۔ سب سے آگے وہ ہی چل سکے گا اور رہنمائی کر سکے گا۔ جو سب سے بہتر ہو۔ ورنہ اگر پیچھے چلنے والوں میں کوئی زیادہ عالم یا عقلمند ہے تو وہ امام کو آگے ہی نہ چلنے دیگا۔ بلکہ امام خود اُس کے آگے چلنے یعنی رہنمائی کرنے سے کترائے گا۔ ایسا شخص امام ہو ہی نہیں سکتا۔ خداوند تعالیٰ نے شرط امامت یہ رکھی۔

اِنَّ اَكْبَرَ مَكْرُحٍ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْفَاكُكُمْ تَمُّ مِّنْ خُدَاكُمُ نَزْوٰىكُم مِّنْ سَبِّ زِيَادَةِ بَهْتَرٍ

صاحبِ عزت وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ خُدا سے ڈرنے والا متقی ہو۔ امام اگر جب عزت نہیں تو وہ امام نہیں اور جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ صاحبِ عزت اُس سے بہتر امامت کے لائق اور کون ہو سکتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:-  
 اللَّهُ كَوْنًا عَظِيمًا اَلَّذِي قَالِيَهُ السَّبْعَةُ بِمَا حَتَّ اَفَلَا كِهَا عَلٰى اَنَّ اُحْصِيَ اللّٰهُ  
 مَثَلَةَ اَسْبَاحًا جَلَبَ شَعِيرَةً مَا فَعَلْتُ وَ اِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدَ عِ  
 وَ هَوْنٌ مِّنْ وَسْرَقَةٍ فِيْ فَمِ جَرَادَةٍ تَقْضَمُهَا۔

قول علی

یعنی خدائے تعالیٰ اگر مجھ کو ساتوں اقالمیم معہ اُس کے جو ساتوں آسمانوں کے نیچے ہے صرف لے لے کہ میں خُدا کی نافرمانی صرف اتنی کروں کہ چوٹی کے مُنہ سے گیہوں کا چھلکا جو وہ لے چاہی ہے چھین لوں تو میں نہ کروں گا۔ بختیق تمہاری دُنیا میرے نزدیک اُس پتھر سے بھی زیادہ حقیر ہے جو ایک ٹیڑھی کے مُنہ میں ہے۔

امام کیسا ہونا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مَن نَصَبَ نَفْسَهُ لِلنَّاسِ اِمَامًا فَلْيَبْدَأْ  
 تَعْلِيْمًا نَفْسِهِ قَبْلَ تَعْلِيْمِ غَيْرِهِ، وَ لِيَكُنْ تَادِيْبُهُ سِيْرَتَهُ قَبْلَ تَادِيْبِهِ  
 لِسَانِهِ وَ مُعَلِّمُ نَفْسِهِ وَ مُؤَدِّبُهَا اَبْحَقُّ بِالْاِجْلَالِ مِنَ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَ مُؤَدِّبِهِمْ يَعْطِيْهِمْ  
 اُولٰٓئِكَ رِيْضَانِيٌّ كَرَمٌ كِيْ خِيَارِ اَمْسٍ رَكْمًا هُوَ اُس كُو چاہیے کہ اپنی تعلیم پہلے اپنے نفس سے شروع کرے  
 بل اس کے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دے، اور وہ دوسروں کو تعلیم اپنے نمونہ کے ذریعہ سے دے  
 بل اس کے کہ وہ اُن کو اپنی زبان سے تعلیم دے۔ جو شخص اپنے نفس کی تعلیم و تادیب کرتا ہے  
 وہ ہی زیادہ عزت و تعظیم کا مستحق ہے بہ نسبت اس کے کہ جو غیروں کو تعلیم دیتا ہے۔

شرائط صفات امام تقویٰ

نیت

یہ ہے وہ امامت جو تقویٰ پر مبنی ہوتی ہے۔ اور تقویٰ زیادہ تر دِل کی نیت پر  
 منحصر ہے۔ الاعمال بالذات۔ انسان کی نیت اور دِل کے بھیدوں کا جاننے والا  
 خُدا ہی ہے۔ اور وہ ہی لوگوں کے درجہ تقویٰ کا عالم ہے۔ لہذا تقویٰ پر جو حکومت  
 مبنی ہوگی اُس کے خاکم کے تقویٰ کا درجہ خُدا ہی جان سکتا ہے اور اپنے رسول کو  
 اُس سے آگاہ کر سکتا ہے۔ رسول اپنے بعد ایسے شخص کو امام مقرر کرے گا جس میں  
 تقویٰ کی صفت سب سے زیادہ ہوگی۔ یہ ہے امامت بالنص۔ اُس آدمی کا انتخاب

نصیب امام

امامت بالنص

خانان نبوت

یونانی طرز حکومت

راس کے بنیادی مراحل

بادشاہت

بحکم خداوندی ایک قبیلہ یا ایک شہر سے نہ ہوگا۔ بلکہ تمام اُمت میں جو بہترین شخص  
 وہ ہی امام ہوگا۔ رسول خدا سے بہتر اپنی ساری اُمت کے افراد کو کون جان سکتا  
 پھر اس امام سے بہتر اپنی رعایا کے افراد سے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ اور اگر  
 بہترین شخص خود امام کا لڑکا یا اُس کا قریبی رشتہ دار ہے تو وہ فقط اس رشتہ دار سے  
 وجہ سے محروم تو نہیں کیا جاسکتا۔ یہ رشتہ داری نہ تو وجہ حصول ہو سکتی ہے اور  
 باعث حرمان جو سنت الہیہ انبیائے سابقہ کے جانشین مقرر کرنے میں رہی ہے  
 جاری ہوگی۔ اور وہ یہ تھی کہ سب جانشین خود اس نبی کے خاندان سے ہوتے رہتے  
 ہیں۔ خود نبی بہترین خاندان سے ہوتا ہے۔ اور قانون توارث صفات کی بناء پر نبی ہی کے  
 خاندان کا شخص تقویٰ میں سب سے بہتر ہوگا۔ ایک خاندان کے افراد میں بھی اخلاقی  
 صفات ہو جاتا ہے۔ لہذا نبی یا امام خود اپنے علم اور علم خدا سے فائدہ اٹھا کر اپنے  
 خاندان میں کا بھی بہترین شخص نامزد کرے گا۔  
 یونانیہ رومانوی طرز حکومت

مسلمانوں کی خلافت صدی اول کا زمانہ ساتویں صدی عیسوی کا تھا۔ اُس زمانہ میں  
 یونانیہ رومانوی حکومت کیسی تھی؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس حکومت کے ابتدائی  
 مراحل کا بھی ذکر کرنا ہوگا۔ لیکن بہت ہی مختصر۔ صرف اتنا کہ یہ یونانیہ رومانوی حکومت  
 سمجھ میں آجائے۔ اس حکومت کے طرز پر دو عناصر بہت زیادہ اثر انداز تھے۔ ایک  
 حکومت رومانوی کی پہلی صورتیں اور دوسرے یونان کا طرز حکومت۔ ہم ان کی طرف  
 پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ ان اشاروں کا بیان ہے۔  
 حکومت رومانوی کی پہلی صورتوں کا یہ ذکر ہے کہ سب سے پہلے روم پر ETRURIA  
 نے حکومت کی۔ یہ مشرق میں کام کر رہے تھے۔ وہ حکومت چند امراء کی تھی۔ وہ بہت جا  
 بادشاہت میں تبدیل ہو گئی۔ حکومت کا نام بدل گیا۔ لیکن دراصل وہ بھی امراء ہی  
 کی حکومت رہی۔ بادشاہ اُن کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ  
 غریب اور بے رسیخ آدمیوں کے ساتھ امراء کے مقابلہ میں انصاف بھی نہیں ہو سکتا

نام بادشاہت بھی امراء برداشت نہ کر سکے۔ بادشاہ *TARQUIN* کے  
 نے ایک امیر کی بیوی سے جبراً زنا کر لیا۔ اور اس قدر پر بادشاہ کو بھی نکال باہر  
 یہ شہ ق م کی بات ہے کہ جب بادشاہت کی جگہ ریپبلک قائم ہوئی۔  
 وہ شہ ق م تک رہی۔ اس کا باقی ادر کارکن عظیم بروٹس *BRUTUS* تھا جو اس  
 بلک میں کونسل اول مقرر ہوا۔ بادشاہت کو از سر نو زندہ کرنے کی جو سازش یا  
 ہوئی اس میں اس بروٹس کے ڈیڑھے کے بھی شامل تھے۔ وہ تحریک تیز برستی  
 گئی۔ اپنے لڑکوں کو *BRUTUS* نے اپنی ہر دل عزیز می و قیام حکومت اقتدار  
 اپنے سامنے قتل کرا دیا۔ اس خود غرضی کی مثال رومن تاریخ میں اور بھی کئی ہیں۔  
 اور کونسل *TILUS MANLIUS TORQUATUS* نے خود اپنے لڑکے کو محض اسوجہ  
 قتل کرا دیا کہ چونکہ اس لڑکے کو پہلے سے ایک اہم مشغولیت تھی وہ اپنے باپ کے  
 کی تعمیل وقت پر نہ کر سکا۔ ہمارے کہنے کا مدعا یہ ہے اس طرح اپنی شہرت ہر دل عزیز  
 اقتدار کی خاطر اپنی اولاد کو قتل کرنا زمانہ جاہلیت اور صنم پرستی کی رسم ہے جس کی  
 وی جاہلیت کے زمانہ میں عمر گزارے ہوئے مسلمان عربوں نے بہت خوشی سے کی۔  
 لکن وہ اپنے زمانہ میں اس رسم اولاد کشی کے بہت عادی ہو چکے تھے۔ اسلام نے اس کو  
 نہ رکھا۔ اسلام میں صحیح طور سے انسانی جان کی قدر و منزلت اور اس کے ضائع ہونے  
 نقصان کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کی سزا کو آخرت پر ملتوی کر دیا من قتل مومنًا  
 نبتا ا فجزاءہ جہنم اور اس دنیا میں قتل کے بدلے قتل کی اجازت محض بطور قصاص دی  
 حکم دیا کہ قتل کے بدلہ خون بہا اور دیت ہی ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ تھی جو اب رفتہ رفتہ  
 ماہ حال کی منڈیب دنیا کو معلوم ہو چلی ہے کہ قاتل کے قتل سے اس کے اولاد و متعلقین  
 بھی بغیر جرم کئے ہوئے سزا مل جاتی ہے۔ اس بات کا کچھ چہ چاب ہونے لگا ہے  
 و ردو تین ملکوں میں مجرم قتل کو پھانسی کی سزا نہیں دی جاتی لیکن جو سزا اس کی بجائے  
 ہی جاتی ہے اس میں بھی اس کے بیگناہ یا خفین کو سزا مل جاتی ہے۔ خون بہا دے کر  
 تل سے بچ جانے کی حدیث کسی ملک نے نہیں قائم کی۔ اور بہت سے ممالک جن میں

ریپبلک

حسب اقتدار کی حیثیت

اسلام میں انسانی جان کی قدر و منزلت

امراء کی حکومت

رومانی حکومت پر اپنی اپنی رائے

عربوں پر اسلام کو محض دیر میں لیا ہوا

روم پر یونان کی تہذیب کا غلبہ پھر بھی ایک فرق رہا

ہندوستان سابق یاوش و پھر شامل ہے پھانسی کی سزا کو نسخہ نہیں کر سکے ہیں  
 یہ رپبلک بھی دراصل امراء ہی کی حکومت تھی۔ اس میں غرباء کی کوئی آواز  
 امراء کے مقابلہ میں وہ بہت بری طرح کچلے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ انصاف بھی  
 ہوتا تھا۔ غریبوں میں سے کوئی افسر نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ ان  
 پورانی تہذیبوں میں صرف نسخ و طاقت و دولت ہی کو نیکی سمجھتے تھے۔ غریب و بے کس  
 مظلوم کسی صورت میں نیک نہیں کہلائے جاتے تھے۔ لاطینی زبان میں VIRTUS  
 کے معنی طاقت ہے۔ فرانسیسی زبان میں VIR کے معنی آدمی کے ہیں۔ یہ ہی  
 VIRTUE (نیکی) میں ہے۔

یونانیہ رومانی حکومت کی ابتداء اُس وقت ہوئی کہ جب ۱۲۶ ق م  
 روم کی جسمانی طاقت نے یونان کی جسمانی طاقت پر غلبہ تو حاصل کر لیا۔ لیکن  
 یونان کی طاقت عقلیہ اور علمیہ روم کی حیوانی طاقت سے بدرجہا اعلیٰ تھی لہذا اُس  
 روم کے ذہن پر پورا تسلط حاصل کر لیا۔ اور اُس کی حکومت و رعایا میں اپنے تجربات  
 تصورات کو پھیلا دیا۔ یہ بالکل وہ ہی حالت تھی کہ جس طرح خلافت صدراقل کے عروج  
 ایران و ایشیائی حصہ سلطنت روم کو محض اپنی حیوانی طاقت سے فتح تو کر لیا لیکن چونکہ  
 عربوں کے اندر ثقہ و فلسفہ اسلام کا اثر مستقل و مستحکم نہ ہوا تھا کیونکہ انہوں نے تو  
 اسلام کا لبادہ بغیر اُس کی ترکیب و ساخت سمجھے ہوئے اپنے اوپر ڈال لیا تھا لہذا یہ  
 ایران و روم کی تہذیب اور ان کے فلسفہ مذہب سے موثر اور مرغوب ہو گئے  
 یونان کی تہذیب سے روم کی تہذیب کے مغلوب ہونے کا یہ اثر ہوا کہ روم  
 یونان کا فلسفہ زندگی اور فلسفہ حکومت اپنی طرز حکومت اور روشن زندگی کے  
 نقل کر لیا۔ اب روم بالکل یونان ہو گیا۔ لیکن فرق وہ ہی رہا جو نقل و اصل  
 کرتا ہے اگرچہ اس فرق سے ہمارا تعلق نہیں۔ شہری حکومت یعنی ہر شہر کی اپنی علی  
 حکومت یونان کی سرزمین کی قدرتی پیداوار تھی۔ یونان کی پہاڑی وادیاں اور بحری خلیجوں  
 یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ ہر ایک شہر کی علیحدہ اور آزاد حکومت قائم ہو۔ روم نے اس



نقل اس طرح کی کہ حکومت تو وہ ہی ایک شہر روم کی رکھی لیکن روم کو اس قدر وسیع کیا کہ ایک طرف تو وہ فرانس و انگلستان تک پہنچا اور دوسری طرف ایشیائی کوچکس میں پھیل گیا۔ یہ اس طرح ہوا کہ ان ایچپاٹر کے بے شمار شہروں کے باشندوں کو روم کے باشندہ کے حقوق دیدئے۔ اس طرح روم کی وسعت بہت بڑھ گئی۔ یہاں وہی خواہ انگلستان فرانس و جرمنی کا ہوا اس کو فطریاً اس بات کا تھا کہ وہ روم کا شہری ہے۔ اس طرح ان کی ہمدردی روم کے ساتھ ہو گئی اور روم کی وسعت بڑھ گئی اور روم میں تہذیب پھیل گئی۔

نقل در نقل ہو کر اس کی ہی نقل سقیفہ والی حکومت نے کی۔ اور روم کی طرح مدینہ کی حکومت قائم کی۔ لیکن اپنی حکومت کا نام مدنی حکومت نہ رکھا۔ کیونکہ اس میں وہ جاؤ بیت نہ ہوتی جو خلافت کے نام میں تھی۔ لیکن عملاً ہر طرح سے وہ مدنی حکومت تھی۔ صرف مدینہ کے لوگوں کو حاکم مقرر کرنے کا حق دیا، اگر ماہ سواری بلکہ سالانہ وظیفہ جو مقرر ہو وہ مدینہ والوں کو افواج کے جنرل جو مقرر کئے جائیں وہ مدینہ کے۔ حکومت کے احکام جو جاری ہوں وہ مدینہ کے ہو نہ پر۔ اس نقل میں مدینہ کو وسعت بھی نہ دی گئی۔ یا یوں کہو کہ عصیت کے محل سے جازت نہ دی کہ ایران و عراق و شام کے شہروں کو اہل مدینہ کے حقوق دیں۔ یا اسلام ہی کی اخوت کی پیروی کریں جس کو جناب رسول خدا نے عملاً بھی دکھا دیا تھا۔ اور جو شہری شہرت سے بھی زیادہ پایندہ تھی۔ لہذا اس عصیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ رعایا میں عرب کے خلاف نفرت پھیل گئی جو آخر کار بغاوت، سازش اور جنگ پر منتج ہوئی۔

جنگ موالیان اور جنگ خراسان اس ہی نفرت کا نتیجہ تھیں جس طرح کہ اہل روم کے غرور اور امراء پرستی نے ان کے خلاف نفرت پیدا کر کے غرور و امراء کی ضرر رساں کشمکش اور جنگ غلامان پیدا کر دی۔ جنگ غلامان اول مسئلہ ق م اور جنگ غلامان ثانی مسئلہ ق م میں ہوئی۔ ان کو *SERVILE WARS* کہتے ہیں۔ جس طرح رعایا پر ظلم و ستم کرنے سے اور بے جا غرور سے نفرت پیدا کرنے سے روم میں سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ اسی طرح عربوں کے غرور و ظلم نے ان کی سلطنت کو یکت صد سال کے اندر ہی ملبا میٹ کر دیا۔ اور پھر سلطنت عباریاں شروع ہوئی جس کا خلیفہ تو اپنے تئیں عباسی ہی کہتا

تاریخ و حکومت

تھا لیکن سلطنت ایرانی وزراء کے ہاتھ میں تھی ہارون رشید عباسی تک تو خلیفہ  
میں عباسی خون رہا۔ لیکن پھر خلیفہ میں بھی ایرانی خون کی اتنی زیادتی ہوئی کہ عرب خون  
نام ہی کو رہ گیا ۔

جس طرح رومانی حکومت محض لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے اپنا نام وقتاً فوقتاً  
بدلتی رہی، کبھی بادشاہت، کبھی ریپبلک، کبھی پرنسپٹ اور کبھی ایپائٹر۔ لیکن شروع  
سے آخر تک رہی وہ ہی امراء کی حکومت اور غربا کی عداوت۔ اسی طرح کارکنان حکومت  
صدر اول نے اپنی حکومت کا نام کبھی خلافت اور کبھی امارت رکھا۔ لیکن چونکہ خلافت  
کے نام میں کچھ مذہبی رنگ کی جھلک تھی۔ اور وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ساری دنیا پر  
کسی نہ کسی رنگ میں مذہب کا اقتدار تھا لہذا اس ہی نام سے اُسے آگے چلایا۔ لیکن  
رہی وہ ہی سقیفہ والی یونانی طرز کی حکومت۔

جن لوگوں نے یونان و روم کی تاریخ اور ان مسلمان خلفاء کے حالات کا غور سے  
مطالعہ کیا ہے۔ اُن کو یہ دلچسپ امر واقعہ معلوم ہوا ہوگا کہ حکومت کے علاوہ ان کے  
تمدن و طرز رہائش میں بھی بڑی یگانگت ہے۔ ہم جب اُن ممالک کے معیشت اور رہائش  
کے حالات پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دمشق و بغداد کے حاکموں  
اور عوام الناس کے حالات پڑھ رہے ہیں اتنی یکسانیت اور یگانگت ہے کہ تعجب ہوتا  
ہے۔ ہم صرف ایک مثال پر اکتفاء کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں اُغلام کی کتنی بُرائی  
رکھی ہے۔ صرف اس ایک گناہ کی وجہ سے ایک سا رطبہ زمین اندر دھس گیا اور اتنا نیچے  
گیا کہ اُس کے اُپر پانی کی جھیل بن گئی۔ جو اب تک بحر لوط کے نام سے مشہور ہے  
لیکن یہ جرم یونان و روم میں عام تھا۔ فخر کیا جاتا تھا۔ اور عوام الناس کی نظروں  
سامنے کیا جاتا تھا۔ بلکہ جرم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اُن کے خیال میں یہ ایک  
تھی اور مرد کے لئے ضروری تھی۔ لڑکے مثل رندوں کے استعمال ہوتے تھے بلکہ رند  
میں اور اُن میں رقابت ہوتی تھی۔ لڑکے اُغلامی میں اس کام کے لئے ہی خریدے جاتے  
اُن کو معشوقہ عورتوں اور لوتڈیوں کی طرح رکھا جاتا تھا۔ بادشاہوں کے حرم میں خوب

حکومت کا نام تبدیل کرنا اسکی صلیبت قائم رکھی

یونان عرب کی تمدنی یگانگت

یونان میں اُغلام

خوبصورت لڑکوں کا ہونا ضروری تھا۔ حکیم سُقراط بھی رنڈیوں اور خوبصورت لڑکوں پر عاشق ہوتا تھا اور یہ فعل اُن سے کرتا تھا۔ اُس کا خاص معشوق ایک خوبصورت نوجوان *ALCIBIADES* تھا۔ اور جس بے حیائی سے وہ اپنا ننگا ہوا سُقراط کے سامنے ایک ہی چارپائی پر پڑنا بیان کرتا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ اس فعل کو جرم نہیں سمجھتے تھے۔ اُس کا یہ بیان افلاطون کے مکالموں میں ہے جو فلسفہ عقل اور نیکی کے اعلیٰ نمونے سمجھے جاتے ہیں۔ سُقراط اور اُس کے معشوق لڑکے کے حالات خود اُس لڑکے کی زبانی اُس مکالمہ میں ہیں جس کا نام *SYMPOSIUM* ہے یہی حالت کم و بیش زیادتی یا کمی کے ساتھ یونان میں آخر تک رہی اور اب بھی ہے۔ جب *۲۶* ق م میں روم نے اُس کو فتح کیا جب بھی تھی اور جب مسیحیت نے اُس پر قبضہ کیا جب بھی تھی اور اب تک ہے۔

ان سب امور کے لئے دیکھو۔

جہاں تک اس گناہ بقول اسلام اور نیکی بقول یونان کا تعلق ہے روم کی حالت اس سے بدتر تھی اگر کوئی حالت اس سے بدتر ہو سکتی ہے۔ قیصر اعظم رنڈی بازی اور غلام کا ایسا عادی تھا کہ اُس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ ہر ایک عورت کا خاوند اور ہر ایک مرد کی بیوی تھی۔ یعنی خود مفعول بننے کا بھی عادی تھا۔ یہی حالت انطونی (*ANTONY*) کی تھی۔ اُس کے حرم میں عورتیں اور لڑکے ہر وقت اعلان کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور سفر میں بھی اُن کو ساتھ لے جاتا تھا۔ شہنشاہ کو مودس (*COMMODUS*) کو بھی اسی طرح فاعل و مفعول بننے کی عادت تھی۔ اُس کے حرم میں ہر وقت ۳۳ عورتیں اور ۳۰۰ لڑکے اس فعل شنیع یا فعل مستحسن کے لئے تیار رہتے تھے۔ *۲۵* بچپن میں مفعول اور

۳۳ WILL DURANT: THE LIFE OF GREECE PP. 48, 83

149, 301, 302, AND 567.

۳۴ WILL DURANT: CAESAR AND CHRIST, P. 168;

۳۵ WILL DURANT: IBID PP. 199, 290, 447.

جوانی میں فاعل بننے کا شوق عام ہو گیا تھا۔ ۱۲۵

عیسائیت کے زمانہ میں بھی یہ فعل عام تھا اور مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ ۱۲۶

اگر مسیحی مورخین کا اعتبار کیا جاوے تو پھر ہم کو کہنا پڑے گا کہ اپنے زمانہ ابتداء میں مسیحی

پادری اور غریب عوام الناس اس مرض میں مبتلا نہ تھے اور اس کو بُرا سمجھتے تھے۔ ۱۲۷

لیکن مسلمان خلفاء نے باوجود قرآن شریف کے وعید کے اس فعلِ شنیع میں بہت حصہ

لیا۔ خلفائے عباسیہ اور شامیان مصر میں یہ مرض عام تھا۔ ان کے حرم میں بھی بے شمار خوبصورت

لڑکیاں اس فعل کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ مصر کے سلاطین مملوک خاص طور سے اس میں

مشہور تھے۔ ۱۲۸

اسی طرح شراب نوشی قرآن کے حکم سے ممنوع لیکن یونان و روم کی نظائر سے مباح۔ ان ہی

دو امور پر کیا منحصر ہے۔ مسلمانوں نے اپنی معیشت و معاشرت غرضکہ تمام روش زندگی یونان و

روم کی تقلید میں مرتب کی تھی۔ جب ہم اُن کی تواریخ میں یہ حالات پڑھتے ہیں تو بالکل

مسلمانوں کی حالت کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی سے عربوں کی

فطرت اس طرف مائل تھی۔ وہ ہی عصبیت، وہی غرور، وہی کُفر، وہ ہی خدا سے اعراض

اور نافرمانی۔ اس جماعتِ حکومت نے عربوں کی اس فطرت سے بہت فائدہ اٹھایا۔

ایک تو یہی ہے کہ اُن کو امامت کی مشکلات دکھا کر پونانی طرز رہائش و طرز حکومت

کی طرف مائل کیا۔ اور یہ کہہ کر کہ اگر اقتدار بنو ہاشم کے قبیلہ میں چلا گیا تو وہ قبیلہ بہت

طاقتور ہو جائے گا۔ نبوت و امامت ایک جگہ نہ ہونی چاہیے۔ اس کے لئے عربوں کی

عصبیت اور حسد سے فائدہ اٹھایا۔ وہ لیگ بھڑک اٹھے اور علی کے خلاف ایک محاذ

۱۲۹

WILL DURANT: IBID P. 509, 510.

۱۳۰

Do. : IBID PP. 598, 625, 627.

۱۳۱

PHILIP K. HITTI: HISTORY OF THE ARABS,

PP. 341, 485, AND 695.

یہ کتاب مسلمانوں کی عصبیت اور حسد سے فائدہ اٹھانے کے لئے لکھی گئی ہے۔

قائم کر لیا یہ وہ ہی علی تو تھے جنہوں نے جہاد اسلام میں قریش کے ہر ایک خاندان  
میں سے کسی نہ کسی کو قتل کیا تھا۔ اب کیا تھا اب تو ہمارے دونوں بیٹھے کا مزا آنے  
لگا ہمارا حاکم بھی یہ کہہ رہا ہے کہ دیکھو علی کی طرف نہ جانا۔ اور ہمارا دل بھی یہی  
چاہتا ہے۔ اب علی کی خیر خواہی کیسی۔

یہاں تک جو ہم لکھ چکے ہیں اس سے رومانوی سٹیٹ اور اسلامی امامت کا  
فرق اچھی طرح نمایاں ہو گیا۔ مندرجہ ذیل جدول سے ایک نظر میں یہ فرق آنکھوں  
کے سامنے آجائے گا۔

### جدول امتیازیہ

اسلامی امامت کے اصول	رومانوی سٹیٹ کے اصول
۱۔ تمام حکومت خُدا کی ہے اور حکومت الہیہ (امامت) کیلئے امام مقرر کرنا خدا کا کام ہے۔	۱۔ سٹیٹ کے حکام مقرر کرنا ملک کے باشندگان کی اکثریت کا حق ہے۔
۲۔ خُدا مالک کو نہیں ہے جس کو چاہتا ہے امامت (حکومت) عطا کرتا ہے۔	۲۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ اکثریت کو یہ حق کب اور کس سے ملا۔
۳۔ یہ تفریق نا جائز ہے۔ اگر تفریق ہو سکتی ہے تو اسلام وغیر اسلام کی ہو سکتی ہے۔	۳۔ شہریوں اور غیر شہریوں میں فرق ہے حق رائے و ہمت کی نقطہ شہریوں کو حاصل ہے۔
۴۔ امامت و حکومت اسلامیہ کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں۔ اُس کے قانون کے اصول قرآن شریف میں محفوظ ہیں۔	۴۔ حکومت کو حق قانون سازی حاصل ہے۔
۵۔ اسلام میں امامت کے لئے یہ ممنوع ہے زمانہ امن میں مستقل افواج رکھنا ناجائز ہے جہاد اسلامی سب کے لئے ہے۔ سپاہی غیر سپاہی کا فرق نہیں بارسوخ و بے سوخ کی تیز غیر اسلامی ہے۔	۵۔ سٹیٹ کی اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ ہوتی ہے جس سے وہ افواج رکھتی ہے۔ اور نیز انعام زر و جائیر سے صاحب روسوخ اشخاص کو اپنے قابو میں رکھتی ہے۔

علی سے مخالفت

جدول امتیازیہ

## اسلامی امامت کے اصول

## رومانوی سٹیٹ کے اصول

۶۔ سٹیٹ کے پاس جو مال آتا ہے وہ محض حکومت کا ہوتا ہے۔

۷۔ بیرونی فتوحات باعث عزت ہیں اور وہ ہی حاکم کو لقب اعظم کے لئے مستحق بناتی ہیں۔

۸۔ حکومت اور عوام الناس کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج ہوتی ہے۔ حاکم کے لئے عجب، رعب، تمکنت اور عوام الناس سے علیحدگی ضروری ہے۔

۹۔ رومانوی اور اس کی جانشین یورپین حکومت کے لئے کذب، فریب، جبر و استبداد ضروری ہے اکثریت کی غلامی اور اقلیت پر جبر و ظلم سیاسیات ضروریہ کے عناصر ہیں۔

اب ہم ان تمام اصول کی تشریح کے بعد دیکھتے ہیں تاکہ یہ فرق اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

## اصل ۱۔ اصل ۲، ۳ اور اصل ۷

ان اصول میں دو امور قابل غور ہیں۔ اختیار و اکثریت۔ اور یہ دونوں اہم ارکان ہیں حکومت یونانیہ و رومانیہ کے۔ جہاں اختیار ہو گا وہاں اکثریت کسب ال پیش ہونا ضروری ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے الٹشن بازمی لازمی ہے۔ شہید کے بود ماننا دیدہ۔ اب تک تو اکثریت کے مظالم اور الٹشن کے نقائص اس طرح لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں کہ ان پر مزید منطقی بحث بے فائدہ ہے لیکن باوجود ان کے نقائص و معائب کے اس طرح نمایاں ہونے کے وہ اب تک موجود ہیں اور آئندہ کچھ

دنوں اور موجود رہیں گے جب تک عوام الناس اپنی حماقت سے کما حقہ آگاہ نہیں ہو جاتے۔ اُن کی موجودگی اُن کی خوبی کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ فطرت انسانی کی اُس خود غرضی کا مظاہرہ ہے جو ہر وقت ہرزمانہ میں ہر ملک میں افعال انسانی کی محرک رہی ہے۔ عوام الناس کو احمق بنا کر اُن کے بہانہ سے ایک سیاسی پیشہ رجحانت اپنے لئے حکومت کا سامان مہیا کر لیتی ہے۔ اور جہاں کبھی اُن کے اختیارات یا اقتدار پر آنچ آنے کا شبہ ہوا فوراً لوگوں کو جمع کر کے سر اور ہاتھوں کو ایک خاص انداز سے ہم ساز کر کے، آواز میں مصنوعی جوش پیدا کر کے غل مچا دیتی ہے کہ بھائیوں خمدار ہو جاؤ۔ بنی نوع انسان کو ایک زبردست خطرہ لاحق ہونے والا ہے۔ تمہارے اختیارات چھینے جا رہے ہیں۔ جب تک ہماری رگوں میں حیدری اور خالدمی خون جاری ہے ہم یہیں کٹ کر مر جائیں گے، گر جائیں گے اور ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ اب کیا تھا فلاں زندہ باد۔ فلاں مردہ باد کا غل غبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ تمہارے پاس اختیار و اقتدار کب تھا جو اب چھینا جا رہا ہے۔ ایک لاکھی چارج پر توجیدری و خالدمی خون والے بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں جان کب اور کس کو دیں گے۔ خیر۔ موجودہ پارٹی گورنمنٹ جس کا نام جمہوریت رکھا گیا ہے انصاف سے گو سوں دوز ہے۔ یہ مضمون وسیع ہے اس پر یہاں مزید لکھنا بے فائدہ ہے۔ غرض یہ کہنا کہ اسلام میں یہ جمہوریت ہے اسلام کے نام کو دھتکہ لگانا اور لوگوں کو احمق بنا نا ہے۔

اختیار کے نام سے یونانی حکومت کے نظریہ کو اختیار کرنا اُس حکومت کے لئے ضروری تھا کہ جس نے جناب رسول خدا کے مقرر کردہ نظام کو درہم و برہم کرنا اور خود عوام الناس کے نام سے حکومت پر قبضہ کرنا اپنا ایک مقصد مقرر کر لیا تھا۔ اور اپنے قیاس سے جو اس ہی اصل اختیار پر مبنی تھا شرع اسلام میں اتنی مداخلت کی کہ اُس کو بدل دیا۔

اس کی ابتداء انہوں نے اپنے قیاس سے یہ نتیجہ نکال کر کی کہ جناب رسول خدا کے

احکام دو قسم کے ہوا کرتے تھے۔ ایک نبوت سے متعلق اور دوسرے اُس کے مامور  
 موزر الذکر احکام ماننا ہمارے اُد پر فرض نہیں ہے۔ تقرر جانشین اور حکومت کے  
 متعلق احکام نبوت کے دائرہ سے باہر ہیں لہذا ہم اس کو نہیں مانتے۔ یہ تقسیم نوع احکام  
 رسول قرآن و شریعت اسلام کے بالکل خلاف تھی۔ لیکن اُن کے لئے مفید تھی کیونکہ  
 اس طرح اُن کو ہر حکم میں اپنے قیاس سے مداخلت کرنے کی آسانی پیدا ہو گئی۔ ساتھ ہی  
 اس کے انہوں نے یہ اعتقاد پھیلایا کہ جناب رسول خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں  
 کیا۔ لہذا اب ہمیں اختیار ہے جس کو چاہے خلیفہ مقرر کر لیں۔ وہ یہ بحثیں نہیں کر سکتے  
 تھے جب تک امامت کے تختل کو نہ بدل دیں اور اُس کو یونانی و رومانی تختل  
 حکومت کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیں۔ خلط ملط کا جملہ ہم نے اس وجہ سے استعمال  
 کیا ہے کہ ابھی تک وہ صریحاً اور علانیہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اسلام میں یونانی طرز حکومت  
 داخل ہے۔ یہ نہایت مشکل مقام تھا اور اس کو انہوں نے نہایت عقلمندی سے عبور  
 کیا۔ وہ اچھی طرح واقف تھے کہ اسلام میں رومانی طرز کی حکومت نہیں ہے۔ بلکہ  
 امامت ہے۔ لیکن اُس میں شک و ابہام پیدا کرنا ہی اُن کے مفاد کے لئے ضروری تھا  
 دیکھئے۔ اپنی حکومت کا نام انہوں نے حکومت نہیں رکھا۔ اور نہ امامت رکھا۔ بلکہ  
 اُس کے لئے خلافت کا لفظ استعمال کیا۔ خلافت یعنی جانشینی کس کی؟ رسول کی؟ رسول  
 کی حکومت کے کیا ارکان تھے اور اُس حکومت کے حاکم کی کیا صفات ہونی چاہئیں؟  
 یہاں خاموشی اختیار کی۔ رسول کو تو لوگوں نے مقرر نہیں کیا تھا۔ بلکہ خدا نے مقرر کیا  
 تھا۔ اور حضرت ابراہیم کے واقعہ میں امامت کو بھی خدا نے ہی خود عطا کرنے کا ذکر  
 کیا ہے اور وہ بھی ابراہیم کی صفات کا امتحان کر کے۔ اس رسول کی جانشین کو کون  
 مقرر کرے؟ یہاں پر خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ لوگوں کے دماغوں میں  
 یونانی طرز حکومت ہی کا نقشہ ہے یہ کہہ دیا کہ اپنا حاکم مقرر کرنا ہمارا خود حق ہے اور  
 ہمیں اختیار ہے یہ لطیفہ بھی ملاحظہ کیا۔ حضرت ابو بکر ہی پہلے اور آخری خلیفہ تھے۔  
 اُن کے بعد کوئی خلیفہ نہ رہا۔ حضرت عمر نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ لیکن حکومت



وہ ہی خلافت رہی۔ اب تک لوگ کہتے ہیں خلفاء نبی اُمیہ، خلفاء نبی عباسی حضرت عثمان اور حضرت علی کو تو ان لوگوں نے امیر المؤمنین کہا۔ اب ان کے بعد یہ خلیفہ کہاں سے آگئے۔ ان کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا۔ اس سے صاحبان عیال سے کہہ کر یہ لوگ اپنی حکومت پر مذہبی رنگ بھی چڑھا نا چاہتے تھے۔ لیکن امامت سے گریز کرتے تھے کیونکہ اپنے نہیں اس لائق نہیں پاتے تھے کہ وہ امام کہلائیں جو رسول خدا نے مقرر کیا تھا اگرچہ امام کا درجہ گرانے کے لئے اور اس کو حکومت سے علیحدہ رکھنے کے لئے ہر ایک کو امام کہنے لگے۔ امام عرصہ، امام موسیقی، امام فقہ، امام صرف، امام نحو وغیرہ وغیرہ۔ حاکم ہی کو امام نہ کہیں گے۔ اور سب کو امام کہیں گے لیکن یہ واضح ہونا چاہیے کہ ائمہ اثنا عشر ہیں سے ہر ایک امام بھی تھا خلیفہ رسول بھی تھا۔ ہادی اُمت بھی تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ اقتدار جو ان کی امامت کا جوڑو تھا وہ ان سے غصب کر لیا گیا تھا۔ لیکن جو مقام رسول خدا نے ان کو دیا تھا وہ غصب نہیں ہو سکتا۔ پورے میں حکومت یا تو ملی سلطنت کا ٹینٹل رو من قانون اور رو من تاریخ سے لیا گیا۔ اور چونکہ مسیحیت نے رومانی سلطنت کی آبت ہوا ہیں پورے پائی تھی۔ اور قسطنطنیہ کے قیصر جو عیسائی ہو گئے تھے یہ ٹینٹل اپنے ہمراہ لائے اور اس کو مسیحیت میں داخل کر دیا۔ لہذا اسلام اور مسیحیت میں یہ بڑا اہم اور نمایاں فرق ہو گیا ہے مسیحیت ہمیشہ اس خیال میں مقید رہی کہ لوگوں کے معاملات اور اصلاح حال کا دائرہ ہمیشہ ملکی اور ارضی حدود ہوتا ہے۔ یہ ہی قومیت کے ٹینٹل کی ابتدا ہے۔ اس نے ایک مسیحیت کو بے شمار قوموں میں تقسیم کر کے مسیحیت کے دائرہ کے اندر رقابتیں پیدا کر دیں۔ اس ٹینٹل کے چند عناصر ایسے بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی متلاشی اقتدار جماعت کو ان کے مقصد میں بہت مدد دی۔ ان میں کا ایک اہم عنصر یہ تھا کہ اپنا حاکم مقرر کرنا رعایا کا حق ہے۔ یہ امر واقعہ ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانہ کے اہل عرب یونانی، رومانی اور ایرانی رسم و رواج اور قوانین سے واقف تھے

اسلام اور مسیحیت میں فرق - اختیار اور مسیحیت میں فرق -

G. E. VON GRUNESDUM : ISLAM CHAPT. VII. P. 131

۱۲۲۷ فخر الاسلام ص ۱۲۱ لغایت ۱۳۰

وہاں تو یہ اصول کھب گیا۔ کیونکہ رومانی اور یونانی فلسفہ اور قانون میں خدا کا تختہ پلٹا  
 ہی نہیں۔ رسولِ دینی سے وہ قانون اور وہ فلسفہ واقف ہی نہیں۔ بلکہ اسلام میں  
 جہاں ساری حکومت خدا کی تصویر کی گئی ہے اور رسول اُس کا خلیفہ ہے یہ اصول بالکل  
 واقعہ کے خلاف اور اُس کی شریعت کے لئے مضر تھا۔ اگرچہ اُس نے سفینہ پیدا کر کے فوری  
 مقصد تو پورا کر دیا لیکن اسلامی شریعت کو منقلب کر کے اُس میں بہت خرابیاں پیدا کر دیں  
 غور کریں اور پھر غور کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوئیں  
 حضرت عمر و حضرت عثمان کا قتل اور جناب امام حسین علیہ السلام کی کربلا اور اہلبیت رسول  
 پر جو ظلم ہوئے اُن سب کی بناء پر ہی تختہ پلٹ گیا ہے۔ اس کے آئندہ کے بڑے نتائج کو سب سے  
 پہلے خود اس کے کارکن اعظم نے دیکھا۔ حضرت عمر کی دُور بینی اور زہیر کی اس فقرہ سے  
 ظاہر ہوتی ہے۔ ان بیعت ابی بکر کان فلتندوقی اللہ شرھا فمن عاد الی مثلھا  
 فاقیت لہم فایجاد جمل بایح رجلا من غیر مشورۃ من المسلمین ہے  
 یعنی حضرت ابو بکر کی بیعت مصیبت ناگہانی تھی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کی خرابی سے بچا لیا  
 ہے اس کے بعد جو شخص ایسا ہی کرے تو جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے  
 تو اس کو بھی قتل کر دو۔ اور اُس کو بھی قتل کر دو جس کی بیعت وہ کرے (ترجمہ ختم ہوا) اس سے  
 پہلے حضرت عمر کا یہ قول درج ہے کہ ابھی انصارِ بخت میں مشغول تھے کہ میں نے ابو بکر کا ہاتھ  
 نکلوا کر بیعت کر لی یہ بات حضرت عمر نے اُس وقت کہی تھی کہ جب ایک شخص نے کہا تھا کہ  
 اب اس کے بعد ہم علی ابن ابی طالب کی بیعت کریں گے شوریٰ کے وقت بھی ابجنا  
 یہی خواہش قتل علی ابن ابی طالب ظاہر فرمائی تھی اُس وقت کہا تھا کہ بیعت اُس شخص کی  
 کرنا جس طرف بعد الرحمن ابن عوف ہو اور جو یہ پسند نہ کرے اُس کو قتل کر دینا۔  
 جو انتظامات آپ نے فرمائے تھے اُن کا نتیجہ یہ ہی ہونا تھا اور ہوا کہ حضرت عثمان خلیفہ  
 ہوں۔ یہ ہی جانتے تھے کہ علی اس کو پسند نہ کریں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھو ہماری

اسی اور

بیت ابی بکر

ظاہر

المبلاغ المبین حصہ دوم ص ۱۵۱ طبع ثانی

۱۵۱ الملل والنحل شہرستانی ص ۱۶۱ - ۱۵۲ المبلاغ المبین حصہ دوم طبع ثانی ص ۹۸

ہم نے اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ اول کے باسٹھم میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جانشین رسول مقرر کرنا جناب رسول خدا کا فرض تھا کہ امت کا حق۔ اور یہ ہی انبیاء سلف کا دستور رہا ہے۔ اور یہ ہی وہ وصیت تھی جو قبولِ مبعوثی مستقل ہوتی رہی۔ لہذا اعتقاد اختیار و اکثریت شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے اگر جانشین رسول کو لوگ مقرر کریں تو رسول کو بھی لوگوں ہی کو مقرر کرنا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت عمر نے اس بات کو سمجھ لیا۔ اور خلیفہ رسول کا لفظ ہی چھوڑ دیا۔

اسی طرح فلسفہ و حکومت یونانیہ میں تکنت و احساسِ خداوندی، عجب و غرور سروری، رعایا سے علیحدگی و احساس برتری حاکم کے لئے ضروری ہیں۔ لفظ سٹیٹ ہی سے یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ ابتداء میں STATE ایک باءِ عرب کو سی ہوا کرتی تھی جس کے اوپر ایک پُر تکلف شامیانہ ہوتا تھا اور وہ ایک اُوپے چبوترہ یا شہ نشین پر رکھی جاتی تھی۔ یہ کو سی ہی عظمت و جبروت کی نشانی تھی اور سب لوگوں سے ممتاز ہونا اس کی شان میں داخل تھا۔ آئندہ چل کر یہ کو سی وسیع ہوتی گئی اور وسیع ہو کر ملکی حد بن گئی اور قالو نا اس کو ایک علیحدہ حکمران کی شخصیت دیدی گئی جس میں جائداد کی ملکیت کی اہلیت آگئی اور قانون سازی کا حق آگیا۔ لیکن عظمت، جبروت اور سب لوگوں سے علیحدہ اور اُوپر رہ کر ممتاز رہنا ہمیشہ اس کے معنی کے ساتھ رہے۔ عوام الناس سے اتنی علیحدہ اور ممتاز بلکہ مخالف ہو گئی کہ ہر برٹ سپنسر کو ایک مستقل کتاب اس پر لکھنی پڑی جس کا نام

THE MAN VERSUS THE STATE ہے۔ اس میں اُس نے اس نظریہ کے بناء

پر بحث کی ہے کہ سٹیٹ افراد سے علیحدہ ایک شخصیت ہے جو بسا اوقات افراد کے حقوق غصب کرتی رہتی ہے۔ سٹیٹ کے حقوق و فرائض پر بحث کرتے وقت بڑے بڑے مصنفین و محققین نے غلطی کی ہے۔ اس غلطی کی صرف یہ وجہ ہے کہ ابھی تک یہ ہی نہیں صاف ہوا کہ سٹیٹ کو حکومت کا حق کیونکر حاصل ہوا۔ اور یہ حق کس نے اُس کو دیا۔ چند مفکرین جن میں BENTHAM بہت نمایاں ہے کہتے ہیں کہ حکومت کا حق قوم کی اکثریت کو ہے۔ وہ اکثریت یہ حقوق اپنے نمائندگان کو دیتی ہے۔ اور وہ نمائندگان ان کو ہی سٹیٹ

اور جانشین رسول کریم کا تصور

تکنت و غرور

STATE کی ابتداء

بیت

اُن حقوق کو یہ جماعت نمائندگان پھر سٹیٹ کے افراد ہی کو دیتی ہے دوسرے الفاظ میں اس ہی بات کو اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اصل نے تو اپنے حقوق ایجنٹ جماعت نمائندگان کو دیئے۔ پھر اُس ایجنٹ نے وہ ہی حقوق اپنے اصل کو دیئے۔ یہ کتنی لغویات ہے۔ اکثریت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور کہاں سے پیدا ہوئی۔ رائے لینے سے اکثریت معلوم ہوتی ہے۔ اور رائے ایک مقصد مقرر کر کے لی جاتی ہے مقصد یہ ہوا کہ کون حکومت کرے۔ رائے تمام قوم سے لی جاتی ہے۔ اکثریت رائے شماری سے معلوم ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ رائے شماری سے پہلے یعنی اکثریت معین ہونے سے پہلے تمام قوم کو حق حکومت حاصل تھا۔ اور جب اکثریت معین ہو گئی تو وہ حق سمٹ کر اکثریت میں آ گیا۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ باقی قوم یعنی اقلیت سے وہ حق کب، کس نے اور کس بناء پر واپس لیا اور اکثریت کو وہ حق کیونکر مل گیا۔ سیاست میں تو صاف اور سچ بولنا ایک جرم ہے۔ ورنہ بحث کی اس منزل پر انہیں اقبال کرنا چاہیے کہ یہ واقعی ایک چیتان ہے اور غلط ہے۔ اس مشکل کا مسلمانوں کے متلاشی حکومت گو وہ کو بھی سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی اسی طرح ناکامیاب رہے اگر وہ اسلام کے اس اصول پر قائم رہتے کہ حکومت صرف خداوند تعالیٰ کا حق ہے اور جس کو چاہتا ہے وہ یہ حق عطا کر دیتا ہے تو یہ معجزہ حل ہو جاتا۔ لیکن اس کا حل ہونا ان کے مقاصد کے خلاف جاتا لہذا سقیقہ بنی ساعدہ کی تقاریر میں قرآن و خدا و رسول خدا کا نام تک نہیں لیا گیا۔ اور اپنے ہی فقرہ حُسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کو نظر انداز کر گئے۔ وہ فقرہ تو اپنا مطلب حاصل کر چکا تھا۔ جناب رسول خدا کی آخری خواہش یعنی تحریر وصیت کے پورا ہونے میں سدراہ ہونا اُس کا مقصد تھا اور وہ پورا ہو چکا تھا اب یہاں اُس کا دہرانا اپنے مقصد کے خلاف ہوتا لہذا کتاب اللہ کا ذکر بھی نہیں آیا۔ اور اُس کے بعد کے انصار و مہاجرین کے تنازعہ میں کہا گیا تو یہ کہا گیا کہ کتاب اللہ میں امامت کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اچھا حُسْبُنَا ہوا۔ یہیں سے اسلام سے انحراف شروع ہو گیا۔ اُن تباہیوں سے جن کا ذکر ہم نے ابلاغ المبین حصہ اول و دوم میں کیا ہے چھینا چھپی کر کے حکومت تو لے لی لیکن نہ بتایا کہ یہ اُن کو کس نے دی۔ اور انصار کا حق اس میں کیوں نہیں

باری اور ایجنٹ کی جماعت

سقیقہ میں خدا و رسول و قرآن کا ذکر کیوں نہ آیا

حضرت عمر نے ہدایات شوری کے وقت یہ تو کہہ دیا کہ انصار کا حق حکومت میں نہیں ہے۔  
لیکن یہ نہ بتایا کہ کیوں نہیں ہے۔ حضرت علی کی بحث کا بھی جواب نہ دے سکے کہ انصار کے مقابلے  
میں تو تمہاری یہ بحث کہ ہم رسول خدا کے نزدیک ہیں چل گئی۔ اُس پر ہی قائم رہو ہیں تو  
رسول خدا سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوں لہذا تم سے زیادہ حقارِ خلافت ہوں۔ وہ  
اس کا کیا جواب دیتے چکرا گئے۔

جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں شریعت اسلامیہ میں یہ نکتہ بہت اچھی طرح حل ہو گیا  
ہے۔ حکومت محض خدا کے لئے ہے۔ اور خداوند تعالیٰ یہ حکومت الہیہ اپنے بندوں میں سے  
جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا۔ یہ عطا بذریعہ رائے شماری و اکثریت نہیں ہوتی بلکہ رسول کے  
ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ معطلی ہی امام کہلاتا ہے۔ قرآنی فقرہ حضرت ابراہیم کے لئے ہے  
اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِدِیْنِکَ اِمَامًا۔ اس امامت کا مقصد فقط ایک ہے اور وہ  
مسلمانوں کی جماعت کو خداوند تعالیٰ کی مقرر کردہ صراطِ مستقیم پر چلانا ہے۔ اس میں بھی  
اقتدار ہوتا ہے کیونکہ امام تمام شعبوں کے لئے احکام جاری کرتا ہے۔ اسلام انسانی زندگی  
کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ حکومت یونانیہ میں بھی اقتدار ہوتا ہے۔ لیکن یونانی حکومت اور  
اسلامی امامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مقصد میں فرق، ترکیب و ساخت میں فرق،  
حقوق و فرائض رعایا اور ان کے آپس کے تعلقات کی روش میں فرق۔ اور امام یعنی والی  
امیر مسلمین کے تقرر و نصب میں فرق۔ ایک کو دوسرے سے کچھ نسبت ہی نہیں۔

امامت کا مقصد تو ہم کو معلوم ہو گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مقصد کس طرح حاصل  
ہو سکتا ہے۔ اس کا حصول محض امام کے نیت، فعل و عمل، علم، اور ارادہ پر منحصر ہے۔  
نیت ایسی کہ اُس کا ہر فعل و قول رضائے خداوندی کے مطابق ہو۔ علم ایسا کہ شریعت اسلامیہ  
اور تاویل قرآن اور اہلیت استنباط اور اجتہاد میں کامل ہو۔ اُس کو لوگوں سے یہ نہ پوچھنا  
پڑے کہ اس امر میں میں کیا کروں۔ رسول کا طرز عمل اس میں کیسا تھا۔ تمہاری رائے میں  
قرآن اس پر کیا کہتا ہے۔ یہ نہ کہنا پڑے کہ دیکھو مجھ پر شیطان غالب ہو جاتا ہے جب  
تم مجھ کو ٹیڑھا دیکھو تو سیدھا کر دو۔ یا یہ کہ لولا علیٰ ہلکنا عمر بلکہ وہ سب سے

شریعت اسلامیہ کا اصول

امامت کا مقصد کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔

بیانگ دہل کہے کہ سلوئی قبل ان تفقدونی حضرت علی فرماتے ہیں۔

فَأَسْأَلُونِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَسْأَلُونَنِي  
عَنْ شَيْءٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ وَلَا عَنْ فِئَةٍ تَهْدِي مِائَةَ وَتُضِلُّ  
مِائَةَ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِتَأْعِيفِهَا وَقَائِدِهَا وَسَائِقِهَا وَمُنَاجِحِهَا كَأَنَّهَا  
وَمَحْطِ بِحَالِهَا وَمَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَهْلِهَا قَتْلًا وَتَمُوتُ مِنْهُوَ تَمُوتَانَا

خطبہ ۱۹ ص ۸۲ حصہ اول نبج البلاغہ شرح محمد عبدہ

ترجمہ۔ راب موقع ہے مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔ اُس ذات کی قس  
جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کی جو بات مجھ سے  
پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے جس نے سینکڑوں کو  
ہدایت کی ہو سینکڑوں کو گمراہ کیا ہو تو میں اس کے لکارنے والے اور اُسے آگے سے کھینچنے  
والے اور پیچھے سے ڈھکیلنے والے اور اس کی سواریوں کی منزل اور اس کے ساز و سامان  
لدے ہیئے) پالانوں کے اترنے کی جگہ تک بتاؤں گا اور یہ کہ کون ان میں سے قتل کیا جائے  
اور کون اپنی موت مرے گا۔

ایک دوسرے خطبہ میں آپ نے اس طرح فرمایا: سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ فَوَاللَّهِ لَا تَسْأَلُونَنِي  
عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ وَسَلُونِي عَنْ كِتَابِ اللَّهِ فَوَاللَّهِ مَا مِنْ آيَةٍ إِلَّا وَأَنَا  
أَعْلَمُ وَأَبْلَى نَزَلَتْ أُمَّ بِنَهَا بِرَأْسِهَا فِي سَهْلٍ أُمَّ فِي جَبَلٍ

ترجمہ۔ پوچھ لو مجھ سے جو تمہارا جی چاہے۔ قسم بنی کسی شے کی بابت تم مجھ سے نہیں دریافت  
کرو گے لیکن یہ کہ میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ مجھ سے کتاب اللہ کی بابت دریافت کرو قسم بخورنا

۱۵ ابن عبد البر: الاستيعاب المجرع والثانی ترجمہ علی بن ابی طالب ص ۴۵، ۴۶، ۴۷

ابن سعد: طبقات الکبریٰ ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱

ابن حجر مکی: صواعق محرقة باب التاسع فصل الثالث ص ۴۷ فصل الرابع ص ۷۷

شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ: نیایع الرواة باب الثالث عشر ص ۵۳ باب الرابع عشر ص ۶۰

حضرت علی کا درجہ علم

حضرت علی کا درجہ علم قرآن

ی آیت قرآن کی نہیں لیکن میں اس کی نسبت جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ میدان  
نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔

یہ ہے امام منصور من اللہ۔ لوگوں سے اپنے تئیں یہ رہا نہیں کروانا بلکہ ان سے

تاریخ:-

مِنَّا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظُّلُمَاتِ وَاسْتَمْتَمْتُمْ الْعُلْيَاءِ، وَبِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنْ  
السَّرَادِ وَقَمَرًا سَمِعْتُمْ لَمْ يَفْقَهُ الْوَالِدِيَّةَ وَكَيْفَ يَرَاهِي النَّبَاةُ مَنْ اَصْبَهَهُ الصَّحِيحَةَ  
بَطْ جَنَانٍ لَمْ يُفَارِقَهُ الْخَفَقَانُ، مَا زِلْتُمْ اَنْتَظِرُ بِكُمْ عَوَاقِبَ الْخَدْرِ  
اَتَوْ سَمَكُمُ بِحِلْيَةِ الْمُغْتَبِرِينَ سَتَرْتَنِي عَنْكُمْ حِلْيَابِ الدِّينِ وَبَصَرِي فِيكُمْ  
بِمَدَقِ النِّيَّةِ، اَقَمْتُمْ لَكُمْ عَلَي سَنَنِ الْحَقِّ فِي جَوَادِ الْمَضَلَّةِ، حَيْثُ تَأْتِقُونَ  
وَلَا دَلِيلَ، وَتَحْتَضِرُونَ وَلَا تَمِيحُونَ، الْيَوْمَ اَنْطِقُ لَكُمْ الْعَجِزَاءِ ذَاتِ الْبَيَانِ  
عَرَبِ رَايِ امْرٍ فِي تَخَلَّفَ عَنِّي، مَا شَكَّتُ فِي الْحَقِّ مُدَارِيَّتَهُ، لَمْ يُوجِبْ  
مُوسَى خِيفَةَ عَلَى نَفْسِهِ، اَشْفَقَ مِنْ غَلْبَةِ الْجُعَالِ وَدَوَلِ الصَّلَاةِ الْيَوْمَ  
لَوْ اَقْتَنَا عَلَى سَبِيلِ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ مَنْ وَثِقَ بِمَاءٍ لَمْ يَطْبَأْ

(شرح محمد عبدہ خطبہ ص ۳۳)

ترجمہ۔ تم لوگوں نے تاریکیوں میں ہمارے ذریعے سے ہدایت پائی۔ اور ہمارے سبب سے  
تم بند ہوئے (اور تمہارا بول بالا ہوا) ہماری ذات سے تمہیں شب کے اندھیرے میں صبح کا  
احیال ملا۔ وہ کان بہرے ہو جائیں جو وعظ کو نہ سُنیں۔ (اور عبرتوں کو نہ سمجھیں) مگر وہ دھبی آواز کو  
کیا سن سکتا ہے جس کو سخت اور کسخت آواز نے بہرا کر دیا ہو۔ خدا اس دل کو مضبوط اور مستقل  
رکھے جو خوف الہی سے لرز رہا ہو۔ رہ گئے تم تو مجھے ہمیشہ تم سے دھوکہ اور دغا بازیوں کی  
امید تھی۔ اور میں منتظر تھا اور میری نظر (فراس ت) تم میں فریب خوردہ لوگوں کے اوصاف  
محسوس کر رہی تھی (مگر یہ کہ) دین کی ظاہر چادر نے جو تم اور اٹھے ہوئے تھے مجھے تم سے چھپائے  
رکھا (اگرچہ) میری کھری (اور بے لوث) نیت نے تم کو (تمہاری مخفی حالت اور ولی کیفیات کو)  
مجھے دکھا دیا (اور مجھ پر ظاہر کر دیا تھا) میں گمراہ کرنے والے اور بھٹکانے والے راستوں میں

حضرت علی کا دعویٰ برتری اور ستمنازی

تھارے لئے راہِ حق اور صوابِ مستقیم پر کھڑا ہونا چاہیے کہ تم ملتے تھے اور چلتے تھے اور تمہارا کوئی رہسیر نہ تھا اور تم گمراہی کی پیاس میں ہدایت کے (کوئی نہیں کھو دتے تھے اور پانی نہیں نکلتا تھا۔ آج میں تمہارے لئے گونگوں (بے زبانوں) کو گویا کر رہا ہوں (رموز و اشارات کو بیان کے دیتا ہوں) اس شخص کی کوئی رائے نہیں جس نے مجھ سے کنارہ کشی کی اور میرا ساتھ نہ دیا۔ جب کے میں نے حق کو کھینچا ہے مجھے کبھی اس میں شک نہیں پیدا ہوا۔ موسیٰ کو ساحروں کے معاملہ میں) اپنی جان کا ڈر نہ تھا بلکہ اُس کا خوف سب سے زیادہ تھا کہ کہیں دولتِ ضلالت کا قیام نہ ہو۔ اور باطل حق پر فتیحا بسا اور غالب نہ ہو جائے اور جاہل طبقہ کی نہ بن آسکے) دونوں آج حق اور باطل کے راستے پر کھڑے ہیں (یعنی میں راہِ حق پر ہوں اور تم باطل پر) یقیناً جو شخص پانی پر رختی پر پڑے پھر وہ سہ کرے گا وہ پیاسا نہ رہے گا (یعنی جس کے ساتھ پانی محفوظ ہو گا وہ پیاس کے وقت ہلاکت سے محفوظ رہے)۔

اختیاری امام اور منصوب من اللہ امام کا فرق دیکھا۔ مقدم الذکر لوگوں سے ڈرے گا کہ کہیں یہ مخالف ہو کر مجھے مفرت نہ پہنچائیں۔ ان کی رایوں نے مجھے بنایا ہے۔ ان کی زائیں مجھے معزول بھی کر سکتی ہیں۔ وہ کہے گا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تم میری کجی کو سیدھا کر دیا کرو۔ وہ اپنے میں کجی محسوس کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں لوگ میری کجی کو نہ پکڑ لیں۔ لہذا ان سے ہی کہتا ہے کہ بھئی تم ہی سیدھا کر دیا کرو۔ تاکہ اگر کبھی اُس کی کوئی کجی پکڑی جائے تو وہ کہہ سکے کہ تم نے کیوں نہ مجھے سیدھا کر دیا۔ منصوب من اللہ امام اپنے میں کسی کجی کو پاتا ہے اور نہ لوگوں کی رایوں سے خائف ہوتا ہے۔ بلکہ کہتا ہے کہ اگر تمہاری رائے میرے برخلاف ہے تو تم غلطی پر ہو۔ اُس کو کوئی شخص اُس کے عہدے سے ہٹا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ عہدہ تو خدا نے اُس کو دیا ہے۔

امامت کے مقصد کی تکمیل امام کے کمال ظاہری و باطنی پر موقوف ہے امام کے صفات کو ہم سابقہ بحث میں بیان کر چکے ہیں مختصر الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام ایسا شخص ہونا چاہیے کہ جو مکمل قرآن پر عمل کر کے لوگوں کے عمل کے لئے ایک نمونہ پیش کر سکے۔ قرآن شریف کے ہر ایک امر اور ہر ایک نہی کی پابندی اُس کے لئے

اختیاری امام اور امام منصوب من اللہ میں فرق

مفہم امامت کی تکمیل میں بیوصفات امام



شرط اولین ہے۔ اُس کے احکام میں، اُس کے عمل میں اُس کے قول میں کوئی ایسی غلطی  
 گناہ نہ ہو جس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے باعث گناہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے  
 ہیں کہ امام کو معصوم ہونا چاہیے ایسا امام کہ اُس کے قول و فعل پر عمل کر کے لوگوں کی  
 حجت خداوند تعالیٰ کے اوپر نہ قائم ہو سکے۔ یہ وہ بات ہے کہ جس کو انسانی عقل و قیاس  
 پر چلنے والے لوگ کبھی نہ مانیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ بھلا کوئی انسان بھی معصوم ہو سکتا  
 ہے۔ کبھی نہ کبھی تو اُس سے ضرور گناہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی قدرت کو محدود  
 سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جن جن کو ہم نے دیکھا وہ معصوم نہ تھے لہذا کوئی انسان معصوم  
 نہیں ہو سکتا۔ یہ پہلی غلطی ہے جو وہ کرتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے سب آدمی سب  
 زمانوں کے تو نہیں دیکھے۔ چند آدمیوں کو اپنے پس پیش دیکھ کر یہ عام قاعدہ نکال لینا  
 درست نہیں۔ ہر ایک الہامی دین ماننا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو حضرت آدم کے  
 سجدہ کرنے کو کہا۔ فرشتے معصوم تھے۔ اگر حقیقت آدم غیر معصوم ہوتی تو خدا پر معاذ اللہ  
 ظلم کا الزام عائد ہوتا کہ معصوم سے غیر معصوم کو سجدہ کرایا۔ یہ دو آیات ملاحظہ ہوں۔  
 (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
 کیسی اطاعت درکار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۲) فَادْرَأْكَ لَا يَوْمِنُونَ حَتَّى يُجْزَىٰ بِكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا  
 فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا - ۲ : ۶۵  
 ۳۳۔ وَمَا تَأْتَاكَمُ الرَّسُولُ فُحْشًا وَلَا جُورًا وَمَا هَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۝ ۵۹ : ۷

۴۔ وہ آیات قرآنی جن سے اولی الامر کے لفظ امر کی تشریح ہوتی ہے۔  
 ان آیات پر بہت اچھی طرح غور کرنا چاہیے سارے مطالب حل ہو جائیں گے۔  
 اول تو یہ دیکھو کہ جناب رسول خدا کی امامت کے قبول کرنے کو شرط ایمان قرار دیا  
 ہے۔ اور آنحضرت کی اطاعت کو اُس امامت کا جزو و اصل قرار دیا ہے۔ اُس کے  
 بے چون و چرا اطاعت ہی شرط ایمان ہے۔ ظاہری اطاعت کافی نہیں۔ بلکہ دل میں بھی  
 کوئی ایسا خیال نہ آنا چاہیے جو اس اطاعت کے منافی ہو۔ یعنی اطاعت تو کر لی۔ اور حکم تو

مان لیا۔ لیکن دل میں خیال آیا کہ یہ بُرا ہوا، یا اس سے ہمیں نقصان پہنچے گا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم دائرہ نبوت سے باہر تھا تو وہ اطاعت کافی نہ ہوئی۔ اور اُس شخص کا ایمان بھی ناقص ہو گیا۔ یہ حکم قطعی ہے کہ جو رسول حکم دے اور جو کام وہ کرے اُس کی پیروی کرو۔ ما ارسلناکُم الا لعلکم تعبدون اور جس بات سے وہ روکے اُس سے روک جاؤ و ما نکھاکم عند فائزہ اور ان احکام کے خلاف کسی طرح کا گمان اپنے دل میں نہ کرو۔ یہ اطاعت کامل ہے۔ رسول کا حق ہے۔ لیکن ہر ایک حق کے ساتھ فرض ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ رسول جو حکم دے گا وہ خدا کی طرف سے قرآن کے مطابق ہو گا۔ عصمت کامل پر مبنی ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کے اوپر حجت باقی رہ جائے گی۔ خداوند تعالیٰ ہمارے اُن غلط افعال و اعمال کی سزا نہ دے سکے گا جو ہم نے رسول خدا کے غلط احکام کی اطاعت میں کئے ہیں۔ لہذا خدا نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ رسول و اولی الامر کو معصوم خلق کرے اور اُس معصومیت کی اطلاع بھی اُمّت کو دیرے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الذہب اہل البیت و لیطہرکم تطہیرا اور جناب رسول خدا نے عملاً و قولاً بتا دیا کہ یہ آیت منکن کے متعلق نازل ہوئی۔ جناب رسول خدا ﷺ علی مرتضیٰ جناب فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام میں یہ آیت لفظ اثما کے ساتھ منصوص ہے۔ دیکھو البلاغ المبین حصہ اول ص ۲۹۴ تا ۵۱۲ طبع ثانی۔ آیت اطاعت میں جو لفظ اولی الامر ہے اُس کی تشریح اب اچھی طرح ہو گئی۔ لیکن لفظ امر کی ابھی ہم اور تشریح کرتے ہیں۔ ایک آیت سورۃ قدر میں بیلۃ القدر کی صفت اس طرح بیان کرتی ہے۔ تَنْزَلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كَلِّ امْرِئٍ الْقَدْرِ، ۹: ۴ تاج کینی کے مطبوعہ قرآن شریف میں فتح محمد جالندھری نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "اس میں رُوح (الامین) اور فرشتے ہر کام کے را انتظام کے لئے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں" شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کا ترجمہ یہ لکھا ہے "فرود می آئند ملائکہ از آسمانہا وارواح از مقام علیین در اں شب برائی ملاقات اہل کمال و اقتباس انوار اعمال بنی آدم" من کل امراہ

آیت لطمہ  
آیت بیلۃ القدر

سب سے لکھتے ہیں۔ ” بیان ملائکہ و ارواح است یعنی ملائکہ ہر امر و ارواح ہر امر کے متعلق  
قرب و کمال است نزول میفرمائید ہر چند جمیع اشخاص منزول علیہم مستعدان تریب و  
کمال نباشند۔“

یہ دونوں ترجمے معہ اپنی تفسیری نوٹ کے صریحاً ظاہر کرتے ہیں کہ مولوی فتح محمد صاحب  
ور شاہ صاحب دونوں کے دل میں کچھ بات کھٹک رہی ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرنا  
چاہتے۔ فتح محمد صاحب کا ترجمہ لیجئے۔ ”انتظام کے لئے اترتے ہیں یہ نہیں بتایا کہ کون  
انتظام کرتا ہے۔ اور کس پر نازل ہوتے ہیں کیا زمین پر نازل ہو کر خود ہی انتظام  
کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر خود ہی انتظام کرنا تھا تو پھر زمین پر اترنے سے کیا  
فائدہ۔ عالم فضاء ہی سے انتظام کر سکتے تھے۔ اور پھر وہ انتظام کیا ہوتا ہے۔ جیات و نباتات کا  
یا تقسیم رنج و راحت کا یا تقسیم رزق کا۔ انتظام کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ منتظم خود بھی  
اپنے میں ان انتظام میں موجود رہے۔ فرشتے تو انتظام کر کے ایک ہی رات میں مطلع فجر  
سے پہلے پہلے چلے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب نے وضاحت فرمائی کہ نہیں۔ انتظام وغیرہ  
کچھ نہیں۔ وہ تو چند اہل کمال کی ملاقات کے لئے اترتے ہیں۔ اور نیز آدمیوں کے اعمال  
کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔ ذرا اس اقتباس انوار اعمال کی تشریح ہو جاتی تو  
اچھا تھا۔ آگے چلئے۔ اتنا تو کہہ دیا کہ وہ چند آدمیوں پر نازل ہوتے ہیں۔ یہ ہی  
غیبت تھا۔ لیکن کل بنی آدم کے اعمال کے انوار سے اقتباس کرنا ایک اور جہت  
ہے جس کے حل سے اجتناب فرمایا گیا ہے۔ اعمال کے انوار کا اقتباس۔ اس کو سمجھئے  
اگر آپ سمجھ سکتے ہیں۔ ”بن کل امر“ ایک اور مشکل جملہ تھا۔ اس کی توضیح اس طرح فرمائی  
گئی ہے کہ فرشتگان ہر امر اور ارواح ہر امر۔ اصل میں تو لفظ روح بصیغہ واحد ہے  
جس کو مولوی فتح محمد صاحب نے روح الامین سمجھا۔ شاہ صاحب نے اس واحد کو جمع  
کیوں بنایا۔ غالباً اس لئے کہ ان پر لفظ ہر امر چسپان ہو سکے۔ امر سے مطلب شاہ صاحب نے  
یہاں صفت و خصلت یا قابلیت و اہلیت لیا ہے ایک روح میں تو ساری صفات و  
کمالات کا اجماع شاہ صاحب نے مناسب نہ سمجھا۔ شاید اس وجہ سے کہ اگر یہ اصول

مان لیا تو کہیں امام کو جامع ہر صفات نہ ماننا پڑ جائے لہذا بے شمار کمالات کے لئے عالم علیین میں سے بے شمار ارواح کو لانا پڑا۔ اور قرآن شریف کی ایک رُوح کی کئی رُوحیں بنانی پڑیں۔ اگر ان کمالات کی تفصیل کر دی جاتی اور ان کو شمار کی قید میں لے آیا جاتا تو زیادہ وضاحت ہو جاتی۔ موجودہ صورت میں تو شاہ صاحب کا مطلب واضح نہ ہو سکتا ملائکہ کے جداگانہ کمالات کی بھی تشریح نہ کی گئی۔ پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ جن آدمیوں کی ملاقات کے لئے وہ ارواح اور وہ ملائکہ نازل ہوتے ہیں وہ درجہ کمال و قرب میں ان ارواح و ملائکہ سے نیچے درجے کے ہوتے ہیں۔ اپنے سے کمتر آدمیوں کی ملاقات سے کیا فائدہ اور اس کے لئے آسمان سے زمین پر آنے کی تکلیف کیوں برواشت کی جائے۔ اس ملاقات میں کیا کرامت و عظمت ہے کہ معمولی رات کو شب قدر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ سلامتی ہی حتی مطلع الفجر۔ یہ ملاقات متعلما نہ حیثیت سے ہوتی ہے۔ یا معلما نہ حیثیت سے یا محض دوستانہ ضابطہ کی ملاقات ہے۔ ایک آیت کی تفسیر کیا فرمائی اُس کو متعذر چیتاں میں تبدیل کر دیا۔ اور ہر چیتاں ایک معتمہ مالاٹچل بن گئی۔

دوسرے نقطہ نگاہ سے یہ بحث ہوتی ہے جس کو مولوی مقبول احمد صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں لکھا ہے: "امام جعفر صادق سے مروی ہے جس کا سلسلہ رواۃ جناب رسول خدا تک پہنچتا ہے کہ حضرت جبریل (روح الامین) اور دیگر ملائکہ ہر شب قدر کو جناب رسول خدا اور ان سے پہلے کے انبیاء پر تمام احکام خداوندی تقسیم قدرات لے کر نازل ہوتے تھے۔ ان کے بعد حضرت علی پر اور ان کے بعد دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ اب امام زمان حضرت صاحب العصر پر نازل ہوتے ہیں"۔

کیا یہ بیان واقعہ زیادہ مطابق عقل و فہم نہیں ہے بہ نسبت ان چیتاؤں کے جو فتح محمد صاحب اور شاہ صاحب کے دماغوں نے ایجاد کئے ہیں۔ یہ اعتراض کہ امام غائب کا کیا اثر اور ان سے کیا فائدہ قابل توجہ نہیں ہے۔ اس کو تفصیل سے غیبیت کے عنوان کے نیچے بیان کریں گے۔ یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کیا جائے

کہ غائب کس کو کہتے ہیں۔ ایک کمرہ میں ایک شخص ہے جس کو میں نہیں دیکھ سکتا۔ میری نظروں سے غائب ہے کیا اُس کو غائب کہیں گے؟ خُدا بھی غائب ہے۔ شیطان بھی انسان کی نظروں سے غائب ہے۔ ہوا بھی نظر نہیں آتی۔ اور بہت سے فضائی اثرات جو انسان کی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں انسانوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ کیا اُن کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور کیا اُن کا کچھ فائدہ نہیں ہے اگر ہے تو امام غائب کے لئے یہ اعتراض کیوں قائم کیا جائے؟

آیہ اطاعت میں ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن شریف جناب رسول خدا کے زمانے کے لوگوں پر حاوی تھا یا نہیں؟ ضرور تھا۔ وہ سب قرآن شریف کے پابند تھے۔ ایسے پابند کہ کہا گیا کہ حَبْنَا كِتَابَ اللّٰهِ۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ اس آیہ اطاعت میں جو اولی الامر مِنْكُمْ کا ذکر ہے وہ اولی الامر جناب رسول خدا کے زمانے میں بھی تھے۔ جب ہی تو اُن کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آیت تو آج نازل ہوئی، اُسکا اطلاق دس برس بعد ہو گا۔ اور اگر یہ ہی معنی لئے جائیں تو اس آیت کا اطلاق کبھی بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ حَبْنَا كِتَابَ اللّٰهِ کہنے والے رحلت رسول کے دن تیار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو یہ کہیگا کہ رسول نے رحلت کی تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔ رسول تو مبقا موسیٰ کی طرح ملاقات خدا کے لئے گئے ہیں۔ اُن کے نزدیک رسول خدا مرنے والے ہی تھے لہذا آیت نازل تو ہو گئی لیکن عمل کے لئے نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی غلط ہیں! اولی الامر رسول خدا کے زمانے میں ہی تھے۔ اُس وقت بھی واجب اطاعت تھے۔ اور وہ وہ لوگ تھے جن کو جناب رسول خدا بارہا بتا چکے تھے۔ وہ حدیث ثقلین کے مطابق عترت رسول تھے اور وہ ہی قرآن شریف کے ساتھ اُس وقت بھی تھے اور بعد میں بھی رہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن تک ساتھ رہیں گے۔ اُن کی بے چون و چرا اطاعت مسلمانوں پر واجب کی گئی ہے۔

امامت کے قائم کرنے میں لوگوں کو مطلق دخل نہیں ہے۔ ایسا امام کہ جس کی امامت اسلامیہ کے لئے ضرورت ہے صرف خدا ہی خلق کر سکتا ہے اور منتخب کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے ایسے اماموں کو خلق کرنا اور ان کو منتخب کرنا ہی تو وہ بڑی نعمت تھی جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔ **الْيَوْمَ اكْتَسَبْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ سَرَّحْتُ لَكُمْ اِلَهِ سَلَامٍ دِينًا مَلَكُوتًا**۔ جب لوگوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور اس کو نعمت نہ سمجھا تو وہ نعمت نظروں سے غائب کر دی گئی۔ اور مسلمان اس عذاب میں مبتلا ہو گئے جو اب تک جاری ہے اور جاری رہے گا جب تک مسلمان اپنی کفران نعمت کی توبہ نہ کریں اور اس نعمت کی واپسی کی دُعا نہ کریں۔ اور اس شے کو نہ چھوڑ دیں جس کو اس نعمت کے بدلہ انہوں نے اختیار کر لیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہو چکا ہے۔

اسلام میں صحیح امارت ایک نعمت ہے۔  
آیت نمبر

**وَ اِذْ تَاذَنَّا لَكُمْ لِيُنزِلَ عَلَيْكُمْ حُرْمًا لَدُنَّا فَتُكْفَرُ وَاَنْتُمْ كَاْفِرُونَ**

ابراہیم ۱۲: ۷

**وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**

البقرہ ۲: ۲۱۱

اس نعمت کا عطا کرنا خداوند تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ لوگوں کو یہ اختیار نہ تقویض ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ **وَ اِذْ يَتْلُو اٰیٰتِ رَبِّهِ الْاَكْبَارَ فَاتَمَّخَتْ اَنْفُسُهُمْ فَجَاءَكَ لَقَاۗئِنَّا اِنَّا جَاعِلٌ لِلنَّاسِ اِمَامًا طَقَالَ وَ مِنْ دُوۡرِ يَّتِي طَقَالَ لَا يَبَالُ عَمَّا يَظۡلِمُوۡنَ**۔ جناب رسول خدا کے زمانہ ہی سے بعض لوگوں کو حکومت کی خواہش تھی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے یہ کہہ کر ان کی خواہش کی تردید کر دی کہ یہ تو خراب کام ہے۔ **يَقُوۡلُوۡنَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاٰمِرِۖنَ شَيْءٌ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ط يُخْفَوۡنَ فِيۢۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوۡنَ لَكَ اِلَّا عَمْرٰۤن ۙ ۱۵۳**۔

یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس امر یعنی امر فتح یا امر حکومت میں سے کچھ ہمارے لئے بھی حصہ ہے۔ کہہ دے اے نبی کہ یہ تو سارا امر خدا کے لئے ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔

اس آیت پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ دو نہایت اہم امور اس سے ظاہر ہوئے

ایک تو یہ کہ امر خلافت محض نص خداوندی پر منحصر ہے۔ لوگوں کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ دوسرے اقتدار حاصل کرنے کی جو آپس میں سازش ہو رہی تھی اُس کو طشت از پام کر دیا۔ جو باتیں وہ رسول خدا سے چھپاتے تھے لیکن آپس میں اس پر گفتگو کرتے تھے وہ ایسی ہی باتیں ہو سکتی ہیں جن کو جناب رسول خدا پر ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ہم نے اس سازش اور فریق سازش کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ دوم طبع ثانی صفحہ ۲۸ میں بیان کیا ہے۔ جناب رسول خدا حضرت علی سے فرمایا کرتے تھے۔

قال ضغائن في صدورهم الا قوام لا يبدون خالك الا من بعدى۔

اے علی تمہاری طرف سے لوگوں کے دلوں میں کینے بھرے ہوئے جن کو وہ میرے بعد تمہارے خلاف ظاہر کریں گے۔ اور آپ یہ بھی فرماتے تھے۔

يا اعلیٰ ان الہ متستخدر بک من بعدی اے علی میرے بعد تمہارے ساتھ یہ امت دعا کرے گی۔

اس اصول کو کہ امت کے لئے رہنما، بادشاہ یا امام مقرر کرنا خدا کی طرف سے ہے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۲۶ میں طاوت کے قصہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِي مَدَدًا مِّنْ تَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيمٌ ۙ

اس میں وجہ بھی بیان کر دی۔ خداوند تعالیٰ کو ہر ایک شخص کی نیت، طاقت، ہمت اور وسعت ارادہ کا کامل علم ہے۔ لوگوں کو یہ علم حاصل نہیں ہے۔

یونانی ملکہ پر بعض نادان بحث کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں جن کو حکومت ملی وہ خا زدی تم لوگ کیوں اس سے انکار کرتے ہو۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس آیت کا عکس صحیح نہیں ہے۔

یعنی یہ تو ہے کہ اپنے ملک کی حکومت خا خود دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ لیکن عکس درست نہیں کہ جس کو حکومت مل جائے وہ خا کی طرف سے عطا کی ہوئی سمجھی جائے۔

ملکہ، یعنی خا کی بادشاہت۔ اس سے حکومت الہیہ مقصود ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا پر حکومت فرعونہ بھی ہوتی ہے وہ خا کی عطا کی ہوئی نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کے لئے خا خود بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا

آنحضرت کو خائفین علی کا علم تھا

امامت منصوب من اللہ

سقیفہ والوں کو یہ ہدایت ہو رہی ہے خدا کے ملک میں تو جنات و جنوں و طیور و عناصر بھی ہیں۔ جن کو خدا امام مقرر کرتا ہے ان کو ان پر بھی اقتدار عطا کرتا ہے اور وہ اس کے زیر فرمان ہوتے ہیں اور یہ ہی مطلب ہے ان آیات کا۔ حضرت سلیمانؑ یہ دُعا مانگتے ہیں  
 قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي أَعْجِبْ إِنْكَ أَنْتَ  
 الْوَهَّابُ خداوند اچھے بخشنے والے اور مجھے وہ ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے واسطے  
 شایان نہ ہو۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ تو بڑا بخشنے والا ہے۔

حضرت سلیمانؑ جانتے تھے کہ حکومتیں تو ان سے زیادہ بڑی پہلے ہی چکی ہیں اور ان کے  
 بعد بھی بڑی سلطنتیں ہوں گی۔ ان کی سلطنت تھی ہی کتنی بڑی۔ بہت چھوٹا قطعہ ملک  
 تھا۔ اس کے بعد کی آیت اس کو بالکل ہی صاف کر دیتی ہے۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ  
 الْجَبَّتِيَّ يَأْتِرُهَا سُرْحَاءٌ حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَتَاءٍ وَ  
 غَوَاصٍ ﴿۳۸﴾ وَالْآخِرِينَ مُقَرَّرِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ ص ۳۸، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

ترجمہ:- پس ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے  
 ان کو بہ نرمی و باسانی پہنچا دیتے تھے اور شیاطین کو ان کا ماتحت کر دیا تھا وہ عمارتیں  
 بناتے تھے اور دریا میں غوطے لگاتے تھے اور کچھ اور تھے جو پٹریوں میں جاڑے رہتے تھے۔  
 اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے وہ ملک خدا سے مانگا تھا جو اور لوگوں کی  
 طرح ظلم و جور سے نہیں ملتا۔ بلکہ خدا اپنے پاس سے دے دیتا ہے اور وہ ایسا کمبل  
 ہوتا ہے کہ عناصر و جن بھی ان کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ یہ امام کی شان ہے کہ ان کا  
 حکم عناصر پر بھی چلتا تھا۔ یونانی حکومت والے تو صرف آدمیوں پر حکومت چلا سکتے ہیں  
 اور وہ بھی ظلم و جور کے ساتھ۔ یہ ہے فرق امامت الہیہ میں اور حکومت یونانیہ میں  
 بقول اقبال

نائب حق در جہان آدم شود بر عناصر حکم او محکم شود

اصل ہے

اسلام میں حاکم الہیہ یا امام کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں۔ قرآن نے اصول قائم



علم کر دئے ہیں۔ اُن اصول کے مد نظر ہر مقدمہ کے جدید حالات کے مطابق فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ فیصلہ کرنا بذریعہ اجتہاد و استنباط فقط امام کا حق بھی ہے اور فرض بھی ہے کیونکہ وہ سب میں اعلم ہوتا ہے۔ اس علم کامل کی بناء پر وہ صحیح اجتہاد کر سکتا ہے۔ وہ بھی محض اپنے قیاس سے حکم نہ دے گا۔ بلکہ قرآن شریف کے مقرر کردہ اصول کو حالات مقدمہ پر حاوی کر کے فیصلہ دے گا۔ اگر ہر ایک عالم کو اپنے قیاس پر عمل کرنے کی اجازت ہو جائے تو اسلام میں تفرقہ پڑ جائے اور ہر ایک عالم کے نام سے ایک فرقہ بن جائے۔ چنانچہ اس طرح فرقہ بن گئے۔ چار تو بہت مشہور ہیں۔ حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی۔ وراں کے علاوہ ان کی شاخیں بہت سی پھوٹ آئی ہیں۔ اس ہی وجہ سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا طریقہ قضا قابل اعتراض ہے۔ اُن کا طریقہ یہ تھا: جب حضرت ابو بکر کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے۔ اور اگر اس میں حکم مل جاتا تو اسی پر فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے۔ اور اگر ان کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلعم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے۔ اس حالت میں اکثر لوگ اٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ دریافت فرماتے تھے۔ آگے چل کر یہ مصنف کہتا ہے کہ صحابہ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی۔ اس حالت میں ان کو مجبوراً قیاس کرنا پڑتا تھا جس کو وہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید میں کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ

۷۷۷ تاریخ فقہ اسلامی یعنی تاریخ التشریح الاسلامی تالیف علامہ محمد انحضری کا اردو ترجمہ زعمی السلام

ملتی تو لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ لیتے اور جب کسی چیز پر اُن کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ اور یہ ہی مشورے اپنے قاضیوں اور عاملوں کو دیتے تھے کہ اگر کوئی چیز قرآن و حدیث میں نہ ملے تو غور کے بعد اپنے قیاس پر عمل کرو۔

ظاہر ہے کہ یہ طریقہ بالکل غلط تھا۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ كِي يَهْدِنَا السَّبِيلَ۔ یہ کتنی بڑی عملی تفسیر ہے قرآن کو ابھی نازل ہوئے ہی کتنے دن ہوئے تھے اُس کو نا کافی اور ناقص مان لیا۔ اُس زمانہ ہی کے مطابق نہ تھا تو اُس کا فائدہ آئندہ کی نسلیوں کے لئے کیا ہوگا۔ لوگوں سے اس طرح پوچھنا غلط طریقہ تھا۔ اس طرح غلطی کے قائم رہنے کا امکان تھا۔ کسی نے حدیث نہ سنی ہو۔ غلط معنی سمجھے ہوں۔ حدیث ہو لیکن اُن لوگوں نے نہ سنی ہو۔ حضرت ابو بکر کو تو اپنی قلیل عرصہ کی خلافت میں ایسے معاملات پیش ہو گئے جو قرآن سے بھی حل نہ ہوئے۔ آنحضرت کے نسبتاً ۱۲ گئے زمانے میں ایسے معاملات پیش آئے جو قرآن کو نا کافی ثابت کر دیں۔ اور اصحاب کی طرف رجوع کرنا پڑے اور تو اور خلیفہ اُمت اسلامیہ کی جہالت کتنی نمایاں ہے کہ قرآن سے اجتہاد اور استنباط کرنے کی اہلیت ہی نہیں۔ اسلامی امامت کے لئے ایسا جاہل اور کم علم امیر موزوں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ جمہوریت کے دلدادگان اس طریقہ قضا کو پسند کریں۔ لیکن حکومت الہیہ کے لئے تو یہ کسی صورت میں موزوں نہیں۔ حضرت علی نے یہ طریقہ قضا اختیار نہیں کیا۔ وہ تو علی الاعلان صلواتے عام دیتے تھے کہ سلونی قبل ان تفقدونی فواللہ لاتعالونی عن شے والاخبارتکم و سلونی عن کتاب اللہ فواللہ مامن ایة الا وانا اعلم ابلیل نزلت ام بنہارام فی سهل ام فی جبل

۱۷۹۹ء تا ۱۸۰۰ء

از عبد السلام ندوی ص ۱۷۹، ۱۸۰

۱۸۰ ص ۲ ق ۲ ص ۱۰۱

صدائق محرقہ باب التاسع ص ۷۷، ۷۸ وغیرہ وغیرہ وغیرہ

یہ طریقہ غلط تھا

جس کے متعلق رسول خدا فرما چکے ہوں کہ انا مدینۃ العلم و علی باہما فن اراد العلم  
 فلیما ات الباب جس کے صحیح فیصلوں سے موثر ہو کر حضرت عمر کہیں کہ لولا علی لہلک العمر  
 وہ کیا فقہ میں صحابہ کی رائے کا محتاج ہو گا ۔

یہ تو ان لوگوں سے گفتگو تھی جو کہتے ہیں حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ غیر مسلم مصنفین و مورخین  
 کی بھی سن لیں وہ کیا کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس ہی رویہ کو دیکھ کر ان کے دماغ نے  
 یہ اختراع کی کہ ساتویں صدی کے قرآن میں بیسویں صدی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔  
 اس اعتراض کو ثابت کرنے کے لئے ان کے ذمہ ہے کہ وہ بتائیں کہ کون سے مسائل  
 ہجرت دُنیا میں ساتویں صدی عیسوی اور بیسویں صدی عیسوی کے درمیان نبی نوع انسان  
 کے سامنے آئے ہیں جو ساتویں صدی عیسوی تک نہیں پیدا ہو چکے تھے ثروتِ اذلا سے  
 تنازعات، آقا و مزدور کی کشمکش، عورت و مرد کے تعلقات، معیشت و معاشرت  
 کے اصول سب کچھ تو ساتویں صدی عیسوی سے پہلے پہلے زیرِ غور آچکے تھے، ان سب کا  
 ذکر و حل قرآن شریف میں موجود ہے۔ حکومت کا ہر نمونہ دُنیا میں اُس وقت تک  
 زیرِ عمل آچکا تھا۔ شیخانی طرز حکومت، انتخابی حکومت، آمریت، جمہوریت، قیصریت  
 بادشاہت ان سب صورتوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ سکندر، دارا، قیصر جیسے فاتحان  
 اور ان کی فتوحات کے انجام بھی لوگ دیکھ چکے تھے۔ حکومت کے متعلق سب اصول  
 قرآن شریف میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ ان تمام امور پر جو قرآن شریف نے  
 اپنے احکام صادر کئے اور ان کے متعلق اصول بتائے ان کا ہر موقعہ و محل پر استعمال  
 کرنا امام کا کام ہے۔ اور امامت کا فرض ہے۔ اصول کو نہ سمجھنا اور سمجھنے کی کوشش نہ  
 کرنا اور کہہ دینا کہ اس قسم کے مقادیمہ یا تنازعہ کے لئے قرآن شریف میں کوئی اصول ہی  
 درج نہیں ہے قرآن شریف کی کمی نہیں بلکہ اپنی سمجھ کے پھیر کا اقبال ہے۔ معلوم یہ  
 ہوتا ہے کہ اپنے قیاس کی آزادی حاصل کرنے کا یہ ایک بہانہ مقرر کیا گیا تھا۔ قیاس  
 کی آزادی حاصل کر کے رسول خدا کے احکام جانشینی سے نافرمانی کرنا مدعا ہو سکتا  
 ہے۔ اور اگر اس مدعا کو نہیں مانتے تو پھر حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ و لی اعتقاد سے نہیں کہا تھا۔

یہ مسلم مورخین اس طریقہ کو اپنی کتب میں ہی بنا دیا ہے

بلکہ ایک وقتی تجویز رسول خدا کے تحریر و وصیت کے خواہش کو رد کرنے کے لئے تھی یہ تو ظاہر ہے کہ جو واقعات زید کو درپیش آئے ہیں، بجنسہ ویسے ہی واقعات خالد کو پیش آئیں گے۔ اور جن تنازعات سے اپنی زندگی میں بکرنے مقابلہ کیا ہے وہ عمر کے سامنے تھے۔ یہ بات آنحضرت کے زمانہ میں بھی تھی، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ چنانچہ اصول مقرر کر لئے جاتے ہیں اور ان ہی کی بناء پر فیصلے ہوتے ہیں۔ اور یہ سب اصل قرآن شریف میں درج ہیں۔

### اصول ۶۵

جناب رسول خدا کے زمانہ میں جماعت مسلمین کی آمدنی کے ذرائع یہ تھے: ذکوٰۃ، خراج، جزیرہ، خمس، غنیمت، فے۔ ان میں سے ذکوٰۃ، خراج، جزیرہ اور غنیمت کا  $\frac{2}{5}$  حصہ تمام مسلمانوں کی جماعت کا حق تھا۔ باستثناء اس امر کے کہ غنیمت میں ان کا ہی حصہ ہوتا تھا جو اس لڑائی میں موجود تھے جس میں غنیمت حاصل ہوئی ہے۔ ذکوٰۃ مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی۔ جزیرہ ان یہود و نصاریٰ سے لیا جاتا تھا جو اپنے دین سے بھی مرتد ہو چکے تھے۔ خمس و فے محض جناب رسول خدا اور ان کے زوی القربی کا حصہ ہوتا تھا۔ ان کے متعلق ہم چند آیات قرآنی نقل کرتے ہیں:-

(۱) قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ التوبہ ۲۹: ۹

ترجمہ۔ اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے لڑو جو (۱) خدا اور ایمان پر ایمان نہیں رکھتے (۲) اور جو خدا و رسول نے حرام قرار دے دیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے (۳) اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں جب تک وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیرہ نہ دیدیں۔

(۲) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ الْمَسْجِلِ الانفال ۴۱: ۸

ترجمہ۔ اور جان لو کہ جو کچھ تم مال لڑکر لو تو ان میں کا پانچواں حصہ مخصوص خدا اور

اصول ۶۵

۳

Marfat.com

رسول اور رسول کے (قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے۔  
 (۳) وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا  
 مِثْمَارٍ وَلَا مَالٍ وَلَا لَكِنِ اللَّهُ يُسَلِّطُ سُلْطَانَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۹﴾  
 مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِإِيحَى الْمَقْرَبِينَ  
 وَالتَّبِيعِ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَمَا لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

الحشر ۵۹: ۶، ۷

ترجمہ۔ اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑے بغیر عنایت کیا ہے  
 تو اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا  
 ہے مسلط فرمادیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ دیہات  
 والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدوں جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول کا  
 اور رسول کے (قرابت داروں کا اور ان ہی کے) یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ  
 وہ مال (غنیمت) تمہارے دولت مندوں کے مابین چکر کھاتا نہ پھرے۔

قرآن شریف میں جزیہ کا لفظ سوائے اس آیت کے اور کسی جگہ درج نہیں ہے۔ اور  
 یہاں جو شرائط جزیہ کے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ جزیہ صرف ان یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر  
 اہل کتاب پر ہے جو اپنے دین سے بھی ہٹ گئے ہیں، اور خدا و آخرت کے منکر ہو گئے  
 ہیں۔ خدا اور رسول کے حرام کو حلال کر دیا ہے۔ اور اسلام بھی قبول نہیں کرتے۔

باقی دو آیتوں میں ذوی القربی ویتامی اور مساکین و مسافر سے مطلب رسول کے ذوی القربی  
 اور ان ہی کے یتیم، مسکین اور مسافر مراد ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ان پر صدقات حرام  
 ہیں۔ باقی مسلمانوں کے یتامی، مساکین، اور مسافروں کے لئے صدقات حرام نہیں ہیں۔  
 ان کو وہ ملیں گے۔

غنیمت، جزیہ، فے، زکوٰۃ، مسلمانوں کی جماعت کے ذرائع آمدنی صرف یہ ہی  
 تھے اور یہ سب رسول خدا تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر  
 ہے کہ آنحضرتؐ فوراً ہی ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی

تقسیم غنیمت و زکوٰۃ

خزانہ بیت المال) کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

”یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا۔ بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا“ (الفاروق حصہ دوم ص ۷۲)

آگے چل کر مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ جب بحرین کا خراج آیا تو حضرت علیؑ نے مشورہ دیا کہ اس کو خزانہ میں جمع نہ کیا جائے بلکہ فوراً ہی تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کے نہ مانا اور سلاطین شام کی پیروی میں خزانہ اور دیوان کا جدا جدا محکمہ قائم کیا۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۷۵)

قرآن شریف کی آیات سے جو ہم نے اوپر پتھر کر رکھی ہیں خصوصاً آیت نبرہ جس سے پارہ ہلکا شروع ہوتا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غنائم ماسوائے خمس کے ان لوگوں ہی کا حصہ تھا جو غنائم حاصل کریں۔ یعنی ان افواج کے لوگوں کا جنہوں نے لڑ کر غنائم حاصل کئے۔ اور وہ ان میں ہی تقسیم ہونے چاہئے تھے۔ خزانہ میں رکھنے کی نہ تو ضرورت تھی اور نہ اس کا جواز تھا۔ خراج بھی غنیمت کی تعریف میں آتا ہے کیونکہ وہ بھی تو لڑائی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اراضیات کے لئے بھی یہ ہی حکم تھا کہ وہ لڑنے والوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اکثر تو یہ ہوتا تھا کہ مفتوح کفار مالکان کو ہی اس اراضی پر قابض چھوڑ دیا جاتا تھا اور ان سے خراج لے لیا جاتا تھا جیسا کہ جناب رسول خداؐ نے یہودان خیبر کے ساتھ کیا تھا حضرت ابو بکر نے تو ان کو اسی طرح رہنے دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو نکال کر ان کی اراضیات پر قبضہ کر لیا۔ جناب رسول خداؐ نے اہل نجران کے ساتھ بھی یہی معاہدہ کیا۔ ان کی اراضیات ان کے لئے چھوڑ دی تھیں۔ حضرت ابو بکر نے تو اس معاہدہ کی تکریم کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی نکال دیا۔ اور ان کی اراضیات پر

ضد کر لیا ۵۲۹

مورثۃ القلوب کو بھی جناب رسول خدا غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے اور ایک عہد نامہ لکھا گیا تھا کہ ان کو ذکوة میں سے حصہ دیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر نے اس عہد نامہ کی تکریم کی۔ اور ان کو حصہ دیتے رہے یہ مورثۃ القلوب قریش میں سے تھے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو ان کے لیڈر وہ ہی عہد نامہ لے کر حضرت عمر کے پاس آئے لیکن حضرت عمر نے وہ عہد نامہ لکھا ہوا عہد نامہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور چاک کر کے پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ جب تو اسلام کمزور تھا تمہاری ضرورت تھی۔ عہد نامہ لکھا گیا۔ لیکن اب اسلام طاقتور ہو گیا ہے۔ تمہاری ضرورت نہیں رہی ہے۔

اہل فدک نے جب خیبر کی صلح کی خبر سنی تو انہوں نے آنحضرت سے اس طرح صلح کی کہ ادھی زمین آنحضرت کو دیدی۔ وہ خاص آنحضرت کی ملک ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اس کو فتح نہیں کیا تھا۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ نہ تھا۔ ایشہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ **وَآتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ** تو آپ نے فدک کی اراضیات جناب فاطمہ کے حق میں ہبہ کر دیں۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو جناب فاطمہ نے اس ہبہ کی بناء پر دعویٰ کیا۔ کیونکہ اگرچہ فدک جناب فاطمہ کے قبضہ میں چکا تھا لیکن حضرت ابو بکر نے وہ اراضیات اپنے قبضہ میں کر لی تھیں۔ جناب فاطمہ نے اس ہبہ کے ثبوت میں حضرت علی، ام ایمن اور حضرت حسین علیہم السلام کو بطور گواہان پیش کیا۔ حضرت ابو بکر نے ان کے حق میں شیقہ لکھ کر

۵۲۹ The origins of Islamic State Eng. Trans of  
futuḥ - ul - Buldan, Chapter III page 101-48, 49.

۵۳۰ Introduction to Muhamonadan Law by Nicolas P. Aghnides. 450

۱۵۱ فتح البلدان بلاذری ص ۴۳۔ تاریخ کامل لابن الاثیر الجزء الثاني ص ۸۵ وغیرہ وغیرہ

۱۵۲ سیدوطی: کتاب الدر المنثور الجزء الرابع ص ۱۷۷

۱۵۳ فتح البلدان ص ۴۴، ۴۵۔ صیغۃ فخرۃ باب الاول فصل الخامس ص ۲۲ -

وفاء الوفا الجزء الثاني باب السادس ص ۱۵۷

انہیں دیویا۔ وہ باہر آئیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے جناب فاطمہؓ نے کہا کہ فرک کی دستاویز ابو بکر نے مجھے لکھ دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے وہ وثیقہ لے کر چاک کر دیا۔ ۵۴

ان واقعات فرک کی تفصیلات کے لئے دیکھو ہماری کتاب البلاغ المبین حصہ دوم طبع ثانی ص ۲۰۰ تا ۲۲۲

یہ تمام واقعات ہم نے محض یہ ظاہر کرنے کے لئے لکھے ہیں کہ اسلام کی امامت کو کس طرح حضرت عمرؓ نے بتدریج یونانی حکومت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی فرک اس بنا پر لیا گیا کہ یہ حکومت کا ہے۔ شروع سے حضرت عمرؓ اس ہی کوشش میں تھے کہ امامت کو حکومت یونانیہ و رومانیہ میں تبدیل کر دیں بغیر اس کے ان کی حکومت کے لئے کوئی جواز نہ تھا۔ چونکہ امامت اسلامیہ کی اہلیت اور وہ صفات جو امام میں ہونی چاہئیں حکومت نصب شدہ سقیفہ میں نہ تھیں لہذا ان کے لئے ضروری ہوا کہ امامت کے تختیٹل ہی کو لوگوں کے ذہن سے مفقود کر دیں اور اس کی بجائے حکومت رومانیہ کا نقشہ جمائیں تاکہ اس کے لئے ان کی شخصیت موزون نظر آئے

### اصول ۹۸۷

حکومت یونانیہ کے یہ تین نہایت اہم ممیزات ہیں۔ اور ان سے ہی حاکم کی خصائل و صفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس حکومت کا وہ حاکم نہایت کامیاب اور عظیم الشان سمجھا جائیگا جو اپنے ہمسایہ ریاستوں کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ ہر وقت ان کے مال و اراضی پر نظر رکھتا ہے۔ اور بات بات پر تلوار کی دھمکی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار اپنا مقصد تلوار و مکاری سے حاصل کر لیتا ہے اور اپنی ان فتوحات کی وجہ سے اعظم کا لفظ حاصل کرتا ہے۔ مکاری، کذب، دغا بازی، فریب، لوگوں کو دھوکے میں رکھنا اس کی اس سیاست کے ارکان عظمیٰ ہوتے ہیں جس کو مورخین و

۵۴ علی بن برہان الدین الحلبي: - انسان العيون في سيرة الامين المامون الجزء الثالث

ص ۲۰۰



مصنفین کامیاب کا لقب دے کر آنے والی نسلیوں کے لئے نمونہ عمل حکومت مقرر کر دیتے ہیں۔ از سنہ ماضیہ میں بھی یہی ہوا۔ اور اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ گزری ہوئی باتوں کو تو گزرے ہوئے لوگ جانیں، آجکل جو یورپ اور اُس کی تقلید میں ساری دنیا میں ہو رہا ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور ہم نے بو اوپر لکھا ہے اُس کی تائید حرف بحرف روزانہ ہو رہی ہے۔ ان ہی یونانی تخیلات کے زیر اثر اور اپنے مفاد کے مد نظر حکومت سقیفہ نے بھی یہی روش اختیار کی۔ اور مسلمانوں نے اور یورپین مورخین مصنفین نے اُن حکام کو اعظم کا لقب دیا اور اُن کی سیاست کو کامیاب سیاست سمجھا گیا۔ خود ہی حضرت عثمان کو قتل کر وایا، خود ہی اُن کے خون کے دعویدار بن گئے۔ اور جب شکست کو نظروں کے سامنے دیکھا تو نیزوں پر قرآن چڑھا کر شکست کو روک دیا۔ اور رشوت سے اپنے حریف کے افواج اور سرداران کو اپنی طرف کر لیا۔ اور ان تداریر سے فتح حاصل کر لی۔ زہر اور روپیہ سے اپنے مخالفین کو ہٹاتے رہے یہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کا حریف ان باتوں سے بالاتر تھا لہذا بادشاہ بن گئے۔ مسلمانوں نے فوراً خلیفۃ المسلمین کہہ کر لٹیک کہا اور اب حضرت درضی اللہ عنہ کے القاب سے ملقب ہو کر جنت کے دعوے دار بن گئے۔ کہ شاید بھولا بھالا اخبار ہمارے جُل میں آجائے۔ یرپ والوں نے اپنی ہی سیاست کا رنگہ اس میں دیکھ کر اس سیاست کو کامیاب سیاست ٹھہرایا۔ مسلمانوں نے زندہ باد کے فلک شکاف نعروں سے زمین و آسمان ایک کر دئے اور سمجھے کہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا۔ لیکن اسلام کہتا ہے کہ معاملہ تو اب شروع ہوا ہے ختم تو کہیں اور ہی جا کر ہو گا۔

امامت یعنی حکومت اسلامیہ کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنا تو منجملہ دیگر تدابیر کے صرف ایک تدبیر تھی جن کے ذریعہ سے حکومت اسلامیہ کو خاندان نبوت میں سے نکالنا مقصود تھا۔ اس نے اسلام میں بہت برائیاں پیدا کر دیں جن میں سے ایک برائی تھی کہ اُن قدرات کو جن سے اسلام میں شخصیتوں کے مدارج مقرر کئے جاتے ہیں بالکل بدل دیا۔ اور آہ وانی ہدا یہ ان اکرمکم عند اللہ اتقا کہ کی مخالفت

امامت کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنے کی چند تدابیر

کر کے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اس انقلاب نے پھر دولت کو تقویٰ پر ترجیح دے کر مسلمانوں کا رخ اسی طرف کر دیا جس طرف کافرانہ دنیا جا رہی تھی اور جس کے بدلنے کے لئے اسلام آیا تھا۔ دنیاوی وجاہت و حکومت میں وہی جا ذہبت از سر نو پیدا کر دی جو دنیا میں ظلم کی بناء تھی۔ بلکہ مزید برآں یہ کہ اُس پر اسلام کی مہر بھی لگا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دنیاوی وجاہت ہی کو اپنا مقصد حیات اور اس حیات کا انتہائی ابلاغ سمجھنے لگے۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اس مقصد حیات کو بہت تفصیل سے اپنے تذکرہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ اور اس دنیاوی وجاہت و عروج ہی کو اصلی اسلام قرار دیا ہے۔

عیسائی مورخین و مصنفین تو اسلام کو بدترین شکل میں پیش کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے یہ اچھا موقعہ ہاتھ لگا۔ اپنی حکومت و سیاست کے اصول کی بناء پر جن کو مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے اسلام میں داخل کر لیا تھا اعلان کر دیا کہ علی کی سیاست ناکامیاں تھی اور حسین کا قتل ہونا جائز تھا کیونکہ انہوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ یہ ہستیاں ایسی تھیں جو اسلام کی فتح، نشیب و نما اور ترقی کا باعث تھیں۔ ان کو بدنام کرنا مسیحیت کی نمایاں فتح تھی۔ اور جب خود مسلمانوں کی طرف سے اس کو اٹھایا جائے تو انہوں نے اس کو مقدس ماں، باپ اور بیٹے کی صریح امداد تصور کر کے خوب اس سے فائدہ اٹھایا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ کسی تحریک کی کامیابی اور ناکامیابی کا انحصار اُس کے مقصد کے حصول یا فقدان پر ہوتا ہے۔ لہذا پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ جناب امیر علیہ السلام کی سیاست کا مقصد کیا تھا۔ اُن کا مقصد عربوں کو دولت و ثروت و اراضیات تک پہنچانا نہ تھا۔ اُن کا مقصد مسلمانوں کی دل میں اسلام کی تعلیم کو راسخ کرنا تھا۔ تاکہ اُس کے بعد اگر دولت ملے تو اُس کا صحیح استعمال کر سکیں اور اگر حکومت ملے تو ظلم کا قلع قمع کر سکیں اس مقصد کے حصول میں جہاں تک واقعات نے مدد دی اُن کی سیاست بالکل کامیاب تھی۔ اس کا تذکرہ ہماری کتاب البلاغ المبین حصہ اول و دوم میں دیکھو۔ یہاں

اُس کا دوسرا نام مطلوب نہیں۔ معاویہ (اگر چاہتے ہو تو حضرت رضی اللہ عنہ کہدو) کی سیاست کا مقصد اخلاقیات اور اسلام کو نظر انداز کر کے حکومت حاصل کرنا تھا۔ وہ بھی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت علی بروئے اسلام اور جناب معاویہ بروئے فلسفہ یونان کامیاب رہے۔ اس طرح فلسفہ اسلام اور فلسفہ یونان کا فرق اور نیز امامت اسلامیہ اور حکومت یونانیہ کا امتیاز بھی بہت اچھی طرح نمایاں ہو گیا۔ اگر حضرت علی کی روش و رویہ سیاست کے مطابق حکومت حاصل ہوتی تو وہ دیر پا ہوتی۔ اور آج کو ساری دنیا بجائے عیسائی ہونے کے مسلمان ہوتی۔ جناب معاویہ کی طرز سیاست سے جو حکومت مسلمانوں کو حاصل ہوئی وہ دولت مستعجل تھی۔ اور اُس نے اسلام کو بالکل منسوخ و برباد کر دیا۔ آج مسلمان گدا گروں کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔ یہ اُس ہی کی برکت ہے۔

## جہادِ رسول اور فتوحاتِ خلافت

حکومت رومانی یونانیہ میں ہمسایہ ممالک پر شکر کشی اور فتح یابی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اور صرف اُس بادشاہ کو اعظم کا لقب دیا جاتا ہے جو اس ملکی لوٹ مار میں مشاق ہوتا ہے۔ سکندر اعظم، پیولین اعظم، وغیرہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ لقب شکر کو بھی مل جائے گا لیکن ابھی تو اُس کی فتوحات کی کڑواہٹ ان کے منہ سے نہیں نکلی۔ اور شکر اور اس لقب کے درمیان قیمت بھی حاصل ہے۔ سکندر نے تو ایشیائی بادشاہوں کو مارا لہذا اعظم ہونا ہی تھا۔ اور شکر کی فتوحات اگرچہ اُس سے بہت زیادہ ہیں لیکن چونکہ ڈنکرک کی یاد اور فرانسیسی سر آہنی کی شکست اور موسکو کی چڑھائیاں ابھی حافظہ میں محفوظ ہیں اور اکثریت اُس کے شکست خوردہ قوموں کی ہے لہذا اُس کو اعظم کہنے میں اپنی پستی نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ اسلام میں سب سے بڑا گناہ ظلم ہے۔ شرک کو بھی ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ اور یہ ظلم افراد پر بھی ایسا ہی منحوع ہے جیسا کہ اقوام پر۔

جہادِ رسول و فتوحاتِ خلافت

نبی نوع انسان کی تاریخ میں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ہمسایہ قوموں کو کمزور دیکھ کر ان بادشاہوں کے منہ میں پانی بھرا آیا ہے جن کی آنکھوں سے خُدا اور موت پنہاں تھے۔ اور کبھی ان کمزور ملکوں کی زرخیزی، کبھی ان کی دولت، کبھی ان کے عیش کی فراوانی اور کچھ نہیں تو اپنے ملک کی حدود راضی کی توسیع ان خود غرض و ظالم بادشاہوں کی فرج کشی اور فتوحات کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ لیکن ظلم آخر کار خود ظالم کی گردن میں پھنسا ہن کر اس کی موت کا باعث ہو جاتا ہے۔ تاریخ عالم پر غور کرو تو یہ بات نہایت صریح نمایاں ہوگی۔ اور Mrs. Toynebee نے اسکو اپنی *Study of History* میں بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ اور ہم نے بھی اس کتاب کے حصہ اول میں اس پر کافی بحث کی ہے۔

خلافت صدر اول کی پیہم لشکر کشی اور متواتر حملہ آوری کو دیکھ کر دنیا نے نتیجہ نکالا کہ یہ ہی وہ جہاد تھا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور جس کا مقصد تبلیغ و اشاعت اسلام تھا کیونکہ بظاہر لوگوں کو ان لڑائیوں کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آئی۔ ایران و شام کی طرف سے کوئی وجہ مخالفت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لہذا اسلامی جہاد کے متعلق غیر مسلم اقوام نے ایسے غلط نظریے قائم کر لئے کہ انہیں جہاد اور لٹ مار میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ ان کے دل میں اسلام کی نفرت راسخ ہو گئی جس سے فائدہ اٹھا کر عیسائی پادری و مورخین نہایت آسانی سے اسلام کو بدنام کر سکے۔ یہ نفرت اب تک قائم ہے اور ہر طرح سے اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ عیسائی دنیا ان یہودیوں کے تو ساتھ ہو جائے جو حضرت عیسیٰ کے خون کے پیاسے تھے اور ان کو اتنا ستایا تھا کہ عیسائی دنیا آج تک یہ کہتی ہے کہ محض یہودیوں کی دشمنی اور سازش نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھا پایا۔ لیکن مسلمانوں کے ہمیشہ مخالف ہی رہیں۔ وہ ہی پرانی دشمنی اس کی وجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ جو شخص دنیا کے سامنے صحیح اسلام پیش کرنا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ سیالات مندرجہ ذیل کا صحیح مفصل جواب دے :-

(۱) اسلام میں جہاد کس کو کہتے ہیں اور اس کی شرائط کیا ہیں ؟

۲۔ قرآن شریف کی آیت جہاد اور آیت لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کی آپس میں مطابقت کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ نہیں ہیں۔

۳۔ جناب رسول خدا کے جہاد اور خلافت صدر اول کی لڑائیوں کا فرق۔

۴۔ خلافت صدر اول کی لشکر کشی و حملہ آوری کا باعث کیا تھا۔ اسلام کی مجتہد یا سیاسی حکمت؟

۵۔ تاریخ عالم میں فتوحات و لشکر کشی کا درجہ اور اس کے مضر نتائج۔

۶۔ خلافت صدر اول کی فتوحات سے اسلام کو فائدہ پہنچا یا نقصان۔

۷۔ جناب رسول خدا نے اشاعت اسلام کے لئے کیا تجویز کی تھی۔ وہ مقصد حضرت علی کے

تبلیغی خطبوں اور نصائح سے پورا ہوتا تھا جن میں سے بہت کچھ نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں یا حضرت عمر کی رومانوی تلوار سے؟

ہم نے ان سوالات کے جوابات شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب البلاغ المبین

حصہ اول طبع ثانی ص ۳۳۹ لغایت ۳۵۹ اور البلاغ المبین حصہ دوم طبع

ثانی ۵۵۹ لغایت ۶۲۸ میں دئے ہیں۔ ناظرین کو چاہئے کہ اول اس مضمون کو

ہماری ان دونوں کتابوں میں پڑھ لیں پھر آگے چلیں۔ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔

کہ مسلمان عربوں نے باہر جا کر کیا پایا اور کیا کھویا۔ اس سلسلہ میں ان عربوں کی اس

وماغی، ذہنی اور مذہبی حالت کو معلوم کرنا چاہئے جو اس وقت تھی کہ جب وہ اس

گھبراہٹ کے ساتھ باہر بھیجے گئے تھے۔ یعنی مدینہ سے نکالے گئے تھے۔ اس کے لئے

یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے ان لوگوں کی کیا حالت تھی جس میں انہوں نے

پرورش پائی تھی اور جس کا اثر ان پر ہمیشہ باقی رہا۔ اس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ

پہلے صفحات میں بیان کر دیا ہے اسلام سے پہلے عربوں کی حالت میں عناصر عصبیت،

مفاخرت، خود نمائی جس کو حریت سے تعبیر کیا جاتا ہے، شوق غنیمت، باہمی آویزش،

تعدوا، اور تنگی خدایگان خود بہت نمایاں تھے۔ عربوں کے یہ خصائل ان کے

رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئے تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ

فتوحات خلافت صدر اول کی خرابیاں

ہوا کہ جس سرعت کے ساتھ انہوں نے عروج حاصل کیا تھا اُس ہی سرعت کے ساتھ  
 قعرِ مذلت میں گر گئے۔ قصہ طویل ہے۔ دردناک ہے لیکن عبرت آموز ہے۔  
 یہ بھی ہم معلوم کر آئے ہیں کہ عرب میں دُنیا کی تمام تہذیبیں موجود تھیں اور عرب  
 اقوام اُن کے تخیلات و تصورات سے اچھی طرح متاثر تھیں۔ بنی نوع انسان کا اِقوام  
 میں تقسیم ہونا تہذیب کی ابتداء تھی۔ قانونِ طاقت جس میں ظلم مضمر تھا تہذیب سے  
 پہلے بھی تھا اور تہذیب کے آنے کے بعد بھی رہا اور اب بھی ہے۔ تہذیب سے پہلے  
 یہ قانون افراد میں جاری تھا۔ تہذیب شروع ہونے کے بعد یہ قانون اقوام پر  
 بھی حاوی ہونے لگا۔ اس قانون کی بناء خود غرضی ہے۔ طاقت، خود غرضی اور ظلم  
 یہ ہے انسان کی تاریخ کا خلاصہ۔ جب تہذیب پتھروں میں تھی تب بھی یہ ہی دُور  
 عامل تھے اور اب کہ جب تہذیب اُونچی ہو کر آسمانی گولوں میں آگئی ہے تب بھی  
 یہ ہی دُور عامل ہیں۔ واقعات جو دُنیا میں ہوتے آئے ہیں اور اب ہو رہے ہیں وہ  
 ان ہی دُور عوامل کی نشیبی تفصیل ہیں۔ ہمسائیگی تو بڑی اچھی چیز ہوتی ہے۔ اس سے  
 بہت فائدے ہوتے رہتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو ہوا ہی جو کوچہ یار سے آتی ہے  
 کیسی جان پرور ہوتی ہے۔ زلفِ یار کی لپٹیں لے کر آتی ہے لیکن بڑے آدمیوں  
 اور بڑی قوموں کی ہمسائیگی سے خدا بچائے۔ اس دُنیا ہی میں خدانے بہت سے جہنم  
 بناوئے ہیں۔ اُن جہنموں میں سے ایک جہنم یہ ہمسائیگی ہے۔ عرب پر اس ہمسائیگی نے  
 کیا کیا اثر ڈالے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ دریائے فرات، دریائے نیل اور  
 دریائے سندھ کی تہذیبیں سب عرب پر اثر انداز ہوتی رہیں۔  
 یہ تو معلوم ہو گیا کہ اسلام سے قبل عربوں کی ذہنی، عقلی، تمدنی، معیشتی اور  
 معاشرتی حالت کیا تھی۔ اور اُن کی یہ حالت حضرت عیسیٰ سے دو ہزار برس قبل سے  
 چلی آرہی تھی۔ اُن کی یہ حالت اُن کی طبیعتِ ثانیہ بن کر فطرت میں داخل ہو چکی تھی  
 جب اسلام ان عربوں میں آیا۔ ہجرت سے پہلے تو اسلام مغلوبیت کی حالت میں  
 تھا۔ مدینہ کا زمانہ کفر کو مغلوب کرنے میں گزرا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی بوجہ

چند در چند جن کا ذکر ہم نے ابلاغ المبین حصہ دوم کے صفحات ۹، ۵، لغایت ۵۸۵ پر کیا ہے یہ تمام مسلمان باہر بیج دئے گئے جہاں انہوں نے اپنی سابقہ زندگی قبل اسلام کا نمونہ دیکھا۔ اس ہمدردی پرینہ کے ملنے سے باغ باغ ہو گئے اور اب اُس کے ساتھ ہو گئے۔ علامہ مشرقی کے تحقیقات کے نتیجہ کو یہاں نقل کرنا موزوں ہو گا۔ وہ کہتے ہیں :-

اسلام و قرآن نے عربوں کی جبلت و طینت کو نہیں بدلاتھا۔ وہ عادتیں اور خصلتیں جو ان کی فطرت میں ہزار ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں ان سے رخصت ہو کر اپنا نقش پانہ چھوڑتیں، وہ ملی اوصاف جو قرآن اور صدیوں پہلے ان کی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے ان کے طبعی میلان کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے۔ قرآن و اسلام کی تعلیم سے عرب اپنی ظاہری عبادات اور مسومات کو بدل سکتے تھے۔ مگر طباہع کے باطنی رجحان اور اصل طریقہ تخیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ وہ دراصل اس مٹی میں رہنے والے وہ ہم وہ لوگ اور قریب قریب اس آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنہوں نے وادی سینا میں موسیٰ کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لے کر ان کی غیبت میں اپنی پرانی عادت کے موافق انکار اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی »

(تذکرہ، مقدمہ ص ۶۷، ۶۸)

یہ بھی عیاں ہو چکا ہے کہ عربوں پر یونانی تخیلات کا اثر ہر طرف سے آیا۔ شام کی طرف سے، بین کی طرف سے، یہودیت و نصرانیت کے ذریعہ سے۔ تجارتی راستوں سے غرض کہ اگر ہم یہ کہیں کہ عربوں کی تہذیب یونانیوں کے تخیلات پر مبنی تھی تو غلط نہ ہو گا۔ دیکھئے ان دونوں کے خدائوں میں کیسی مناسبت بلکہ یکانگت ہے۔ اُس ہی زیر اثر اُس حکومت کے کارکنان نے جو آنحضرت کی وفات کے بعد قائم ہو گئی تھی یہ مناسب سمجھا کہ حکومت کا تخیل یونانی فلسفہ کے مطابق کیا جائے جس میں ہمیں سہولت بھی ہو گی اور لوگوں کے ذہن سے بہت آسانی کے ساتھ امارت کا تخیل نکل جائیگا۔

اسلام و قرآن نے عربوں کی فطرت کو نہیں بدلا

لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہر امر میں تعلیم یونانی تعلیم اسلامیت کے بالکل خلاف تھی۔ معیشت انفرادیہ، معیشت اجتماعیہ، امور تمدنیہ اور تہذیبیہ فلسفہ و مذہب ان سب میں ان دونوں تعلیمات میں آپس میں بعد المشرقین تھا۔ یہ بات کہ اہل عرب کا علم یونان کی تاریخ و یونان کی ادبی تحریکات کے متعلق زیادہ مفصل و صحیح نہ تھا ہمارے کلیہ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارا زیادہ تر موضوع تحریر تو مذہب اور معیشت ہے۔ اور ان امور میں اہل عرب یونان کے قدم بقدم چل رہے تھے۔ طرز معیشت تو دیگر بیرونی و اندرونی واقعات پر منحصر ہوتا ہے ہاں اصیل معیشت ایک ہی تھی خصوصاً اُس وقت کہ جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر اور اہل عرب کا تتبع یونان معلوم کر کے کارکنانِ خلافت صدائے اول شروع ہی سے یہ کوشش کی کہ اپنی حکومت کو یونان و روم کی حکومت کے اصول پر چلائیں۔

فتوحات نے لوگوں کے ذہن و شعور پر اتنا قبضہ کر لیا ہے کہ ان کے مضمر اثرات کو وہ نظر ہی نہیں ڈالتے۔ عربوں کی جبلی عصبیت نے عرب و موالی کے درمیان اتنی گہری خلیج نفرت اور دشمنی کی حائل کر دی کہ آخر کار وہ عربوں کی تباہی کا باعث ہوئی۔ یہ موالی خاص ان فتوحات کی پیداوار تھے۔ اور دوسرا قابل توجہ امر لوٹری غلاموں کی بہتات ہے۔ فتوحات نے اسلامی ممالک میں موالی اور غیر عربی عناصر کی کثرت کر دی۔ اور عربوں کی عصبیت اور ان کے غرور نے ان لوگوں کو عربوں کا دشمن بنا دیا۔ اور یہ دشمنی عرب قوم کی ہر حالت کے خلاف ہو گئی۔ یہاں تک کہ عربی زبان بھی تنگ و تنگ بن گئی۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ ہماری فارسی زبان کیسی میٹھی ہے۔ عربی زبان کیا ہے۔ گلے کو پھلا پھلا کر غین غون کرنا۔ ان کا بولنا ایسا ہوتا ہے جیسے دو کتوں کا لڑنا۔ یہ بہت خطرناک منزل تھی۔ اس کے آگے قرآن و اسلام ہی پر منکنتہ چینی تھی سو وہ بھی ہوئی۔ ان لوگوں نے دم نہیں لیا جب تک عربوں کی حکومت پر ہر گوشہ سے قبضہ نہ کر لیا۔ ان کی اس کوشش کو ان لکھو کھا لوٹریوں اور غلاموں نے



مردی جو ہر مسلمان کے گھر میں سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ مسعودی مؤرخ کہتا ہے کہ زبیر بن العوام کے گھر میں ایک ہزار غلام اور ایک ہزار لوٹاریاں تھیں۔ معمولی گھر میں بھی ایک ایک سو سے کم نہیں ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ہر مسلمان گھر کو اپنی اپنی قیمت کے گھر میں تبدیل کر دیا۔ اگر ان امور پر تفصیلات معلوم کرنی ہوں تو احمد امین کی فخر الاسلام

ص ۸۲ تا ۹۴، ۹۵، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۸۳، ۱۸۸، اور ملاحظہ ہوں۔

۱۵۳، ۱۵۴، ۱۸۳، ۱۸۸، اور ملاحظہ ہوں۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجے نکلے:-

۱- اسلام میں حکومت کا تخیل نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کے امور کا ضبط و نظم و نسق ہونا ضرور تھا۔ اور اس کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہے تاکہ افراد فری نہ پڑے۔ اس ضبط و نظم و مرکزیت کا نام امامت ہے۔

۲- اس ضبط و نظم میں قیام و دوام اسلام ہی مقصد ہوتا ہے۔ یہ ہی امامت کا ماہ الاقیان اور اس کا مقصد ہے۔

۳- لہذا جو شخص یا جماعت اس مقصد کے خلاف ہے اور اس کے افعال و اقوال سے آنحضرت کے اسلام کو نقصان پہنچاتا ہے یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو دراصل وہ ہی شخص باغی ہے اور ان تمام سزاؤں کا مستوجب ہے جو بقول رسول مقبول اور فرمان عقل سلیم بغاوت اور باغیوں کے لئے اسلام میں مقرر ہیں۔ اور یہ بہت بڑا فرق ہے امامت اسلامیہ اور حکومت رومانیہ۔ یونانیہ میں۔ اس کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے۔ حمل و صفین کے معرکات میں بھی۔ کہ بلا و فرخ کے جنگوں میں بھی اور ان تمام لڑائیوں میں بھی جن کے متعلق مولوی شبلی کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کی "بغاوتوں" نے خلفاء بنی عباس کو بہت مجبور کر دیا تھا۔ باغی کون تھا؟ وہ شاہان وقت جنہوں نے اسلام سے بغاوت کی تھی یا وہ بنو ہاشم جو ان کو اسلام کی طرف لانا چاہتے تھے۔ مولوی شبلی حکومت یونانیہ رومانیہ کی طرف گئے۔ اور ہم امامت اسلامیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے

اس کی تائید

فرنگی مورخین و محققین نے امامتِ اسلامیہ کو اپنی حکومتِ رومانیہ کے معیار کے ناپ کر بہت غلط نتیجے نکالے ہیں اور غلط نظریات قائم کئے ہیں جن کو مسلمان مورخین و محققین نے خصوصاً ابن خلدون اور اس کے بعد کے مصنفین نے جو کہ ان حکامِ رومانیہ کے پیرو تھے جنہوں نے عمداً اور محض اپنی اغراض و دنیاویہ کے لئے امامتِ اسلامیہ کو حکومتِ رومانیہ پر یونانیہ میں تبدیل کر دیا بہت شہرت دی اور ان غلط نظریات کو ساری دنیا میں رائج کر دیا۔ لیکن حق اور عقل سلیم کبھی تعداد سے مرعوب نہیں ہوتے۔

۲۔ مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار و حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہے جن کو لوگوں نے خود حکومت کی مسند پر بٹھایا ہے۔ یا جو خود اپنی کسی نہ کسی تدبیر سے حکمرانی تک پہنچ گئے ہیں۔ تو اگر وہ حاکم بظاہر اپنے فرائض بخیر و خوبی ادا کر رہا ہے اور لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلا رہا ہے۔ بظاہر بُرائی کی طرف مائل نہیں ہے اور نہ رعایا کو بُرائی کی طرف لے جاتا ہے لوگوں کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ کیونکہ نافرمانی سے فتنہ پیدا ہوتا ہے آئے دن کے سڑائک اور گاندھی جی کی تعلیم سول نافرمانی سب اسلام کے خلاف ہیں۔ اور اگر حکمران بظاہر اہل بدی میں سے ہے اور اپنے فرائض نہیں کرتا تو سڑائک اور سول نافرمانی تو فتنہ پیدا کرتی ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ خود اس حاکم کو مسندِ حکومت پر سے اتار دیں۔ اور اگر اس میں لڑائی ہو تو وہ فتنہ نہ کہلا یا چاہیے گا بلکہ ایک فرضِ عامہ کی ادائیگی ہوگی۔ یہ بات کہہ کر کیونکہ معلوم ہو کہ حاکم اپنے فرائض ادا کر رہا ہے یا نہیں تو یہ بہت معمولی بات صاحبانِ حل و عقد اور فہم و ذکاؤ کو یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ ہاں اس میں خود غم اور نامناسب جانبداری نہ ہونی چاہیے۔ اس ہی وجہ سے صحیح اسلام میں امام منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے۔ اور پھر وہ ہر شے و خود غرضی کے لوازمات سے بالاتر ہوگا۔

یہ اکثر سننے میں آتا ہے کہ آجکل امام منصوب من اللہ کیونکر معلوم ہو گا یہ ناممکن ہے۔  
 ورنہ ناممکن کا کیا ذکر ہے۔ اب تو جس طرح چل رہا ہے چلنے دو۔ اس کا جواب ہم ایک مثال  
 سے دیتے ہیں۔ ایک شخص کو نزلہ ہوا۔ علاج نہ کیا۔ بد پرہیزی کی۔ نزلہ چھاتی پر گرا  
 کسی حکیم سے مشورہ نہ کیا۔ سل و دق میں وہ تبدیل ہوا۔ ابتدائی مراحل میں ان سے  
 بھی لاپرواہی برتی۔ جب تیسرے درجہ میں بیماری پہنچ گئی اور دونوں پھیپھڑے گل گئے  
 تو علاج کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جب مریض مر گیا تو کہنے لگے کہ طب کا ہنر ہی  
 بے معنی ہے۔ لغو ہے۔ بیفائدہ ہے۔ عقیدہ امام منصوب من اللہ کو اس طرح تو نہیں  
 بٹھلا سکتے کہ دیا کہ لاؤ امام منصوب من اللہ کہاں سے لاتے ہو۔ ہمارے پاس کوئی امامت کا  
 بچہ تو نہیں ہے کہ اس میں سے ہاتھ ڈال کر امام نکال لیں۔ تیرہ صد برس کی غلطی کا  
 ازالہ اس طرح تو نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم سے کہتے ہو تو ہم کہیں گے کہ اب تو یہ ہی  
 ہو سکتا ہے کہ صاحبان حل و عقد جن میں اتقاء کا عنصر غالب اور خود غرضی جانبداری کا  
 عنصر معدوم ہو جمع ہوں۔ اور سب سے زیادہ متقی اور اہل آدمی کو منتخب کر لیں لیکن  
 تم تو امامت کی سند لندن سے حاصل کرتے ہو اس کو کیونکر مانو گے۔  
 ۵۔ امام و ماموم کے ان فرائض سے نتیجہ نکلا کہ رسول کی طرح امام بھی معصوم اور  
 منزه عن الخطا ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ آیت قرآنی اطاعت مطلقہ کا فرض قائم کر کے  
 امام (اولوالامر) کے جرم و خطا والے احکام کی متابعت کرنے والی ہوئی جو کہ  
 صحیحاً ناممکن ہے۔

۴۔ ایسا امام خود پیدا کرتا ہے۔ اور امامت کے لئے پیدا کرتا ہے۔ ہر ایک  
 شخص معصوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا امام کا منصب من اللہ ہونا ضروری ہوا۔ لوگ  
 اپنی رائے سے جو کلم علمی اور خواہشات نفس پر مبنی ہوتی ہے ایسا امام منتخب  
 نہیں کر سکتے۔

۷۔ ظاہر ہے کہ اسلام میں جمہوریت نہیں ہے۔

جناب رسول خدا نے شروع ہی سے اظہار دیدہ کیا تھا کہ یہ اسلام دنیا کا آخری

بجلی امام اس طرح متقرر ہو سکتا ہے۔

نہرہ سب سے اور میں دُنیا کا آخری پیغمبر ہوں۔ یعنی اگرچہ اسلام ابتدائی آفرینش عالم سے ہے لیکن انبیاءِ حالات کے مطابق آتے رہے اور اس دین کو حالات کے مطابق تلقین کرتے رہے۔ میں جو صورت اسلام کی بناتا ہوں وہ آخری صورت ہے اور میں آخری نبی ہوں لہذا اسلام کا استحکام، استقلال اور قیام دوامی امامت کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور جناب رسول خدا نے ابتداء ہی سے اپنی نبوت کے ساتھ ساتھ اس مرکزیت و امامت کا انتظام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور آخر کار بمقام غدیر خم حکمِ خداوندی اس کا اعلان ساری امت کے سامنے کر دیا۔ اور قطعی الفاظ میں فرما دیا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فہذا علی مَوْلَاہُ ہم نے اس قیام مرکزیت کو جو امامتِ علی کا دوسرا نام تھا بہت تفصیل سے اپنی دو ضخیم کتابوں یعنی ابلاغ المبین حصہ اول و دوم میں ثابت کر دیا ہے۔

علی کے خلاف ایک جماعت تو پہلے سے ہی تھی، اس اعلان سے اس میں کھلبلی مچ گئی۔ اور اس کی سازشوں میں مزید تیزی ہو گئی۔ اب یہاں سے مسلمانوں کی تاریخ اس جماعت مخالفین کی سازشوں اور ان کے نتائج کی داستان ہے۔

**پوپ کے طرزِ عمل کا اثرِ خلافتِ صدرِ اول پر**

حکومتِ رومِ انوی کے تتبع نے جو اثرِ خلافتِ صدرِ اول پر ڈالا وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور جس طرح پوپ نے جس میں حُب دُنیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی مذہب کے نام پر اور اس کی بناء پر اقتدار و غلبہ حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی وہ اب بیان کرتے ہیں۔

پاپائے روم نے دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ کے بڑے حواری پیٹر کی قبر روم میں ہے۔ اور اپنے عہدہ کا شجرہ کرسی بکرسی اس مقدس ہستی سے ملا ناچا ہا۔ اور انہا شروع کیا کہ پہلے پوپ پیٹر تھے مسیحیت اگرچہ غربت میں شروع ہوئی لیکن بوجہ بات چند در چند جن کا ذکر ہم نے فلسفہ اسلام حصہ اول میں ذرا تفصیل سے کیا ہے بہت جلد اس مرتے ہوئے کفر کے خلاف غلبہ حاصل کر لیا۔ چونکہ مذہب

کفر کے بہت سے اصول و رسوم مسیحیت نے اپنے میں لے لئے تھے لہذا بہت جلد اس مذہب مسیحیت کو ان مذاہب کے خلاف رسیخ و اقتدار حاصل ہو گیا۔ یہاں تک کہ بہت سے شاہانِ روم چاہتے تھے کہ یہ طاقتور جماعت ہمارے ساتھ ہو جائے۔ ادریس پوپ کی بھی یہ کوشش تھی کہ جو جذبہ شہرت، باہر و عزیز بی اور عظمت رومن نام کے ساتھ وابستہ ہے وہ بھی اس میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ اُس زمانہ کے پوپ میں وہ مقتدر و عظمت و کرامت والی جماعتیں تھیں۔ سب سے پہلا عیسائی شاہ روم کونستینٹائن (Constantine) سلطنتِ روم کا تاسیس کرنے والا تھا۔ اُس نے جیسا کہ عیسائی مورخین کا خیال ہے مسیحیت کو دل سے نہیں بلکہ دنیاوی فائدے کی غرض سے اختیار کیا تھا۔ مسیحیت کی اتنی طاقت تھی کہ بغیر اُس کی مدد کے شاہ روم کو بہت مشکلات پیش آرہی تھیں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اُس زمانہ تک حکومت و مذہب کا اتحاد و امتزاج ایک قابل منفعت امر سمجھا جاتا تھا۔ ابھی تک فلسفہ کی باریک بینیوں اور تجربہ کی غلط بینیوں کے امتزاج حکومت و مذہب کے بوجھ تو نقصان دہ خرابیوں کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں لائی تھی۔ عہد نامہ عقیق اور نغمہ ہائے داؤد کے مطالعہ سے اُن کی تعلیم کا اندازہ ہوتا ہے کہ قومیت کی بناء مذہب کے اتحاد پر ہونی چاہیے۔

پوپ نے رومن نام کی جاؤ بیت اور اُس کے اثر کو دیکھ کر اپنے شیئیں اُس سے وابستہ کر لیا۔ اُس زمانہ میں بھی کہ جب نہ تو رومن ایمپائر میں شکست اور نہ اُس کی روش میں اقتدار تھا رومن نام میں بڑی جاؤ بیت تھی۔ کوئی شے یا نظریہ یا جماعت قابل توجہ نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک اُس کے نام کے ساتھ رومن لفظ نہ ہو یہ بات رومن ایمپائر کو اُس کی پہلی عظمت کی وجہ حاصل تھی جس میں امتداد زمانہ کی مدد تھی۔ اور یہ عظمت اُس کو ظلم و تعدی و زبردستی سے حاصل ہوئی تھی جس کو رومن بادشاہوں نے تمام صوبہ کے رعایا کو حقوق و مراعات دے کر اُن کے دلوں میں جاگزیں کر دیا تھا۔ کوئی شخص اپنے تئیں مذہبِ انسان نہیں سمجھتا تھا جب تک اس کو رومن شہری کا خطاب نہ مل جائے۔ یہ بات اکثر تاریخ میں پائی جاتی ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کو ہرے

ہوئے بہت عرصہ ہو گیا تھا لیکن پھر بھی اُس کے نام کا اتنا اثر تھا کہ محمود غزنوی باوجود اپنی فتوحات کے اُس کے خطاب کو قابل رشک سمجھتا تھا۔ سلطنت مغلیہ شروع آئیسویں صدی میں کیا تھی لیکن پھر بھی اُس کا نام بہت عظمت رکھتا تھا۔ انگریز ہندوستان پاکستان سے چلے گئے لیکن اُن کا اثر اب بھی لوگوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے کے لئے بہت ہے۔ ٹرک کچھ بھی نہیں رہا لیکن پھر بھی یورپ کی دایہ بچوں کو ٹرک کے نام سے ڈرایا کرتی ہے۔

جب وحشی اقوام کا حملہ رومن ایمپائر پر شروع ہوا اور پوپ نے دیکھا کہ اب یہ بڑھتی ہوئی طاقت ہے تو اُس سے مل گیا۔ اور جب ۴۷۶ء میں ODA CER نے مغربی رومن ایمپائر کا خاتمہ کیا تو اُس نے بھی رومن نام کی عزت کی۔ اور اب اس طرح پوری رومن ایمپائر اور پوری چرچ کا اتحاد ہو گیا۔ یہ ہی دو متوازی طاقتیں مسیحیت کے اتحاد کی ضامن تھیں جب فرینک قوم نے روم پر قبضہ کیا تو فاتح شارلمین نے روم میں آن کر اپنا تاج پوپ کے ہاتھ سے عطیہ کے طور پر لیا۔ یہ منشاء کا واقعہ ہے۔ اور وہ ہی رومن ایمپائر اس اتحاد کی وجہ سے اب ہولے رومن ایمپائر کہلانے لگی۔ ہم نے درمیان کے مراحل جن میں پوپ نے دیگر ممالک کے بادشاہوں سے تنازعہ کیا اور آخر کار اُن کو مغلوب کر لیا چھوڑ دئے ہیں۔ اور نیزان پاپائے روم کے چال و چلن و روش و ہوس ملک گیری کے بیان کو اپنے اس مضمون کے لئے ضروری نہیں سمجھا۔

ہمارا مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسی طرح خلافتِ صدر اول کے کارکنان نے خلافت کے نام اور جناب پیغمبر اسلام کی نسبت سے دُنیاوی جاہ و حشم حاصل کیا۔ اور اُن کے اس خیال کے پیدا ہونے اور درجہ بدرجہ کامیابی تک ترقی کرنے میں پاپائے روم کی نظیر سامنے تھی نہ ہونے اپنی حکومت کو اسی طرح چلایا۔

یہ تھے وہ امور جن کے ذریعہ سے اراکینِ خلافتِ صدر اول نے لوگوں کے دلوں میں سے امامت کے خیالات کو محو کر کے اپنی حکومت کو پُورے نانی فلسفہ حکومت کے مطابق کامیاب حکومت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عرب فطرت ہمیشہ سے روپیہ عزت کی

حریص رہی ہے انعامات اور ان تخیلات کے ذریعہ سے لوگوں میں خیال پھیلا یا کہ ہم  
 کامران و کامیاب حکمران ہیں۔ عربوں کے نزدیک اُس سے زیادہ کون کامیاب  
 ہو سکتا ہے جو اتنی غنائم و فتوحات حاصل کریں لہذا انہوں نے بھی یہی نعرہ لگایا کہ انہی  
 حکومت کامیاب ہے اہل یورپ تو شروع ہی سے یونانی فلسفہ کے دلدادہ تھے  
 ان کے کاموں کو اُس فلسفہ کے مطابق پایا اور کہا کہ ہاں واقعی وہ کامیاب حکمران تھے  
 یہ کسی نے نہ دیکھا کہ اسلام کے فقہ و فلسفہ کے مطابق کامیابی کس کو کہتے ہیں اور آیا یہ  
 بزرگوار اُس معیار سے بھی کامیاب تھے یا نہیں۔ اور اب تو امتداد زمانہ نے اور  
 حق کے اوپر مٹی ڈال دی۔

اکنیں کرا دماغ کہ پُرسد ز باغبان

ہلبیل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

یہ شعر کتنا حسب حال ہے اگر ہلبیل کی جگہ آنحضرت کو، گل کی جگہ اُمت کو اور صبا  
 کی جگہ ان بزرگوارانِ خلافت کو تصور کریں۔

یہ ہوانہ ان اکرمک عند اللہ اتقا کہم کا حشر حسبنا کیتا جب اللہ  
 کہنے والوں نے کس خوبصورتی سے کتاب اللہ کو درمیان سے نکالا ہے یہ تاریخ عالم کا  
 حیرت انگیز کارنامہ اور استادانِ فطرت انسانیہ کے لئے بڑا عبرت آموز سبق ہے۔  
 یہ تو ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ اب آخری و قطعی فیصلہ میدانِ حشر میں میزانِ عدل کے  
 نیچے ہوگا جہاں بغیر سورج کے روشنی اور بغیر انسانی عقل کے عدل کامل ہوگا۔ اموی  
 فیصلہ طلب یہ ہوں گے۔

۱۔ کیا فاطمہ بنت رسول اور علی و آل رسول اُس ہی سلوک کے لائق تھے جو

سلوک اُمت نے ہر بہانہ اور ہر عذر سے اُن کے ساتھ کیا؟

۲۔ اگر نہیں، تو اس سلوک کا کون کون ذمہ دار ہے؟

# کتاب التحریف

## باب ششم

### تحریف کی ضرورت کیوں ہوئی

جس حکومت کی بناء و تفریق پر رکھی گئی تھی اُس کو مستقل و مستحکم بنانے کے لئے تحریف کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ اس حکومت کی وجہ بہت و بود مذہب تھا لہذا حکومت پر قبضہ مستقل و مستحکم نہیں ہو سکتا تھا جب تک مذہب پر بھی قبضہ نہ ہو جائے اور مذہب میں مداخلت بے جا تحریف ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی۔ تحریف سے ہمارا یہاں یہ مطلب ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول و قواعد کے بجائے ایسے اصول قائم کرنا جو انہیں حکومت کے قائم رکھنے اور جناب رسول خدا کے ارشادات کی مخالفت کرنے میں مدد دیں اور جو ان میں سے نہ بر لے جاسکیں اُن کی غلط تاویل اپنی عقل سے کر دیں۔

ساڑھے تیرہ صدیوں کے فاصلہ سے ہم اُن مشکلات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے جو جماعت مخالفین کو جناب رسول خدا کے مقرر کردہ نظام کو درہم برہم کرنے میں پیش آئیں۔ جو حکومت انہوں نے ایک ایسے عمل سے جس کو فرانسیسی زبان میں COUP D'ETAT کہتے ہیں حاصل کر لی تھی اُس کو قائم رکھنا اور اُس کو مستقل بنانا اس سے بھی زیادہ مشکل و اہم تھا۔ حکام وقت نے اپنے اس

حاصل شدہ حکومت کو قائم رکھنے کے لئے تحریف کی ضرورت ہوئی



مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کیں جن کا ذکر تفصیل سے ہم ابلاغ المبین میں کر چکے ہیں۔ سب سے بڑی مشکل اُن کے لئے یہ تھی کہ حکومت اسلامیہ حاصل کرنے کے لئے انہیں دائرہ اسلام کے اندر رہنا ضروری تھا۔ وہ ایک ایسی حکومت تھی جس کی پیدائش ہی مذہب سے ہوئی تھی، جس کا خمیر مذہب سے تھا اور جس کی طاقت اور آئندہ کی ہستی مذہب اور محض مذہب پر مبنی تھی۔ یہ بھی امر واقعہ تھا کہ شارع اسلام اس حکومت کے لئے ایک مرکز قائم کر چکے تھے۔ اُس کے لئے ائمہ اور حکام مقرر کر چکے تھے۔ اس صورتِ حالات نے حکامِ ستیفہ کے لئے بہت بڑی مشکل پیدا کر دی تھی۔ انہیں دائرہ اسلام کے اندر بھی رہنا بھی ضروری تھا۔ یہ حکومت نہیں حاصل ہو سکتی تھی جب تک اُن جاری شدہ احکامِ رسول کی مخالفت نہ کی جاوے۔ حاکم و والی حکومت کے مذہب میں رہنا، اُس کے مذہب میں رہنا جس نے یہ حکومت حاصل کی تھی۔ اور پھر اسی حاکم کے احکام کی نافرمانی کرنا۔ یہ وہ حالت تھی جو عام انسانوں کی ہمت توڑنے کے لئے کافی تھی۔ یہ معمولی حاکم نہ تھا بلکہ ایسا حاکم و پیغمبر تھا جس کی بے چون و چرا اطاعت کا حکم وہ ہی قرآن دے چکا تھا جس کو اسی جماعت کے سردار نے حُبنا کتاب اللہ کہہ کر اپنا ہر ایک مقصد حاصل کیا تھا۔ جس ہوشیاری و عقلمندی کے ساتھ حضرت عمر نے اس مشکل کو حل کیا ہے وہ اُن کا ہی حصہ تھا اپنی تجاویز کی ابتدا تو حضرت عمر نے اس عقیدہ کے اختراع کرنے سے کی کہ نبوت اور حکومت دو مختلف شے ہیں۔ آنحضرت کی نبوت ہیں حکومت شامل نہیں ہے۔ لہذا آنحضرت کے احکام دو قسم کے ہوئے۔ ایک عہدہ نبوت کے متعلق اور دوسرے حکومت کے متعلق۔ مقدم الذکر ہمارے لئے قابلِ اطاعت ہیں۔ مؤخر الذکر کی اطاعت واجب و لازم نہیں۔ ہماری اپنی خواہش پر مبنی ہے۔ حصول حکومت و انتزاعِ خلافت از علی میں تو یہ عقیدہ

مدد سے سکتا تھا اور دی۔ لیکن چونکہ بطور امر واقعہ آنحضرتؐ کی نبوت میں حکومت شامل تھی اور ایک دوسرے سے ایسے وابستہ تھے کہ ان کا جدا کرنا ناممکن ہو گیا۔ لہذا جب ان احکام پر غور کیا جو ان کی رائے میں دائرہ نبوت سے باہر تھے اور ان احکام کو معلوم کرنا چاہا جو دائرہ نبوت کے اندر ہو سکتے تھے تو حضرت عمران و ولوں قسم کے احکام کو جدا نہ کر سکے جب ان احکام کو حکومت کے دائرہ کے اندر رکھنا چاہا تو نبوت کے لئے کچھ نہ باقی رہا۔ اور جب انہیں نبوت میں داخل کرنے لگے تو حکومت علیحدہ نظر نہ آئی۔ لہذا حضرت عمر کی ذہانت و ذکاوت نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ ان کی سیاست مکمل طور سے اُس وقت ہی کامیاب ہو سکتی ہے کہ جب یہ مذہب یعنی فقہ اسلام پر بھی قبضہ کر لیں۔ انہوں نے اس کی ابتداء زمانہ رسول ہی سے کر دی اور مذہب کے امور میں مداخلت شروع کر دی تاکہ لوگوں میں اسلام کی تشکیل کرنے والوں میں یہ بھی ایک سمجھے جاویں۔ غور کیجئے کہ جناب رسولؐ خدا کی حیات میں ان کو امور مذہبی میں اپنے قیاس و عقل کے استعمال کی کیا ضرورت تھی۔ ان کی عقل، ان کا قیاس جناب رسولؐ خدا کے عقل و قیاس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرتؐ خود ہی امور اسلام بہترین طریقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا کی حیات ہی میں یہ تجویز زیر عمل آچکی تھی اور امور مذہب میں مداخلت شروع ہو چکی تھی۔ اور آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد تو فقہ اسلامی حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک موم کا کھلو بنا بن گیا۔ جب جی چاہا ناک کی جگہ کان لگا دئے اور کان کی جگہ ٹانگیں لگا دیں اور منہ کو تو بالکل گم ہی کر دیا۔ آخر کار جناب رسولؐ خدا کے اسلام کے مقابلہ میں ایک جدید مذہب سیرت شیخین کے نام سے ایسا جاری ہوا کہ جس میں شریعت محمدیہؐ نسخ ہو گئی اور اس کی جگہ سیرت شیخین نے لے لی۔ محی مصطفیٰ برائے نام پیغمبر اسلام رہ گئے۔ اور ان کی جگہ

حضرت عمر مقرر کر دئے گئے۔ چونکہ حضرت عمر نبوتِ حقیقیہ کی رفعتِ شان تک نہیں پہنچ سکتے تھے لہذا انہوں نے نبوتِ حقیقیہ کی شان کو اتنا گرا یا کہ وہ ان کے قدر کے برابر آگئی۔ نبوتِ اصلی کی شان کے ساتھ ساتھ محمد مصطفیٰ کی قدر و منزلت کا رگڑنا ضروری تھا چنانچہ وہ گزرتی گئی یہاں تک کہ وہ ایک معمولی انسان کے درجہ پر آن کر حضرت عمر کے قدر سے نیچے رہ گئے۔ لوگوں کے دلوں میں جنابِ محمد مصطفیٰ کی قدر و منزلت کے گھٹنے اور اس کے مقابلہ میں حضرت عمر کی شان و عظمت کے بڑھنے کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے فرزند ارجمند عبداللہ بن عمر نے تین آدمیوں کو بغیر وجہ و قصود کے قتل کر ڈالا۔ جرم عیاں تھا۔ حضرت علی نے قصاص میں عبداللہ کے قتل کا فتویٰ دیا لیکن اُمت کی اکثریت نے ایک کھرام مجادیا کہ ہم عبداللہ کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ یہ ہمارے خلیفہ عمر کا لڑکا ہے آخر کار قانونِ قصاص معطل ہو گیا اور حضرت عثمان نے بطور ولی کے خون بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ بھی فقہِ اسلامی کی تحریف کی ایک مثال ہے۔ اُن کو خونِ معاف کرنے کا کیا حق تھا۔ برعکس اس کے محمد مصطفیٰ کے پیارے نواسے حسینؑ اور اُن کی ذریت پر جو ظلم و ستم اُمتِ اسلامیہ کی اکثریت نے کئے محض اُن کے بیان کرنے سے جو ان مسلمانوں کے ماتھوں پر کلنگ کا ٹیکہ لگتا ہے وہ انہیں دُنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتا۔ اُس وقت کسی نے یہ نہ کہا کہ یہ ہمارے پیغمبر کا نواسہ ہے ہم اس کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ دیکھی آپ نے حضرت عمر کی عظمتِ شان اور جنابِ محمد مصطفیٰ کی کس پرسی کی حالت۔ یہ صورتِ حالتِ اصلیِ اسلام میں ناممکن تھی۔ یہ اُس ہی نارہیب میں جائز ہو سکتی تھی جس کے شارعِ حضرت عمر تھے۔

۱۲۹۶ - البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء السابع ص ۱۲۸، ۱۲۹۶ -

اُردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد چہارم ص ۱۸۶۔

## باب (۷) مقدم

### آئندہ کی تحریف کے ارادوں کی ابتدائی علامتیں

اسلام لانے کے بعد جو معرفت نبوت اس جماعت مخالفین علی اور اس کے سردار حضرت عمر کو حاصل ہوئی اس کا درجہ ان نکتہ چینیوں اور اعتراضوں سے ظاہر ہوتا ہے جو یہ جماعت اور حضرت عمر جناب رسول خدا کے افعال و احوال و احکامات و حرکات و سکنات پر ان کی حیات میں وقتاً فوقتاً کرتے رہے۔ ان نکتہ چینیوں کا ذکر جو آنحضرت کے ان افعال و احکام پر تھیں جن کا تعلق براہ راست حضرت علی کی خلافت سے تھا، ہم کتاب التفریق میں کرچکے ہیں۔ اب ان شرعی احکام کی نکتہ چینیوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا نتیجہ تحریف فقہ اسلامی تھا اور جو کئی اغراض سے کی گئی تھیں۔ منجملہ ان کے ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہم بھی شارع اسلام کے دوش بدوش نظر آئیں۔ اور جب شارع اسلام لوگوں میں نہ رہیں تو ہم کو لوگ شارع اسلام کی بجائے سمجھیں۔ بہر صورت یہ اپنی مذہبی اہمیت کا مظاہرہ ضرور تھا۔ ان کے اس مقصد کو مؤرخ تو کیوں بیان کرتا۔ واقعات خود چغلی کھا رہے ہیں اور اس کی طرف اشارہ ہم مولوی شبلی کی عبارت میں بھی پاتے ہیں۔ الفاروق میں وہ لکھتے ہیں:-

قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں، ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں

ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔

الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۳

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ فقہ کا مسئلہ بتا دیا۔ خاموش ہو جانا چاہیے۔ لیکن نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تسلی پہلے جواب سے نہ ہوئی۔ اس پر کچھ اعتراض کیا۔ رسول اللہؐ نے پھر بتایا۔ پھر نکتہ چینی کی۔ رسول اللہؐ نے پھر تفصیل کی۔ بار بار کے معنی ہیں دو سے زیادہ دفعہ۔ جو شخص دوسرے جواب پر رُک جائے اُسے بار بار نہ کہیں گے دیکھئے اس بار بار کی گستاخی سے جس کو آنحضرتؐ کے خلق عظیم نے برداشت کیا ایک امتیازی صورت حاصل ہو گئی۔ لوگ سمجھنے لگے کہ یہ جرأت حضرت عمرؓ ہی کر سکتے ہیں۔ صاحب فہم و ذکا ہیں۔ فقہ کی باریکیاں نکالتے ہوں گے رسول اللہؐ کے عزیز ہیں وہ جھڑک کر دور نہیں کرتے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے بار بار کے دریافت کرنے میں کچھ خوبی نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ اپنے خلق عظیم کی وجہ سے اس گستاخی کو برداشت کرتے تھے۔ خود مولوی شبلی کی عبارت سے ظاہر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اسی جملہ کے بعد مولوی شبلی مثلاً بیان کرتے ہیں:-

دکلاہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، انہوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورہ نسا کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے..... مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کدو کاوش رہتی تھی اُس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلاہ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلاہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرتؐ سے

مسئلہ کلاہ پر کیا تھی

چند بار دریافت کیا۔ اس پر تسلی نہ ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کی پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جائے تو مجھ کو دنیا اور ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت۔ کلالہ۔ ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۲، ۲۳۳

مولوی شبلی نے یہ عبارت دراصل حضرت عمر کی منکنتہ سنجی اور قابلیت حل مشکلات کی تعریف میں لکھی ہے۔ اس کا عنوان "امامت اور اجتہاد" ہے۔ مولوی شبلی نے حضرت عمر کی مدح کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے "حضرت عمر نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و لیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا اس کی نظیر صحابہ کے زمانہ میں کم ملتی ہے" الفاروق ص ۲۰۱ اب ہم ناظرین کی توجہ اس عبارت کے معانی کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

قرآن شریف میں کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے لیکن تفصیل نہیں ہے جس طرح نماز کی رکعات کی تشریح نہیں ہے۔ ضرور اس کی تشریح و تفصیل کو خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول پر چھوڑا جس طرح کہ نماز کی جزئیات کو آنحضرت پر چھوڑا۔ لیکن باوجود اس کے رسول خدا نے خود نہ بتایا۔ حضرت عمر کو پوچھنا پڑا۔ یہ تو ایک کوتاہی ہوئی۔ آگے چلے۔ حضرت عمر بار بار پوچھتے ہیں۔ وہ ہیں امت منکنتہ سنج۔ مشتبہ مسائل کی حقیقت کو فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ آنحضرت بتاتے ہیں کئی دفعہ بتاتے ہیں۔ لیکن آنحضرت کا بیان ایسا مبہم و غیر تسلی بخش ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو ہر ایک جواب میں منکنتہ چینی کا موقع مل جاتا ہے اور ان کی تسلی

نہیں ہوتی اس سے زیادہ کسی پیغمبر کی نااہلیت کیا ہوگی کہ اُمت کا ایک ذہین شخص ایک لفظ کی تشریح چاہتا ہے۔ وہ پیغمبر بتانے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن پوچھنے والے کی تسلی نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ نے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی لیکن حضرت عمرؓ کو نہ سمجھا سکے۔ اگر کسی ٹریننگ کالج میں بیوپل ٹیچر اپنی کلاس کو ممتحن کے سامنے موڈل سبق پڑھاتا ہے۔ کلاس میں ایک ذہین لڑکا ہے وہ کسی لفظ کی بار بار تشریح پوچھتا ہے۔ بیوپل ٹیچر بتاتا ہے۔ لیکن لڑکے کی تسلی نہیں ہوتی۔ وہ استاد کے جواب پر سمجھ نہ سکتا کچھ نکتہ چینی کر کے پھر سوال کر بیٹھتا ہے۔ آخر کار بیوپل ٹیچر کا سارا مبلغِ علم ختم ہو جاتا ہے اور وہ دق ہو کر شاگرد سے کہتا ہے کہ اب گھر جا کر تم خود کتاب میں سے معنی نکالنا تو اس بیوپل ٹیچر کا ممتحن اس کو سنو میں سے صفر نمبر دے گا۔ یہ نقشہ کھینچا ہے مولیٰ شبلی نے جناب رسولؐ خدا کی قابلیتِ تعلیم کا اور حضرت عمرؓ کی ذہانت کا۔ یہ جناب رسولؐ خدا کی توہین نہیں تو اور کیا ہے۔ اس میں تو وحی کی بھی توہین شامل ہے۔ یقیناً آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی اس لفظ کی تشریح میں وہ ہی بتایا ہوگا جو بذریعہ وحی آپؐ کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کیا گیا ہوگا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی ذہانت کے سامنے وہ وحی کی تعلیم بھی بیچ ثابت ہوئی۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے بذریعہ تحریر بتوڑتے ہوئے حضرت حفصہؓ پھر آنحضرتؐ سے اس لفظ کے معنی طلب کئے۔ حضرت عمرؓ بھی پیچھے ہی پڑ گئے تھے۔ اگر آنحضرتؐ نے اس مکتوب کا جواب نہیں دیا تو یہ تعلیم کی کوتاہی ہوئی اور اگر جواب دیا تو وہ تسلی بخش نہ تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آنحضرتؐ ان تین چیزوں یعنی خلافت، کلام اور ربا، کی حقیقت بتا جاتے تو بہت اچھا ہوتا۔ اُس پیغمبر کی غفلت اور لاپرواہی کا آپؐ کتنا درجہ سمجھیں گے جو اپنی تعلیم کے تین نہایت اہم امور اپنی اُمت کو نہیں بتاتا۔ آپؐ اُس کمیٹری کے پروفیسر کی قابلیت کا کیا اندازہ لگائیں گے جو اپنی کلاس کو یہی

آنحضرتؐ کی تعلیم کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش

نہیں بتاتا کہ ایٹم (ATOM) کس کو کہتے ہیں اور مولیکول (MOLECULE) کیا ہے دیکھئے حضرت عمر یہ نہیں کہتے کہ جناب رسول خدا نے ان چیزوں کی حقیقت ہمیں بتا دی لیکن ہم نہیں سمجھے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ان کے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں۔ ابھی آپ سُن چکے ہیں کہ کلالہ کے معنی بتانے میں آنحضرت نے کتنا سر کھپایا تھا۔ لیکن حضرت عمر کے نزدیک وہ نہ بتانے کے برابر تھا۔ جو کچھ بتایا گیا۔ وہ بے معنی شے تھی۔ رہا اور کلالہ بلکہ خلافت یہ تینوں الفاظ قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ رہا کو حرام بتایا گیا ہے۔ کلالہ کو ورثہ دیا گیا ہے۔ خلافت الہیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن رسول جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اپنی اُمت کو ان کی حقیقت سے آگاہ ہی نہیں کرتا۔ گویا ایک حرام شے کی حقیقت نہ بتائی۔ اگر اُمت اُس کا استعمال کر لیتی ہے تو حق بجانب ہے رسول نے تو بتایا ہی نہیں کہ وہ کیا ہے دیکھئے کس عقلمندی کے ساتھ رسول کی توہین کی گئی ہے۔ اُن کی شان کو گرایا گیا ہے۔ رسول نے اس نقص کو نہ معلوم کیا۔ حضرت عمر نے معلوم کر لیا۔ کسی کمی یا نقص کو معلوم کرنا بھی تو ایک درجہ کا علم ہے وہ درجہ علم رسول خدا میں نہیں تھا حضرت عمر میں تھا لہذا حضرت عمر افضل ہوئے رسول سے یہیں افسوس ہے۔ کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی جو کہتا کہ قبلہ عالم جناب رسول خدا تو کچھ بتانا بھی چاہتے تھے آپ نے یہ کہہ کر بند کر دیا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ اب کتاب اللہ میں سے ان کے معنی نکالنے کی قابلیت پیدا کیجئے۔

لیکن جو لوگ جناب محمد مصطفیٰ کو رسول برحق جانتے ہیں وہ تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ شخص کتنا غبی و کُند ذہن تھا جو ایک رسول برحق کے اتنی دفعہ کلالہ کے معنی سمجھانے کے باوجود نہ سمجھا کہ کلالہ کیا ہے جو شخص ایسا ہے وہ کہیں نائب ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس عنانِ امامت اور اجتہاد کے تحت میں پہلا پیرا گراف جو مولوی شبلی نے لکھا ہے وہ یہ ہے۔



امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شاخہ ہے اور امام کی فطرت  
 قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب  
 لکھتے ہیں :- وازمیان اُمت جمعے مُستند کہ جو ہر نفس ایشاں قریب  
 جو ہر انبیاء مخلوق شدہ واپس جماعہ دراصل فطرت خلفائے انبیاء

اندر امت۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۶)

اس ہی بات کے منوانے کے لئے ہم نے البلاغ المبین کے دو ہزار صفحے لکھے  
 لیکن آپ نے نہ مانا۔ وہ ہی بات مولوی شبلی نے ان دو سطروں میں کہی ہے  
 اور ولی اللہ شاہ نے بھی دو ہی سطروں میں وہ بات کہی ہے۔ اب تو آپ کو ماننا  
 ہی پڑے گا کہ امام یعنی خلیفہ رسول کی فطرت قریب قریب رسول کی فطرت کے  
 مخلوق کی جاتی ہے۔ خدا خالق ہے۔ وہ خلق کرتا ہے۔ جس طرح انبیاء لوگوں کے  
 اجماع پارائے سے مقرر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح خلفاء انبیاء کا قیام اُمت کی رائے  
 یا اجماع پر منحصر نہیں ہوتا۔ خداوند تعالیٰ اُن کی فطرت کو بناتا ہے۔ اپنے رسول کو  
 بتاتا ہے۔ وہ اُمت میں اعلان کرتا ہے۔ اب تو یقین آیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ یا شوری  
 میں اصلی خلیفہ رسول نہیں بنا اور نہ بن سکے۔ یہ تو خدا ہی کی طرف سے طے شدہ  
 بات ہوتی ہے۔ دیکھئے سقیفہ بنی ساعدہ میں بنے ہوئے تھے کتنا رسول خدا نے کلام  
 کے معنی سمجھائے لیکن وہ نہ سمجھے۔ وہی باتیں ہو سکتی ہیں یا بتانے والے کا قصور یا  
 نہ سمجھنے والے کا قصور۔ جو جواب آپ دیں گے اُس کو ہم اپنی بحث میں لے لیں گے  
 اگر بتانے والے کا قصور آپ کہتے ہیں تو ہم کہیں گے دیکھئے آپ نے حضرت عمر کو  
 جناب رسول خدا پر ذیقت دی اور اگر آپ نہ سمجھنے والے کا قصور کہیں گے تو ہماری  
 بحث یہ ہوگی کہ ایسے ہی کند ذہن شخص کہ آپ نائب رسول مانتے ہیں۔ دیکھئے  
 خدا کے بنائے ہوئے اور مقرر کئے ہوئے خلیفہ ایسے ہوتے ہیں۔ سینکڑوں دفعہ  
 حضرت علی سے آنحضرت کی راز کی باتیں ہوئیں، معانی قرآن سمجھائے گئے ایسا  
 نا سمجھی کا تنازعہ کبھی پیش نہ آیا۔ وہاں تو یہ حالت تھی کہ ایک نکتہ بتایا اور

منصب امامت انبیاء و پیغمبروں کی فطرت

کتابِ معرفت کے ورقوں کے ورق خود ہی سمجھ لئے۔ یہاں رسول بتاتے بتاتے دین ہو جاتا ہے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسے ہی شخص کی نسبت آپ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے ساتھی ابو بکر و عثمان شہرِ علم نبی کی چھت اور دیواریں تھیں۔ اس چھت اور دیواروں نے تو ایسا روشنی کو روکا کہ اُمتِ محمدیہ کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔

غرض کہ آئندہ ایسی بہت سی عباراتیں آئیں گی۔ ناظرین ابھی سے نوٹ کرتے رہیں کہ پیغمبرِ اسلام کی تخیرو توہین کرنا اور حضرت عمر کو آنحضرت سے بڑھانا اُس مذہب کے ارکان میں داخل ہے جس کو حضرت عمر نے ایجاد کیا اور ان کے مقلدین نے نہایت شوق اور عصبیت کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ آگے چلئے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں:-

”حضرت عمر مسائلِ شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالِح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلافِ عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائی اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَفْتَنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِيَكُنْ رِاسْتَكُمْ يَامُوْنٌ هُوَ كَيْفٌ تَبْتِغُوْنَ۔ بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔“

الفاہر ذوق حصہ دوم ص ۲۱۰

مولوی شبلی کے لہجے کو ملاحظہ کیجئے۔ ان کے خیال میں حضرت عمر کی ذہانت نے جناب رسول خدا اور خداوند تعالیٰ دونوں کی غلطی پکڑی۔ جو آیت انہوں نے نقل کی

ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب تم سفر میں ہو تو تم پر گناہ نہیں ہے اگر تم صلوٰۃ (نماز) کو قصر  
 کر دو اگر تم کو یہ ڈر ہے کہ کفار تم کو ایذا پہنچائیں گے، مولوی شبلی خود حضرت عمر کے اعتراض  
 کو یہ کہہ کر تقویت پہنچاتے ہیں کہ قرآن شریف میں بھی اس ہی کی طرف اشارہ ہے  
 دشمنوں کا خطرہ بھی نہیں رہا تو اب جو حکم قصر باقی رہا وہ دونوں کی غلطی ہے۔ اگر  
 جانے بھی حکم قصر واپس نہ لیا اور محض جناب رسول خدا کی غلطی ہے اگر خدا نے  
 حکم واپس لے لیا لیکن رسول نے اپنی امت کو اس منسوخ حکم کی اطلاع نہ دی۔  
 مولوی شبلی نے آنحضرت کا جواب تو نقل کر دیا کہ یہ خدا کا انعام ہے کہ حکم قصر منسوخ  
 نہ ہوا۔ لیکن سیاق کلام بتا رہا ہے کہ اس جواب سے نہ تو حضرت عمر کی اور نہ حضرت  
 شبلی کی تسلی ہوئی۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ نہ مولوی شبلی آنحضرت کے اس جواب کا  
 مطلب سمجھے اور نہ حضرت عمر۔ ہم اس جواب کے آگے صرف چند الفاظ بڑھا دیتے  
 ہیں اور پھر ناظرین خود اس کا مفہوم سمجھ جائیں گے۔ اس جواب کا مطلب یہ تھا  
 ”یہ خدا کا انعام ہے کہ اگر پھر کبھی کسی زمانہ میں اسی طرح خوف کا موقع آوے تو  
 حکم قصر موجود ہو“ یہ حضرت عمر نے اپنے اعتراض میں قطعاً نظر انداز کر دیا کہ  
 اسلام فقط اُس زمانہ کے عربوں کے لئے نہ تھا۔ قیامت تک قائم رہنا تھا اور  
 ایسے خوف کے موقعے اکثر آتے رہتے ہیں۔ لیجئے آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی  
 حضرت ابو بکر نے وہ موقع پیدا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ تمام عرب میں ارتداد کی وبا پھیل  
 گئی اور راستے محدودش ہو گئے۔ اسی طرح حضرت امام حسین کے سفر کر بلا اور واقعات  
 کر بلا پر نظر ڈالو۔ کیا آنحضرت کے زمانے کے مسلمانوں کو حسین علیہ السلام سے  
 زیادہ دشمن کے خطروں سے سابقہ پڑا تھا۔ حضرت عمر کی رائے میں تو فتح مکہ کے بعد  
 ہی اس حکم کو منسوخ ہو جانا چاہئے تھا۔ پھر اب کون اس حکم کو راجح بنا کر حضرت عمر کی  
 محدود نظری کی یہ بین مثال ہے۔ اور اگر اس حکم کو اس طرح ترمیم کر دیتے کہ جب  
 کبھی سفر میں تم کو دشمنوں کی عداوت کا خطرہ ہو تو قصر کر لیا کرو اور اگر خطرہ نہ ہو تو  
 قصر نہ کرنا اس خطرہ کا اندازہ کون کرتا۔ محض قیاس ہی ہوتا۔ راستہ میں دشمن ہوں

یا ممکن ہے کہ نہ ہوں۔ اس قیاس کی بناء پر اگر دو صد آدمیوں کی ٹولی باہر سفر پر جانی  
 تو چند آدمی تو اس میں قصر کرتے ہوئے نظر آتے۔ اور چند آدمی پوری نماز پڑھتے  
 جماعت کیونکر بنتی۔ فرض کرو میں پچاس دوستوں کے ساتھ دیہات میں سفر پر  
 جاتا ہوں۔ اس جماعت میں تاجر بھی ہیں، ڈاکٹر بھی، پولیس کے افسر بھی ہیں  
 اور عدالت کے حکام بھی ہیں۔ تاجر و ڈاکٹر تو سمجھتے ہیں کہ ہمیں کس کا ڈر ہے ہم سے  
 تو سب خوش ہی ہوں گے۔ پولیس کے افسر اور حکام عدالت سمجھتے ہیں کہ  
 ہم نے تو بہتوں کے خلاف مقدمات بنائے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو پھانسی کا  
 حکم دیا ہے۔ ہمارے تو بہت دشمن ہوں گے۔ اب نماز جماعت عجیب ہو گی  
 دو جماعتیں ہو جائیں گی۔ ایک بوجہ خوف قصر کرے گی۔ دوسری بوجہ اطمینان  
 قصر نہ کرے گی۔ پھر اگر امام ایسا ہوا کہ اسے تو کچھ خوف نہیں، مقتدی ایسے ہیں  
 کہ انہیں خوف ہے۔ وہ کیسی نماز پڑھاے۔ حضرت عمرؓ اتنی ذرا سی بات نہ  
 سمجھ سکے کہ صحیح و اٹل قانون وہ ہے جو ہر امکانی صورت حالات پر جاری ہو۔  
 بہر صورت یہ جملہ معترضہ آ گیا۔ مولوی شبلی کی عبارت سے ثابت ہو گیا، کہ  
 حضرت عمرؓ امور شریعت پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ مسائل شریعت کی نسبت  
 ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کو خلاف عقل سمجھتے  
 تھے۔ اب ذرا چند ورق پیچھے اُلٹ کر کتاب التفریق میں علامہ شہرستانی کی  
 وہ عبارت تو پڑھ لیجئے جو ہم نے نقل کی ہے کہ نص صریح اور حکم بنی پر  
 نکتہ چینی کرنا سنتِ ابلیس ہے۔ ابلیس نے بھی تو یہ ہی کہا تھا کہ اپنے سوا  
 دوسرے کو سجدہ کراتا ہے۔ میں نہیں کروں گا۔

اگر ابھی آپ کو حضرت عمرؓ کی مخالفتِ رسول پر شبہ ہے تو ہم پھر مولوی  
 شبلی کو گواہی ہیں پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :-

”کتاب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقعے  
 پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات

حضرت صلعم کی مخالفت نہ

ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی بکر کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیان بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جاوے۔ ان تمام مثالوں سے تم خود نازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔

حضرت عمر کو اس امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعذر احکامات میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی بلکہ متعذر معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز بر جنازہ منافق۔ ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی۔

آئی۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۷، ۲۳۸)

تفریق و امتیاز احکام و تجزیہ عمدہ نبوت پر تو ہم دوسری جگہ بحث کریں گے یہاں چند امور عجیبہ کی طرف ناظرین کی قوجہ دلاتے ہیں۔ اول تو آپ یہ دیکھ لیں کہ پھر اس بات کا اعادہ ہے کہ حضرت عمر آنحضرتؐ کے متعذر احکام میں مخالفت کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ مولوی شبلی مان گئے کہ اگر حضرت عمر نے ان امور اور

ان احکام رسول اللہ میں مداخلت کی ہے جو دائرہ نبوت کے اندر تھے، حضرت عمر اسلام سے خارج تھے۔ یہ بہت قیمتی اصول موضوعہ قائم ہوا۔ اس کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ مولوی شبلی کا یقین ہے کہ امور متعلقہ قیدیان بدر حجاب ازواج مطہرات، نماز، برجنارہ منافق، صلح حدیبیہ یہ سب دائرہ نبوت کے اندر نہیں آتے۔ پہلی سطر میں تو یہ لکھتے ہیں اور دوسری سطر میں فرماتے ہیں کہ وحی جو ان امور کے متعلق آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق تھی۔ ان امور کے متعلق وحی آئی لہذا وہ دائرہ نبوت کے اندر تھے۔ اگر منصب نبوت سے علیحدہ ہوتے تو خدا کیوں مداخلت کرتا اور وحی کیوں آتی۔ وحی ہی تو امتیازی نشان نبوت تھا۔ **قُلْ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰىَّ** اچھا دوسرے طریقے سے بحث کرو قرآن شریف کا نزول عہد رسالت و نبوت سے تعلق رکھتا ہے یا دائرہ نبوت رسالت سے باہر ہے۔ اس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ وہ عہد نبوت و رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن شریف کیا ہے۔ چند احکام و چند امور کا مجموعہ۔ اس ہی قرآن میں قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز، برجنارہ منافق کے متعلق آیات ہیں۔ لہذا یہ سب امور دائرہ نبوت کے اندر ہوئے۔ حضرت عمر نے ان امور میں دخل دیا۔ لہذا حسب منشاء قاعدہ مقرر کردہ حضرت شبلی، حضرت عمر دائرہ اسلام سے خارج ہوئے۔ ہم سے آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ جناب شبلی کہتے ہیں۔ تیسرے طریقے سے اس ہی بحث کو لیجئے۔ قیدیان بدر کا تعلق جہاد سے ہے۔ نماز، جنارہ کا تعلق نماز سے ہے۔ اگر جہاد اور نماز ہی دائرہ نبوت کے اندر نہیں رہے تو پھر کیا رہ گیا۔ خیر اس اندر و باہر پر تو ہم تفصیل سے بحث ابھی ٹھہر کر کرتے ہیں۔ یہ امر واقعہ مولوی شبلی کی شہادت سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر احکام فقہیہ میں بہت نکتہ چینی کرتے تھے۔ راتنی کہ آنحضرت وق ہو جاتے تھے۔ یہ کیوں ایسا کرتے تھے۔ اس کی غرض و غایت ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ یہ عملی

ابتداء تھی اُس تحریف فقہ و دین اسلام کی جس کو حضرت عمرؓ نے آخر کار اپنے عہدِ خلافت میں تکمیل کو پہنچایا اور اُمتِ محمدؐ کے لئے ایک ایسا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا جس کے شائع وہ خود تھے۔

حضرت عمرؓ اور اُن کے مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ اکثر قرآن شریف حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اُترتا تھا۔ اس بات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دعویٰ اُن کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ چنانچہ اوپر کی عبارت میں بھی مولوی شبلی کہتے ہیں کہ قیدیان بدر و نمازہ بر جنازہ منافق و حجاب اہبات المؤمنین کے معاملات میں وحی الہی جناب عمرؓ کی رائے کے مطابق آئے۔ یعنی حضرت عمرؓ کی رائے مقدم تھی اور وحی مؤخر۔ وحی تابع تھی حضرت عمرؓ کی رائے قبوع۔ مولوی شبلی کی اس عبارت پر ذرا غور تو کریں کہ کیا فرماتے ہیں۔ اُن کا مطلب ہے کہ جب کبھی آنحضرتؐ و حضرت عمرؓ میں اختلاف ہوتا تھا تو غلطی پر ہمیشہ جناب رسولؐ خا رہی ہوا کرتے تھے کبھی تو وہ خود ہی اپنی غلطی کو معلوم کئے حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار کر لیتے تھے۔ اور اگر کبھی آنحضرتؐ اپنی رائے پر اصرار کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کی رائے نا منظور کر دیتے تھے تو بذریعہ وحی آپؐ کو تہدید ہو جاتی تھی اور اپنی غلطی اور حضرت عمرؓ کی اصابتِ رائے سے متنبہ کئے جاتے تھے۔ وہ ہی سلسلہ حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ پر فوقیت دینے کا برابر جاری ہے۔

صداوند اتفاقاً آنحضرتؐ کی مخالفت و تردید اور حضرت عمرؓ کی موافقت و تائید کرتا ہے۔

# باب ہفتم

## جناب رسول خدا کے نظام حکومت کی تردید و تنسیخ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جناب رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم، قاعدہ اور اصول کو بغیر اپنی ترمیم و تغیر کے آئندہ نسلیں تک نہ جانے دیں گے۔ جناب رسول خدا نے خلافت کے لئے وصیت لکھنی چاہی وہ نہ لکھنے دی۔ ان کے مقرر کردہ حکام کو حکومت لینے دی اپنی حکومت علیہ قائم کر لی۔ جناب رسول خدا نے حکومت الہیہ کے لئے جو آئین و قوانین و قواعد مقرر کئے تھے ان سب کو متغیر کر دیا۔ جو مذہب جناب رسول خدا نے پیش کیا تھا اس کے بجائے اپنا علیحدہ مذہب قائم کر کے رائج کیا۔ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اب نظام حکومت کے متعلق تذکرہ کرتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا کے نظام میں استبداد و امپریلزم و فتوحات ملکی کو جگہ نہ تھی۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عرب قوم دنیا کی دیگر اقوام کو فتح کر کے مال غنیمت جمع کرے اور اس طرح مسلمانوں میں سرمایہ داروں کی وہ لعنت شریع ہو جائے جو ہمیشہ سے دنیا کے عدل و امن و چین کی دشمن اور خدا کی طرف سے انسانوں کا رخ پھرنے والی رہی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ عرب قوم نہیں بلکہ مذہب اسلام دنیا کو فتح کرے۔ ہر ایک قوم اپنے ملک میں خوش رہے لیکن وہ سب اسلام کے جھنڈے کے تلے جمع ہو جائیں۔ ہم ابھی بتاتے ہیں کہ اس کے لئے کیا تجویز آپ نے اور قرآن نے کی تھی۔ لیکن جب آنحضرت کی خواہش کے خلاف مسند حکومت پر ان لوگوں نے قبضہ کر لیا جو اس کے اہل نہ تھے تو انہوں نے



اس نظام کو تبدیل کر دیا۔ سیاسی ضرورتوں نے انہیں مجبور کیا کہ لوگوں کو باہر بھیج کر لڑائی میں مشغول رکھیں اور مال غنیمت حاصل کریں تاکہ لوگوں کا منہ بند کر لیں اور ان کو اپنی طرف کر لیں اور اس طرح وہ امپریلزم شروع ہوا جس نے اسلام کو مسخ کر دیا۔

امپریلزم اور استبداد کے لئے تین چیزوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے یعنی فوج، خزانہ اور فتوحات ملکی۔ حضرت عمر نے سب سے پہلے انہی کی طرف اپنی توجہ منعطف کی۔ اور ہم بھی پہلے ان پر ہی بحث کرتے ہیں۔

فوج۔ سب سے پہلے ہم فوج کو لیتے ہیں۔ جناب رسول خدا نے کوئی فوج مقرر نہیں کی۔ اور نہ تنخواہ و اسپاہیوں کا نظام قائم کیا۔ بلکہ آپ نے جہاد کو ہر ایک مسلمان کا ایک فرض مذہبی قرار دے کر یہ مسئلہ قائم کیا کہ ہر ایک مسلمان سپاہی ہے۔ جب ضرورت جنگ پر جانے کی ہوتی تھی تو نماز جامعہ کی مناد می کرادی جاتی تھی۔ اور نماز کے بعد جنگ پر جانے کا حکم دے دیا جاتا تھا۔ جہاد کی واپسی پر مال غنیمت لڑنے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور ان کی بھی حصہ ملتا تھا جو کسی عذر شرعی مثلاً بیماری یا حکم حاکم وغیرہ کی وجہ سے لڑائی پر نہ جاسکے۔ مال غنیمت میں سے ان کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ جو بغیر کسی وجہ کے گھر بیٹھ رہے تھے۔ وہ تو ایک قسم کے گنہگار ہوتے تھے انہیں انعام کیسا۔ چنانچہ علامہ جرجی زیدان کہتے ہیں :-

”اسلام کا ظہور ہوا تو اہل اسلام باقی تمام اہل عرب سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دین کی اجتماعی قوت نے انہیں یکدست بنا کر دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے متفق اور متحد کر دیا۔ اس وجہ سے وہ چھوٹے بڑے سب کے سب سپاہی تھے مسلمانوں کے پہلے سپاہی ہماجرین تھے مگر وہ مدینہ میں آئے تو انصار سے مل کر سب ایک ہی لوگ بن گئے جن کے کمانا فر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ان کا باہمی رابطہ معاہدہ دوستی اور اسلامی بھائی چارہ کی قوت تھی۔ ان دنوں مسلمانوں کی

جو مطالبات اور اصول حکومت کے لئے تین چیزوں کی ضرورت تھی۔ فوج، خزانہ، فتوحات

تعداد بہت تھوڑی تھی۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کے زمانوں میں غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ کیونکہ روز بروز عربی قبائل کے چھوٹے بڑے سب لوگ نجد، یامہ، یمن اور حجاز سے اُن میں ملنے جاتے تھے اور اسلامی اجتماع اُن کو یکجا کرتا جاتا تھا۔ آخر کار وہ تھوڑے سے بہت ہو گئے۔

رحمہ بن زیدان: تمدن اسلام حصہ اول ص ۱۶۳

علامہ شبلی کہتے ہیں:-

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر دس دس ارپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے پیش تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رتبہ بنا۔ نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن سالہ ہجری ہی میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے

تعجب ہوتا ہے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۹۲، ۹۳)

اس کے بعد علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ عامل مکہ بن وہاں سے پانچ لاکھ درہم لائے تو حضرت عمر نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ اس غرض کے لئے کہ اس رقم کو کس طرح خرچ کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:-

حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو

دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔  
حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا  
خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہنارہ نے  
سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے۔ کیونکہ  
جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔

الفاروق حصہ دوم ص ۹۳

فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵، ۲۳۶

آگے چل کر علامہ شبلی کہتے ہیں :-

” فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض  
بے ترتیبیاں تھیں۔ سب سے بڑا خلط مبعوث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے  
ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی  
رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۱۱ھ ہجری میں حضرت عمر نے  
اس عینے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک  
کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔“ (الفاروق حصہ دوم ص ۹۷)

اس کے بعد علامہ شبلی حضرت عمر کے فوجی نظم و نسق کا ذکر کرتے ہیں۔ شہر  
میں اصطلح خانے بنانا، فوجوں کے لئے بارکیں بنانا، فوجی صدر مقامات  
مقرر کرنے، فوجی چھاؤنیاں بنانا، فوجی رسد کے لئے مقامات مقرر کرنے وغیرہ  
وغیرہ ان سب امور کا تذکرہ کرتے ہیں گویا استبدادی امپریلزم کی بنیاد بھی پڑ گئی  
اور اس کے کئی مراحل بھی طے ہو گئے۔

سب سے بڑا ثبوت اس امر کا کہ اسلامی نظام حکومت میں تنخواہ دار  
افواج کا دائمی قیام مقرر نہیں کیا گیا تھا یہ ہے کہ قرآن شریف نے حکم دیا کہ  
جو عنان حاصل ہوں ان کا ۱/۵ حصہ فتح کرنے والے مسلمانوں کا ہوگا۔ اگر ان  
افواج کا تنخواہ دار ملازم رکھنا مقصود ہوتا تو پھر غنیمت میں سے انہیں کچھ حصہ نہ ملتا

وہ تو محض حکومت کے مُلازم ہوتے۔ اور سارا مال غنیمت حکمت کا حق ہوتا جس طرح کہ آج کل ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ مُلازم نہ تھے۔ جہاد اُن کا فرض مذہبی تھا، فرض مذہبی کی ادائیگی کے لئے تنخواہیں نہیں ہوتی اپنا فرض اور اپنا ہی کام سمجھ کر لڑتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فتوحات مُلکی جن میں مذہب کو دخل نہیں اور جن کے لئے مُستقل قیام افواج ضروری ہوتا ہے اسلام کے مقصد حکومت میں داخل نہ تھیں۔

الغرض ان بیانات سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ جناب رسول خدا کے نظام حکومت میں اس طرح دائمی افواج کے قیام کو دخل نہ تھا اور یہ فقط حضرت عمر کی جدت یا بدعت ہے۔ مولوی شبلی نے یہ کہہ کر حضرت عمر کی وکالت کی ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں ضرورت نہ تھی۔ لیکن یہ غلط ہے۔ آنحضرت کے زمانہ میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں اور وہ سب اُس ہی نظام جہاد کے ذریعہ سے فتح ہوئیں جو آنحضرت نے مقرر کیا تھا۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں بھی شام و عراق میں لڑائیاں ہوئیں اور مسلمانوں نے فتوحات کیں لیکن یہ دائمی فوج کا خیال حضرت عمر کو ہی آیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سنت رسول کو چھوڑ کر اس معاملہ میں حضرت عمر نے سلاطین عجم یا شام کی تقلید کی یعنی وہ ہی جو پُرانا استبدادی امپریلزم تھا اُس کی تقلید مناسب سمجھی گئی۔ پھر اسلام کا ایک نئی شریعت اور جدید طرز حکومت قائم کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ حضرت عمر نے اسلام کو اُس کی روش پر تو نہ چلایا بلکہ کفار کی تقلید کی۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے جناب رسول خدا کے طرز عمل کو اپنے حالات کے لئے نامناسب سمجھا۔ ہم ثابت کر چکے ہیں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت کی نبوت میں حکومت شامل تھی اور آنحضرت کی نبوت تا قیامت چلتی ہے۔ لیکن حکومت تو پورے چار سال بھی نہ چلی۔ حضرت عمر کے ترقی کے زمانے کے لئے اُس کے اصول ناموزوں ثابت ہوئے۔ بحث کی جا سکتی ہے جیسی مولوی شبلی نے

کی ہے کہ آنحضرتؐ کا زمانہ ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو فتوحات ہوئیں وہ اس کی ہی مقتضی تھیں کہ فوج کا ایسا انتظام کیا جاتا۔ اول تو یہ سکتا اس امر واقعہ کو نظر انداز نہ کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت میں حکومت شامل تھی اور جب اس نبوت میں جو قیامت تک چلنی تھی حکومت شامل تھی تو نبی کو چاہئے تھا کہ حکومت کا دائمی انتظام فرماتے جو فتوحات کے لئے بھی موزوں ہوتا۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ یہ بزرگوار اثر نبوت کو بھی آنحضرتؐ کی حیات ہی تک محدود رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی حیات کے بعد کے زمانہ کے لئے اُمت کی ہدایت کا کوئی انتظام ہی نہ فرمایا۔ اگر نبوت اور حکومت کے تعلق کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے عمداً ایک حکومت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔ اگر بیرونی فتوحات آپ کی سکیم کے اندر ہوئیں اور دوسرے ممالک کو فتح کرنا آپ کا منشاء ہوتا تو ضرور آنحضرتؐ ان فتوحات کا انتظام فرماتے اور فتوحات کے انتظام میں فوج کا قیام نہایت ضروری تھا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دائمی فوج کے قیام کا تصور آپ کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ عرب میں اس کا رواج نہ تھا۔ ایران و روم کی مستقل اور دائمی فوجیں آپ کے زیر نظر تھیں۔ عرب ہی میں شاہان تبع، حکمرانان حمیر اور مندری خاندانوں کے فرمانرواؤں کے پاس مستقل اور دائمی افواج رہتی تھیں۔ ان تمام واقعات کو ایک جگہ رکھ کر غور کرنے سے فقط ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ غیر ملکی فتوحات آپ کا منشاء نہ تھا۔ مسلمانوں کی قوم کو محض بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے ایک اسلامی سلطنت قائم کر لی تھی اور اس کی حفاظت اور اندفاع دشمن کے لئے یہ انتظام تھا کہ ہر ایک فرد ایک سپاہی ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ کا نظام تو بہت صاف و سیدھا تھا ہر ایک مسلمان سپاہی ہے۔ لیکن وہ محض اپنی اور اپنے مذہب کی حفاظت اور

ان دفاع دشمن کی خاطر جنگ کی آگ میں کودنے گا۔ چُونکہ مذہب جان سے زیادہ عزیز ہے لہذا خدا نے اجازت دیدی ہے کہ کمتر چیز کو بہتر چیز کی حفاظت کے لئے ضائع کر سکتے ہو۔ مسلمان کی جان بہت قیمتی شے ہے۔ اس جان کو محض ماہِ ہجری تنخواہ کے لئے فروخت کر دینا اور تنخواہ دار ہو کر بطور مُلازم کے لڑنا اسلام کے سپاہی کی شان کے خلاف ہے۔ مسلمان کا نفس، مسلمان کی جان صرف خدا کے لئے ہے۔ کسی انسان کا دوسرے انسان کی جان کو روپیہ کے بدلہ خریدنا اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ تنخواہ دے کر تھکے جنگ میں ڈالنا گویا جان کو ماہِ ہجری تنخواہ کے عوض میل لے لینا ہے اور یہ اصول اسلام کے خلاف ہے۔ تاریخ کا تجربہ بتا رہا ہے کہ تنخواہ دار فوج کا درجہ بہت کم ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ کمزور ثابت ہوتی ہے۔ بمقابلہ اُس جماعت کے جو لڑائی کو اپنی لڑائی سمجھ کر لڑتی ہے۔ تنخواہ و جاہ منصب دے کر اُن کی خاطر لڑانا اور پھر فوج کا بوش یہ کہہ کر بڑھانا کہ تم خدا کی خاطر لڑ رہے ہو۔ اُن تجاویز میں سے ایک تجویز ہے جو سنائے کہ جرمنوں نے استعمال کی تھی۔ ایک قسم کی گولیاں کھلا دیتے تھے جن کے اثر سے فوجی نیم پاگل ہو کر اپنی جان کی پروا نہ کر کے لڑتے تھے۔

ممکن ہے یہاں یہ بحث کی جاوے کہ اگر حضرت عمر نے فتوحات کیں اور اُن کا انتظام کیا تو کیا بُرا کیا۔ اسلام ان کے ذریعہ سے تمام دُنیا میں پھیل گیا، ہم بھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ فتوحات اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہایت مُضر ثابت ہوئیں، شارعِ علیہ السلام کے فشاء کے بہت خلاف تھیں۔ ہم یہ بھی دکھائیں گے کہ آنحضرتؐ نے تو سب سے پہلے اشاعتِ اسلام کے لئے کیا انتظام کیا تھا۔ آپ نے تو ایسا انتظام فرمایا تھا کہ اگر اُس پر عمل کیا جاتا تو آج کو ایک غیر اسلامی ملک دُنیا بھر میں نہ ہوتا۔ یہاں تو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ دائمی افواج کا قیام شارعِ علیہ السلام کے انتظامِ حکومت کی مخالفت میں کیا گیا۔

فتوحاتِ ملکی۔ ابتدائی تہذیب سے اب تک کی تاریخ کا مطالعہ بتا رہا ہے

کہ دائمی و مستقل افواج کا قیام ہمیشہ ملک و سلطنت کی بربادی کا باعث رہا ہے سپاہیوں کی ایک ایسی علیحدہ قوم ہلک میں پیدا ہو جاتی ہے جو اپنی طاقت سے اور باقی آبادی کی کمزوری سے واقف ہو کر سلطنت پر حاوی ہو جاتی ہے اور ہر ایک امر اپنی خواہش کے مطابق کرنا چاہتی ہے۔ تھرکوں کی سلطنت کی بربادی کا باعث یہ ہی فوج ہوئی۔ خلافتِ اسلامیہ کے فرمانروایوں کو یہ فوج ہی تکلیف دیتی رہی۔ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا چسراخ اس نے ہی مغل کیا۔ اور زمانہء حال میں دنیا کے سامنے جاپان کو اس کی فوج ہی نے ذلیل کرایا۔ سلطنتِ ترکیہ میں بادشاہ افواج جاں نثاران کے ہاتھوں میں کٹ تیلی بنا۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے مرنے پر مختلف دعویداران سلطنت کو ان افواج ہی نے کھڑا کیا۔ جاپان میں فوجی پارٹی نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ قوم کو اپنی رائے کے خلاف کوئی اور رائے ہی نہ قائم کرنے دی۔ اس طرح کی دائمی فوج تو ہاتھیوں کے دستہ کی طرح ہوتی ہے۔ اگر طبیعت چاہی تو دشمن سے لڑیں گے ورنہ اپنی ہی فوج پر پلٹ کر اُس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ دائمی افواج تو محض ایک مقصد کے لئے مفید ہوتی ہیں اور وہ قیام سلطنت جو وہ استبداد ہے جس کو زمانہء حال کی اصطلاح میں امپریلزم کہتے ہیں لیکن ایسی سلطنت ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ اور جب وہ گرتی ہے تو ایسا طوفان و تلاطمِ عظیم پیدا کرتی ہے کہ بنی نوع انسان کے مصائب میں ایک دائمی اضافہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو خلافتِ اسلامیہ کا جب عالی شان محل گرا ہے تو دنیا میں ایک تلاطمِ عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ جب ہندوستان میں ختم ہوئی ہے تو کیا ہوا۔ روسن ایپاٹر کے ختم ہونے پر دنیا کتنی مصائب میں مبتلا ہوئی۔ ہر ایک ایسی سلطنت کے ختم ہونے پر دنیا میں ایک نیا دور اور نیا نظام شروع ہوتا ہے۔ لیکن سلطنت کے ختم ہونے اور نئے نظام کے مستقل اور عمل پذیر ہونے کے درمیان کا عرصہ بسا اوقات طویل ہوتا ہے اور ملک کے لئے مصائب و ابتلائے عظیم کا زمانہ ہوتا ہے۔ نیا نظام پہلے نظام سے مختلف ضرور ہوتا

ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ بہتر بھی ہو۔ اگر ہر ایک نیا نظام پہلے سے بہتر ہوتا تو یورپ نے تو بہت سے نظام دیکھے ہیں۔ اُس کا یہ آخری اور موجودہ نظام سب سے بہتر ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بدترین نظام ہے۔ یہ بھی کوئی نظام ہے کہ جس میں ایک انسان دوسرے انسان کو کھائے جاتا ہے۔ آرام، چین، راحت، اطمینان دُنیا سے اسی طرح مفقود و معدوم ہیں جس طرح رات کو سورج غائب ہوتا ہے اور چوکیدار کی آنکھ سے خواب مفقود ہوتا ہے۔ ایسے نظام کو جس میں آٹم بھب جیسا آلہ بنی نوع انسان کو کچلنے ختم کرنے والا ایجاد کیا جاوے کوئی احمق ہی بہتر اور قابل تقلید نظام کہے گا۔ خیر۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی سلطنتوں کے بعد فتنوں ظلموں خونریزیوں اور طوائف الملوک کی بازار ایسا گرم ہو جاتا ہے کہ جو ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کو ایک منزل نیچے گرا دیتا ہے۔ پھر وہ اُٹھے یا نہ اُٹھے یہ دوسری بات ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کے گرنے پر مرنے لکھے گئے۔ ہلا کو خاں کو مجرم ٹہرایا گیا۔ وزیروں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ہلا کو خاں کو مدعو کیا۔ جان من یہ تو خود کردہ ہے۔ خود کردہ راعی جیست۔ جب روم و ایران پر ان کے قصور کے بغیر تم نے حملہ کر کے یہ اصول قائم کر دیا کہ طاقتور قومیں کمزور ممالک کو فتح کر سکتی ہیں تو پھر جب وہ اصول تمہارے خلاف کام کرنے لگا تو اب شکایت کیسی۔ افسوس تو یہ ہے کہ اُس اسلام میں جو عدل و انصاف کا نمونہ قائم کرنے دُنیا میں آیا تھا تم نے یہ جور و ظلم و الا قاعدہ راج کر دیا کہ بغیر قصور کے ہمسایہ قوموں پر حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ اسلام جو تم نے کر نکلے تھے وہ تو تمہارے پہلے حملہ ہی کے ساتھ گری پڑا۔ اور اُس یلغار پر فخر کرنا۔ یہ اُس گرنے کی دوسری منزل تھی۔ تم نے دُنیا میں اسلامی سلطنت الہیہ کا نمونہ نہیں بلکہ اسلامی امپریلزم کا نمونہ قائم کیا۔ ہاں جب دیگر قوموں کے امپریلزم سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو تمہارا امپریلزم بہترین ثابت ہوتا ہے۔ بس اتنی تعریف ہے جس کے تم اہل ہوا اور جو فخر و مباہات ان فتوحات کی بناء پر شاعروں کے کلام میں اور مورخوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے



وہ مختصر الفاظ میں فقط اتنا ہی ہے کہ تمہارا امپریلزم بہترین تھا لیکن تھا دنیاوی  
امپریلزم۔ سلطنت الہیہ نہ تھی ۛ

اس سوال پر بحث کرنے کے لئے کہ آیا حضرات شیخین کے زمانے کی  
ملکی فتوحات اسلام کے لئے مفید ثابت ہوئیں یا مضر تھیں امور متدرجہ ذیل ۛ  
غور کرنا ہوگا:-

(۱) حکام سقیفہ کی اس لشکر کشی کی غرض و غایت کیا تھی ۛ

(۲) کیا یہ لشکر کشی باقی مذہب کے منشاء اور احکام قرآنی کے مطابق تھی یا  
ان کے مخالف ۛ

(۳) کیا صحیح اسلام، اعتقاداً اور عملاً لوگوں کے اندر اتنا راسخ ہو گیا تھا اور صحیح  
تاویل قرآن کو انہوں نے اس طرح ذہن نشین کر لیا تھا کہ فتوحات ملکی کے  
جو دو نہایت خطرناک نتائج تھے یعنی (۱) دولت و ثروت اور (۲) غیر  
مذہب و ملحدانہ تخیل سے تصادم، ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا تھا ۛ

(۴) کیا محض فتوحات ملکی عروج مذہب کی علامت ہے ۛ

(۵) کیا بطور امر واقعہ اسلامی سلطنت کی وسعت و عروج کے زمانہ میں مذہب  
اسلام کو بھی عروج حاصل تھا ۛ

(۶) مفتوحہ ممالک میں عرب کس قسم کا اسلام لے کر گئے ۛ

(۷) مفتوحہ ممالک میں کونسا عنصر غالب ہو کر رہا؟ فاتح قوم کا مذہب و تمدن  
یا مفتوحہ قوم کا تخیل و تہذیب ۛ

(۸) کیا ان فتوحات سے دنیاوی وجاہت و ثروت کے علاوہ کوئی دائمی فائدہ  
مذہب و تمدن اسلام کو ہوا ۛ

(۹) ان فتوحات کا اثر فاتح قوم کے مذہب و تہذیب پر کیسا ہوا ۛ

فتوحات ملکی سے اسلام کو نقصان پہنچنا بہت سے ناظرین کے لئے باعث  
تعجب مقولہ ہے۔ لیکن ذرا سا غور و فکر اس تعجب کو یقین کے ساتھ مبدل

کر دے گا۔ خود سوادِ اعظم کے مفکرین اس ہی نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ یہ جو فتوحاتِ مملکتی ہوئیں وہ اسلام کے لئے مفید نہ تھیں۔ چنانچہ سید ابوالحسن علی ندوی سیرت احمد شہید میں فرماتے ہیں:-

یہ حقیقت کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ ولید بن عبدالملک ہارون، مامون اور عبدالرحمن الناصر کا عہدِ اصویلی حیثیت سے معیار اور مستند نہیں ہے اُن لوگوں کے لئے نئی ہوگی جو اسلام کے معنی اسلامی تمدن سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے اُن کی مراد بغداد و قرطبہ، دمشق، غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی ترقی کو عیناروں کی بلندی، فنِ تعمیر کی ترقی اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانہ سے ناپتے ہیں۔ لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی، روحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے اُن کو اس کی ترقی بغداد و قرطبہ کے عالیشان دارالخلافہ اور سرخشاہ مسجدوں کی بجائے مدینہ کے جھونپڑے میں نظر آئیگی..... اہل علم و دین خوف سے یا امید سے حکومت کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ احتساب ختم ہو گیا۔ اسی وقت سے اسلام اپنے گھر میں پر دہنی اور انتہائی دنیاوی شریک و عروج و حکومت کے زمانہ میں بے کس ہو گیا۔ دیندار طبقہ اقلیت میں ہو گیا۔ اہل حق گوشہ نشین ہو گئے اور اپنے اپنے حلقوں میں اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ لیکن اُن کی حالت بالکل ذمیوں کی سی ہو گئی۔ سیرت احمد شہید ص ۲۱، ۲۲)

یہ وہی بات ہے جو ہم کہہ رہے تھے۔ دیکھئے تو سہی سید ابوالحسن ندوی کیا کہہ رہے ہیں۔ اسلامی ممالک میں سلطنتِ اسلامیہ کے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت ذمیوں کی سی ہو گئی۔ ذمی اور مسلمان میں کیا فرق ہے۔ غیر مذہب کا ہونا۔ ذمی مسلمان نہیں ہوتا۔ اسلامی ملک میں مسلمانوں کا ذمی ہونا یہ مطلب رکھتا ہے کہ سلطنت کا مذہب اور تھا۔ دیندار مسلمانوں کا مذہب اور تھا۔

یعنی سلطنتِ مُسلمانی عقائد کی پابند نہ تھی۔ اُس زمانہ کی لکھی ہوئی ابو الفرج کی کتاب الاغانی کا مطالعہ کر لو۔ یہ یقین اور بھی مضبوط ہو جائے گا۔ جو شے اپنے عروج میں اسلام کے لئے ضرر رساں تھی وہ اپنی ابتدا سے انتہا کے زمانہ تک مُضر ہی ہوگی۔

حکومتِ سقیفہ کے عربوں کی سرعتِ فتوحات جتنی کہ ظاہر ہیں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اتنی ہی دُور ہیں نظروں اور دُور رکھنے والے دلوں کے لئے باعثِ رنج و افسوس ہے۔ ہمارے نوجوان کتابوں میں پڑھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اسلام نے یورپ کے ازمنہ وسطی کی تاریکی کو اپنے مشعلِ علم سے منور کر دیا۔ یورپ کو یونان کا فلسفہ مُسلمانیوں ہی کے ذریعہ سے پہنچا۔ علومِ ریاضی، ہئیت، جغرافیہ اور اسفار میں مسلمانوں کے کارنامے اب تک خراجِ تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ دہلی، غرناطہ، قرطبہ، بیجاپور، آگرہ کی عمارتیں اپنی عمگین خاموشی سے مسلمانوں کی گزری ہوئی عظمت کو یاد دلا رہی ہیں۔ لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے۔ جناب رسولِ خدا جغرافیہ اور اصطراب کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ یونان کے فلسفہ کو پھیلانا فقہِ اسلامی کا مقصد نہ تھا۔ ہم نے یونان، ایران، ہندوستان، فرنگستان کو بہت کچھ دیا لیکن اُن سے لیا بھی بہت کچھ۔ کیا لیا؟ ایرانیوں کی دو خدائی، رومی عیسائیوں کی سہ خدائی اور ہندوستان کی خدائی ان تخیلات نے اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ ابھی عربوں میں زمانہ جاہلیت کا تخیل باقی تھا۔ صنم پرستی کا اثر موجود تھا۔ اعمال و عقائد میں ابھی ہم آہنگی پیدائے ہوئی تھی۔ اسلام نے ابھی ان کے طرازِ تخیل اور طرزِ زندگی پر پورا تسلط نہیں کیا تھا کہ مختلف تہذیبوں اور مخالف اعتقادات سے تصادم ہو گیا اور مخالف عناصر کا مقابلہ کامیابی سے نہ کر سکے۔ اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی عنصر اور اسلامی طرزِ تخیل مسلمانوں کے ممالک سے بالکل مفقود ہو گیا اور عربوں کی جگہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں نے اسلام کا لباس پہن کر لے لی۔

اول تو وہ ہی اسلام ناقص تھا جو ان عربوں نے جن کے اندر بقول جناب رسول خدا  
 کفر موجود تھا۔ اور جن کی جبلت و طینت میں بقول علامہ مشرقی جاہلیت کی روایات  
 اور اعتقادات باقی تھے۔ اپنی مفتوحہ رعایا کو دیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ یہ تو مسلم  
 اپنا کا فرانہ طراز تخیل اور اپنی ملی لائے رسومات اپنے ہمراہ لائے۔ یہ تھا مختلف  
 مذاہب کا مجموعہ جو اسلام کے نام سے ان فتوحات کے ذریعہ دنیا میں پھیلا۔  
 حضرت عمر نے عقل و قیاس کو امور مذہبی میں مداخلت کی آزادی دے ہی دی تھی  
 بے شمار فرقے پیدا ہو گئے۔ کوئی فرقہ جبر و اختیار کے مسئلہ میں پھنسا ہوا ہے، کوئی  
 تدبیر و تقدیر پر غور کر رہا ہے۔ کوئی مسئلہ تنازع کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ کسی کو  
 خیر و شر کی موجودگی شبہ میں ڈال رہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شاید زرتشت کا خیال ہی  
 درست ہو۔ خدا دو ہی ہوں۔ اہرمن ویزواں، ایک شرک ایک خیر کا۔ کسی کی  
 ہمت اوتاروں کے خیال نے بڑھائی ہوئی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں ہی  
 خدا ہوں۔ مسئلہ حلویل و ہماہوست میں مجھ ہو کر ویدانت کی طرف جھکے جاتے  
 ہیں۔ بہت لوگ فقہ اسلامی کو یونان کے فلسفہ کے مطابق کرنے کی کوشش میں  
 مشغول ہیں۔ جب ان پیچیدگیوں سے دم گھبراتا ہے تو اسلام سے نفرت پیدا ہوتی  
 ہے۔ اور کہتے ہیں *اللکھم غفمنی فی الدین*

صنما رہ قلندر سرزار بن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی  
 اور لطف یہ ہے کہ اسلام کے بے شمار فرقے اپنے اپنے اعتقادات کی بناء قرآن مجید  
 پر رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی تاویل غلط بتا کر آپس میں تکفیر کی وودھاری  
 تلوار چلا رکھی ہے۔ محض یہی ایک امر بین ثبوت ہے اس دعوے کا۔ ان مسلمانوں کو  
 قرآن شریف کی صحیح تاویل معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کہ فتوحات کا سلسلہ

۱۳۵ شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفا مقصد ص ۱۹۹۔ جلال الدین سیوطی۔ کتاب در المنثور الجزء الرابع

ص ۵۴، علی المتقی منتخب کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۱ +

تذکرہ۔ مقدمہ ص ۶۷، ۶۸ +

شرع ہو گیا۔ امر حق میں اختلاف و تضاد ناممکن ہے۔ حق ایک ہی ہے۔ لہذا ایک ہی تاویل صحیح ہونی چاہیے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عربوں کی شریعت فتوحات نے اسلام کو نقصان زیادہ پہنچایا بہ نسبت فائدہ کے۔ فتوحات ملکی اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہیں جب فاتح قوم کا غلبہ مستقل و مستحکم ہو۔ اگر فاتح قوم کا تختہ پلید اور مذہب مغلوب ہو گیا تو پھر محض تلواریں بہت جلد کند ہو جاتی ہیں۔

یہ معلوم کرنا خالی از دوسپی نہ ہو گا کہ حکام سقیفہ نے مسند پر قدم رکھتے ہی لڑائیوں کی طرف کیوں رخ کیا۔ جب حضرت ابو بکر تخت نشین ہوئے تو اس وقت اسلام یا مسلمانوں کا کوئی اندرونی یا بیرونی دشمن نہ تھا۔ باہر کے مواضع کے قبائل میں سے اکثر نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ وہ خلیفہ جائز نہیں ہیں لہذا ہم ان کو زکوٰۃ نہ دیں گے لیکن نہ انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایک حکومت پر حملہ کرنے کے لئے پہلے سے تدابیر سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ حملہ تنظیم کامل کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور یہ تنظیم ان قبائل سے مفقود تھی۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سوائے اپنے اس خیال کے اظہار کے کہ ہم ابو بکر کو زکوٰۃ نہ دیں گے ان قبائل نے کوئی دشمنی کا فعل نہ کیا تھا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی مذہب کے فرمان کے بموجب تھی اور قرآن شریف میں اس کا تذکرہ ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر اصرار کیا گیا ہے۔ آنحضرت کے زمانہ میں مسلمان زکوٰۃ جناب رسول خدا کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت کی نبوت میں حکومت شامل ہے یا نہیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ حکومت شامل نہیں۔ لہذا حکومت میں جو آپ کا جانشین ہوا وہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حقدار نہیں۔ کیونکہ یہ تو مذہبی اور قرآنی حکم ہے اور جناب رسول خدا اپنے نبی ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے اگر نبوت

عالمین ابو بکر کا عین زکوٰۃ - مزین کا لقب و بکر اس سے جنگ کرنا

میں حکومت شامل ہے تو پھر زکوٰۃ وہی شخص لے سکتا ہے جس کو نبی اپنا جانشین مقرر کر دے۔ نبوت کی جانشینی سقیفہ بنی ساعدہ میں تو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ بحث کے کسی پہلے سے حضرت ابو بکر زکوٰۃ وصول کرنے کے مستحق نہ تھے اور اگر گول مول بحث کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ ایک قسم کا مسلمانوں پر ٹیکس ہے جو حاکم کو ادا ہونا چاہیے تو اس کا ادا نہ کرنے والا حکومت کا منحرف ہے۔ اسلام کے دائرہ سے تو باہر نہ نکلا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان لوگوں نے کبھی زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار نہیں کیا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ زکوٰۃ خلیفہ ہی کے پاس بھیجی جاوے جبکہ وہ قرآن و رسول کا مقرر کردہ نہیں ہے آج کل بھی تو مسلمان زکوٰۃ دیتے ہیں کسی خلیفہ کے پاس تو نہیں بھیجتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اس عدم ادائیگی کی وجہ سے وہ مرتد یا کافر تو نہیں ہو جاتے۔ اس امر کا ثبوت کہ مانعین زکوٰۃ مرتد نہ تھے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ تمام صحابہ نے ان سے لڑنے کو ناجائز قرار دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بھی ان کے قتال کو ناجائز سمجھتے تھے صرف تن تنہا حضرت ابو بکر ان سے لڑنا چاہتے تھے۔ اب فرمائیے وہ آپ کا اجماع کہاں گیا۔ یہاں تک کہ جب کوئی صحابی لڑنے کے لئے نہ نکلا تو حضرت ابو بکر اکیلے کھڑے ہو گئے۔ اب خلیفہ کو تنہا کیا چھوڑتے اور رفتہ رفتہ سب کا شرح صدر ہوتا گیا۔ جب حضرت ابو بکر نے مصلحت کو سمجھا یا اور کہا کہ حکومت سے یہ سرتابی بری مثال پیدا کرے گی تو حضرت عمر بھی مان گئے۔ لیکن پھر بھی جب وقت نکل گیا تو حضرت عمر نے اپنے عہد حکومت میں ان سب کا مال اور قیدی واپس کر دئے۔ کیونکہ قتال ناجائز تھا۔ علامہ شہرستانی نے بھی اس کو ایک اختلاف بین المسلمین شمار کیا ہے۔ اس معاملہ میں ایک تیسرے غیر تعلق والے عالم کی رائے زیادہ اہمیت رکھے گی۔

ایک انگریزی مؤرخ لکھتا ہے:-

The fight against the Ridda was not a fight against apostates, the objection was not to Islam perse but to the tribute which had to be paid to Madina .....

only a few of the tribes more nearly - connected with Madina recognised the supremacy of Muhammad, the others all seceding.

The Cambridge Medieval History. P. 335

ترجمہ

اہل ردة کی جو جنگ مشہور ہے وہ دراصل مرتدین کے خلاف نہ تھی کیونکہ انہوں نے اسلام ترک نہیں کیا تھا بلکہ وہ ابو بکر کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے ..... صرف ان چند قبائل نے جو کسی نہ کسی طرح ہرینہ سے تعلق رکھتے تھے ابو بکر کی خلافت کو مانا تھا۔ باقی سب اس کے خلاف تھے۔

اس لڑائی میں جو جو ظلم حضرت ابو بکر کے ایجنٹ حضرت خالد بن ولید نے کئے وہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس جبر و استبداد سے حضرت ابو بکر نے ان کو مغلوب تو کر لیا لیکن ان کا پچھلا بیٹھنا ناممکن تھا۔ اندرون عرب کے یہ وہ قبائل تھے جن کی طرف سے دائمی خطرہ لگا ہوا تھا۔ اس خطرے سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ ان کو عرب کے باہر ڈھکے مٹاکے کی ہم پر لگایا جائے تاکہ ان کا شوق غنائم ان کی خوشی کے ساتھ مشغول رکھے اور غنائم کی فراوانی ان کو رفتہ رفتہ حکومت کا ولی طرفدار بنا دے اس دنیا میں اکثریت کو یہ طاقت ہے کہ اگر دن کو رات کہیں تو دنیا رات ہی کہنے لگتی ہے۔ اور اگر رات کو دن کہیں تو وہ دن ہی سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی

اکثریت و مورخین نے یہ کہہ دیا کہ سب سے پہلے حضرت علی کے زمانے میں مسلمانوں میں آپس کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو اب دنیا بھی ماننے لگی۔ ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی پہلی خانہ جنگی حضرت ابوبکر کے زمانہ کا یہ قتال مانعین زکوة تھا۔ بہر حال ان مانعین زکوة کو حضرت ابوبکر نے مرتدین کا ناجائز خطاب دے کر ان سے لڑائی شروع کر دی۔ اصلی مرتدین کی سرکوبی تو بہت کچھ آنحضرت نے کر دی تھی۔ آنحضرت کے زمانہ اخیر میں دو جھوٹے نبی طلحہ اور مسیلمہ کھڑے ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے کچھ اپنے مقلدین بھی جمع کر لئے تھے۔ آنحضرت نے ان کی سرکوبی کا کافی انتظام کر دیا تھا۔ اور آنحضرت کے انتقال کے بعد یہ فوراً ہی مغلوب کر لئے گئے۔ حضرت ابوبکر کی سیاسی ترکیب یہ تھی کہ ان مرتدین و مانعین زکوة کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر سب کو مرتدین کا خطاب دے دیا۔ اور یہ چال اپنا کام کر گئی۔ ابھی خالد بن ولید اہل یمامہ سے جنگ کر کے واپس ہی ہوئے تھے، راستے ہی میں تھے کہ انہیں حکم مل گیا کہ عراق پر فوج کشی کرو۔ وہ ابھی جاری ہی تھی کہ بہت جلد یہ حکم دیا گیا کہ ایران سے ہوتے ہوئے شام پر حملہ کرو۔ روم و ایران نے کوئی وجہ مخالفت کی نہیں دی تھی اور امن سے بٹھھی ہوئی قوم پر حملہ کرنا اسلام کے عدل کے خلاف تھا۔ قرآن شریف کا حکم ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ وِشْيَانِ قَوْمِ عَلَىٰ آلَاءِ تَعَدُّوا لَوْ أَن تَقِصُّوا قِصَّةَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ لَعَجَلًا أَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَاتٌ مِّن قَبْلِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ قَوْمٌ يُبْتَغُونَ فِيهِمُ الْبَأْسُ أَوَّلَ الْبَأْسِ۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ اپنے لوگوں کو آرام سے نہ بیٹھنے دینا۔ ادھر سے ادھر جاؤ۔ وہاں سے باہر ہی باہر دوسری طرف چلے جاؤ۔ مدینہ میں نہ آنے دینا اس میں کیا مصلحت تھی۔ بات یہ ہے کہ جس سعادت رفتار کے ساتھ ستیفہ کے واقعات نے حرکت کی تھی اس نے کسی کے لئے یہ موقع نہ چھوڑا تھا کہ رحلتِ رسول کے بعد وہ غور کرے کہ اب کیا کریں۔ اور کیونکر کریں۔ حضرت



عمر نے نہایت تیزی سے کر کے دکھا دیا کہ یہ کریں اور لوگ مجبور ہو گئے۔ حضرت عمر نے واقعات کو اس تیزی کے ساتھ حرکت دی تھی کہ اُس وقت سب مہربوت ہو گئے۔ جب وہ حالت گزر گئی تو پھر لوگوں کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ انصار بھی اپنے کئے پر پچھتائے لگے اور سب کو تعجب ہوا کہ بنی تیم و بنی عدی کیوں خلافت پر قبضہ کریں اور سب کے لئے یہ سوچنا کہ دراصل خلافت کس کا حق ہو سکتا ہے بالکل فطری امر تھا۔ شہرت واقعات کی مدد سے کامیابی کو حاصل کرنا تو زیادہ مشکل نہیں ہوتا اُس کامیابی کو قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ لوگوں کو اپنی طرف کیا جائے اور ان کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اس معاملہ پر زیادہ غور و خوض کریں یا بنو ہاشم سے ملنے کے منصوبے باندھیں۔ اس مشکل کا حل حضرت ابو بکر نے اس طرح کیا جس طرح دنیا کی تاریخ میں ان سے پہلے اور ان کے بعد مدبران سلطنت ایسے موقعوں پر کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ساری قوم کی قوم کو لڑائی پر لگا دیا اور باہر بھیج دیا تاکہ یہ مشغول رہیں اور مالِ غنیمت جو آئے اُس سے سب کا منہ بند کر دیا جائے اس چاروں طرف کی لشکر کشی کی یہ غرض و غایت تھی۔ اسلام کی محبت اُس کی وجہ نہ تھی۔ اسلام کے تو مسلمہ قانون کے خلاف تھی +

حکامِ سقیفہ اپنے اس مقصد میں نہایت آسانی کے ساتھ کامیاب ہو گئے کیونکہ اس طرح کی لشکر کشی جس سے مالِ غنیمت حاصل ہو عربوں کی فطرت کے عین مطابق تھی۔ جناب رسول خدا ان کی اس جہلی میلان کو روکتے رہے لیکن جب لوگوں نے دیکھا کہ حکامِ سقیفہ کی سیاسی اغراض ان کی اس جہالت و فطرت کے میلان کے مطابق ہیں تو انہوں نے نہایت خوشی سے لبتیک کہا۔ ہم مولوی شبلی کی زبانی بتاتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں مالِ غنیمت کی محبت کس قدر تھی۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مالِ غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب ہی ہوتا تھا۔ اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت کو محبوب ترین چیز سمجھتے تھے، ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا:-

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ  
وہو بیتغی غرضاً من اعراض الدنیا  
فقال لنبی الہ اجر لہ فاعظم  
ذک الناس وقالوا للرجل  
عدا لرسول اللہ فلعلک لہ  
نفہم را بوداؤد جلد ۱ ص ۳۲۸

ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا یہ امر لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوا اور لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو غالباً تم نے آنحضرت صلعم کا مطلب نہیں سمجھا۔

بار بار لوگ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت صلعم اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ بھی فرمایا کہ لا اجر لہ یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ تب لوگوں کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکلے۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انہوں نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو بچ جائیگے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حملے سے بچ گئے، اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو مالِ غنیمت سے محروم کر دیا۔ ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے

فلا منی اصحابی وقالوا احرمتنا الغنیمۃ۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۳۲۵ یعنی مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی کہ تم نے

ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔  
 جب لوگوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آکر ان کی  
 شکایت کی تو آپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی  
 (جو چھوڑ دئے گئے) کے بدلہ اتنا اتنا ثواب ملے گا۔ (ابوداؤد)۔  
 باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تائید میں غزوہ خنین میں  
 سہ ہجری میں واقع ہوا تھا اسوجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ مال غنیمت  
 کے لٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری غزوہ خنین کے ذکر میں ہے۔  
 فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسہام  
 یعنی بس مسلمان غنیمت پر لٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں  
 پر رکھ لیا۔

ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ  
 ایک ہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی اتفاق سے  
 بکریوں کا ریوڑ نظر آیا۔ سب لٹ پڑے، اور بکریاں لٹ لیں،  
 آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر ہوئی آپ موقع پر تشریف  
 لائے تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں اُبالی جا رہی تھیں آپ کے  
 ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ نے اس سے ہانڈیاں اُلٹ دیں اور  
 سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا لٹ کا مال مُردار گوشت  
 کے برابر ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول۔ تقطیع کلاں

ص ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷

وہ لوگ جو ادعا کرتے ہیں کہ اسلام نے یک لخت عرب کی ساری فطرت  
 ہی بدل کر ان کو ایسا بنا دیا کہ ان میں سے ہر ایک آسمان ہدایت کا ستارہ  
 بن گیا، اس عبارت کو غور سے پڑھیں، غزوہ خنین آنحضرت کا آخری غزوہ تھا  
 جنگ احد میں سبق بھی مل گیا، تب بھی غنیمت کی محبت نہ ان لوگوں کے دل سے گئی

خواہ مخواہ غیروں کا مال ہی لوٹ لیتے ہیں، آنحضرتؐ کو سب ہاتھ پائیوں، اٹھنی پڑیوں  
 اسلام کی محبت کا حال تو معلوم ہو گیا، عرصہ تک پچھتاوا رہا کہ غنیمت ہاتھ سے  
 نکل گئی۔ اور اُس صحابی کو جس نے دشمن کو مسلمان بنا دیا تھا۔ ملامت ہی کرتے  
 رہے۔ خالد بن ولید کا قصہ آپ جانتے ہی ہیں، جناب رسولؐ خدا نے ان کو  
 نبو جزیہ کی طرف محض تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، اور خاص طور سے ہدایت کر دی  
 کہ لڑنا نہیں نبو جزیہ مسلمان ہو گئے، ایمان لے آئے کلمہ پڑھنے لگے، لیکن مال غنیمت کے  
 لالچ میں حضرت خالد نے ان کو قتل کر دیا، اور مال غنیمت لوٹ لیا۔ جب وہ  
 واپس آئے تو جناب رسولؐ خدا اُن پر بہت ناراض ہوئے۔ تین دفعہ آسمان کی  
 طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے خدا خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بُری ہوں دیکھو  
 تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۲۲، مسیرۃ النبی مولیٰ شبلی حصہ اول جلد اول تقطیع کلاں  
 ص ۲۳۸۔ ان ہی خالد بن ولید کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں کہ کس طرح باوجود  
 مسلمان ہونے کے انہوں نے مالک بن نویرہ کو محض اس کی عورت کی خاطر  
 قتل کیا اور اس کے مسلمان ہونے کا خیال نہ کیا، اور یہ ہی خالد بن ولید  
 حضرت ابو بکر کے حکم سے ملک عراق و شام کو فتح کرنے کے لئے بھیجے  
 گئے تھے۔ جیسی اسلام کی محبت یہ اپنے دل میں لے کر گئے ہوں گے وہ  
 ان دونوں واقعات سے اچھی طرح عیاں ہے، اور جو ان کی غرض و غایت تھی  
 وہ بھی ظاہر ہے۔

اسلام کا کلیہ ہے :- الاعمال بالنیات، حضرات شیخین کے جہاد کی غرض و غایت  
 یہ تھی کہ۔

(۱) حکام سقیفہ لوگوں کی نکتہ چینی سے محفوظ رہیں۔

(۲) وہ لوگ نبی ہاشم سے نہ ملنے پائیں۔

(۳) حکام سقیفہ لوگوں کی نظروں میں ہر دلعزیز ہو جائیں۔

(۴) مال غنیمت سے لوگوں کا منہ بند کر دیں اور دیوں پر مہر لگا دیں تاکہ ان کی

سلطنت محفوظ و مستحکم ہو جائے ۛ

حکام سقیفہ کے اس طرز عمل نے دشمنوں کو موقع دیا کہ وہ اسلام و بانی اسلام پر نکتہ چینی کریں اور کہیں کہ اسلام تبار کے زور سے پھیلا اور ملک غنیمت کے لالچ سے فتح ہوا اور پھر اسلام پر (Imperialism) کا وہ برنما داغ لگ سکے، جو ظلم و ستم کی بدترین شکل ہے۔ یہ لفظ آج کل فرنگی سیاست میں بہت مشہور ہے اور اس کے معنی ہیں :- کمزور ہمسایہ کے ملکوں پر طاقتور ملک کا محض ہوس ملک گیری کی وجہ سے قبضہ کرنا ہمارا یہ ادعا ہے کہ یہاں مذہب یا اسلام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب فاتح یعنی حضرت عمر نے خود کہا کہ نبوت اور حکومت علیحدہ علیحدہ شے ہیں اور نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے یعنی مذہب اور حکومت جداگانہ شے ہیں، تو پھر اب کسی کو حق حاصل نہیں کہ حکومت کی غلطیوں کو مذہب کے سر تھوپے، جو فتوحات ہوئیں وہ مذہب کے خاطر نہیں ہوئی تھیں اور اسلام کا پھیلانا ان فتوحات کا مدعا نہ تھا، حضرت عمر کے اس اقبال کے بعد کہ حکومت و مذہب جداگانہ شے ہیں ایک کو دوسرے سے تعلق نہیں، اور ان واقعات کی شہادت کے بعد جو ہم نے اوپر بیان کئے اب بار ثبوت مدعی کے اوپر ہوگا کہ وہ بتائے کہ ان فتوحات میں کون سا کام انہوں نے مذہب کے لئے کیا، یا کون سا ان کا فعل تھا جس سے یہ ظاہر ہووے کہ اس لشکر کشی کا باعث اسلام کا پھیلانا تھا۔ یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ محض فتوحات ہی نے اسلام پھیلا دیا، اگر محض فتوحات سے اسلام پھیلا تو یہ تو ان فتوحات کا نتیجہ ہوا کسی فعل کے نتیجہ کو اس فعل کا باعث تو نہیں کہہ سکتے، خصوصاً جب کہ فعل کے ارتکاب کے وقت وہ نتیجہ نہ نظر تھا، یہ بھی اس کا جواب نہ ہوگا کہ لڑائی سے پہلے حکام سقیفہ کے لشکر کا جنرل یہ بھی شرط پیش کرتا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم تم سے صلح کر سکتے ہیں۔ ایسے حالات کے اندر یہ شرط پیش ہوتی تھی کہ وہ جنرل جانتا تھا کہ یہ منظور نہ ہوگی۔ جب تم نے لشکر جزار

کے ساتھ ایک ایسی سلطنت پر حملہ کر دیا جو عرصہ سے قائم ہے اور اس نے تمہیں روکنے کے لئے ایک لشکر بھی تیار کر لیا تو اب اس سے کہنا کہ مسلمان ہو جاؤ بے معنی ہے اس کے جذباتِ حمیت و غیرت و شجاعت کو تو پہلے بھڑکا دیا اور اس کو تم جنگ کے درجہ حرارت تک پہلے ہی سے لے آئے۔ تو اب یہ شرط تو محض بے معنی ہو گئی۔ تمہارا دل گواہی دیتا ہے کہ ان حالات میں کوئی انسان ایسی شرط منظور نہیں کر سکتا۔ وہ تمہارے مذہب سے ناواقف ہے اور تم نے اپنے مذہب کا وہ رخ بنا کر اس کی طرف پیش کیا ہے کہ تمہارے مذہب کے حق ہونے کا امکان اس کے دل سے پہلے ہی سے نکل گیا۔ وہ دل میں کہے گا کہ ایسی قوم کا مذہب کیونکر حق ہو سکتا ہے کہ جس نے بغیر کسی وجہ کے بغیر کسی حق کے بغیر میرے کسی قصور کے میرے ملک کو مجھ سے بچھیننے کا تہیہ کر لیا ہے۔ تبلیغ کا تو قاعدہ ہے کہ اپنے مذہب کو بہترین لباس میں دکھایا جاوے۔ تم نے تو اپنے مذہب کو بدترین لباس طمع و آرزو میں آراستہ کیا ہوا ہے اور منہ سے کہتے ہو کہ اسلام قبول کر لو۔

جناب رسول خدا کے اصول و مبانی جہاد میں تغیر۔ وہ مذہبی جہاد یعنی بر عدل و انصاف تھے۔ حکام سقیفہ کے ملکی جنگی مبنی بر عدوان و جبر تھے۔

اسلام کے مبانی و اصول قرآن شریف میں درج ہیں۔ چنانچہ جہاد بالسیف جن اصولوں پر ہونا چاہئے وہ ان دو آیتوں میں ملتے ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ دِيَارَهُمْ سَوْدَاءُ الْبُقْرَعِ (۱)

256

ترجمہ:- دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ہدایت کھلم کھلا گمراہی سے مجیز ہو گئی ہے۔

(۲) وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَاخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُواكُمْ

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ دِيَارَهُمْ سَوْدَاءُ الْبُقْرَعِ (۲)

2:191

ترجمہ:- قتل کرو تم ان کو (کفار ان مکہ) جہاں پاؤ اور ان کو (کفار ان مکہ) ان کے گھروں سے نکال دو

جس طرح انہوں نے (کفار ان مکہ) تم کو نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ برا ہوتا ہے۔

جناب رسول خدا کے اصول و مبانی جہاد میں تغیر

پہلی آیت میں اصول تبلیغ و اشاعتِ اسلام بیان کیا ہے۔ جبر و تعدی سے مذہب کی اشاعت نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے مذہب کو اپنے قول و فعل و عمل سے اس طرح غیر مسلموں پر ظاہر کرو کہ وہ خود دیکھ لیں اور قائل ہو جائیں کہ حق کہاں ہے اور گمراہی کدھر ہے۔ اس طرح اپنے دل سے یقین کر کے جب وہ اسلام لائیں گے تو وہ راسخ اور پکا دین ہوگا۔ اور اگر تم نے جبر و تعدی و تلوار سے مسلمان کیا تو ان کا اسلام محض زبان پر رہے گا۔ دل میں داخل نہ ہوگا۔ دل سے ہمیشہ تمہارے دشمن رہیں گے اور ہر ممکن موقع پر تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے رہیں گے دیکھو کفار ان مکہ جو فتح مکہ کے بعد آسانی سے فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے دل سے منافق ہی رہے اور آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد اسی طرح گروہ در گروہ اصلی اسلام سے خارج ہو گئے۔ اس کا جواب یہ درست نہ ہوگا کہ فتح مکہ میں آنحضرتؐ نے جبر و اکراہ کے اہل پر عمل کیا بلکہ فتح مکہ دوسری آیت کے تحت میں آتی ہے۔ وہ آیت قصاص کا اہل بیان کرتی ہے اور محض کفار ان مکہ کے لئے ہے۔ اس کے حکم میں کفار ان ایران و روم نہیں آتے۔ اصول قصاص کو کتنا صاف کر کے بیان کیا ہے تم بھی انہیں قتل کرو جس طرح انہوں نے تم کو قتل کیا ہے۔ تم بھی ان کو ان کے گھروں سے نکالو جس طرح انہوں نے تم کو گھروں سے نکالا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کفار ان مکہ سے تو شروع ہی سے جنگ تھی۔ درمیان میں صلح حدیبیہ سے التواء ہو گیا تھا۔ اور جب وہ معاہدہ صلح کفار ان مکہ نے توڑ دیا تو وہ ہی پہلی حالت جنگ عود کر آئی۔ اور اس جنگ میں کفار ان مکہ نے سبقت کی ہوئی تھی آنحضرتؐ کو مکہ سے نکالا۔ پھر بار بار مدینہ پر حملے کئے۔ اب ان کا جواب ٹر کی بٹر کی دینے کی اجازت دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ دنیا کے ہر ایک کافر کو جبراً مسلمان کرنے کا منشاء اس آیت کا نہیں ہے۔

ہمارے اس خیال کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو جناب

عبداللہ ابن عمر سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ کسی نے اُن سے اس آیت کے معنی پوچھے وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيُكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ رَانَ كَافِرَانِ مَكَّةَ سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب سارا خدا کے لئے ہو جائے، تو عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ جب اسلام کم تھا آدمی اپنے مذہب کی بناء پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے۔ اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہ رہا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ آیت اُس آیت کے بعد ہی اور اُس ہی کے سلسلہ میں ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہے۔ یہ بھی اصول قصاص کی تائید کرتی ہے اور کفار ان مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ”ہم“ کی ضمیر اُن کی ہی طرف راجع ہو رہی ہے۔ اسی میں ہے کہ کفار ان مکہ سے تم مسجد الحرام کے پاس نہ لڑو۔ لیکن اگر وہ تم سے مسجد الحرام کے پاس لڑیں تو تم بھی ان سے وہیں لڑو۔ اور اگر وہ باز رہیں تو خدا غفور الرحیم ہے۔ فقہ یہ ہے فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ یہ آیت یعنی وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً الْآیۃ سُوْرۃ الْاِنْفَالِ ع ۵ پارہ ۹ میں بھی دوہرائی گئی ہے۔ وہاں بھی اس کا منشاء اُن ہی کفار ان سے ہے جنہوں نے پہلے اذیتیں پہنچائی ہیں اور تکلیفیں دی ہیں کیونکہ اس کی پہلی آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہہ دے اے رسول ان کافروں سے کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر وہ ہی حرکات کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا جو طریق جاری ہو چکا ہے وہ ہی اُن کے ساتھ برتا جائے گا۔ اپنے افعال سے باز آجائیں اس کا یہی مطلب ہے کہ تکلیفیں نہ پہنچائیں۔ تمام قرآن مجید کو پڑھ جاؤ۔ کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ تم غیر ملک کے کافروں اور یہودیوں اور

8239

8239



جیسا بیوں پر چڑھائی کرو در آنجا لیکہ انہوں نے کوئی وجہ مخالفت نہ پیرا کی ہو۔  
 کفار ان قریش کی نظیر کی طرف اشارہ کر کے یہ بتا دیا گیا کہ کوئی قوم تم پر ظلم و  
 زیادتی کرے تو پھر تم کو اُس سے لڑنا چاہیے۔ اور ضرور لڑنا چاہیے۔ یہ بطور  
 قصاص کے ہوگا۔ استبداد ہی جنگ نہ ہوگی۔ کمزور ہمسایوں پر محض اُن کی  
 کمزوری کی وجہ سے حملہ کرنے کی ترغیب مذہب اسلام میں نہیں ہے۔  
 اور اس کے معنی جہاد فی سبیل اللہ کے نہیں ہیں۔ ان معنوں کو مد نظر  
 رکھ کر کوئی تضاد ان دونوں آیتوں میں واقع نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے  
 وہ لوگ جو حکام سقیفہ کی بے وجہ پورشس کی تائید کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ  
 دونوں آیتیں ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مسلمان  
 کمزور تھے تب تو آیت لا اِکْرَاهَ فِي الدِّينِ نازل ہوئی۔ اور جب مسلمان  
 طاقتور ہو گئے تو پھر آیت جہاد یعنی وقتلواھم حيث ثقتم وہم الا یہ  
 نازل ہوئی۔ جیسا اُن کا اپنا طرز عمل رہا ہے کہ جیسا موقع دیکھا ویسی بات  
 اپنے مقصد براری کے لئے کہہ دی۔ کبھی کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ جب  
 مطلب نکل گیا تو دوسرے موقع پر کہہ دیا۔ نہیں۔ بلکہ حدیث لا یرث زیادہ  
 قابل تقلید ہے۔ ویسی ہی ذہنیت یہ معاذ اللہ صاحب قرآن کو دینی چاہتے  
 ہیں۔ جب مسلمان کمزور تھے تب تو یہ اصول قائم کر دیا کہ دیکھو بھئی۔ دین کی  
 باتوں میں زبردستی نہیں ہوتی۔ تم کیوں ہم کو مجبور کرتے ہو کہ ہم دین اسلام  
 قبول نہ کریں۔ جب وہ موقع نکل گیا تو کہا کہ نہیں غیر مذہب والوں کو  
 مارنا چاہیے جہاں بھی ملیں۔ یہ کیسی غلط تاویل ہے جو قرآن شریف کی  
 یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایک نہایت عمدہ اصول اخلاق و مذہب  
 کو خراب کرتے ہیں۔ دیکھئے حکم فسوخ ہو سکتا ہے اصول فسوخ نہیں ہوتے۔  
 ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ تم سات دن تک  
 روزے رکھنا۔ پھر تھوڑی دیر میں میری حالت دیکھ کر یا کسی اور وجہ سے

آپ نے کہہ دیا کہ میں اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔ تم روزہ نہ رکھنا۔ یہ تو آپ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ ایک دن تو آپ نے کہا کہ دیکھو دوسروں کی امانتیں واپس کرنی بہت اچھی ہیں۔ تمہارے پاس بھی دوسروں کی جو امانتیں ہیں وہ واپس کر دو۔ دوسرے دن آپ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ لوگوں کی امانتیں واپس کرنی بُری بات ہے۔ دیکھو تمہارے پاس جو دوسروں کی امانتیں ہیں وہ تم خود مضم کر جاؤ۔ یہ ایک اصول ہے کہ دین میں اکراہ و اجبار نہیں ہوتا ہر ایک شخص اپنی مرضی سے دین پسند کرتا ہے۔ اس اصول کو فسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ اصول حق پر مبنی ہوتے ہیں اور حق کبھی فسوخ نہیں ہوتا وہ آیات جن میں حکم دیا گیا ہے فسوخ ہو سکتی ہیں۔ وہ آیات جن میں حق بیان کیا گیا ہے اصول بیان کئے گئے ہیں کبھی فسوخ نہیں ہو سکتیں۔

امام راعب نے جہاد کی تعریف یہ کی ہے: الجہاد استفراغ الوسع فی مدافعتہ العسد و۹۵ یعنی انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا جہاد ہے نہ اسلامی فقہ و شریعت میں اسلام کا مفہوم جہاد یہ ہی ہے کہ دشمن کو دفع کیا جاوے۔ دشمن پر پہلے بغیر وجہ کے حملہ کرنا اسلامی اخلاق و شریعت کے خلاف ہے۔ جناب امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ کا دستور حالت جنگ میں بھی یہ تھا کہ خود دشمن پر پہلے حملہ نہیں کرتے تھے۔ جب وہ حملہ کر لیتا تھا تو اس کا حملہ روک کر پھر خود حملہ کرتے تھے۔ جب معاویہ کے مقابلہ میں فوجیں روانہ کی ہیں تو آپ نے اپنی افواج کو حکم دیا تھا کہ پہلے تم حملہ نہ کرنا۔ جب دشمن حملہ کرے تب حملہ کا جواب دینا۔

خود مولوی شبلی نے بتا دیا ہے کہ اسلامی شریعت میں جہاد کیسا ہوتا ہے اور

۹۵ المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۰ لفظ جہاد

۹۶ حامد الانصاری: اسلام کا نظام حکومت ص ۵۰۲

جناب رسول خدا کے جہاد کیسے تھے۔ جنگ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں :-

اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سہراہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے۔ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے صرف معاہدہ صلح کافی ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو ہرافت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

رسالة النبی حصہ اول مجلد اول تفتیح کلاں ص ۳۵۲

اس معیار پر عراق و شام کی لشکر کشی پوری نہیں اترتی۔ لہذا وہ شریعت اسلام کے خلاف تھی علماء اسلام نے جنہوں نے شریعت اسلامی پر غور و غوض کیا ہے اس لشکر کشی کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس پر رش سے جو ممالک فتح ہوئے انہیں غصب شدہ جائداد سمجھ کر ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :-

ذکر اقوال العلماء فی ارض بغداد و حکمها و ما حفظ عنہم من الجواز و الکراہیۃ لیبعھا فذکر عن غیر واحد منہم ان بغداد و اسر غصب او تشتتری مساکنہا و الاتباع

زمین بغداد کے متعلق علماء کے اقوال کا ذکر اس کے خرید و فروخت کی کراہت کی نسبت ان سب علماء کا قول ہے کہ بغداد و اسر غصب ہے اس کی اراضیات و مکانات کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

تاریخ بغداد و المجلد اول ص ۴۴

ایک بات سے قطعی فیصلہ اس امر کا ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامی نے دوسروں کے ملک فتح کرنا اپنے پروگرام میں داخل نہیں کیا تھا اور نہ ہی

یہ قرآن شریف اور شارع علیہ السلام کا منشاء تھا۔ جو چیزیں دشمن سے حاصل کی جاسکتی ہیں ان کے لئے فقہ اسلامی کا یہ حکم ہے کہ پانچواں حصہ یعنی خمس تو خدا و رسول کے لئے ہے اور باقی ان لشکریوں میں تقسیم ہونا چاہئے جنہوں نے غنیمت حاصل کی ہے۔ جب حضرت عمر کے زمانہ میں ملک فتح ہوئے تو اس قاعدے کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ سوال اٹھا کہ مفتوحہ اراضیات بھی لشکریوں میں تقسیم کی جائیں۔ قاعدے کی رو سے تو یہ ہونا چاہئے تھا لیکن حضرت عمر نے اس میں بہت سی خرابیاں دیکھیں تو اپنی معمولی عادت تادیل کو کام میں لا کر لشکریوں کے اس مطالبے کو نا منظور کر دیا۔ ہماری بحث یہ ہے کہ واقعی حضرت عمر صحیح کہتے تھے۔ اگر اراضیات لشکریوں میں تقسیم ہو جائیں تو بہت خرابیاں پیدا ہوتیں۔ ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ کئی افسر اور جنرل وہ ممالک اپنے قبضہ میں لے کر چھوٹے چھوٹے بادشاہ بن جاتے اور بادشاہت کے اندر یہ کئی بادشاہیاں موجب فساد ہوتیں۔ صریح نتیجہ نکلتا ہے کہ غنیمت کی تقسیم کا جو قاعدہ قرآن شریف نے مقرر کیا اس میں اراضیات شامل نہ تھیں کیونکہ اس طرح اراضیات کے فتح کرنے کی اجازت قرآن شریف نے نہیں دی تھی اور اگر ان کی اجازت ہوتی تو اس قاعدے میں ان کو صریحاً مستثنیٰ کر دیا جاتا۔ اگر وہ شامل تھیں تو ان کی طرف سے بالکل خاموشی بیجا تھی فتوحات کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ ملک کے ملک فتح ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو قاعدہ مقرر ہونا چاہئے تھا۔

یہ بھی صورت ہو سکتی تھی کہ کوئی عرب کا ہمسایہ ملک اسلام پر فوج کشی کرتا۔ اور اس کی مدافعت میں مسلمانوں کو لڑنا پڑتا اور دشمن مغلوب ہو جاتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں کیا کرنا چاہئے تھا۔ اس کی بھی اراضیات ہوتیں اور ان پر کیا قاعدہ لگایا جاتا۔ اس سوال کا حل خیبر کے واقعات سے ہوتا ہے۔ ہم ان واقعات کے متعلق علامہ طبری کی تاریخ کے اردو ترجمہ سے

ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب نے کیا ہے اور شعبہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے حیدرآباد دکن میں طبع ہوا ہے وہ لکھتے ہیں:-

رسول اللہ صلعم نے اہل خیبر کو ان کے قلعوں و طبع و سلام میں محصور کر لیا۔ جب ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوا انہوں نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی کہ آپ ہماری جان بخشی کریں اور ہمیں یہاں سے جلا وطن کر دیں۔ آپ نے اُس پر عمل کیا۔ اس سے قبل آپ نے ان کے مواضع شق، نطاة، کتبہ اور ان دو قلعوں کے علاوہ اور تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب اہل فدک کو اہل خیبر کی اس درگت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی رسول اللہ صلعم سے یہی درخواست کی کہ آپ ان کی جان بخشی فرما کر ان کو جلا وطن کر دیں اور وہ اپنی تمام جائداد آپ کے لئے چھوڑ کر چلی جائیں آپ نے اُسے منظور کر کے اُس پر عمل کیا۔

اس مصالحت کے لئے بنی حارثہ کے محیصہ بن مسعود ثقیفین میں وکیل بنے۔ جب اہل خیبر نے مذکورہ بالا شرائط پر طاعت کر لی۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ ان زمینوں کی نصف پیداوار کی ادائیگی پر ہم سے معاملہ کر لیں کیونکہ ہم دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ان سے زیادہ واقف ہیں اور بہتر طریقے پر ان کو آباد رکھیں گے آپ نے اسے منظور کر لیا۔ زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور یہ شرط کر لی کہ جب ہم چاہیں گے تم کو ان سے بے دخل کر دیں گے اہل فدک نے بھی اس شرط پر صلح کر لی۔ اس طرح خیبر تمام مسلمانوں کی ملکیت عامہ ہوا اور فدک محض رسول اللہ صلعم کا خاصہ ہوا کیونکہ اس پر مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی۔ رارڈو ترجمہ تاریخ طبری

جلد اول حصہ سوم ص ۲۰۰، ۲۰۱

اس عبارت پر غور کیجئے۔ زمین مفتوحہ کی ملکیت تمام مسلمانوں کی ہو گئی۔ سرکاری زمین نہیں بنی۔ فرک چو نکہ مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تھا وہ آیت قرآنی کے مطابق جناب رسول خدا کی خالص ملکیت میں آیا۔ وہ ہی غنیمت کی تقسیم کا قاعدہ جو قرآن شریف نے مقرر کیا تھا۔ اراضیات مفتوحہ کی تقسیم پر بھی حاوی ہوا۔ جناب رسول خدا نے خیبر کی اس آمدنی سے خمس کا حصہ بھی لیا تھا جیسا کہ تاریخ طبری میں دوسری جگہ درج ہے۔ ایسی بہت کم نظائر ہوتی ہیں جب منظم سلطنت پر کوئی ہمسایہ سلطنت بے وجہ حملہ کرے۔ یہ آئینت ہوتا ہے کہ جب کسی کے دماغ میں استبدادی و جبری منصوبوں کی سکیم ایک شکل اختیار کر لے۔ لیکن ہٹلر اور پبولین روز روز نہیں پیدا ہوتے لہذا ایسے بہت کم موقعے پیش آتے ہیں۔ جو انتظام جناب رسول خدا نے فرمایا تھا وہ اگر کار فرما ہو جاتا تو مسلمان قوم اتنی مضبوط رہتی کہ کسی ہمسایہ قوم کو اسے چھیرنے کا خیال بھی نہ آتا۔ اور اس نظام میں ساری ہمسایہ قومیں تو مسلمان ہوتیں تو پھر چھیرتا کون کرتا اور لڑائی کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ اسلام تو امن و عدل کی نعمت لے کر آیا تھا اس کے نظام میں انسانوں کا آپس میں لڑنا خلاف فطرت تھا۔

قاعدہ تقسیم غنیمت اور مفتوحہ اراضیات کے تعلق کو کو بلیا کے ایک پرفیسر نے اس طرح ظاہر کیا ہے:-

of the above three classes of revenue which may accrue to the muslim community or the state, namely, the sadaqah, booty and fay revenues, the four fifths of fay revenue is a part of the public treasury because its

disposition is made according to the personal judgment of the Imam. on the contrary, the four-fifths of booty revenue (ganimah) is not a part of treasury - and on this point, the hanafite and the malikite views are at one ..... for the beneficiaries of the booty - revenue have been prescribed by express-revealed provision (nass) and are definite persons, namely, the army who fought the battle, and the Imam may not dispose of the booty in any other way. ۱۵

### ترجمہ

متذکرہ بالا آدنی کی تین قسمیں میں سے جو مسلم قوم یا مسلم حکومت کو حاصل ہو سکتی ہیں یعنی صدقہ، غنیمت اور فے، فے کا  $\frac{1}{5}$  حصہ تو بیت المال کا حق ہے کیونکہ اس کی تقسیم امام کی ذاتی رائے سے ہوتی ہے۔ لیکن برخلاف اس کے غنیمت کا  $\frac{4}{5}$  حصہ بیت المال کا حق نہیں ہے۔ اور اس پر مالکیوں اور حنفیوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس کے مستحق ہیں وہ وحی الہی (نص قرآن) کے ذریعہ سے مقرر ہو چکے ہیں۔ یعنی یہ وہ فوج کے آدمی ہیں جنہوں نے لڑ کر یہ غنیمت حاصل کی اور امام کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ غنیمت کو کسی طرح استعمال کرے۔

as muhammadan theories of finance by  
nicolas P. Agnides, P. 426.

ایک اور جگہ بھی پروفیسر لکھتا ہے :-

When the Imam conquers a place or a city by force of arms (Anwant) he may divide the property taken — whether lands or chattels, after the deduction of the state's share of one fifth, among the victorious army since the prophet had done so with respect to khyber. or the Imam, if he so chooses, may leave the lands in the hands of their original holders, and impose upon their persons the jazyah, and their lands the khiraj. ۵۲

### ترجمہ

اگر امام کسی جگہ یا شہر کو فوج کشی سے فتح کرتا ہے تو اسے غنیمت کو خواہ وہ منقولہ ہو خواہ اراضیات بعد اپنا پانچواں حصہ لینے کے فتح کرنے والی فوج میں تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ جناب رسول خدا نے خیبر میں کیا تھا۔ یا امام ان اراضیات کو ان کے پہلے مالکان کے قبضہ میں چھوڑ سکتا ہے اور ان پر لوگوں پر حزیہ اور ان کی اراضیات پر خراج لگا سکتا ہے۔

اس شرعی معممہ نے اپنے تئیں ہر ایک صاحب غور و فکر کے سامنے پیش کیا ہے۔ علامہ خطیب بغدادی نے اپنی مشہور تاریخ میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے :-



الخیر عن السواد و فعل عمر فیہ و لای علیٰ ترک قسمین بین مفتاحین  
یعنی ارض سواد کے حالات اور اس کے متعلق حضرت عمر کا عمل اور وجہ کہ کیوں انہوں نے اُس  
ملک کو اُس کے فتح کرنے والوں کے اُپر تقسیم نہیں کیا۔ اُس میں لکھتے ہیں :-  
لما افتتح المسلمون السواد قالوا  
لعمر بن الخطاب اقسام بیننا  
تأبی فقالوا انا افتتحناها عنوة  
قال فما لمن جاء بعدکم من  
المسلمین فأخاف ان تفسدوا  
بینکم فی المیاء و أخاف ان  
تقتلوا فأقراہل السواد فی  
ارضہم و ضرب علیٰ رؤسہم  
الضرائب یعنی الجزیہ و علی  
ارضہم الطسوق یعنی الخراج  
ولم یقسما بیہما عن عمر  
لولا ان خیر المسلمین ما فتحت  
قریۃ الا قسمتہا کما قسم رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
خیبر۔ عن زید بن اسلم  
عن ابیہ قال سمعت عمر بن  
الخطاب یقول لولا انی  
اترک الناس بیانا لا شئ  
لہم ما فتحت قریۃ الا  
قسمتہا کما قسم رسول اللہ

جب مسلمانوں نے ملک سواد کو فتح کیا۔ تو  
انہوں نے عمر بن الخطاب سے کہا کہ اس کو ہم پر  
تقسیم کر دو۔ لیکن عمر نے انکار کیا تو ان  
لوگوں نے جواب دیا کہ اس کو ہم نے اپنی  
کوشش سے فتح کیا ہے۔ حضرت عمر نے  
جواب دیا کہ تمہارے بعد جو مسلمان آئیں گے  
ان کے لئے کیا بچے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ تم  
آپس میں فساد کرو گے اور ایک دوسرے  
کو قتل کرو گے۔ پس حضرت عمر نے اُس  
ملک کے لوگوں ہی کو اس میں رہنے دیا  
اور ان پر کئی قسم کے ٹیکس مثلاً جزیہ اور  
خراج لگا دیا۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ اگر  
مجھے آئندہ کے آنے والے مسلمانوں کا خیال  
ہوتا تو میں کوئی قریہ فتح نہ کرتا لیکن یہ  
کہ اُس کو اُس کے فتح کرنے والوں پر تقسیم  
کر دیتا جیسا آنحضرتؐ نے خیبر کو کیا تھا۔  
زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ  
کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو یہ کہتے  
ہوئے میں نے سنا ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا  
کہ اس طرح کرنے سے آئندہ آنے والے لوگ

صلی اللہ علیہ وسلم خیابہ سے محتاج ہو جائیں گے تو میں کوئی گاؤں فتح نہ کرتا لیکن یہ کہ اس کو تقسیم کر دیتا جیسا آنحضرتؐ نے خیبر کو کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی اس صریح مخالفتِ قرآن کو اہل مذہب نے آخر کار برا جانا چھنا کیے خطیب بغدادی لکھتے ہیں :-

وقال مالك بن انس تصيير  
الارض وقفا بنفس الاعتنام  
ولا خيأ سرفها للامام وقال  
محمد بن ادریس الشافعی  
لیس للامام ایقافها وانما  
یلزمه قسبتها۔ ۴۴

امام مالک کہتے ہیں کہ اراضی مفتوحہ بھی مثل غنیمت کے ہوتے ہیں اور غنیمت کا حکم اُن پر حاوی ہے۔ اس امر میں حاکم کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ محمد بن ادریس الشافعی کہتے ہیں کہ حاکم کے لئے ان مفتوحہ اراضیات کو روک رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ اُس پر لازم ہے

کہ ان اراضیات کو اُن کے فتح کرنے والوں پر تقسیم کر دے۔  
بروئے شرع محمدی حضرت عمرؓ کی یہ غلطی ایسی مسلم ہو گئی کہ اہل مذہب ان اراضیات کو غضب سمجھتے تھے اور وہاں کا غلہ کھانا اور وہاں قیام کرنا حرام جانتے تھے۔  
احمد بن حنبل کی بھی یہی رائے ہے۔ ۴۵

حضرت عمرؓ کی ناجائز فوج کشی سے جو صورتِ حالات پیدا ہوئی اُس کا بیان اوپر کیا گیا۔ اسی کو حضرت شبلی اپنے خاص انداز میں بیان کر کے حضرت عمرؓ کی حمایت ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اس مرحلہ میں پہلی یہ

۴۳ تاریخ بغداد خطیب بغدادی مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ء المجلد الاول ص ۷۰

تاریخ عمر بن الخطاب لامام جلال الدین ابی الفرج بن الجوزی الباب السابع والثلاثون ص ۴۸، ۴۹

۴۴ تاریخ بغداد خطیب بغدادی ص ۹۔ مجلد اول

۴۵ تاریخ بغداد خطیب بغدادی ص ۵، ۶۔ مجلد اول

مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلوات فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصہ میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن عوف وغیرہ اہل فوج کے ہمزبان تھے۔ حضرت بلال نے اس قدر کہہ کی کہ حضرت عمر نے دق ہو کر فرمایا اللہم اکنی بلاہ لا یعنی اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے۔ حضرت عمر یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر حمالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہیں کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیہ نہ کر پاسکتی ہیں..... کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمر کو دفعتاً قرآن مجید کی آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی للفقراء الدین اخرجوا من دیارہم واسوالہم الخ اس آیت کے اخیر فقرے والدین جاؤ امن بعد ہم سے حضرت عمر نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلیں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلیں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پُر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں

پیش کیا۔ تمام رگ بدل اٹھے کہ بے شک آپ کی رائے بالکل صحیح ہے اس استدلال کی بناء پر یہ اصل قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی ملک قرار پائیں گے۔ اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۴۱، ۴۲)

اب ان تمام عبارات پر اچھی طرح غور کریں۔ ان عبارات سے یہ امر تو قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ

- (۱) بروئے نص قرآنی غنائم میں فتح کرنے والی فوج کا  $\frac{۱}{۲}$  حصہ ہوتا تھا۔
- (۲) امام یا حاکم کو حق نہ تھا کہ ان کے حصے کو کم کرے۔
- (۳) ان غنائم میں مال منقولہ و اراضیات سب شامل ہیں۔
- (۴) لہذا مفتوحہ اراضیات میں بھی فتح کرنے والے لوگوں کا  $\frac{۱}{۲}$  حصہ ہے اور وہ ان کو ملنا چاہئے۔

لیکن ساتھ ہی اس کے عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ اس طرح تمام مفتوحہ ممالک کی اراضیات فوجیوں میں تقسیم کر دینا اور ان کے باشندوں کو فوجیوں کی غلامی میں دے دینا نہ تو اسلام کا منشاء ہو سکتا تھا اور نہ سیاستِ ملکی کا تقاضا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر اور ان کے مدبروں میں آپس میں اختلاف ہو گیا۔

اب ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ یا تو اسلام کا منشاء نہیں تھا کہ دوسروں کے ملکوں پر بغیر وجہ کے حملہ کر کے ان کو اپنی ملکیت میں شامل کیا جائے اسی وجہ سے غنائم میں اراضیات کا ذکر نہیں کیا۔ اگر اراضیات کا اس طرح فتح کرنا منشاء قرآن ہوتا تو غنائم میں اراضیات کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا اور ان کے لئے علیحدہ قاعدہ مقرر کیا جاتا۔ ان کو ہرگز فوج میں تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ یا حضرت عمر کی تاویل صحیح ہے۔

اب ہم حضرت عمر کی تاویل پر غور کرتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ

تاویل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاویل و طرز عمل کے خلاف ہے کیونکہ خیبر میں آنحضرتؐ نے اُن اراضیات کو فوج کی ملکیت قرار دے کر یہودیوں کو اخراج کا حکم دے دیا تھا۔ علامہ طبری کی عبارت ملاحظہ ہو۔ اُن ساری اراضیات کا ۱/۴ حصہ ملکیت فوج قرار پایا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں فوج کی رضامندی سے وہ حصہ روپیہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور وہ روپیہ مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ اُس زمانہ میں بیت المال نہ تھا۔ دولت کو جمع کرنے کا اصول حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا ہے۔ اُس زمانہ میں تو جو مال غنیمت یا خراج یا لگان آئی فوراً حقداروں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی تاویل آنحضرتؐ کے طرز عمل و تاویل کے خلاف تھی تو صریحاً نتیجہ نکلا کہ وہ غلط تھی اور حضرت عمرؓ اپنی علیحدہ شریعت قائم کرنا چاہتے تھے۔ توڑ مروڑ کے قرآنی آیات کیا اپنے مقصد کے مطابق کرنا ہی آئندہ کے فرقوں کا باعث ہوا ہے۔ اور اس طریقے کے ایجاد کرنے والے

حضرت عمرؓ ہیں \*

اب ہم اُس آیت کو لیتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ مولیٰ شبلی نے کس طرح قرآن شریف کے الفاظ و معانی میں محض اپنے خلیفہ کو الزام سے بچانے کے لئے تحریف کی ہے۔ للفقراء سے شروع کیا ہے۔ فقراء کے واسطے کیا چیز فقراء کے واسطے وہ نہیں بیان کیا۔ یہی تو سارا فریب ہے۔ ہم پوری آیات نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کیا چیز ہے جو فقراء وغیرہ کو دی جاتی ہے۔

وَمَا آخَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا  
سَرَاكِبٍ وَلَا كَيْفَ لِكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ سُلْطَانَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرٌ مَا آخَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَ  
لِلرُّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

كُنِيَ لَا يَكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ط وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ط وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ه لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُمْرًا إِلَيْهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَ يَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ط أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ه وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْأَيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَبْلَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ يُؤْتِكُمْ شَيْئًا فَاغْلُظْ وَخُذْ مِنْهُ وَكُلْ وَكُلْ مِمَّا آتَاكُم مِّنْهُ وَلَا تَبْغُوا فِيهِ ط وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ه

پارہ ۲۵۲ سیرۃ النبی (۱)

ترجمہ:- (یہ ترجمہ مولیٰ فتح محمد خاں صاحب جالندھری کا ہے جو تاج کنبی کے قرآن شریف کے ہمراہ چھاپا ہے جو (مال) خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے (لڑائی بھڑائی کے بغیر) دلایا ہے اُس میں تمہارے کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ جو (مال) خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلایا ہے وہ خدا کے اور پیغمبر کے اور پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ جو لوگ تم میں دو ٹمنڈ ہیں انہیں کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبروں سے لے لو۔ اور جس سے منع کریں اس سے) باز رہو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بیشک خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور ان مفسدان تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دئے گئے ہیں (اور) خدا کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار اور خدا اور اُس کے پیغمبر کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے ایماندار ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی) جو ہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی

میں مقیم اور ایمان میں مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے اُن کے پاس آتے ہیں اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور اُن کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خواہ اُن کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ اور اُن کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دُعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

مولوی شبلی نے جو تحریف قرآن شریف کے ان آیات کے مطلب و منشاء و معانی میں کی ہے وہ اپنی آپ ہی نظیر تو نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بزرگوار اپنے مقصد حاصل کرنے کے لئے ایسی ہی تحریفوں کے عادی ہیں۔ اور اس ضمن میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر تحریف کی مثالیں ملیں گی۔ لیکن اس تحریف کی اہمیت یوں زیادہ ہو جاتی ہے کہ مولوی شبلی اپنے تئیں مؤرخ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے ذکرِ تھامالِ غنیمت کی اراضیات کا۔ اور فاتح لشکر کو اُس کے حق سے محروم کرنے کے لئے اپنی بحث کی حمایت میں آیات و ہ بیان کرتے ہیں جن میں فے کا ذکر ہے۔ فے وہ اراضیات ہیں جو لشکر کی مدد کے بغیر رسول خدا کو حاصل ہوئی تھیں اور صرفاً اُن میں لشکر کا حق نہیں رکھا گیا جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔ یہ کتنی بڑی تاریخی بددیانتی ہے جو مولوی شبلی صاحب نے کی ہے پہلی آیت جس میں لشکریوں کے حق نہ ہونے کی بابت ذکر ہے مولوی شبلی نے نقل ہی نہیں کی۔ دونوں آیات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور دونوں میں فقرہ مَا آفَاءَ اللّٰهِ عَلٰی رَسُوْلِهِ ہے ہم نے ساری آیات نقل کر دی ہیں۔ اس قسم کی اراضیات خدا و رسول کی ہیں۔ اور ان کا مصرف بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے تو جناب رسول خدا کے قرابت داروں کا ذکر ہے

وہ حقدار ہیں۔ پھر دیگر مستحقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام کی فہرست یہ ہے: (۱) قرابتدارانِ رسول (۲) یتامی (۳) مساکین (۴) مسافر (۵) فقراء و مہاجرین جن کو کفار نے ان کے گھروں اور مال سے محروم کر دیا تھا (۶) انصارانِ مدینہ جنہوں نے مہاجرین کو اپنے پاس جگہ دی (۷) وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔

سیدھی اور صاف بحث کو چھوڑ کر مولوی شبلی نے اس فقرہ کو پکڑ لیا۔ "وہ لوگ جو ان کے بعد آئے" اس سے وہ آئندہ کی آنے والی نسلیں مراد لیتے ہیں۔ اول تو یہی امر مشکوک ہے کہ اس سے آئندہ کی آنے والی نسلیں مراد ہیں اگر وہ مراد بھی ہیں تو غیر متعلق بحث ہے۔ ان کا مال نے میں ساتواں درجہ ہے لیکن سوال زیر بحث تو ان اراضیات کی تقسیم کا ہے جو مالِ غنیمت میں آتی ہیں اور جن میں شکر یوں کا ۱/۵ حصہ ہے۔ اور ان شکر یوں والے حصہ میں نہ یہ فقرہ ہے اور نہ آنے والی نسلیں مراد ہیں۔ قصہ یہیں ختم ہو گیا۔ دیکھو پہلی آیت پارہ دہم کی۔

اور الَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ کے فقرہ کے بھی یہ معنی نہیں جو مولوی شبلی لیتے ہیں کہ قیامت تک کی آنے والی نسلیں مراد ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو جناب رسولِ خدا کی ہجرت کے بعد آئے اور وہ بہت تھے۔ جب ہی تو ان کی دُعا میں لفظ *لَهُمْ خَوَاتِمًا* ہے ورنہ *لَهُمْ خَوَاتِمًا* ہوتا۔ علامہ سیدی فقیرہ *وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ* کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:-  
 اخراج عبد بن حمید عن جاهد  
 مرثی اللہ عنہ وَالَّذِينَ جَاءُوا  
 مِنْ بَعْدِهِمْ قَالَ الَّذِينَ  
 اسلخوا..... واخراج الحاكم  
 وصحیحہ وابن مردويه عن  
 سعد بن ابی وقاص قال  
 عبد بن حمید نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے  
 روایت کی ہے کہ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ  
 بَعْدِهِمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد  
 میں اسلام لائے..... حاکم نے یہ روایت  
 اپنے اسناد سے بیان کی ہے اور اس کی  
 توثیق کی ہے اور ابن مردويه نے بھی



الناس على ثلاثة منازل قد  
 مضت منزلتان وبقیت منزلة  
 فأحسن ما أنتم كأئنون عليه  
 ان تكونوا بهذا المنزلة التي  
 بقیت ثم قرأ للفقراء المهاجرين  
 الذين أخرجوا من ديارهم و  
 أموالهم الآية ثم قال هؤلاء  
 المهاجرون وهذه منزلة  
 وقد مضت ثم قرأ والذين  
 تبوءوا الدار والأيمان من  
 قبلهم الآية ثم قال هؤلاء  
 الأنصار وهذه منزلة و  
 قد مضت ثم قرأ والذين  
 جاءوا من بعدهم يقولون ربنا  
 اغفر لنا و لأخواننا الذين  
 سبقونا بالإيمان فقد مضت  
 حاتان المنزلتان وبقیت  
 هذه المنزلة فأحسن ما أنتم  
 كأئنون عليه ان تكونوا بهذه  
 المنزلة -

جلال الدین سیوطی: کتاب الدر المنثور  
 الجزء السادس ص ۱۹۸

بیان کی ہے۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں  
 کہ مسلمانوں کی تین منزلیں تھیں۔ دو  
 منزلیں (مہاجرین اہل و انصار) تو  
 گزر گئیں۔ ایک باقی رہ گئی اور کیا اچھا ہو  
 کہ تم اس منزلت میں ہو کہ جو باقی رہ گئی  
 پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی للفقراء  
 المهاجرين الذين أخرجوا من  
 ديارهم وأموالهم الآية اور  
 کہا کہ ان سے مہاجروں مراد ہیں اور  
 یہ درجہ گزر گیا۔ پھر پڑھا والذین  
 تبوءوا الدار والأيمان من  
 قبلهم الآية اور پھر کہا کہ ان  
 سے انصار مراد ہیں اور یہ منزل بھی  
 ختم ہوئی۔ پھر پڑھا والذین جاءوا  
 من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا  
 ولأخواننا الذين سبقونا  
 بالإيمان الآية اور کہا کہ پہلے دو  
 منزلیں تو گزر گئیں اور ان سے  
 تمہاری موجودہ منزل اور ان کے  
 لوگ مراد ہیں۔ بہت اچھا ہوا اگر تم  
 اس پر قائم رہو۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں یہ تین قسم کے لوگ بیان کئے گئے ہیں یعنی راہ

مہاجرین (۲) انصار اور (۳) اُن کے بعد جو مسلمان ہوئے اور بس۔ ان سے مہاجرین اور انصار کی اولاد مراد نہیں ہے۔ اگر وہ مراد ہوتے تو یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا۔ بہر صورت یہ فی کی تقسیم کا تذکرہ ہے اور اس سے وہ غنائم مراد نہیں جو لشکریوں کی فتح سے حاصل ہوتے تھے۔

اپنے تاریخی بددیانتی کا بدترین نمونہ دیکھا جس میں اپنے عقیدہ کی حمایت میں قرآن شریف کی معذبی تحریف سے بھی نہ ڈرے۔ جب یہ حالت ہے تو جو درجہ ان بزرگواروں کی تاریخی کتب کا سحت اور حقیقت کے اعتبار سے ہونا چاہئے وہ ظاہر ہے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھی اس آیت پر اسی طرح استدلال کیا تھا۔ اور وہ استدلال اتنا قوی سمجھا گیا کہ حاضرین نے میر تسلیم خم کر دیا۔ اگر یہ درست ہے جو مولوی شبلی فرماتے ہیں تو اس کے سوا ہم کیا کہیں کہ ع این خانہ ہمہ آفتاب است۔

بس اب ایک ہی نتیجہ رہ گیا اور وہ یہ کہ یہ اسلام کا منشاء نہ تھا کہ دوسری قوموں پر اُن کی طرف سے اظہارِ خصومت و مخالفتِ اسلام کے بغیر حملہ کر کے دُنیا کے امن و چین کو غارت کیا جاوے۔ ایسا کرنا عدل و انصاف کے اصول کے خلاف ہے اور عدل و انصاف کرنا مذہبِ اسلام کا فرضِ اولین ہے۔

ان فتوحات کا پہلا اور لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دولت و ثروت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس دولت و ثروت کی فراوانی نے سرمایہ داری کے وہ سارے عجیب مسلمانوں میں پیدا کر دیئے جو ہمیشہ سے بنی نوع انسان کے جسم میں سرطانِ دائمی کی طرح اُس کے صحیح نشوونما میں ہار ج رہے ہیں۔ یہ سرمایہ داری کس حد تک پھیل گئی تھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے جنابِ سولنیٰ اور دولت و ثروت کی فراوانی کو برا سمجھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں اپنے بعد تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیاوی دولت و جاہت کے دروازے کھل جائیں گے ۸۶ نتیجہ نکلا کہ

۸۶ منہ احمد خلیل الجزء الثالث ص ۹۱ - الجزء الخامس ص ۱۰۸

صحیح بخاری کتاب النجائز باب الصلوة علی الشہداء الجزء الاول ص ۱۶۱

جس چیز کا لازمی نتیجہ یہ دولت و جاہت تھی یعنی جو چیز یہ دولت و جاہت یقیناً پیدا کرتی ہے اس کو بھی آپ بُرا سمجھتے تھے۔ امپریلزم کی فتوحات ہمیشہ دولت و ثروت و کاہلی پیدا کرتی ہیں۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ آنحضرت امپریلزم کی فتوحات کو بُرا سمجھتے تھے ہم نے امپریلزم کی فتوحات نام رکھا ہے حضرات شیخین کے زمانہ کی فتوحات امپریلزم کی فتوحات تھیں۔ کیونکہ جن ممالک پر فوج کشی کی گئی ان کی طرف سے کوئی وجہ مخالفت و مخالفت پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ محض اُن کی کمزوری دیکھ کر اُن کو مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ فتوحات کے بُرے رُخ کو تو دکھا دیا ابن کا اچھا نتیجہ بھی تو ہوتا ہے۔ ان فتوحاتِ ملکی سے اسلام دُنیا کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا۔ ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ ہمارا مذہب پھیلے۔ ہم فاتح قوم بن کر رہیں۔ مولف کتاب ہذا نے تو عجیب درویشانہ گوشہ گیری کا لکچر دیا ہے۔ حق کی خاصیت تو غالب ہونے کے رہنا ہے۔ نہ کہ مغلوب کی حیثیت میں رہنا۔ اسلام کا تو مقصد اولیٰ یہ تھا کہ دُنیا کے کوئی نہ کوئی تک پہنچے۔ اور وہ ان فتوحات ہی کے ذریعہ سے پہنچا۔

اس اعتراض کا ہم جواب دیتے ہیں۔ فتوحات واقعی اچھی ہوتی ہیں لیکن فتوحاتِ دل کی ہونی چاہئیں۔ تلوار کی نہیں۔ تلوار کی فتوحات دائمی نہیں ہوتیں۔ اور قوموں میں نفرت پیدا کر دیتی ہیں۔ آج ہماری تلوار تیز ہے کل دوسرے کی تلوار تیز ہوگی۔ اسلام کو دُنیا کے ہر گوشہ میں پہنچانا تھا لیکن دلوں کے ذریعہ سے۔ تلوار کے ذریعہ سے نہیں۔ واقعات سے زیادہ بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے بتا دو کہ ان فتوحات کے بعد جو واقعات ہوئے تھے وہ اچھے تھے یا بُرے۔ اُن فتوحات کے دلوں میں اسی حالتِ اسلام کیا تھی۔ اسلام اپنے وطن میں بے وطن ہو گیا تھا جو حالت

اسلام کی پیچاری اور حقارت کی تھی وہ مولوی ابوالحسن علی ندوی نے سیرت احمد سعید میں اچھی طرح بیان کی ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے توحیح اسلام کے لئے کیا نڈا پیر اختیار کی تھیں تعجب ہے کہ حبیبنا کتاب اللہ کہنے والے ایسے موقعوں پر کتاب اللہ کی طرف کیوں نہیں رجوع کرتے۔ قرآن مجید میں جہاد کے لئے بھی احکام درج ہیں۔ اور وہ روش و طریقہ بھی بتایا گیا ہے جو حکمت اسلام کی توحیح کے لئے اختیار کرنا چاہئے اور ان دلوں اقسام کے قواعد و ضوابط کو پڑھنے اور جناب رسول خدا کے طرز عمل کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر امت اسلام میں حیث القوم ان قواعد و ضوابط پر عمل کرتی تو آج کو ساری دنیا اسلام کی سلطنت کے اندر ہوتی اور مسلمانوں میں سرمایہ داری اور اس کے عجیب بھی نہ پھیلتے جہاد کے قواعد و ضوابط ہم ابھی ابھی بیان کر چکے ہیں۔ دوسری قوموں سے محض حفاظت خود اختیار کی بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کے ملک پر بے وجہ حملہ کرنے کی کہیں ترغیب نہیں ہے۔ بلکہ اس کو ایک ظلم سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ہر نا انصافی ظلم ہے۔ اور دوسری قوم پر بغیر وجہ کے حملہ کرنا ظلم صریح ہے اور ہر ظلم باعث عذاب خداوندی ہوتا ہے۔ حکومت اسلام کیس طرح پھیلائی جائے اس کے لئے مندرجہ ذیل قواعد بتائے گئے ہیں:-

(۱) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ -

(۲) وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ -

(۳) ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط إِنَّ سَاءَ لَكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ -

بیارہ علی سورۃ النحل ع ۱۲

## ترجمہ

(۱) دین میں جبر و کراہت نہیں ہے ۔  
 (۲) تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو کہ جو نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ امور نیک کی ترغیب سے  
 امور بد سے روکے ۔  
 (۳) لوگوں کو اپنے خدا کی راہ کی طرف عقل و دلائل کے ذریعہ سے بلاؤ اور نہایت اچھے  
 طریقے سے اُن سے مناظرہ کرو۔ تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو بھی جانتا ہے جو  
 اُس کے راستہ سے بھٹک گئے ہیں اور اُن سے بھی اچھی طرح واقف ہے جو ہدایت  
 پائے ہوئے ہیں ۔

جناب رسول خدا نے ان ہی قرآن کے مقرر کردہ اصول پر عمل کیا۔ دوسرے  
 ممالک میں آنحضرتؐ نے تبلیغی و فو ذیجے جن کے ممبران ایسے عمدہ اسلامی  
 قول و عمل کے نمونے ہوتے تھے کہ لوگ محض اُن کو دیکھ کر ہی اسلامی خصائل  
 کے گردیدہ ہو جاتے تھے۔ ذرا سی عمدہ بحث اُن کو اسلام کے راستہ پر لے  
 آتی تھی۔ ان اسلامی جماعتوں کو خاص طور سے حکم ہوتا تھا کہ تم لڑنا نہیں اگر  
 آنحضرتؐ کے بعد آنے والی حکومت بھی ایسا ہی کرتی تو اسلام قوموں کے  
 دلوں کو مسخر کر لیتا۔ اور چونکہ دل سے اپنی خوشی سے قبول کیا تھا، جزیہ سے  
 بچنے یا سیاسی حقوق حاصل کرنے کی غرض سے نہیں کیا تھا وہ اسلام صحیح ہی رہتا  
 اور اُن کے دلوں میں ایسا راسخ ہوتا کہ پھر پڑائی جاہلیت کا ٹھنڈل عود نہ  
 کرتا۔ اسلام کی حکومت مستقل ہوتی۔ رفتہ رفتہ رعایا سے بادشاہوں تک یہ  
 اسلام پہنچتا۔ اور پھر ملکوں پر اسلام حاوی ہو جاتا۔ کوئی کافر ملک ہی نہ  
 باقی رہتا۔ اور وہ قطری اصول بھی مان لیا جاتا کہ ہر ایک علیحدہ قوم کو اپنے ہی  
 ملک میں رہنے کا حق ہے۔ اور اُس کی اپنی ہی حکومت ہونی چاہئے۔ ہر ایک  
 قوم کی تہذیب، طرز معاشرت، اسلامی معیشت، زبان، لباس، رسم و رواج  
 علیحدہ ہوتے ہیں اور ان امور کی تشکیل و تعیین اُس ملک کے عناصر مناظر قدرت

کرتے ہیں یعنی اُس مُلک کی گرمی، سردی، خشکی، ریت، دریاؤں کی کمی یا فراوانی، سمندر کا قُرب یا بُعد، چٹیل میدان یا پہاڑ اپنا اثر اُس مُلک کے باشندوں پر ڈالتے ہیں۔ اور اس اثر کے زیرِ عمل اُن کا مزاج اُن کا کیر کڑ، ہمت، بُزدلی، جرات، لباس، زبان، رسم و رواج، تہذیب، طرز معاشرت اپنی اپنی علیحدہ خاص صورت اختیار کرتے ہیں۔ قُرتاً ہر ایک قوم اپنے ہی آدمیوں میں رہ کر خوش رہتی ہے اور عقل سلیم کہتی ہے کہ عدل و انصاف کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی ہمسایہ قوم خواہ کتنی ہی طاقتور ہو اُن کو اُن کے مُلک سے نہ نکالے اور نہ اُن کی آزادی سلب کرے۔ تاریخ کے تجربات پر نظر ڈالو۔ جن قوموں نے کمزور ہمسایہ قوموں کو مسخر کر کے اُن کے مُلک پر قبضہ کر لیا اُن کو اُس کی سزا خدا کی طرف سے مل گئی۔ اُس مُلک کے اُن ہی اٹل عناصر و مناظر قُرت نے رفتہ رفتہ اپنا عمل کر کے اُن کو بھی ایسا ہی بنا دیا جیسا کہ اُس مُلک کی پہلی قوم تھی جس کو انہوں نے نکالا تھا۔ یورپین امپریلزم نے ان مجربات تاریخہ کے زیر نظر اپنا طرز عمل و اقسام کا بنایا۔ یورپین اقوام کی ایک تو وہ جماعت ہے جس نے وحشی ممالک کو فتح کر کے وہاں کے اصلی باشندوں کو نیست و نابود کر دیا یا جنگلیں میں نکال دیا اور خود وہیں اپنی بود و باش اختیار کر لی۔ مثلاً امریکہ شمالی اور بہت سی ریاستہائے امریکہ جنوبی، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ وغیرہ۔ دوسری وہ جماعت ہے جس نے قدیمی باشندوں کو اُن ممالک سے نکالا تو نہیں لیکن اُن پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا مثلاً ہندوستان، عدن، برما، لنکا، سماترا، جاوا، ملایا وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ پہلی جماعت سے زیادہ رحمدل یا انصاف پسند تھے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ان ممالک کے باشندوں کی تہذیب، تعاد و تعلیم ایسی تھی کہ وہ ان کو بالکل مفقود نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا، ان باشندوں کو اپنی سیاست اور اپنی تہذیب۔ طرز معاشرت کا غلام بنا لیا

لیکن خود ان ممالک میں ان کے قدیمی باشندوں کے ہمراہ رہنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ دونوں بظاہر مختلف طرز عمل ایک ہی خیال پر مبنی معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ ادنیٰ تہذیب و تمدن و کیرکٹر والی قوموں کے ساتھ رہ کر اعلیٰ درجہ کے اقوام کا درجہ تہذیب و کیرکٹر گر جاتا ہے اور وہ بہت جلد لیکن تدریج ادنیٰ تہذیب الی اقوام کی سطح پر آجاتے ہیں۔ غالباً ان کا خیال ہے کہ مناظر قدرت کا اثر انسان کی تہذیب و تمدن پر نہیں پڑتا۔ کم سے کم ان کے درجہ تہذیب کو نہیں گرا سکتا۔ پہلے کلیہ کی صحت تو ظاہر ہے اور تاریخ کے تجربات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن دوسرا کلیہ عقلاً غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً اس صراحت کے ساتھ یہ جماعت بھی اس کلیہ کو تسلیم نہ کرتی ہو۔ صرف اتنا ہی مانتی ہو کہ مناظر قدرت کا اثر ہوتے ہوتے اتنی صدیاں گزر جاتی ہیں کہ ہم اس کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اگر اس کلیہ کی ترمیم اس طرح کر دی جائے تو اس کی صحت کو ہم تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ تجربہ ابھی اتنا پُرانا نہیں ہوا کہ ہم نظائر کے ذریعہ سے اس کو صحیح یا غلط کہہ سکیں۔ جس طرح تاثرات عوامل فطرت کو ہزاروں صدیاں چاہئیں کہ وہ ایک معمولی مٹی کو چٹان بنا سکیں۔ اسی طرح اسباب و علل جغرافیائی کو ہزاروں صدیاں چاہئیں کہ وہ انسان کے کیرکٹر پر اثر کر سکیں۔ لیکن اثر ضرور کرتی ہیں۔ اس عمل کے لئے تین صدیاں کچھ نہیں ہوتیں لیکن ابھی سے دیکھ لو امریکہ کے سفید باشندے اپنے کیرکٹر کی خصوصیات میں خالص یورپین اقوام سے بہت کچھ مختلف ہو گئے ہیں یہ افراد کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ جب مین حیث القوم یہ لوگ اپنی سیاست کو زیر عمل لاتے ہیں تو پھر ان میں اور خالص یورپین اقوام میں کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ لیکن اس قدرتی عمل کے لئے تین صدیوں کی کیا حقیقت ہے بہر صورت یہ کلیہ اب مسلمہ عالم ہو چکا ہے کہ جغرافیائی حالات اور محض جغرافیائی حالات مثلاً سردی، گرمی، سمندر، دریا، بارش، سیرج کی تیزی کی

پہاڑ، چٹیل میدان، ریت، کھلے ہوئے صحراء، زمین کی زرخیزی، پانی کی کمی یا زیادتی وغیرہ وغیرہ یہ ہی وہ اسباب و علل ہیں جو قوموں کو ان کی خصیصیات دیتی ہیں اور افراد کے تہذیب و تمدن و کیر کڑ پر اثر کرتی ہیں۔ چنانچہ ان اسباب و علل نے عربوں پر بھی اثر کیا۔ عرب سے نکل کر پھر یہ خالص عرب نہ رہے۔ اس کلیہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ محض دولت و ثروت و ملک گیری کے لالچ سے کمزور ممالک پر حملہ کر کے ان کے آدمیوں کو قتل کرنا، اپنے آدمیوں کو قتل کرانا، پھر ان کے ملک پر قبضہ کرنا عدل کے خلاف ہے۔ اور اُس مذہب کے لئے جو حکومت الہیہ کا نمونہ دُنیا کو دکھانے آیا تھا یہ طرز عمل نہایت ہی ناموزوں اور ناجائز ہوگا۔

جناب رسول خدا کا پروگرام مملکت اسلامیہ کی توسیع کے لئے یہ تھا کہ اس طریقہ تبلیغ سے جو ہم نے اوپر بیان کیا ملکوں کے ملک مسلمان ہو جائیں گے اور چونکہ اصلی اسلام کا نمونہ دیکھ کر دل سے مسلمان ہوں گے لہذا اپنے دین میں ثابت قدم ہوں گے۔ ہر ایک اسلامی ملک اسی طرح تبلیغی دستے بھیجتا رہے گا اور اپنے قُرب و جوار کے ملکوں اور قوموں کو مسلمان کرتا رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بغیر کشت و خون کے ایک دن ساری دُنیا مسلمان ہو جائے گی۔ قومیں بدستور اپنے قومی بادشاہ کے ماتحت رہیں گی۔ اسلام کا مرکز مدینہ میں رہے گا۔ اور دینی امور میں اُس کی اطاعت سب پر لازم ہوگی۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت جناب رسول خدا کے اس پروگرام پر عمل کرتی تو آج کو دُنیا کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہوتا اور وہ اُس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتی کہ جس میں وہ اب مبتلا ہے۔ امپریلزم دُنیا میں جگہ نہ پاتا۔ ناجائز سرمایہ داری کی مصیبتوں سے نجات دلتی اور سب مسلمان ہوتے۔

بیت المال۔ قیام بیت المال یا خزانہ شاہی بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اُس امپریلزم اور فتوحاتِ ملکی کے لئے ضروری تھا جو حضرت عمر نے اسلام میں رائج کیا۔ لیکن آنحضرت کے زمانہ میں



بیت المال کا نہ ہونا صاف بتا رہا ہے کہ مکئی فتوحات آنحضرتؐ کا فناء نہ تھا۔ ہمارے  
 دعوے کا یہ مزید ثبوت ہے۔ مولوی شبلی اس کو حضرت عمرؓ کی اولیات میں فخر اُبیان  
 کرتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ یہ بزرگوار اسلام کو مکمل دین مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر  
 آنحضرتؐ نے مکمل دین پیش کیا تو دوسری بات ہے ورنہ اگر وہ دین مکمل تھا تو  
 اُس میں یہ ایڑادیاں کیسی۔ اُن کو تو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ ہم اُسے ہی کام کریں جو  
 آنحضرتؐ کے قائم کردہ نظام حکومت میں ہو سکیں۔ اور جو مہمات اس نظام کے  
 اندر نہ سما سکیں اُن کے متعلق رائے قائم کرنی چاہئے تھی کہ وہ مہمات آنحضرتؐ کے  
 مقاصد میں داخل نہ تھیں۔ اگر اس طرح بحث کرتے تو اس تو سبب امپریلزم سے  
 باز رہتے، لیکن انہوں نے تو اپنی تجاویز کو ترجیح دی اور فقہ اور نظم نام حکومت  
 اسلامیہ کو اپنی تجاویز کے مطابق ترمیم کرتے رہے۔ علامہ شبلی بیت المال کو  
 خزانہ شاہی نام دے کر اس کا عنوان اس طرح قائم کرتے ہیں: بیت المال نبوی  
 خزانہ۔ اور اس عنوان کے نیچے تحریر فرماتے ہیں:-

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا آنحضرتؐ کے زمانے میں  
 سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ  
 درہم تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت  
 ابو بکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا  
 مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا (الفاروق حصہ دوم ص ۴۷)

آگے چل کر مولوی شبلی مرحوم اس طرح رقم طراز ہیں:-  
 تقریباً ۱۸ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر  
 کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے  
 مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک کثیر بحرین سے آئی ہے،  
 آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے  
 وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانہ میں جمع نہ رکھی جائے

حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے  
سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ ہے۔  
آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا  
لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۷۵)

کہتے۔ ہر ایک شخص نے اپنی ذہنیت کے مطابق رائے دی حضرت علی  
تو آنحضرت کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے لہذا اُس کے مطابق رائے دی  
حضرت عثمان ثنی کو دولت کا جمع کرنا پسند تھا لہذا ویسی رائے دی۔ اور  
ولید بن ہشام نے کا فرانہ تخیل کی پیروی کی۔ اور افواج کی طرح بیت المال  
قیام بھی کا فرانہ تخیل کی پیروی میں ہوا۔ اور آنحضرت کے طرز عمل کی  
مخالفت پر مبنی ہوا۔ اگر حضرت علی کی رائے پر عمل کیا جاتا تو شہروں کے  
غربا کا بہت عرصہ تک گزارہ اس پر ہو جاتا۔ بیت المال کی بنیاد نے  
اُس سرمایہ داری کی بنیاد ڈالی جو بہت جلد مسلمانوں میں عوام ہو گئی۔  
بیت المال کے روپے سے جو کام لئے گئے وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ  
ہیں۔ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے عیش و عشرت کے سامان اس نے  
مہیا کئے۔ غریبوں پر ظلم کرنے کے ذرائع اس نے پیدا کئے اور مسلمانوں  
میں سرمایہ داری کا مرض عام کر دیا۔ خود حضرت عمر نے اس سے اپنی  
اغراض میں مدد لی۔ اور غالباً اس کو قائم کرتے وقت حضرت عمر کے  
ذہن میں اپنا ہی مقصد تھا۔ وہ یہ کہ بیت المال کے روپے سے لوگوں کو  
انعام و اکرام دے کر اپنی جماعت میں اضافہ کیا اور ایسے مخالفین کی تعداد  
کو کم کیا۔ آگے چل کر امیر معاویہ نے حضرت عمر کے اس اصول پر دل کھول کر  
عمل کیا اور بجائے عامۃ المسلمین کے غربا کی نادرہی کو دور کرنے کے بیت المال  
سرمایہ داری اور جماعت حکومت کے جبر و استبداد و عیش و عشرت کا ذریعہ بن گیا

یہ تھا حضرت عمر کا کارنامہ جس پر حضرت شبلی کو فخر ہے۔ آنحضرتؐ کا مستقل خواہ  
 نہ قائم کرنا صاف بتا رہا ہے کہ نہ تو قیام افواج تنخواہ دار اور نہ فقہ ہائے پیرایم  
 آپ کے نظام میں داخل تھے۔  
 عدالتی اور انتظامی صیغوں کی علیحدگی۔  
 حضرت عمر نے محکمہ قضا میں جو دستبرد کی اُس کی طرح مولوی شبلی اس طرح  
 کرتے ہیں :-

صیغہ عدالت بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی  
 تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم  
 کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے  
 تاریخوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر نے  
 خلافت کے چارہ ہی روز بعد اس صیغہ کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکر کے  
 زمانہ تک خود خلیفہ وقت اور افسرانِ ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔  
 حضرت عمر نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔  
 حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغہ کا اجراء و رعیت اب کا  
 محتاج رہتا ہے۔ اس لئے فصل قضا یا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے  
 سکتا جس کو فصل قضا یا کے سوائے اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ  
 تھی کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور  
 صاحبِ عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بناء پر عید اللہ  
 ابن مسعود کو فصل قضا سے روک دیا۔ لیکن جب انتظام کام کا سکہ اچھی  
 طرح جم گیا تو حضرت عمر نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔

الفاروق حصہ دوم ص ۵۹-۶۰

پایہ تخت یعنی ہرینہ منورہ کے قاضی زبید بن ثابت تھے.....  
 قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو

عمر بن الخطاب

قضاۃ کے تقرر کا پُر اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے  
لیحاظ سے اکثر غریب لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔

الفاروق حصہ دوم ص ۶۵، ۶۶

رقاضیوں کی (تنخواہیں) پیش تر مقرر کیں۔۔۔۔۔ قاعدہ مقرر کیا  
کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔

الفاروق حصہ دوم ص ۶۷

حطیبہ نے زیرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر  
ہجو ظاہر نہیں ہوتی تھی زیرقان نے حضرت عمرؓ کے یہاں مقدمہ رجوع  
کیا۔ چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا  
عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو  
بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق

فیصلہ کیا۔  
الفاروق حصہ دوم ص ۶۹

ان عبارات پر ہر پہلو سے غور کیجئے۔ کئی مختلف فیہ مسائل طے ہو جائیں گے  
اول تو ان اقتباسات سے ہمارا یہ دعویٰ پھر ثابت ہو گیا کہ نہ تو حکام  
ستیفہ اور نہ ان کے مقلدین جن کا بہترین نمونہ مولوی شبلی ہیں یہ سمجھے کہ  
جناب رسول خداؐ بلکہ اسلام کا منشاء کس قسم کی حکمت الہیہ جاری کرنے کا تھا  
اور اس حکمت الہیہ کے لئے کیسا نظام اور کیسے حکام آنحضرتؐ نے مقرر کئے  
تھے۔ کہنے کو تو ہمارا سیاہ و اعظم کہتا ہے کہ ہم دنیا کے معلمین ہیں جو دنیا کو طرز  
حکمت اور طریقہ معیشت سکھانے آئے ہیں۔ اور اگر یورپ ہمارے اسلام  
کے اصولوں پر چلے تو اس کے یہ سارے مصائب دور ہو جائیں لیکن دل سے  
ہمیشہ یہ جناب محمد مصطفیٰ کے اسلام کو ناقص اور زمانہ کی ترقی کے مخالف سمجھتے  
رہے ہیں۔ اپنی ہدایت کے لئے انہوں نے پچھلے زمانہ میں یونان کے فلسفے کو یورپ  
یورپ کی تعلیم و نمونہ کو اپنا ہادی سمجھا۔ اس نظریہ کے تحت میں جب سے پہلے تو انہوں نے

نبوت اور حکومت کو علیحدہ کیا۔ نبوت کے احکام کا تجربہ کیا۔ ان کو دو قسم کا بنایا۔ نبوت سے متعلق اور نبوت سے بے تعلق۔ پھر نبوت کا دائرہ اثبات تک کیا کہ کوئی حکم نبوت کے متعلق رہا ہی نہیں۔ نماز و روزہ تک میں ترمیم کر ڈالی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ بات ان کے مقصد کے لئے مفید تھی۔ اب یورپ کی تسلیم کے مطابق اسی عقیدہ کی یہ شاخ نکلی کہ انتظامی اور عدالتی محکمے بالکل علیحدہ ہونے چاہئیں۔ یورپ والے اپنی کتاب سیاست کا یہ دیباچہ قائم کر سکتے ہیں کہ چونکہ امور انتظامیہ میں کارکنان انتظام عدل و انصاف کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ اسوجہ سے عدالتی اور انتظامی محکمے جدا ہونے چاہئیں۔ لیکن قرآن اور شریعت اسلامیہ کے تمدن کا دیباچہ کچھ اور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی زندگی کے ٹکڑے نہیں کئے جاسکتے۔ وہ ایک مسلسل اور متحد حیات ہے جس کے کسی حصہ اور کسی حالت میں ظلم اور نا انصافی کو جگہ نہیں دینی چاہئے۔ اسلامی قانون عدالت یا قضا کیا ہے۔ محض اسلامی فقہ کا ایک جزو۔ اسلام میں کوئی علیحدہ انتظام نہیں ہے۔ اگر انکم ٹیکس کی وصولی کو سکھ انتظامی میں جگہ دی جاتی ہے تو اسلام میں تحصیل زکوٰۃ و صدقہ ایک فقہ کا جزو ہے اگر افواج باہر لڑائی پر بھیجی جاتی ہیں تو جہاد محض ایک رکن مذہب ہے اگر جرائم کی سزا دی جاتی ہے تو وہ بھی حدود شریعت کے اندر ہے۔ جس محکمہ انتظامی پر غور کرو وہ ہی ایک شریعت کی شاخ ہے۔ قرآن و شریعت کا حکم ہے کہ جس حالت میں تم ہو، جس امر میں تم حکم دو، جس مضمون پر تم غور کرو وہ عدل کے مطابق ہونا چاہئے۔ جہاں ظلم آیا وہاں اسلام نہیں۔ گورنروں اور افسروں کے مقرر کرنے میں بھی عدل ہونا چاہئے۔ غرضکہ اسلامی محکمہ عدالت تو تمام محکموں پر حاوی ہے وہاں علیحدگی کیسی۔ جس شعبہ کو، جس امر کو، تم نے عدل سے نکال لیا وہ ہی اسلام سے نکل گیا۔ علاوہ اس کے اسلام کے تمدن کا ماہر لایا ہے یہ ہے کہ اس کے تحت میں ہر ایک مسلمان سپاہی بھی ہے

فقہیہ بھی ہے، مدبر ملک کی بھی ہے، قاضی بھی ہے، عالم قرآن بھی ہے۔ اگر وہ ہے تو یہ سب کچھ ہے۔ در نہ کچھ بھی نہیں۔ جس نے فقہ اسلامی کا غور سے مطالعہ کیا وہ اس ہی نتیجے پر پہنچا۔ چنانچہ M. D. B. Macdonald اپنی کتاب موسومہ

*Development of Muslim Theology,*

*Jurisprudence and Constitutional Theory*

کے ص ۱۳، ۱۴ پر لکھتے ہیں :-

Life is manifold but it is also one. So it is seldom possible, and still more seldom advisable, to divide a civilisation into departments and attempt to trace their separate developments; life nowhere can be cut in two with a hatchet. And this is emphatically true of the civilisation of Islam.... In Europe, the state may rule the church or the church may rule the state, or they may stand side by side in somewhat dubious amity supposedly talking no account of each other. But in muslim countries, church and state are one indissolubly, and until the very essence of Islam passes away, that unity cannot be relaxed. The law of the land, too, is in theory, the law of the church; in

the earlier days at least, canon and civil laws were one. Thus we can never say in Islam. "He is a great lawyer, he is a great theologian, he is great state man" One may be all three, almost he must be all three, if he is to be any one.

### نتیجہ

انسانی زندگی کی بہت سی نیزنگیاں ہیں۔ لیکن دراصل ایک واحد شے بھی ہے۔ لہذا نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ ہی یہ موردِ دل ہے کہ کسی ایک تہذیب و تمدن کو مختلف محکموں میں تقسیم کیا جائے اور پھر ان کی تدریجی ترقی کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے۔ انسانی زندگی چاقو سے دو ٹکڑوں میں نہیں تراشی جاسکتی۔ یہ کلیہ نہایت سختی کے ساتھ اسلام کے تمدن و تہذیب پر عائد ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ یورپ میں حکومت مذہب پر حکمرانی کرے یا مذہب حکومت پر بادشاہت کرے یا دونوں علیحدہ علیحدہ مشکوک مشتبہ آشتی کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہیں اور یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک کو دوسرے سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن اسلام میں مذہب و حکومت اس طرح سے متخا ہیں اور دونوں مل کر ایک ہو گئے ہیں کہ وہ علیحدہ نہیں کئے جاسکتے۔ اور جب تک اسلام کی رُوح باقی ہے اس اتحاد و یگانگت میں کمزوری نہیں آسکتی۔ اسلامی ممالک کی سیاسیات قانون ہی دراصل مذہب اسلام کا قانون ہے۔ کم سے کم شروع زمانہ اسلام میں مذہب ہی اور ملکی قانون ایک ہی تھا۔ چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص بہت زبردست مفقن ہے۔ وہ شخص بہت بڑا فقیہ ہے۔ اور یہ شخص بہت قابل سیاست دان ہے۔ اگر وہ کچھ

ہے تو اس ایک ہی میں تینوں صفت ہونی لازم ہیں۔

مولوی شبلی نے انتظامی و عدالتی محکموں کی علیحدگی کو فقہ اسلام کے

کسی اصول و قاعدہ کی بناء پر ضروری نہیں سمجھا۔ بلکہ دنیا کے غیر مسلم ممالک میں جہاں جہاں حکومت سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ اُن کے تجربے کی بناء پر اس علیحدگی کو تمدن کا پہلا دریا چہ بیان کیا ہے۔ جناب رسول خدا کے زمانے میں ابھی تمدن کا پہلا دریا چہ بھی شروع نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت نے اپنی ساری زندگی غیر مذہب طرز معاشرت میں گزارے۔ اسلامی حکومت الہیہ کے معلم وہ ممالک ہوئے جہاں یہ علیحدگی شروع ہو گئی تھی۔ یا جہاں اس علیحدگی کی موزونیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہولیتا انتظامی اور عدالتی محکموں میں علیحدگی نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت کے زمانے میں یہ علیحدگی نہ تھی۔ لہذا آنحضرت کے زمانے میں حکومت کا نظم و نسق کامل نہیں تھا۔ ہم حیران ہیں کہ جب حالت یہ تھی تو حضرت عمر کی خلافت سے پہلے یہ آگے لگے دینکم الایۃ کیوں نازل ہو گئی۔ حضرت عمر کو بڑھا کر دکھانے کی کوشش کرنے میں جناب رسول خدا کی توہین و تحقیر کرنے کی یہ پہلی مثال نہیں ہے ایسی بہت سی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔

یورپین ممالک کیوں کہتے ہیں کہ انتظامی و عدالتی محکمے جدا ہونے چاہئیں؟ اُن کا یہ تخیل اس کلیہ پر مبنی ہے کہ امور انتظامیہ میں انصاف مد نظر نہیں ہوتا۔ اُن کے متعلق جو احکام صادر ہوتے ہیں وہ بسا اوقات عدل پر مبنی نہیں ہوتے۔ اور یہ بات دنیاوی حکومتوں میں ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ لیکن مولوی شبلی منہ سے یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلامی فقہ کی رُوح عدل ہے جس طرح اسلامی عبادات کی رُوح صلوٰۃ ہے۔ اور کوئی وجہ اس علیحدگی کو صحیح و درست ثابت کرنے کے لئے نظر نہ آئی۔ لہذا انہوں نے کدو کاوش سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ وجہ نکالی جو محض مضحکہ اطفال ہے۔ رعب و داب کی بھی خوب کہی۔ کیا محکمہ قضایں کچھ رعب و داب ہی نہیں۔ جو شخص کروڑوں روپے کی جائداد کا فیصلہ کرے۔ آپس کے تنازعات کا فیصلہ کرے۔ جو چوکنے



ہاتھ کٹوائے، زانی کو سنگسار کرائے، قاتل کے لئے قتل کا حکم دے اور دیگر جرائم کی حدود کو جاری کرے۔ کیا اس میں کچھ رعب و داب ہی نہیں ہوتا۔ اسلامی محکمہ فقہاء کو تو مولوی و پیر و فیسر شبلی صاحب نے پنجاب کے بٹرانے زمانے کی منصفی درجہ دیم سمجھا جس میں اختیارات محض پانچ صدر و پیر و نقد تک محدود ہو کر تھے اور لوگ کہا کرتے تھے کہ منصف تو بننے کا کام کرتے ہیں۔ ان کو تو بیہیت ہی کی جانچ ہرنال سے کام رہتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں تحصیلدار کیسے رعب و داب آوی ہے۔ کسی کی نمبر داری کی سفارش کی۔ کسی کو ذیلدار بنوایا۔ کسی نے ذرا کچھ اکڑ دکھائی تو اسے جیل میں بھیج دیا۔ یہ ہی گفتگو شاید مولوی شبلی صاحب نے اپنے سفر پنجاب میں سُن لی ہوگی۔ دیکھئے کیسا عامیاناہ تخیل ہے جو کسی صاحبِ علم کے لئے نشایاں نہیں۔ مفتیوں و قاضیوں کی تو ہین محض اس وجہ سے کی گئی کہ حضرت عمر کے انتظامات میں کچھ جدت و ندرت دکھائی جائے۔ غالباً پیر و فیسر صاحب موصوف کو یہ تو معلوم ہوگا کہ فوجداری مقدمات بھی عدالتی کام کی تعریف میں آتے ہیں۔ جو شخص غیر محدود مالیت کی جائیداد کا وارث بنیاد کرے۔ کسی کو جس و وام کی سزا دے، کسی کو پھانسی کا حکم دے وہ تو رعب و داب والا آدمی نہ ہوا۔ غالباً جو چاہیں عطا کر سکے۔ بیت المال لٹا سکے وہ صاحبِ رعب ہوگا۔

اب ہم یورپ کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہیں جس کی تعریف میں مولوی شبلی رطب اللسان ہیں، امر واقعہ یہ ہے کہ حکام سقیقہ اور ان کی جماعت رسولِ خدا کی حکومتِ الہیہ کے سمجھنے سے بالکل قاصر رہی۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے کس طرح حکومت کو نبوت یعنی مذہب سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور اس طرح جناب رسولِ خدا اور اسلام کے تخیل و نظریہ کو چھوڑ کر یورپ کے اس عقیدہ کی پیروی کی کہ حکومت و مذہب کا اجتماع ایک شخص میں مضار اور ناموزوں ہے، اس عقیدے ہی کی یہ بھی ایک شاخ ہے کہ انتظامی اور عدالتی محکموں کے افسران بالکل علیحدہ ہونے

چاہئیں تاکہ انتظامی ضرورتیں عدل کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کریں، یہ دونوں عقیدے یا اصول دنیاوی حکومت میں معیوب نہیں معلوم ہوتے بلکہ مؤخر الذکر عقیدہ تو انسان کے ناجائز میلان اور ناانصافی کرنے کی ترغیبات کے روکنے میں بہت معاون ہے لیکن ان دونوں عقیدوں کی گنجائش حکومت الہیہ کے اندر نہیں ہے اور جن اصول و مہمانی کے اوپر جناب رسولؐ خدائے اپنی حکومت الہیہ اور سلطنت اسلامیہ کو قائم کرنا چاہا تھا اور قائم کیا تھا یہ دونوں عقیدے ان کے بالکل مخالف ہیں، یہ دونوں عقیدے تو ایسی سوسائٹی کے لئے موزوں ہیں جہاں حکومت کا دار و مدار محض حیوانی طاقت پر مبنی ہے اور جہاں عدل و انصاف حاصل کرنے کے لئے مصنوعی ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاں لوگوں کے اخلاق و کیر کڑ اتنے گرے ہوئے ہیں کہ ان کے انتظامی افسر خود ظلم کرنا اور دوسرے سے ظلم کرنا جائز سمجھتے ہیں ان کو خدا سے ڈرا کر نہیں، نیکی کی خوبیوں کی معرفت پہنچا کر نہیں بلکہ ان کے پاس سے بدی کرنے کے ذرائع ہٹا کر بدی نہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ کس ترقی کی علامت ہے جس پر حضرت شبلی ایسے نازاں ہیں۔ اگر وہ ایسے ہی اخلاق کے آدمی ہیں تو کہاں تک ایسے ذرائع سے انہیں روکو گے، ایک در بند شرور کھلے کیا خود انتظامی محکمہ میں ظلم کم ہو سکتا ہے اور کیا وہاں کا ظلم اچھا معلوم ہوتا ہے اگر سوسائٹی ہی ایسی ہے تو اس کی عدالت کے افسر بھی ایسے ہی ہوں گے، جو شخص دوسرے کے کہنے سے اور اس کے زور کے اندر ظلم کر سکتا ہے تو وہ اپنے نفع کے لئے کبھی نہ ظلم کرے گا، لہذا ان دونوں محکموں کو جدا کرنے سے یہ ہوا کہ پہلے تو دونوں مل کر ظلم کرتے، اب ایک دوسرے سے آزاد ہو کر ظلم کریں گے دونوں محکموں کو جدا کرنا تو ایک ذریعہ ہے انصاف حاصل کرنے کا، کیا یہ ذریعہ ہمیشہ کامیاب ہوا ہے کیا عدالتی حکام پر انتظامی حکام کسی طرح اور کسی حالت میں زور نہیں ڈال سکتے دونوں محکمے ایک ہی حکومت کے ملازمین ہیں اور اگر عدالت کے فیصلوں سے انتظام میں

کمزوری آنے لگی تو کیا ججوں کو بغیر اثر ڈالے ہوئے چھوڑ دیں گے، ہندوستان میں جو صورت حالت ہے اس پر غور کرو اور ہمارے کچھ کہے بغیر قائل ہو جاؤ۔ بات یہی ہے جو ہم بار بار دہراتے رہتے ہیں، طرز حکومت یا روش انتظام زیادہ فرق نہیں پیدا کرتا، اصلی بات تو یہ ہے کہ قانون کے عامل اور کارکن کیسے ہیں، اگر وہ کامل انسان ہیں تو ظلم نہ ہوگا، اور اگر وہ گرسے ہوئے لوگ ہیں، تو ہزاروں جتن کر لو۔ کتے کی دم تو جب نکلے گی ٹیڑھی ہی نکلے گی، کتابی صورت میں تو ہر ایک ملک کا لکھا ہوا قانون خوش نما نظر آئیگا، کون کہے گا کہ ہمارے قانون میں ظلم روا ہے، قانون کی آنکھ میں تو سب برابر ہوتے ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قانون کے اجراء کرنے والوں کی آنکھ میں بھی سب برابر ہیں، جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، سائنس ترقی کرتا جاتا ہے۔ ظلم کرنے کے بھی سائنٹفک طریقے ایجاد ہوتے رہتے ہیں، پہلے زمانہ میں حکومت کی صورتیں تھیں بادشاہت آمریت، جمہوریت ہر پھر کر ظلم بھی ہوتا تھا تو انہی پر اٹانے طریقوں پر، زمانہ حال میں ایک اور حکومت کی شکل کو زیادہ رواج ہو گیا ہے اس کو کہتے ہیں پارٹی گورنمنٹ، اگر اس کو اردو میں ترجمہ کرو گے تو کہو گے کہ حکمرانوں کا خاندان مشترکہ، اس خاندان کا ہر ایک ممبر سلطنت کا ایک ایک شعبہ لے لیتا ہے ہر ایک شعبہ میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے سائنٹفک طریقے نکل آئے ہیں۔ زیادہ تفصیل کا پارا نہیں۔ غرضیکہ انتظام کرنے کے جتنے جی چاہے اعلیٰ طریقے ایجاد کر لو جب تک تم کو انسان کامل نہیں ملے گا، تمہارا انتظام درست نہ ہوگا جناب رسول خدا کے نظام میں حکومت اور حکومت کے شعبے کامل انسان کے ماتحت رکھے گئے تھے ان دونوں نظاموں میں یہی فرق ہے۔

غرضکہ اس طرح مصنوعی طریقے سے عدل و انصاف حاصل کرنے کی کوشش کرنے کا نظریہ فرنگی مفکرین اور ان کے غلاموں کا ہے، برخلاف اس کے اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کا اخلاق اعلیٰ درجہ کا ہو اور پھر وہ

خواہ کسی عہدہ پر مقرر کر دئے جائیں اپنے فرائض اسلام کے احکام کے مطابق ادا کریں گے۔ حکومت کو اور حکومت کے ہر ایک شعبہ کو مذہب کے ماتحت رہنا چاہئے اور اس کے اصول و قواعد و احکام کی پیروی کرنا ہر ایک کا فرض اولین ہے۔ حکومت کیوں انتظامی اور عدالتی محکموں کو علیحدہ کرتی ہے، اس وجہ سے کہ اسے نہ اپنے انتظامی افسروں پر بھروسہ ہے اور نہ عدالتی افسران پر، دونوں مل کر ایک دوسرے کو خراب کریں گے۔ لہذا حکم دیا کہ تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ، اسلام کیوں ان دونوں محکموں کو دلاتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کو بھروسہ ہے کہ میں دونوں کا افسران علی ہیں اور کسی کو بگڑنے نہ دوں گا۔ دراصل اسلام میں تقسیم فرائض نہیں ہے، ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ پورے قرآن شریف پر عمل کرے اور پورے قرآن شریف پر عمل کرنے سے وہ سب کچھ بن جاتا ہے، وہ صاحب اخلاق و فلاسفر بھی ہے، کیونکہ قرآن شریف اخلاق حمیدہ کی تعلیم دیتا ہے اور کارخانہ قدرت پر غور و فکر کرنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ بہت اچھا منتظم ہے کیونکہ قرآن شریف کا حکم ہے کہ بزرگوں کی اطاعت کرو اور چھوٹوں پر رحم و شفقت و مہربانی کرو، یہی بہترین انتظام ہے، وہ نہایت عمدہ عادل و جج بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی ہدایت ہے کہ **إِخْلَافُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى**، وہ نہایت عالم فقیہ ہے۔ کیونکہ علم فرائض و فقہ سب قرآن شریف میں ہے۔ وہ نہایت عمدہ ولیر شجاع اپنی جان بھیلی پر رکھ کر لڑنے والا سپاہی بھی ہے کیونکہ قرآن شریف میں یہاں کا حکم نہایت سختی کے ساتھ دیا گیا ہے۔ وہ نہایت ریاضت کرنے والا عابد، زاہد عبد خدا ہے۔ اپنے ہمسایہ اور شہریوں سے محبت کرنے والا باشد ہے قرآن شریف میں بہت سے علوم کی تعلیم ہے اور وہ ان سب علوم کو جاننے والا ہے، اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا معلم ہے اور غیروں نے بھی اس کی اس صفت کا اعتراف کیا ہے، غرض کہ ایک مسلمان اگر ہے تو سب کچھ ہے۔ نہ کچھ نہیں، ایسے مسلمان سے کہنا کہ تم منتظم ہو سکتے ہو لیکن حج نہیں ہو سکتے،

تم سپاہی ہو سکتے ہو لیکن فلا سفر و مفکر نہیں ہو سکتے۔ تم فقیہ ہو سکتے ہو لیکن ہوشیار نہیں ہو سکتے۔ تم یا خبیان ہو سکتے ہو لیکن حاکم نہیں۔ صرف اس مسلمان ہی کی توہین نہیں ہے اگر وہ کامل مسلمان ہے بلکہ اسلام کی بھی توہین ہے۔ اس حکومت الہیہ کے لئے پہلا حاکم جو اپنے بزرگوار رسول خدا نے مقرر کیا اس کو دیکھ لو۔ حضرت علی سپاہی بھی تھے، فقیہ بھی تھے، مفتی و قاضی بھی تھے، واعظ بھی تھے، لکچرار بھی تھے، فلا سفر بھی تھے، باغبانی بھی کرتے تھے اور حکومت بھی کرتے تھے۔ رسول خدا نے تو سب کچھ بتا دیا اور کر کے دکھا دیا۔ اُمت ہی نہ سمجھنا چاہے تو اس کا علاج نہیں۔ اس حکومت الہیہ کا جس کو جناب رسول خدا نے شروع کیا تھا یہی منشاء تھا کہ ایسے کامل مسلمان پیدا کرے لیکن حکومت سقیفہ کو ان واقعات نے جن کو حکام سقیفہ نے خود پیدا کیا تھا مجبور کر دیا کہ وہ جناب رسول خدا کے اس مقصد کو، اسلام کے اس نظریہ کو، حکومت الہیہ کے اس نظام کو بالکل متغیر اور منقلب کر دیں اور اسلام میں بھی وہی نظریے اور عقائد رائج کر دیں جو عیسائیت و کفر و الجاد کے اجتماع نے یورپ میں پیدا کر دیئے تھے۔ ہم یونین کا اجتماع اس وجہ سے کہتے ہیں، کہ عیسائیت نے تقریباً اپنی ساری تہذیب اور طرز تخیل رومن تہذیب سے لیا۔ اور یہ رومن تہذیب مرکب نبی قدیم یونانی و قدیم رومن تہذیب سے، اور جہاں کہیں مذہب عیسوی کی تعلیم و یونانی تہذیب میں اختلاف ہوا وہیں اپنی ذہنی تعلیم کو چھوڑ کر یونانی و رومن تہذیب کو اختیار کر لیا، اس کی کئی مثالیں ہیں ایک تو تصدیق پرستی ہے، حضرت مریم و حضرت عیسیٰ کی تصدیقوں کی پرستش جب حد سے گزر گئی تب ہی ریفریشن آئی، دوسری مثال عیسائیت کا وہ اصول ہے کہ اگر کوئی تمہارے گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال اس کے آگے کر دو۔ یہ حکم و ایثار کی تعلیم رومن و یونانی جنگجو تہذیب کے بالکل خلاف تھی، اور ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہو گا کہ یہ تعلیم محض اس ہی منگبرانہ تخیل کو مٹانے کے لئے آئی تھی جس نے یونانی و رومانوی دنیا کو جانوروں کا وحشی خانہ بنا دیا تھا۔ لیکن اس

عیسائیت نے جو حضرت عیسیٰ کے دعویداروں نے دُنیا میں پھیلانی اپنے مذہب کی اس تعلیم کو نہ مانا اور یونانی و رومنوں کی بہنیت کو اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس تعلیم کے عیسوی یورپ میں بھی اسی طرح لڑائیاں اور کینہ و حسد کے مظاہرے ہوتے رہے جو اس سے پہلے تھے اور تصدیر پرستی نے بت پرستی کی جگہ لے لی، بعینہ ہی حالت اس اسلام کی ہوئی جو سقیفہ نبی ساعداہ کے ظلمت کردہ سے نکلا تھا، حکام سقیفہ نے بھی اپنے اصلی مذہب کے صحیح اصولوں کو اور جناب رسول خدا کے طرز عمل کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے اصولوں اور تہذیب کو اختیار کر لیا ہے، اگر اس پر تفصیل سے لکھا جائے تو بذات خود ایک ضخیم کتاب بن جائے، کیسی خوبی سے جناب رسول خدا کی وہ مشہور حدیث ثابت ہو گئی کہ تم لوگ میرے بعد اُمم سابقہ کی تقلید ہر ایک جزئی عمل میں کرو گے ایسی تقلید کی کہ جناب رسول خدا کے بنیادی اصول کو چھوڑ دیا، اور کہہ یا کہ نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے اور رہنمائے اسلام یعنی جانشین رسول کے لئے کسی خاص علم و فضل کی ضرورت نہیں ہے جس کو ہم سب رومن ریپبلک کی طرح مان لیں وہ ہی ہمارا بادشاہ ہے۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اگرچہ ضروری تھا، ہم کہہ رہے تھے کہ حکام سقیفہ اپنے خود پیدا کردہ واقعات کی وجہ سے مجبور ہو گئے کہ جناب رسول خدا کے نظام کو چھوڑ کر حنم و صلیب کی پیروی کریں، ان میں وہ عصمت اور وہ علم نہ تھا جو جانشین رسول کے لئے ضروری تھا، اور حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کو جناب رسول خدا کے وہ احکام ہی نظر انداز کرنے لازمی تھے جن میں جانشین منتخب و مقرر کر لیا گیا تھا لہذا وہ مجبور ہو گئے یہ کہنے پر کہ (۱) جناب رسول خدا کی نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے (۲) حکومت کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور (۳) چونکہ ہم میں وہ علم، اہلیت و قابلیت نہیں ہے کہ جو قضا و فتاویٰ کے لئے ضروری ہے۔ لہذا انتظامی محکموں کو عدالتی محکموں سے علیحدہ ہونا چاہئے، یہ نہایت عظیم الشان تغیر تھا جس نے اسلام کا رخ دین کی طرف سے ہٹا کر دُنیا کی طرف

کر دیا، اس کے بعد جتنے مصائبِ آلام اسلام پر آئے رہے ان کا ذمہ دار حکامِ سفینہ کا ہی طرز عمل ہے ان میں وہ خصائل و فضائل نہ تھے جو وہ جانشینِ رسول ہونے کا دعویٰ کر سکتے، وہ خود اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ اس جماعت کے سردارِ اعلیٰ حضرت عمر نے فوراً اس کو محسوس کیا اور اپنے تئیں خلیفہِ رسول نہیں بلکہ امیر المؤمنین کہلوا یا دیکھئے کس طرح اصلی واقعات کا انکشاف خود ان کے طرز عمل سے ہو گیا، ان کی حکومتِ خلافت نہ تھی بلکہ امارت تھی، ان کے مقلدین جو کہتے ہیں کہ وہ خلیفہِ رسول تھے، اور یہ کہ خلافتِ راشدہ تیس سال تک جاری رہی اس کے بعد امارت ہو گئی واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود اپنے آقاؤں کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت عمر صاف طور سے کہتے ہیں کہ یہ خلافت نہیں ہے امارت ہے، ان کا بعد کا طرز عمل بھی یہی بتا رہا ہے کہ وہ اس کو محض دنیاوی حکومت سمجھتے تھے اپنی ولی کیفیت کو چھپانا اور اس پر کسی ظاہر داری کا پردہ ڈالنا، یہ حضرت عمر کی طبیعتِ ثانیہ تھی، وہ نہایت عمدہ سیاست داں رہے اور سیاستِ دنیاوی کا یہ پہلا گروہ ہے، لہذا انہوں نے لقبِ امیر المؤمنین اختیار کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ خلیفہِ رسول کہاں تک چلتا، خلیفہِ رسول، خلیفہِ خلیفہِ رسول۔ خلیفہِ خلیفہِ رسول علیٰ ہذا القیاس، دیکھی آپ نے حضرت عمر کی ذہانت، کس طرح ان بیچاروں کی آنکھ میں خاک ڈالی ہے، اگر یہ سب خلیفہِ رسول ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اور خلیفہِ رسول وہ ہی ہو سکتا ہے جو یہ قابلیت رکھے تو پھر ان میں سے ہر ایک خلیفہِ رسول تھا، خواہ نمبر ایک ہو یا پانچواں ہو۔ انبیاء کو بھی تو خلیفۃ اللہ کہتے ہیں ہر ایک ہی نبی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے، خلیفہِ خلیفۃ اللہ تو نہیں ہوتا حضرت یوشع اگرچہ جانشینِ موسیٰ تھے، لیکن بذاتِ خود حضرت موسیٰ کی طرح خلیفۃ اللہ تھے۔ اقلیدس کا اصل موضوعہ جو معمولی عقل کا گروہ ہے یہ ہے کہ اشیاء جو ایک ہی شے کی مساوی ہیں آپس میں ایک دوسرے کی بھی مساوی ہوتی ہیں، یہ تو حضرت عمر کا اقرار تھا، اگر یہ نہ بھی ہوتا تو واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ

جائزین رسول ہونے کے اہل نہ تھے، نقص علم کی یہ حالت تھی کہ ان کے غلط فیصلوں کی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ذہن ایسا تھا کہ رسول خدا کے بار بار سمجھانے سے نہیں سمجھتے تھے۔ لہذا مجبور ہو گئے کہ محکمہ قضا کسی کے سپرد کریں، محکمہ افتاء کسی کو دیں قرآن شریف کو خود جمع نہ کر سکیں ایک نہ جان کہ اس پر مقرر کریں، قرآن شریف کی تعلیم و صحیح تاویل معلوم کرنے کے لئے رعایا کو ہدایت دیں کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ۔ فرائض کی تعلیم کسی اور کو تفویض کریں، جہاد پر افواج کے افسر بنا کر کسی اور کو باہر بھیجیں اور اپنے لئے محض اوپر کی جمعاری رکھ لیں، خلیفہ رسول کے لئے اُمت کی رہنمائی کا کوئی نسا شعبہ باقی نہ رہا، کچھ نہیں، خود کچھ کام نہ کرنا، اور دوسروں کے کام میں نقص نہ لانا یہ جمعاری حضرت عمر نے اپنے پاس رکھی تھی ملاحظہ کیجئے اسلام کے حاکم کو کس طرح محض دنیا کا حاکم بنا دیا، سائبہ مذہبی شعبے دوسروں کو دے دیئے وہ ہی عرش والی اپنی حفاظت کی پالیسی جو شرع میں تھی اور جو جنگ سے فرار میں ظاہر ہوتی رہتی تھی آخر تک نمایاں ہے۔ جناب رسول اللہ کے طرز عمل سے یہ کس طرح مختلف ہے۔ جو خلیفہ اپنے مختلف کے سائے نظام ہی کو بدل دے وہ کس طرح اس کا خلیفہ کہلا یا جاسکتا ہے۔ برخلاف اسکے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نشان ملاحظہ ہو، جناب رسول خدا کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں، صلواتی سلوٹی و سائے قوم کی ہدایت اپنے لئے لیتے ہیں، محکمہ قضا کے فرائض خود انجام دیتے ہیں، خود فتویٰ دیتے ہیں، عدالت کرتے ہیں تو خود کرتے ہیں، جہاد میں خود سب سے آگے ہیں، انتظام سنبھالی کریں تو خود کریں۔ قرآن خود جمع کرتے ہیں۔ تاویل و تفسیر قرآن خود کرتے ہیں۔ وہ جواوّل دن اپنے نفس کو خدائی راہ میں فروخت کر دیا ہے وہی طرز عمل اب تک جاری ہے۔

میرا یہی شبلی نے کہیں سن لیا کہ آج کل کے زمانہ ترقی و تمدن میں کسی خاص مضمون یا تنازعہ میں اس مضمون کے خاص ماہروں (Experts) کی شہادت لی جاتی ہے۔ بس اب کیا تھا۔ یہ تو ہو گیا تو ترقی۔ اب کوشش



کئی جا رہی ہے کہ کسی طرح حضرت عمر کی نسبت بھی یہ ثابت ہو سکے کہ ان کا دماغ بھی آج کل کے زمانہ ترقی و عروج کے لوگوں کے دماغ کے مساوی تھا۔ حضرت عمر نے کہیں جسان بن ثابت سے ایک تنازعہ شعر کے معنی پوچھ لئے۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر بھی ماہروں کی شہادت کے مطابق مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ خیر۔ یہ تو ثابت ہوایا نہ ہوا۔ یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ حکومت سقیفہ کا معیار صلاحیت یہ نہ تھا کہ احکام قرآنی کے مطابقت ہوئی چاہئے بلکہ اُس کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ وہ آج کل کے تختوں کے مطابق حکمرانی کرتی تھی۔ مولوی شبلی اگر چاہتے ہیں تو اس پر فخر کر سکتے ہیں۔

## باب (۹) تکمیل تحریف

نبوت اور نبی کی نشان کو گرانا اور دونوں پر غلبہ کرنا۔ حضرت عمر نے سوچا اور اس طرح سوچا۔

(۱) جناب رسول خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین اور اپنی حکومت کا ولی و وارث مقرر کر دیا ہے۔

(۲) اس حکم کی نافرمانی ضروری ہے کیونکہ اس کو ماننے سے ہمیں حکومت نہیں ملتی۔

(۳) لیکن قرآنی حکم ہے کہ رسول کی اطاعت کریں۔

(۴) یہ بڑی مشکل ہوئی۔ قرآن سے انکار کریں تو لوگ ہمیں اپنا حاکم کیونکر سمجھیں گے۔

(۵) ہم یہ کہیں نہ کہیں کہ آنحضرت کے حکم دو قسم کے تھے، ایک عہدہ نبوت کے متعلق دوسرے اُس سے باہر جو عہدہ نبوت کے متعلق تھے۔ ان کی اطاعت کا حکم قرآن میں ہے اور ہمیں منظور ہے۔ لیکن جو عہدہ نبوت کے باہر حکم ہے اُس کو

نبوت اور نبی کی نشان کو گرانا اور دونوں پر غلبہ کرنا

نہ ماننے سے ہم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتے ۔

(۶) بس اس ہی عقیدے کی اشاعت ضروری ہے ۔

اس عقیدے ہی کی بناء پر حضرت عمر نے جناب رسول خدا کو وصیت خلافت  
تشریح کرنے سے یہ کہہ کر روکا تھا کہ *حَبُّنَا كِتَابُ اللّٰهِ*۔ اور اگر اس عقیدہ کی اشاعت  
لوگوں میں نہ ہو چکی ہوتی تو یہ نبی کی نسبت کیونکر سن سکتے تھے کہ *ان الرجل لیجد  
حضرت عمر کے اُس مکالمہ پر بھی غور کر لیجئے جو عبد اللہ ابن عباس کے ساتھ ہوا تھا  
اور جس کو ہم نے کتاب التفریق کے شروع میں نقل کیا ہے اُس سے بھی ہی  
عقیدہ پیدا ہے۔ اگر یہ بھی کافی نہیں تو ہم پھر مولوی شبلی کو شہادت میں پیش  
کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :-*

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے

زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثر لوگ خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل

خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی

باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت

سے دیتا ہے وہ بے شہدہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور

ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریحی و مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو

جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی

تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے

متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث

سے استدلال کیا ہے۔ جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے برطمی لیری

سے اُن پر قبح کی ہے۔ مگر امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یا موز منصب

نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۸، ۲۰۹)

آگے چل کر اس ہی بحث پر مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً

وہ عقیدہ ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ ما اتانا کہ المرسل فحننا ولا ومانہا کہ عنہ فانتھوا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لے لیا اور جس چیز سے رکے اُس سے باز رہو۔ دوسرے وہ جن کو رسالت سے تعلق نہیں.....

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا۔ اس تفریق کے موجود دراصل حضرت عمرؓ ہیں..... اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی راہوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لہندیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرتؐ کے عہد میں شہاب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسنی کوڑے مقرر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اگر تشریحی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۶ لغایت ۲۳۸)

الفاروق حصہ دوم کے صفحہ ۲۳۷ پر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ، قید بیان بدر اور صلح حدیبیہ کے معاملوں میں حضرت عمرؓ کی مداخلت اور نکتہ چینی کا ذکر کر کے مولوی شبلی اس طرح گوہر فشاں ہیں :-

ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب

نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں  
منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو  
یرکنا رہم ان کو اسلام کے دائرہ سے بھی باہر سمجھتے ۛ

یہاں مولوی شبلی اپنا دامن بچا کے نکل گئے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ امور واقعی منصب  
نبوت سے باہر تھے۔ بلکہ یہ کہا کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ  
سمجھتے تھے۔ اور اس لہجہ سے بیان کرتے ہیں کہ معلوم ہو کہ یہ الگ سمجھنا حضرت عمر کی  
وقت نظر و صحت تفکر پر مبنی تھا۔ خیر۔ اب پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی شبلی کی  
ان عبارات سے کیا کیا امور ثابت ہوتے ہیں تاکہ ان کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں  
تردید کی ضرورت نہ ہو۔ اور ہم ان کو اپنی اس بحث کے لئے قطعی سمجھیں۔  
وہ یہ ہیں :-

(۱) اس عقیدہ کے موجب کہ جناب رسول خدا کے احکام و اقوال یعنی اوامر و نواہی  
احادیث دو قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جو دائرہ نبوت کے اندر ہوتے تھے  
اور عہدہ نبوت سے تعلق رکھتے تھے دوسرے وہ جو اس دائرہ سے باہر ہوتے  
تھے اور عہدہ نبوت سے تعلق نہیں رکھتے تھے حضرت عمر ہیں ۛ

(۲) نبوت کا تجزیہ اور اس کی اس طرح کی تفریق کہ حضرت عمر نے سب سے زیادہ  
صاف اور واضح کر دیا ہے ۛ

(۳) حکم قرآن مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔  
آنحضرت کے محض اس قسم کے اقوال و احکام کے متعلق ہے جو دائرہ نبوت کے  
اندر تھے۔ دوسری قسم کے احکام سے اس کا تعلق نہیں ۛ

اندریں صورت یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہوا کہ آنحضرت کے کون سے احکام  
عہدہ نبوت کے متعلق تھے اور کون سے احکام اس عہدے سے تعلق نہیں رکھتے  
تھے۔ یہ بھی مولوی شبلی کی عبارات بالا سے معلوم ہو جائے گا ۛ

(۴) کچھ امور تو مولوی صاحب موصوف نے مثلاً خود بیان کر دئے ہیں جو ان کے

اور حضرت عمر کے نزدیک عہدہ نبوت سے باہر تھے اور وہ یہ ہیں :-  
 امور معاشرت، خراج کی تشخیص، جزیبہ کی تعین، ام ولد کی خرید و فروخت، شراب  
 کی حد، نماز جنازہ، قیدیان بدر کا معاملہ، صلح حدیبیہ، حجاب ازواج منہجرات،  
 (۵) باقی کے لئے مولوی صاحب نے ایک مقررہ کر دیا۔ وہ یہ کہ جن جن امور میں  
 حضرت عمر نے مداخلت کی، تبدیلی یا نکتہ چینی کی وہ سب امور دائرہ نبوت  
 سے باہر تھے۔ بلکہ یہ جو امور مولوی شبلی نے بیان کئے ہیں کہ دائرہ نبوت سے  
 باہر ہیں وہ بھی اپنے اس گروہ کے مطابق ہی لئے ہیں کیونکہ ان کے متعلق حضرت  
 عمر مداخلت کرتے تھے۔

(۶) اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون کون سے امور تھے جن میں حضرت عمر نے مداخلت  
 کی۔ حضرت عمر کے وہ مکالمے جو حضرت عبداللہ ابن عباس کے ساتھ ہوئے  
 تھے اور جن کو ہم نے کتاب التفریق کے شروع میں نقل کیا ہے ان میں  
 حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ مرض الموت میں جناب رسول خدا حضرت علی  
 کے حق میں جانشینی کی وصیت تحریر کرانا چاہتے تھے مگر میں نے اسلام کی  
 ہمدردی کی وجہ سے نہ لکھنے دی۔ جناب رسول خدا نے چاہا کہ علی ان کے  
 جانشین ہوں۔ حضرت عمر نے چاہا کہ علی جانشین رسول نہ ہوں۔ خدا نے بھی  
 اس امر میں حضرت عمر کی موافقت کی اور چاہا کہ علی جانشین رسول نہ ہوں۔  
 وہ ہی ہوا جو حضرت عمر نے اور خدا نے چاہا۔ اگر تقریباً وہی یا جانشین رسول  
 نبوت کے دائرہ کے اندر اور منصوص من اللہ ہوتا تو نہ حضرت عمر مداخلت  
 کرتے اور نہ خدا و رسول کے درمیان یہ اختلاف رائے یا اختلاف خواہش ہوتا  
 لہذا جانشینی رسول کا معاملہ بھی دائرہ نبوت سے خارج ہوا۔

مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں: "اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل  
 ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں" الفاروق حصہ دوم ص ۲۷۶-  
 حضرت عمر نے مذہبی امور میں دخل دیا اور ان کی رائیں مذہبی احکام بن گئیں

لہذا بہت سے امور مذہبی بھی دائرہ نبوت سے باہر ہوئے۔

مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں :-

”نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا۔

الفاروق حصہ دوم ص ۲۷۶

یہیجئے اذان بھی دائرہ نبوت سے خارج ہوئی۔ معلوم نہیں مولوی شبلی کے فقہ حنفیہ میں اذان رکن نماز ہے یا نہیں۔ اتنے عرصہ تک جناب رسولؐ خداؐ بغیر اذان ہی کے نماز پڑھتے رہے۔ یہ فریاد گذارثت حضرت جبرئیلؑ کی پکڑی گئی۔ نماز کے اور ارکان بتائے۔ اذان نہ بتائی۔ اتنے عرصہ تک کی جنابؐ سولؐ علیؑ مرتضیٰ اور دیگر مومنین کی ساری نمازیں ناجائز ہوئیں اگر اذان ایک رکن نماز ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو ہم اب کیوں نہ اُسے نماز میں سے خارج کر دیں۔ اگر حضرت عمرؓ کو ایسے امور میں دخل دینے کا حق ہے تو ہمیں کیوں

نہیں صحیح مسلم سے ایک اور واقعہ اس ہی قسم کا نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خداؐ نے اپنی دونوں نعلین مبارک مجھے کے ارشاد فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لا الہ الا اللہ کی گواہی زبان سے دیتا ہے اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہے تو اس کو بہشت کی خوش خبری دے دو۔ میں وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے۔ انہوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ اے ابو ہریرہؓ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں۔ میں نے

کہا کہ یہ دونوں جوڑتیاں جناب رسول خدا کی ہیں اور انہوں نے مجھے یہ دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ جس شخص سے بلوں اور دیکھوں کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی زبان اور دلی یقین کے ساتھ دیتا ہے تو اُس کو بہشت کی خوش خبری دیروں۔ یہ سُننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر اس زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور کہا کہ اے ابو ہریرہ واپس اُن کے پاس چلے جاؤ جنہوں نے تم کو بھیجا ہے۔ میں واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا، حضرت عمر بھی میرے پیچھے لپکے ہوئے آئے۔ آنحضرت نے مجھ سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ کا پیغام لے کر چلا تو راستہ میں عمر نے اور میں نے آپ کا پیغام اُن کو پہنچایا، انہوں نے تو یہ سُننے ہی میرے سینے میں زور سے گھونسا مارا کہ میں گرتے گرتے بچا اور مجھے واپس کر دیا۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے جواب دیا کہ اے رسول خدا! بانی اُنْتَا وَ اُمّی کیا آپ نے واقعی ابو ہریرہ کو اپنی جوڑتیوں کے ساتھ یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی یقین رکھتا ہو تو اُس کو بہشت کی خوشخبری دے دیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہاں اس پر حضرت عمر نے آنحضرت سے کہا کہ آپ ایسا نہ کیجئے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس بات پر بھروسہ کر لیں گے ان کو چھوڑ دیجئے کہ کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد اچھے عمل بھی کریں۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ اچھا کہ ان کو چھوڑ دو۔

(صحیح مسلم - مطبوعہ مصر الجزء الاول - کتاب الایمان ص ۲۲، ۲۵)

کسی رسول کی توہین اُس کے اُمّی کے ہاتھ سے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ یعلین مبارک کے ساتھ کرنے کا یہ ہی مقصد تھا کہ قاصد و پیغام کی تصدیق ہو جائے حضرت عمر نے یہ ہی نہیں کہ اس کو نرمی کے ساتھ اپنے ہمراہ واپس لے آئے بلکہ اس کے سینہ پر گھونسا مار کر عدل فاروقی کی نظیر قائم کی۔ بھلا اس بیچارے کا اس سے زیادہ کیا تصور تھا کہ اُس نے جناب رسول خدا کے حکم کی تعمیل کی تھی، یہ حکم تو براہ راست عہدہ نبوت سے

تعلق رکھتا تھا اور دائرہ رسالت کے اندر تھا۔ کیا ایسے احکام جناب رسول خدا بغیر وحی کے صادر فرما دیا کرتے تھے، اور اللہ میاں کی جنت کو بغیر اس کی مرضی ہی کے لوگوں میں بانٹ دیتے تھے، ضرور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہو گا کہ کلمہ طیبہ کی عظمت میرے نزدیک ہے کہ میں اس کے کہنے اور یقین و عمل کرنے والوں کو جنت میں لے گا مگر جو اس میں خرابی تھی وہاں تک خدا و رسول دونوں میں سے کسی کا خیال نہ گیا، حضرت عمر کا کیا کہنا ہے فوراً انہوں نے اصلی خرابی کو دیکھ کر منع فرمایا اور رسول خدا کو ہدایت کی کہ اپنا حکم واپس لے لیں، رسول خدا کی مجبوری بھی ملاحظہ ہو، کس مجبوری سے فرماتے ہیں کہ اچھا چلنے دو۔ پھر بھی خیر ہو گئی، کہ سب سے پہلے حضرت عمر ہی اہل گئے، اگر وہ سن بارہ آدمی گئے پاس یہ پیغام پہنچنے کے بعد حضرت عمر طے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، لیکن حضرت عمر اس میں خرابی کیا دیکھی، معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے امور کے علاوہ باقی امور پر حضرت عمر سطحی نظر ہی ڈالا کرتے تھے، اس میں ایک شرط تھی کہ لا الہ الا اللہ کا عین یقین ہو گا، اس شرط کے پورا ہونے سے جنت کے حصول کی ساری شرطیں پوری ہو جاتی ہیں صرف خدا ہی کو اپنا مالک و خدائے سمجھنے کا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کریں گے، صرف اس سے ہی دنیا و آخرت کی مدد چاہیں گے، اپنی امیدوں اور خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے صرف خداوند تعالیٰ ہی سے مدد کے طالب ہو گئے خرابی تو یہی ہے کہ آج کل لوگ زبان سے خداوند تعالیٰ کو ایک ہی کہتے ہیں۔ لیکن دراصل دل سے مال و دولت و اولاد و خواہشات و حکام کو اپنا خدا سمجھتے ہیں ان چیزوں کی تلاش میں خدا کی عبادت کو بھول گئے، اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیا جہاں ان کا اور خدا کا تصادم ہوا وہیں خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں، اپنی خواہشات و امیدوں کے حصول کے لئے حکام کی خوشامد کرتے ہیں۔ حکام کی خوشی کو خدا کی خوشی پر ترجیح دیتے ہیں غرض کہ مسلمانوں نے اپنے اتنے خدا بنائے ہیں کہ کلمہ توحید تو زبان کی ٹوک سے آگے نہیں بڑھتا، اگر ان باتوں کو چھوڑ دیں اور خداوند تعالیٰ کو خدا اور ایک خدا سمجھ کر عمل کریں تو جنت کے حصول کی کوئی شرط ہی نہیں ہے جو پوری نہ ہو



خدا کو خدا سمجھنے کا مطلب ہے کہ اُس کی ہر صفت کا عین الیقین ہو، اُس کو اسی طرح حاضر و ناظر سمجھیں جتنا اپنے حاکم کو موجود سمجھتے ہیں، تو پھر ایک گناہ بھی نہ ہو، بات کی تہ کو تو خود نہ پہنچے گھونسہ مار دیا، میاں ابو ہریرہ کو، رسول خدا نے دیکھا کہ ان لوگوں کی عقل کا معیار باوجود میری صحبت میں رہنے کے اتنا ہی ہے فرمایا کہ اچھا جانے دو، اس سے تو تم بجائے راہِ راست پانے کے گمراہی پھیلادو گے، یہ ہماری بحث تو اس روایت کے صحیح ہونے کی بناء پر ہے، ورنہ شیعہ حضرات تو اس روایت کی صحت کے شرع سے قائل ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے تو ہین رسالتِ نبوت بہت ہوتی ہے۔ دیکھو سوانح عمری حضرت عمرؓ مطبوع اصدارح حصہ اول ص ۱۱۸-۱۱۹ اور ہمارا خیال ہے کہ اب تو ہمازی بحث سن کر سنی حضرات بھی اس روایت کی صحت سے انکار کرنے لگیں گے، ایک ایسا ہی واقعہ ہم آپ کو سناتے ہیں :

امام احمد حنبل اپنے مسند میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو وحشی جانوروں کے بھٹ میں لے جا کر اُسے بُری طرح اپنی خواہشات کے لئے استعمال کیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ اُن سے واقعہ بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا تیرا بُرا ہو۔ ممکن ہے اس عورت کا خاوند راہِ خدا میں چلا گیا ہے۔ اُس نے کہا ایسا ہی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ابو بکر کے پاس جاؤ۔ اُن سے جا کر حال بیان کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا اور فرمایا کہ جناب رسول خدا کے پاس جاؤ۔ وہاں گیا آنحضرتؐ نے بھی یہی کہا۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَرُفَاتَمِ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْهَبْنَ بِالسَّيِّئَاتِ

یعنی نماز قائم کرو آفتاب کے ڈھلنے کے وقت اور راتِ شب۔ یہ تحقیق نیکیاں بُرائیوں کو دُور کرتی ہیں :

اُس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ آیت خاص میرے لئے نازل ہوئی ہے یا عام مسلمانوں کے لئے؟

آنحضرتؐ ابھی جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَى خَاصَّةٍ  
أَمْ لِلنَّاسِ عَامَّةٍ فَضْرِبُ عَمْرٍ  
صِدْرَةَ بَيْدَاةٍ قَالُوا لَوْ لَمْ يَكُنْ

عین بل للناس عامة فقال رسول  
الله صلى الله عليه وسلم  
صدق محمود

مسند امام احمد حنبل

الجزء الاول ص ۲۲۵

حضرت عمر نے اُس شخص کے سینہ پر تھپڑ مار کر  
کہا کہ نہیں نہیں کوئی نعمت جو بیان کی جاتی ہے  
وہ سب عام لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ خاص  
آدمیوں کے لئے مخصوص نہیں ہوتی۔ آنحضرت  
نے فرمایا کہ عمر سچ کہتے ہیں۔

یہ ایک اور مثال ہے حضرت عمر کے احسانات کی جو انہوں نے اسلام  
پہر وقتاً فوقتاً کئے۔ حضرت عمرؓ کے کہیں آنحضرتؐ کچھ ایسی ایسی بات  
بول اُٹھیں جو اسلام کے مفاد کے خلاف ہو۔ لہذا خود پیش دستی کر کے  
اس بیچارے کے سینہ پر مگہ مار کر کہا کہ ہر ایک نعمت جو ظاہر کی گئی ہے وہ  
سب کے لئے عام ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کے احسانات کی مثالیں ہیں۔  
ہم کہتے ہیں کہ یہ رسول خدا کی توہین کی مثالیں ہیں۔ اور ان روایات کو حضرت  
عمرؓ کا درجہ بڑھانے کے لئے اُس مذہب کی ترقی کے لئے وضع کیا گیا جو آنحضرتؐ  
کے بعد اسلام کے بجائے سیاسی ضروریوں اور اپنی عدم معرفت نبوت کی بناء پر  
لوگوں نے حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں قائم کر لیا تھا۔ بہر صورت چونکہ ائمہ اربعہ  
میں سے ایک امام کے مسند میں یہ ہے ہم تو اس کو سچا ہی سمجھ کر بحث کرتے  
ہیں اور حضرت شبلیؒ کی ان کے بنا کردہ دائرہ نبوت کے محیط کی طرف توجہ  
دلاتے ہیں کہ اتنا سکرہ کہ فقط نقطہ رہ گیا۔ اور وہ بھی اقلیدس کا نقطہ کہ جسکی  
اصلیت محض فرض کرنی پڑتی ہے۔

آنحضرتؐ نے شرابی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے  
اس سزا کو خفیف سمجھا اور چالیس کے بجائے اسکی کوڑے شرابی کی سزا مقرر کر دی

۱۰۰ مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۲۰۰

الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۲

غور کیجئے اس ایڑا دی سزا سے کتنی نا انصافی ہوئی ہوگی اور کتنے آدمیوں کی جان گئی ہوگی۔ اس قتل ناجائز کی ایک مثال تو خود مداحان حضرت عمر نہایت فخر و مباہات کے ساتھ لکھتے ہیں۔ بے لاک عدل و انصاف کے حاشیہ کے تحت میں مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں۔ ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ان کو اسی کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔

یہ ایک اور مثال ہے اس مکتبہ کی کہ کسی شخص یا شے کی محبت آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس کو یہ لوگ جاسے فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔ غور کیجئے یہ تو قتل بے جا کی مثال ہے۔ جاہلیت میں تو فقط اولاد اناٹ ہی کو قتل کرتے تھے۔ حضرت عمر اسلام لانے کے بعد ایک درجہ سنگ دلی میں اور بڑھ گئے اور قتل اولاد ذکر بھی ان کے نزدیک جائز ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے بیچارے ابو شحمہ سے یہ کسی خانگی معاملہ پر ناراض ہوں گے۔ اُسے اس طرح دنیا سے نکال دیا شارع علیہ السلام نے تو چالیس کوڑے مقرر کئے اور اُس حد تک ابو شحمہ نہیں مرے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ادھر آخری کوڑا بڑا اور ادھر بیچارے کی جان نکلی۔ چالیس کوڑے کے بعد جتنی سزا دی گئی وہ ناجائز اور اُس زیادتی سزا کی وجہ سے جو قتل واقع ہوا وہ قتل عمد۔ ومن قتل مومنًا متعمداً فجاءہ جہنم اور اس جزا کے اوپر فخر و مباہات کرنا یہ حماقت کی آخری حد ہے یا نہیں۔

ایک دوسری جگہ مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں :-

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے۔ یعنی طواف کرتے وقت پہلی تین دھڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں۔ اس کی ابتداء یوں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں کے

مشہور کرو یا کہ مسلمان ایسے شیخ و کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں  
کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ فعل معمول بہ  
ہو گیا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو ترجیح کی ایک ضروری سنت سمجھتے تھے  
لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مالنا وللسرا مل اننا کنا سر آینا  
به المشركین وقد اهلکهم اللہ یعنی اب ہم کہ رمل سے کیا  
غرض۔ اس سے مشرکین کو صعب و لا نأمنقصوہ و تھا۔ سو ان کو خزانے

ہلاک کرو یا۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۱)

یہ مولیٰ شبلی اور حضرت عمرؓ کا خیال ہے کہ رمل کا حکم آنحضرتؐ نے اس وجہ  
سے دیا تھا، ورنہ کہیں یہ ممکن ہے کہ کفار کے طعنوں کی بناء پر اعمال دین مقرر کئے  
جائیں۔ حضرت عمرؓ اور علامہ شبلی کے خیال میں آنحضرتؐ اعمال دین مقرر کرتے  
وقت وحی الہی کے منتظر نہیں ہوتے تھے بلکہ کفار کے طعنوں پر نظر رکھتے تھے،  
یقیناً یہ فتح مکہ کے بعد کا ذکر ہے، کیونکہ اس ہی وقت آنحضرتؐ مدینہ سے مکہ  
پہلی دفعہ شریف لائے تھے، کیا اس وقت تک کافروں کو مسلمان  
نجیف و زار ہی نظر آتے تھے، اتنی لطائیاں فتح کیں، عمر عبدود  
مرحب و عنتر جیسے پہلوانوں کو زیر کیا، خود مکہ فتح ہو گیا، کیا ابھی مسلمانوں کی  
طاقت کفار پر ظاہر نہیں ہوئی تھی، اس دس دن قدم دوڑنے میں کیا بہادری کی  
شان تھی کہ جس نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا سکہ بٹھا دیا اور اگر آنحضرتؐ  
کے وقت رحلت تک مسلمان ایسے ہی نجیف و زار تھے کہ یہ بناوٹی شان بہادری  
قائم رکھنی ضروری تھی تو حضرت عمرؓ نے ان میں کون سی بہادری کی روح  
پھونک دی تھی جو آنحضرتؐ نہ کر سکے۔ کیا اس سے مقصد حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ پر  
ترجیح دینے کا ہے۔ ایسے متین و سنجیدہ پیغمبر کے ذمہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ  
انہوں نے مسلمانوں کو محض اس وجہ سے دوڑایا اور بھگا یا کہ کفار کہیں دیکھو  
مسلمان بھاگے جا رہے ہیں، اگر آنحضرتؐ کفار کے طعن کو اہمیت دیا کرتے تو

اسلامی عبادت میں سے سجدہ تو بالکل منقوہ ہو جاتا، کیونکہ گفارتے سجدہ کو تو اپنی طنز کا  
خاص نشانہ بنایا گیا تھا، ہم حیران ہیں کہ علامہ شبلی جیسے فاضل و ذہین مورخ  
اور یہ عبارت، وہ مانتے ہیں کہ ائمہ اربعہ جن کی امامت پر اہل سنت و جماعت کے  
دین کا قیام ہے، اس قیاس کی تردید کرتے ہیں اور رمل کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں۔  
لیکن حضرت عمر ایسا نہیں سمجھتے تھے، اب حضرت عمر کا دور جو امیر دین میں کیا رہا۔  
کس طرح خود حضرت شبلی کی بحث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ اہل سنت و جماعت  
امیر دین میں حضرت عمر کو پیروی اور تقلید کے قابل نہیں سمجھتے، اور بات بھی ٹھیک  
ہے انہوں نے تو اپنے عقیدے خلافت حاصل کرنے کی غرض سے ایجاو کئے تھے وہ  
اسلام کے صحیح ارکان تو نہ تھے، اُس زمانے کے مسلمان غلطی کھا گئے، مقصد حاصل  
ہو گیا، قصہ ختم ہوا، نبوت کی حقیقت کے متعلق جو مولوی شبلی نے عبارت لکھی ہے  
جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اس میں بھی وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے علماء کی  
اکثریت کا عقیدہ نبوت کے متعلق حضرت عمر کے عقیدے کے مخالف ہے لہذا  
ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر نے اُن کو صحیح مذہبی عقیدے سمجھ کر اختیار نہیں کیا تھا بلکہ یہ  
تو اُن کی سیاسی تدبیریں تھیں :

ہمارے دعوے کو خود مولوی شبلی ثابت کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر اُن کی  
عبارت نقل کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت  
ہمیشہ مصلح اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف  
عقل ہوتا تو اس پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے قصر کے حکم میں آپ نے  
نکتہ چینی فرمائی :

دیکھا آپ نے حضرت عمر کی جسارت کہ، پہلے تو یہ غار تھا کہ جو حکم آنحضرت کا  
منصب نبوت کے اندر نہیں ہوتا تھا اُس پر نکتہ چینی کرتے تھے، اب مسائل  
شریعت کی نسبت بھی حضرت عمر اپنی رائے کو دخل دینے لگے، یہ معاملہ ہمیں نہیں ختم ہوتا  
یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں مسائل شریعت خاوند تعالیٰ کے حکم سے مقرر کئے گئے حضرت عمر

ان کو خلاف عقل سمجھنے کی جسارت کرتے ہیں، معاذ اللہ حضرت عمر کی عقل مشیت ایزدی سے بھی زیادہ صحیح ہوئی، کیا حضرت عمر نے اسلام اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر اس میں اپنی عقل سے تغیر و تبدل کریں، اب جو مسخ شدہ اسلام اکثریت تک پہنچا ہے کس کی کارکردگی کا نتیجہ ہوا، آگے چل کر مولوی شبلی اس طرح گہرا فتائی کرتے ہیں کہ :-

”امیر شریعت میں قیاس کرنا حضرت عمر کی اولیات میں سے شمار کیا جاتا ہے، حضرت ابو بکر کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، قیاس کا وجود نہ تھا، قیاس کی بنیاد اہل جن نے ڈالی وہ حضرت عمر ہیں“

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۴۰)

یہ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ امور دین و احکام الہی میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں لیکن علمائے اسلام کی رائے ہے کہ اول من قاس ابلیس۔ جس بزرگ میں اتنی جسارت ہو کہ احکام الہی کو بھی خلاف عقل کہہ سکے اس سے یہ عقیدہ بعید نہیں ہے، آنحضرتؐ کے دین میں جس دلیری سے کام لے کر حضرت عمرؓ نے تغیر و تبدل پیدا کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں تک کہ نماز کو بدل ڈالا۔ جب ایک نایت کے بعد حضرت علیؓ نے جناب رسول خدا کی طرح نماز پڑھائی تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم نے رسول خدا کی سی نماز پڑھی۔

(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب یکر)

واثرۃ نبوت پر حضرت عمر کی تغلیب کی ان داستانوں کو سن کر آپ کو تعجب تو ہوا ہو گا کہ باریا لہا جب یہ سب کچھ واثرۃ نبوت کے باہر ہے تو اس کے اندر کیا رہا۔ ابھی اور سنتے جائیے۔ پھر ہم ایک ہی دفعہ بتائیں گے کہ اس کے اندر کیا رہا۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن

پہرے میں آنحضرتؐ کے ارشادات مندرجہ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے  
ان میں اس بات کا موقعہ باقی رہا کہ زمانے اور حالات میں جو وہ کے  
لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمرؓ نے  
زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع  
کئے۔ جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۸)

اس عبارت پر اچھی طرح غور کریں۔ اس سے بہت سے مطالب حل ہونگے  
نبوت کے تجزیہ کے بعد اب فقہ اسلامی کی بھی تفریق ہوتی ہے۔ فقہ اسلام  
دو قسم کا ہو گیا۔ ایک وہ جو منصب نبوت والے احکام سے مرتب ہو گیا ہے  
اور دوسرا جو آنحضرتؐ کے ان احکام سے مرتب ہوا ہے جو منصب نبوت میں داخل نہ  
تھے۔ غور تو کیجئے وہ فقہ دین اسلام کیا ہوا آنحضرتؐ کے عہدہ نبوت سے باہر ہوا  
اسلام کا کلمہ شہادت تو یہ ہے: - اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ  
وَعَبْدُهُ اچھا اب یہ جو اسلام دائرہ نبوت سے باہر والے احکام سے  
مرتب ہوا ہے اُس کا کلمہ شہادت کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس میں سے  
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَحَدِّثُكَ نکل جائے گا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ اس دوسرے  
اور جدید اسلام میں حضرت عمرؓ نے نئے نئے قواعد وضع کئے۔ وہ یہ بھی فرماتے  
ہیں کہ موجودہ حنفی فقہ کا بہت زیادہ حصہ ان ہی حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے  
قواعد سے مرتب ہے۔ اُس کے چل کر وہ تصریح کرتے ہیں کہ ”فقہ کا فن تمام حضرت  
عمرؓ کا ساختہ پر مشتمل ہے“ گویا تمام حنفی فقہ حضرت عمرؓ کا مرتب شدہ ہے  
یا دیکھئے یہ وہ حصہ اسلام ہے جو آنحضرتؐ کے عہدہ نبوت سے باہر والے  
احکام سے مرتب ہوا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے ان احکام کو قواعد کی جگہ اپنے

نئے نئے آئین مقرر کروئے جو عقل کے مطابق تھے۔ اس خفی فقہ کے کلمہ شہادت میں ان محمد ارسولہ وعبدا کہنا جائز نہیں ہے۔ اُن کے عہدہ نبوت کے تو یہ باہر ہے۔ دیکھئے جناب محمد مصطفیٰ کو کس خوبصورتی سے کلمہ شہادت سے باہر کر دیا۔ اور حضرت عمر کو اُن کے بجائے داخل کر دیا۔ اس خفی فقہ کا کلمہ شہادت یہ ہوا یا ہونا چاہئے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ وان عمدا رسولہ وعبدا حضرت شبلی کی بحث اور حضرت عمر کے افعال کے بموجب جناب محمد مصطفیٰ تو فقط اُن امور میں ہی رہ گئے جو دائرہ نبوت کے اندر باقی رہے ابھی ہم اُدھر بھی غور کرتے ہیں۔ دائرہ نبوت کے اندر کچھ نہ رہا۔ یہ دائرہ تو فقط اقلیس کا نقطہ بن گیا جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور سارے مذہب اسلام پر مکمل قبضہ حضرت عمر کا ہو گیا۔ یہی اُن کا مقصد تھا۔ بہر صورت اگر کچھ لفظی تفریق اندر و باہر کی یہاں نظر آتی ہے تو وہ بھی نہیں رہے گی۔ مکمل شریعت پر حضرت عمر کا قبضہ ہوتا ہے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقل پر مبنی ہیں۔ مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آئے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ مگر حضرت عمر اس ہی دوسرے اصول کے قائل تھے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی۔

(الفاروق حصہ دوم ۲۰۹، ۲۱۰)

لیجئے سارا قصہ تمام ہوا۔ مکمل مذہب اسلام پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا اب شریعت کا جو حکم حضرت عمر کی عقل کے مطابق ہو گا وہ تو قائم رہے گا۔ باقی سب بدل دیا جائے گا۔ جناب محمد مصطفیٰ کی جگہ انہوں نے لے لی۔ جس طرح



چاہیں گے شریعت کو بدل دیں گے۔ اب تو مولوی شبلی کو بھی تسلیم کرنا ہی پڑا کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ وہ نیا ہی دین ہوا جس کی بنیاد ڈالنے والے پہلے شخص حضرت عمرؓ ہیں۔ نام اس کا خواہ اسرار الدین رکھو، خواہ علم الدین رکھو۔ ہئے وہ نیا دین۔ اُس قیاس سے ایجاد ہوا ہوا ہے جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کے زمانہ میں رائج نہ تھا۔ حضرت شبلی کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امور شریعت میں قیاس کیا اور اُس کو قیاس سے تبدیل کیا۔ یہ بات جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں نہ تھی لہذا جو دین بنا وہ نیا جدید دین ہوا جس کی بنیاد ہی حضرت عمرؓ نے ڈالی۔ گویا اس دین کے شارع یہ ہوئے۔ اس دین میں صرف وہ ہی اصول و قواعد ہیں جو مطابق عقل کے ہیں۔ جناب رسول خداؐ کی شریعت میں تو بہت سی ایسے احکام و قواعد تھے جو مطابق عقل نہ تھے۔ مذہب کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ پہلے ہم حضرت شبلی کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے بہت سے ارشادات میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے معانی پر غور کیجئے۔ آنحضرتؐ کے بہت سے احکام میں تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ اس قابل نہ تھے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ چلتے۔ اگرچہ آنحضرتؐ میں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں صرف دو سال ہی کا وقفہ تھا۔ لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ میں آنحضرتؐ کے احکام ناکارہ ہو گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جو ان کی جگہ دوسرے اصول و قواعد مقرر کئے وہ ایک ایسے عالی دماغ کا نتیجہ تھے کہ ان میں زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی اہلیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ صدیاں گزر گئیں لیکن اب بھی حنفی فقہ میں

وہ ہی کار فرما ہیں۔ آپ کو آنحضرتؐ کے اوپر جناب عمرؓ کی فوقیت معلوم ہوئی۔ غرضکہ حضرت عمرؓ نے اتنا رد و بدل فقہ میں کیا کہ پہلا آنحضرتؐ کا مقرر کردہ فقہ بالکل معدوم ہو گیا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں:-

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقل کے موافق ہیں۔

الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۱

دیکھئے حضرت عمرؓ نے جو دین ایجاد کیا اس کا فقہ اتنا زیادہ ہے کہ ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ شریعتِ محمدیؐ پر اُس کو بہت فوقیت حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ کا فقہ مصالح عقل کے موافق ہے شریعتِ محمدیؐ عقل کے مطابق نہ تھی جب ہی تو حضرت عمرؓ کی ضرورت بڑی کہ اُس کی بجائے اپنے اصل قواعد رائج کریں۔ اگر شریعتِ محمدیؐ عقل و زمانہ کے مطابق ہوتی تو پھر حضرت عمرؓ کو اُس کے تبدیل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور فقہ میں ایسے خصوصیت رکھنے والے مسائل اس کثرت سے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہی کیا ہوتی۔ یہ ایک فوقیت ہے حضرت عمرؓ کو جناب رسول خداؐ کے اوپر، اور یہ حضرت عمرؓ کا خاص احسان ہے اسلام کے اوپر کہ انہوں نے اسلام کے محدود، وقتی فقہ کو اپنی خدا داد عقل و ذہانت و ہمہ گیر قیاس کی وجہ سے ایک عالمگیر، مستقل اور دائمی فقہ میں تبدیل کر دیا۔ اگر آپ کو مزید ثبوت کی ضرورت ہے تو ہم پھر مولوی شبلی کو گواہی میں پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

فقہ کا فن تمام حضرت عمرؓ کا ساختہ پرداختہ ہے..... فقہ کی

توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اُس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں

اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی

سے کام لیا جائے۔ اسی صورت سے ائمہ اربعہ یعنی ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد حنبل سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ مگر قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں..... حضرت ابو بکر کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا

وجود نہ تھا۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۲۰)

یہ عبارت بھی بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ جناب رسول خدا نے امیر شریعت و فقہ میں قیاس کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں ایسا قیاس نا جائز سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے امور فقہ و شریعت میں قیاس کی بدعت جاری کی۔ دوسری بات جو ثابت ہوئی وہ یہ کہ سارا فقہ حضرت عمر کا ساختہ و پیر و اختہ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قیاس کے بغیر فقہ تمام ضروریات کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ جناب رسول خدا نے قیاس کی اجازت نہیں دی۔ لہذا آنحضرت کا فقہ محدود تھا اور تمام ضروریات کے لئے نا کافی تھا۔ مان لیا کہ قرآن مجید میں عام نظر کے لئے جزیئیات موجود نہیں ہیں وہ اس لئے کہ رسول موجود تھا۔ وہ ان جزیئیات کی تعلیم کر دے گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ رسول نے بھی اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ کیونکہ احادیث میں بھی تمام جزیئیات موجود نہیں ہیں۔ اگر موجود ہوتیں تو حضرت عمر کو دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ لہذا صریح نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خدا کا مقرر کردہ فقہ بالکل نا کافی تھا اور نا کامیاب ہو جاتا۔ اگر حضرت عمر اس کو اپنے قیاس سے وسیع و ہمہ گیر نہ بنا دیتے۔ مولوی شبلی ابھی فرما چکے ہیں کہ آنحضرت کے وہ ارشادات جو منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے۔ ان میں حالات موجود کے لئے نئے قوانین بنانے کا موقع باقی رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت کے ارشادات (احادیث) ان امور پر موجود تو تھے مگر چونکہ وہ رفتار زمانہ کے

ساتھ ساتھ چلنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے لہذا اس تفریق کی وجہ سے موقع باقی رہا کہ حضرت عمر اپنے قیاس سے اس نقص کو دور کر دیں۔ دیکھئے۔ حضرت شبلی مورخان فرنگ کے اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا کا اسلام محدود ہے اور تنگ نظری پر مبنی ہے۔ لیکن ساتھ ہی جواب دیتے ہیں کہ وہ ایسا ہے تو ہوا کرے جو اسلام حضرت عمر نے جاری کیا وہ تو زمانہ کی رفتار کے مطابق ہے۔ قرآن میں جو جزئیات موجود نہیں ہیں ان کے لئے حضرت عمر کی عقل و قیاس کافی ہیں۔ یہ وہی تو قرآن ہے جو اکثر حضرت عمر کی رائے کے مطابق اور آنحضرت کے عمل و رائے کے خلاف نازل ہوتا تھا اور اپنی عقل و قیاس ہی پر بھروسہ کر کے حضرت عمر اعلان کر چکے تھے کہ رسول خدا کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ حَبُّنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ ان دونوں چیزوں کو بلا کر تو غور کرو۔ قرآن شریف میں جزئیات نہیں بتائی گئیں، رسول کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ جہاں جزئیات نہ ہوں وہاں حضرت عمر کا قیاس جائز ہے۔ ساتھ ہی اس کے حَبُّنَا كِتَابُ اللّٰهِ دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ قرآن مجید و حضرت عمر کے درمیان میں سے جناب رسول خدا کو نکال دیا۔ قرآن مجید اور حضرت عمر کا قیاس۔ بس اُمتِ اسلام کے لئے یہ ہی دونوں چیزیں کافی ہیں۔ رسول یا آلِ رسول کی ضرورت نہیں۔ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ امور فقہ میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمر ہیں لیکن علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اول من قاس اِبْلِيسُ اگر خداوند تعالیٰ کا فرشتوں کو سجدہ آدم کے لئے حکم دینا منصبِ الہیت میں داخل نہ تھا بلکہ امور انتظامیہ سے تعلق رکھتا تھا تو ابلیس کا قیاس تو امور انتظامیہ میں ہوا۔ امور شرعیات میں یہ اس کی اولیت کا سہرا جناب عمر ہی کے سر پر رہا۔

حضرت عمر کی تعلیم جو مولوی شبلی و شاہ ولی اللہ کی عبارات مندرجہ بالا میں

بیان کی گئی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے :-

۱۔ نبی کے احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ جو عہدہ نبوت سے باہر ہیں۔

۲۔ لہذا جناب رسول خدا کا مرتب کردہ فقہ اسلام دو قسم کا ہوا۔ ایک وہ جو اُن احکام سے مرتب ہوا ہے جو منصب نبوت کے متعلق ہیں۔ دوسرا وہ جو اُن احکام سے مرتب ہوا ہے جو عہدہ نبوت سے باہر تھے۔

۳۔ یہ دوسری قسم کے احکام اور دوسری قسم کا فقہ حضرت عمرؓ کی عقل و قیاس کے ماتحت ہیں ان میں سے جس کو وہ چاہیں مانیں اور قائم رکھیں اور جس کو چاہیں وہ منسوخ کر دیں۔

۴۔ جناب رسول خدا کا مرتب کردہ فقہ محدود تھا۔ مطابق عقل نہ تھا۔ زمانہ کی ترقی کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ نے اُس کے بجائے اپنا فقہ مرتب کیا جو مطابق عقل تھا اور جس میں زمانہ کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت تھی۔

۵۔ تمام شریعت اسلامیہ کے احکام مصالح عقل پر مبنی ہیں۔ جو حضرت عمرؓ کے عقل و قیاس کی کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں وہ تو قائم رہ سکتے ہیں لیکن جو حضرت عمرؓ کے عقل و قیاس کے خلاف ہیں اُن کو وہ منسوخ کر سکتے ہیں یہ ایک علیحدہ مذہب و دین ہے۔ جس کا نام اسرار الدین ہے اور اس کی بنیاد حضرت عمرؓ نے ڈالی۔

۶۔ سارا فقہ اسلامیہ حضرت عمرؓ کا ساختہ پر داختہ ہے اور اُس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مصالح عقل کے موافق ہے۔

۷۔ حضرت عمرؓ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئے۔

۸۔ جناب محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کی شناخت یہ تھی کہ جن امور میں حضرت عمرؓ نے مداخلت کی وہ عہدہ نبوت سے باہر تھے۔ اور جن میں حضرت عمرؓ نے

داخلت نہ کی وہ دائرہ نبوت کے اندر تھے ۔  
 ۹۔ اگر کوئی یہ ثابت کرے کہ حضرت عمر نے ان امور میں داخلت کی جو آنحضرت  
 کے دائرہ نبوت کے اندر تھے تو پھر حضرت عمر اسلام سے خارج تھے ۔  
 جناب رسول خدا کی نبوت کی معرفت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوا  
 کہ ہم معلوم کریں کہ کن امور میں حضرت عمر نے داخلت کی۔ وہ تو نبوت  
 سے باہر ہوں گے۔ باقی سب نبوت کے اندر ہوں گے۔ مولوی شبلی کی  
 عبارات مندرجہ بالا کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل وہ امور ہیں جن میں  
 حضرت عمر نے داخلت کی :-

(۱) تنزیل قرآن ۔

(۲) تفسیر آیات قرآن۔ (ان الحسنات یذہبن السیئات الایہ)

(۳) کلمہ لا الہ الا اللہ کی برکت اور اس کا اثر ۔

(۴) کن احکام خداوندی کی تبلیغ عام کرنی چاہئے۔ اور کن کو روک لینا چاہئے۔

حضرت عمر نے مناسب نہ سمجھا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا اثر اور اس کا نتیجہ

جو خداوند تعالیٰ نے بتایا تھا وہ عام لوگوں میں تبلیغ کیا جاوے ۔

(۵) ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئے۔ گویا مذہبی امور میں داخلت

عمر یہ جائز ہے ۔

(۶) فقہ اسلامیہ کا تمام تر فن ۔

(۷) جناب رسول خدا کے احکام کی مخالفت ۔

(۸) تمام احکام شریعت اسلامیہ ۔

(۹) نماز۔ کیونکہ نماز ہر جنازہ منافی اور نماز قصر پر اعتراض کیا اور اذان

ایجاد کی جو نماز کا جزو ہے ۔

(۱۰) حج۔ کیونکہ اس کے ایک رکن رمل، کو منسوخ کر دیا ۔

(۱۱) جہاد۔ قیدیوں بدر کا معاملہ یا دیگر۔ صلح حدیبیہ پر غور کرو ۔

حضرت عمر نے کن امور میں داخلت کی

- (۱۲) حجاب ازواجِ مطہرات ۛ
- (۱۳) اجراءِ قیاس و عقل در امور فقہ و شریعت ۛ
- (۱۴) ایک نئے دین کا اجراء جس کا نام اسرار الدین رکھا گیا ۛ
- (۱۵) منع بیع اہبات اولاد ۛ
- (۱۶) جزیہ ۛ
- (۱۷) حدود، آنحضرتؐ نے شرابی کے لئے چالیس کوڑے تجویز کئے حضرت عمرؓ نے اسٹی ۛ
- (۱۸) منع تمتع حج ۛ
- (۱۹) منع تمتع نساء۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یہ بھی مسلمہ ہے ۛ
- (۲۰) تراویح۔ جس کا ذکر امیر مندرجہ بالا میں نہیں ہے۔ لیکن مسلمہ طور سے حضرت
- عمرؓ کی ایجاد ہے ۛ
- (۲۱) خراج کی تشخیص ۛ
- (۲۲) امور متعلق جانشینی رسولؐ ۛ
- (۲۳) تیمم جنابت ۛ
- (۲۴) طلاقات ثلاث ۛ
- (۲۵) امور معاشرت ۛ
- (۲۶) امور حکومت ۛ

اب ناظرین غور کریں کہ جناب محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کے اندر کیا رہ گیا جن امور میں حضرت عمرؓ نے مداخلت کی ہے وہ آنحضرتؐ کی نبوت کے دائرہ سے باہر ہوں گے۔ اس طرح تنزیلِ قرآن، تفسیرِ تاویلِ قرآن، انتخابِ احکامِ خداوندی برائے تبلیغ، فقہ، شریعت، نماز، حج، جہاد، احکامِ ماہِ صیام، جزیہ، خراج، امور حکومت، امور معاشرت، اجازتِ قیاس در امور شریعتِ حدود وغیرہ وغیرہ یہ سب امور آنحضرتؐ کے عہدِ نبوت سے باہر ہو گئے اب فرمائیے کہ آنحضرتؐ کی نبوت کے لئے کیا رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں رہا۔

اور حضرت عمر کا قبضہ مذہبِ اسلام اور سلطنتِ اسلام پر مکمل ہو گیا۔ حضرت عمر کی رائیں مذہبی احکام بن گئے۔ سارا فقہ حضرت عمر کا بنایا ہوا ہے۔ ایک نقطہ نظر تو یہ ہوا۔ یا یہ سمجھو جو امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ان امور میں بھی دخل دیا جو منصبِ نبوت میں تھے۔ اس موقع پر مولیٰ شبلی کا کلمہ حق قابلِ غور ہے کہ اگر حضرت عمر امروہین میں دخل دیتے ہیٹے پکڑے جائیں تو خارج از اسلام سمجھے جائیں گے۔ ان کا امروہین میں دخل دینا تو ثابت ہو گیا آپ اپنے قاعدہ پر عمل کریں یا نہ کریں آپ کو اختیار ہے۔

ہم بار بار کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو جناب رسول خدا کی نبوت اور فقہِ اسلام کو اس طرح تکابوٹی کرنے کی ضرورت محض اس وجہ سے پڑی کہ وہ جناب رسول خدا کے احکامِ خلافتِ علی بن ابی طالب کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کی نظروں میں سقیفہ بنی ساعدہ کے جواز کو ثابت کرنا ان کا مقصد تھا۔ ورنہ ہر ایک مسلمان، خصوصاً آنحضرت کے پانس بیٹھنے اٹھنے والا صحابی تو یہ کہے گا کہ آنحضرت آخری نبی و رسول دنیا کے تھے، خدا کا یہ آخری پیغام نبی نوع انسان کے لئے لائے تھے لہذا اس پیغام کی یہ خصوصیت ہونی چاہئے کہ وہ انسان کی زندگی کے ہر ایک شعبہ، اس کے ہر ایک پہلو پر حاوی ہو۔ انسان کی زندگی کا کوئی لمحہ اسلام سے باہر نہ گزرے۔ اب کوئی اور پیغام تو قیامت تک آئیگا نہیں ورنہ ایسا ہو سکتا تھا کہ کوئی پہلو مثلاً معاشرت یا حکومت کا اسلام چھوڑ دیتا اور آئندہ آنے والی شریعت اس پر حاوی ہو جاتی۔ اس پیغام کو دعوئے اکملیت بھی ہے، اسلام کو دعوئے ہمہ گیری بھی ہے۔ باوجود اس اکملیت کے باوجود اس ہمہ گیری کے یہ اعتقاد وضع کیا جاتا ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کے ایسے اہم شعبے مثلاً حکومت و معاشرت چھوڑ دیئے۔ انسان کی ساری خوشی و راحت تمام رنج و غم کا انحصار انہی دو شعبوں پر ہے۔ یہ

حضرت عمر نے فقہ کو کیوں بدلا



دونوں شعبے انسان کی زندگی کو بناتے اور بگاڑتے ہیں اور وہ ہی مذہبِ اسلام سے باہر ہیں تو پھر اس مذہب کی ہمہ گیری کیا ہوئی اور اس دین کی اکملیت کیا ہوئی۔ کچھ نہیں تو قرآن کو تو دائرہ نبوت کے اندر رکھو۔ وہ تو محمد مصطفیٰ پر نبوت ہی کی وجہ سے نازل ہوا۔ دیکھو اُس میں امور حکومت کا بھی ذکر ہے اور امور معاشرت کا بھی۔ جہاد، اطاعتِ حُکام، جزیہ، خراج، مالِ غنیمت، نکاح، متعہ، وراثت، خوش خلقی، بر مزاجی، پورا تولنا، پورا ناپنا، سچ بولنا، امانتیں واپس کرنا، خیانت نہ کرنا، معاہدے کس طرح کئے جاویں۔ ایفاءِ معاہدہ، بیع، ربا، وصیت، جاؤ سے اجتناب، انصاف کرنا۔ نارِ انصافی سے اجتناب، حُکام کے پاس رشوتیں نہ لے جانے کا حکم وغیرہ وغیرہ ان سب امور کا قرآن شریف میں ہونا صاف بتا رہا ہے کہ آنحضرتؐ کا دین ان سب پر حاوی ہے۔ اگر یہ امور مذہبِ اسلام کے اندر نہ ہوتے تو ان کا ذکر قرآن شریف میں کیوں ہوتا۔ محض یہ ایک بحث حضرت عمرؓ اور ان کے دوستوں کے سارے ادعا کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اگر اب بھی وہ اپنے ادعا پر قائم رہتے ہیں تو قرآن شریف کو بھی دو حصوں پر تقسیم کریں ایک وہ حصہ جو عہدہ نبوت کے متعلق نازل ہوا دوسرا وہ حصہ جو عہدہ نبوت سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ صریحاً غلط ہے۔

دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ ان کا سارا مذہب تفریق و تقسیم پر مبنی ہے جو حکومت انہوں نے حاصل کی تھی وہ تفرقہ پر مبنی تھی۔ اور امتِ اسلامیہ میں بغیر تفرقہ پیدا کئے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ فقہ میں بھی تقسیم پیدا کرنے کی ضرورت پڑی۔ اسلامی جماعت میں بھی تفریق پیدا کی، اسلامی فقہ میں بھی تقسیم پیدا کی۔ اسلامی شریعت میں بھی تقسیم پیدا کی تب ان کو حکومت ملی اور وہ حکومت قائم رہ سکی۔ جناب رسولِ خدا نے سچ فرمایا تھا کہ اگر تم نے میرے اہلبیت کا دامن چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

بعض دفعہ تیزی فہم بھی حافظہ کو باطل کر دیتی ہے ابھی الفاروق کے صفحہ ۲۰۸

یہ تو مولوی شبلی فرما چکے ہیں کہ امور معاشرت دائرہ نبوت سے باہر ہیں۔ لیکن صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدائے ارشاد فرمایا کہ بعثت لائم۔ مکارم الاخلاق ایفائے وعدہ، راستبازی، پرہیز از ظلم، ایمان داری، امانتوں کی حفاظت وغیرہ وغیرہ یہ سب مکارم الاخلاق میں داخل ہیں اور یہی امور معاشرت ہیں جب آنحضرتؐ کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اخلاق انسانی کو درست کیا جاوے تو پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ امور معاشرت آنحضرتؐ کی نبوت سے باہر ہیں۔ حکومت جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ جزیہ، خراج، بھی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں ان سب کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ لہذا حکومت آنحضرتؐ کی نبوت میں شامل ہوئی۔ عہدہ نبوت کا تجزیہ اور آنحضرتؐ کے احکام کی تفہیم محض مصنوعی چیزیں ہیں جن کو سیاسی ضرورت کی وجہ سے حضرت عمرؓ قائم کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کہنے کو تو کہہ دیا کہ آنحضرتؐ کی نبوت میں حکومت شامل نہیں مگر کوئی معیار قائم نہ کر سکے کہ جس کی وجہ سے نبوت کے اندر کے امور کو اس کے باہر کے امور سے ہیز کر سکیں۔

عبارات مندرجہ بالا سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی نظر میں اس اسلام و فقہ کی کیا قدر تھی جو جناب رسولؐ خدائے تعلیم کیا تھا۔ وہ کوتاہ تھا۔ محدود تھا۔ ترقی زمانہ کے لائق نہ تھا۔ عقل کے مطابق نہ تھا۔ ایسا تھا کہ تین سال بھی نہ چل سکا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی تربیبات اور ان کے نئے نئے قائم کردہ اصول و قواعد اب تک پرانے نہیں ہوئے۔ اور اب تک حنفی فقہ میں موجود ہیں کیونکہ ان کو ایک ایسی عقل کامل نے مرتب کیا تھا کہ ان میں قیامت تک کے واقعات پر مطابق آنے کی اہلیت باقی ہے۔ سلطنتیں گزر گئیں، قوتیں بدل گئیں، تمدن بدل گئے۔ تمدن و تہذیب انسانی کی پیچیدگیاں کہاں سے کہاں پہنچ گئیں۔ لیکن وہ اسی طرح قابل پابندی رہے۔

شریعت کی تو یہ گت بنی۔ اب شارع علیہ السلام کو لیجئے۔ آنحضرتؐ حضرت  
 عمر کی رایوں کو بے پون و چرا مانتے چلے جاتے ہیں اور جہاں کبھی اپنی رائے پر  
 اصرار اور حضرت عمر کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں وہیں بذریعہ وحی تہدید  
 کی جاتی ہے اور حضرت عمر کی رائے کو صائب ظاہر کیا جاتا ہے آنحضرتؐ وحی  
 الہی کی تبلیغ کرنی چاہتے ہیں۔ حضرت عمر روک دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کہتے ہیں  
 اچھا جانے دو۔ حضرت عمر ایسے ذہین اور نکتہ رس ہیں کہ آنحضرتؐ ان کو  
 کلام کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھا سکتے اور آخر تک نہ سمجھا سکے۔ بقول حضرت  
 عمر رسولؐ خدا نے چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علیؑ کے نام کر دیں  
 لیکن حضرت عمر نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔  
 لیکن آنحضرتؐ کو اتنا بھی نہ معلوم ہو سکا کہ علیؑ کے جانشین ہونے سے اسلام  
 خراب ہو جائے گا۔ یا اگر معلوم تھا تو علیؑ اور خاندان کی محبت نے حق  
 نہ دیکھنے دیا (معاذ اللہ)۔ حضرت ابو بکر کو مرتے وقت اپنی تکلیف کا اتنا خیال  
 تھا جتنا کہ اسلام کا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کے یہاں باز پرس ہوگی کہ تم نے  
 امتِ محمدیہ پر کس کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ چنانچہ انہوں نے اُس شخص کو اپنا  
 جانشین مقرر کر دیا جس کو وہ سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت عمر تو بوجہ  
 ہمدردی و شفقت جو ان کو اسلام کے ساتھ تھی ہمیشہ اپنے جانشین کے  
 خیال میں بقول مولوی شبلی غلطان و بیچاں رہتے تھے۔ اور جب ان کو زخم  
 ہلک لگا تو حضرت عائشہ نے پہلی ہدایت جو بھیجی وہ یہ تھی کہ دیکھو امتِ  
 محمدیہ کو بغیر نگہبان کے نہ چھوڑنا۔ اور اس پر حاکم مقرر کرتے جاؤ۔ ورنہ  
 فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اُس کا انتظام کر دیا۔  
 لیکن جناب محمد مصطفیٰؐ باقی اسلام خود اسلام کے مفاد سے اتنے بے خبر اور (معاذ اللہ)  
 اُس کی ہمدردی اور شفقت سے اتنے عاری تھے کہ انہوں نے کبھی اس طرف  
 دھیان ہی نہ دیا۔ نہ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ نہ اُس کے انتخاب و تقرر کا انتظام

کیا نہ حضرت عمر کی طرح ایک مختصر سی جماعت ہی مقرر کر دی جس میں سے خلیفہ چن لیا جاتا۔ انہوں نے تو اُمت کو یوں ہی بے ہمار چھوڑ دیا کہ آپس میں خوب سر پٹھن کر دو۔ اور جس کے پاس لاٹھی ہو وہ ہی بھینس کو ہنکالے جاوے۔ یہ بھی تو نہ خیال آیا کہ خدا کے یہاں باز پرس ہوگی۔ یہ ہیں اسلام مروجہ کے اعتقادات حالانکہ مانتے ہیں کہ رسول خدا تو حضرت علیؑ کے لئے خلافت کی تحریر لکھ رہے تھے حضرت عمر نے منع کر دیا۔ جناب رسول خدا تو غلطی کر ہی چکے تھے لیکن حضرت عمر نے سقیفہ میں پہنچ کر اسلام کی ڈوٹی ہوئی کشتی کو سنبھال لیا یہ اسلام کی ہمدردی ہی تو تھی جس نے حضرت عمر کو اپنے محسن پیغمبر کے جسدا طہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ میں جا کر حکومت کو خود اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور کر دیا۔ حضرت ابو بکر نے خلافت حاصل کرنے کے بعد پہلا خطبہ جو دیا، اس میں فرمایا تھا کہ میرے اوپر شیطان سوار ہو جایا کرتا ہے۔ جب میری یہ حالت ہوا کرے تو تم مجھ سے اجتناب کیا کرنا۔ حضرت ابو بکر پر شیطان کا غالب آنا دل میں کھٹک رہا تھا۔ نہ تسلی ہوئی۔ جب تک کہ رسولؐ کو بھی شیطان سے مغلوب نہ کرایا۔ یہ عبارت ملاحظہ ہو:-

جب رسول خدا نے دیکھا کہ ان کی قوم ان سے منحرف ہو گئی اور آپ کو اس سے رنج ہوا کہ آپ کی قوم آپ کی نبوت کو نہیں مانتی تو دل میں آنحضرتؐ نے یہ تمنا کی کہ کچھ ایسی وحی نازل ہو جس سے ان کی قوم سے ان کی مصالحت ہو جائے۔ . . . . یہاں تک کہ ان کا دل اس خواہش سے بھر گیا اور انہوں نے اسکی تمنا کی پس خداوند تعالیٰ نے سورۃ نازل فرمائی والنجم اذا هوٰی ما ضل صاحبکم وما غوی

لہا راہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تولى قومه عنہ و شق علیہ ما یری من مباحاتہم ما جاءہم بہ من اللہ تمنی فی نفسہ ان یاتیہ من اللہ ما یقارب بینہ و بین قومه . . . . . حتی حدث بذلک نفسہ و تمناہ و احبہ فاتل اللہ عزوجل والنجم اذا هوٰی ما ضل صاحبکم وما غوی

وما ينطق عن الهوى فليبا انتظما  
الى قوله افرايتهم اللات والعزى  
ومتاه الثالثة الاخرى القى  
الشيطان على لسانه لبا كان  
يحدث به نفسه ويمنى ان ياتي  
به قوم تلك الغرائق العلى وان  
شفا عتھن تر تضى فلما سمعت  
ذالك قریش فرحوا وسرھم و اعجبھم  
ما ذکر به الھتھم فاصا خوالہ  
والھونون مصداقون بنیتھم  
فیبأ جاءھم بہ عن ربھم ولا  
ینھونہ علی خطاء ولا وہم  
ولا نزال فلما انتھى الى السجدة  
منھا و ختم السورة سجد فیھا  
فسجد المسلمون بسجود نبیھم  
تصدیقاً لھا جاء بہ و اتباعاً  
لامرہ و سجد من فی المسجد من  
المشرکین من قریش و غیرھم لما  
سمعوا من ذکر الھتھم فلم یبق  
فی المسجد من ولا کافر الا  
سجد ... و اتى جبرئیل  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
فقال یا محمد ما ذا صنعت لقد

وما نحوی الایة جب آنحضرت اس حصہ سورۃ تک  
پہنچے افرایتھم اللات والعزى  
الثالثۃ الاخرى تو شیطان نے آپ کی  
زبان سے یہ الفاظ جاری کر دیئے کیونکہ آنحضرت  
کی یہ خواہش تھی کہ ان کی قوم ان سے خوش  
ہو جائے تاکہ الغرائق العلی وان  
شفا عتھن تر تضى لہ یہ بڑی ہستیاں ہیں  
اور ان کی شفاعت قبول ہوگی جب قریش نے یہ  
سننا تو بہت خوش ہوئے۔ اور جس طرح رسول خدا نے  
ان کے خدائوں کا ذکر کیا تھا اس سے انہیں بڑی  
خوشی ہوئی اور مومنین اپنے نبی کی تصدیق  
اس میں کرتے تھے جو نبی پر نازل ہوئی تھی اور وہ  
اپنے نبی کی خطا اور وہم و لغزش سے بری سمجھتے  
تھے پس جناب رسول نے سورۃ ختم کی اور  
سجدہ پر پہنچے تو آنحضرت نے سجدہ کیا اور اپنے نبی  
کی تتبع میں مسلمانوں نے سجدہ کیا کیونکہ وہ  
اپنے رسول کی پیروی کرتے تھے۔ مشرکین جو  
موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا کیونکہ آنحضرت  
نے ان کے خدائوں کا ذکر اس خوبی سے کیا  
تھا۔ مسجد میں مومن و کافر میں سے کوئی نہ تھا جس نے  
سجدہ نہ کیا ہو۔۔۔۔۔ پس جبرئیل امین رسول خدا  
کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمد یہ تم نے  
کیا کیا۔ لوگوں پر وہ پڑھ دیا جو میں خدا کی

آنحضرت پر معاذ اللہ شیطان غالب آیا تاکہ الغرائق العلی

تلوت علی الناس ما لہم اتاک بہ عن  
اللہ عز وجل وقت مالہ یقل لک -  
طرف سے نہیں لایا تھا اور تم نے وہ کہہ دیا  
جو تم سے نہیں کہا گیا تھا ۔

تاریخ طبری الجزء الثانی ص ۲۲۶ \*

مروجہ اسلام میں یہ ہے نبوت کی شان۔ کسی نئی مرسِل کی توہین اور  
تخفیر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ بہت سے بیٹیوں کو خداوند تعالیٰ نے  
عبد صالح و مخلص کہا ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام تو معاذ اللہ عبد صالح ہی نہ  
رہے اور نہ مخلصوں میں رہے کیونکہ ابلیس نے خداوند تعالیٰ کی عزت کی  
قلم کھا کر کہا تھا کہ میں تیرے تمام بندوں کو بہکاؤں گا۔ ہاں جو تیرے  
عبد صالح و مخلص ہیں ان کو میں نہ بہکا سکوں گا (سورۃ ص ۵ پارہ ۵)۔  
آنحضرتؐ کو تو وہ بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ لہذا آنحضرتؐ معاذ اللہ مخلصین  
میں نہ رہے۔ یہ معاملہ ہمیں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی  
خواہش تھی کہ ایسی وحی نازل ہو جو مشرکین سے مصالحت پیدا کر دے۔ لہذا  
آنحضرتؐ نے یہ کہہ دیا۔ گویا اپنے دل کی خواہش سے وہ بات کہی جو وہ جانتے  
تھے کہ ان پر نازل نہیں ہوئی۔ کسی نبی یا رسول کو اُس کے عالی منصب کا نااہل  
بنانے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب صرف اس لئے  
اختراع کیا گیا کہ حضرت ابو بکر کی بات رہ جائے ۔

ایک اور مثال لیجئے۔ حالانکہ بنیذ حرام ہے۔ بنیذ کے نام سے بنیذ کو  
حرام کیا گیا ہے۔ لیکن باوجود اُس کے حرام ہونے کے حضرت عمر بنیذ

۵۵۵ مندا نام احمد حنبلی الجزء الثانی ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۱۰۴ \*

الجزء الرابع ص ۳، ۴، ۵، ۳۵۴ \*

الجزء السادس ص ۹۶، ۹۹، ۱۱۲ \*

مروجہ بنیذ

خوب پیا کرتے تھے ۵۹ء چنانچہ جب آپ کو زخم کاری لگا تو لوگوں نے کہا کہ آپ کچھ دودھ پیئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں مجھے تو بنیڈ پلاؤ ۵۹ء اس کی برداشت ان لوگوں کو نہیں ہو سکتی تھی۔ بے چین تھے۔ جب تک رسول خدا کو بنیڈ نہ پلا لیں۔ چنانچہ اس طرح پلائی گئی :-

راسمائے راویان عربی میں دیکھو، حسین بن عبداللہ اور داؤد ابن علی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس کو آواز دی۔ در آنجا یکہ لوگ ان کو گھیرے ہوئے تھے اور اس نے کہا کہ تم اس بنیڈ سے غنودگی چاہتے ہو یا یہ تمہارے لئے شہدہ دودھ سے بھی اس اثر میں کمزور ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ ایک دفعہ جناب رسول خدا عباس کے پاس آئے، اور کہا کہ ہم کو بھی

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن بکرانا بن جریر قال حدثنی حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس وداؤد بن علی ان رجلا نادى ابن عباس والناس حوله فقال سنة تبتغون بهذا النبينا وهوا هو ن علیکم من العسل واللبن فقال ابن عباس جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم عباسا فقال اسقونا

۵۹، ۶۵ امام جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی :- تاریخ عمر بن الخطاب ص ۱۶۰ -

الفاظ یہ ہیں :- عن عبد اللہ بن عمر ان الخطاب لما طعن قال له الناس یا امیر المؤمنین لو شربت شربا فقال استقونی نبیذا وکان من احب الشرب الیہ قال فخرج النبیا من جرح مع صید الدم یعنی عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن الخطاب کو مہلک زخم لگا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کوئی شربت پیئیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے تو بنیڈ پلاؤ۔ حضرت عمر کو بنیڈ بہت ہی محبوب تھی۔ اور وہ اکثر پیا کرتے تھے۔ بنیڈ انہیں پلائی گئی۔ لیکن وہ خون کے ساتھ زخم سے نکل گئی :-

فقال ان هذا النبيذ شراب  
 قد مغت ومزيت افلوشقيلك  
 لبنا وعسله فقال اسقوني مما  
 تسقون من الناس قال فاتي  
 النبي صلى الله عليه وسلم ومع  
 اصحابه من المهاجرين والانصار  
 بعاس فيها النبيذ فلما شرب النبي  
 صلى الله عليه وسلم عجل قبل  
 ان پروى فرفع راسه فقال احسنتم  
 هكذا فاصنعوا قال ابن عباس  
 فيرضأرسول الله صلى الله عليه  
 وسلم ذلك اعجب الى من ان  
 تسيل شعابها علينا لبناء  
 وغسلًا۔

پلاؤ، عباس نے کہا کہ نیند تو شراب ہے کیا ہم آپ کو  
 دودھ اور شہد نہ پلائیں، آنحضرتؐ نے کہا کہ  
 نہیں مجھ کو وہی پلاؤ جو لوگ پی رہے ہیں پس  
 ایک بڑا کاسہ نیند سے بھرا ہوا آنحضرتؐ کو دیا  
 گیا، آنحضرتؐ کے اصحاب و مهاجر و انصار وہیں  
 تھے، ان کو بھی دیا گیا، آنحضرتؐ نے بہت  
 جلدی جلدی کر کے پی لیا قبل اس کے کہ اور  
 لوگ آپ کو دیکھیں یا قبل اس کے کہ آپ  
 میرا ہوں پس آپ نے سر اٹھایا اور کہا  
 کہ تم نے بہت اچھا بنایا ہے، پس بناتے رہو  
 ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا  
 اس سے خوش ہوئے اور یہ میرے لئے زیادہ  
 تعجب کی چیز ہے اس بات سے کہ ہمارے  
 لئے دودھ اور شہد کے چشمے بہائے جاتے

من امام احمد بن حنبل البحرعلاؤل ص ۳۳۶۔

جناب رسول خدا کی توہین و تازیلی کا اس سے بدتر نمونہ قیاس میں نہیں  
 آسکتا۔ یہ تحریم نیند کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب ہی تو حضرت عباس نے آنحضرتؐ  
 کو اول مرتبہ نیند دینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ تو نیند ہے اور حرم ہے۔ ہم  
 آپ کو شہد اور دودھ کیوں نہ دیدیں مگر آنحضرتؐ نے اصرار کیا کہ نیند ہی دعو  
 اور جب دی گئی تو جلدی جلدی دوسروں کی نگاہ سے چھپا کر پینا بھی یہی ظاہر  
 کرتا ہے کہ یہ حرمت نیند کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور ہمارا اعتقاد اور یقین تو یہ  
 ہے کہ آنحضرتؐ نے حرمت شراب سے پہلے بھی شراب کا استعمال نہیں فرمایا  
 علاوہ جناب رسول خدا کی توہین کے حضرت عمر کے اس فعل سے فقہ اسلامی میں



جو انقلاب پیدا ہوا وہ بہت مُضر ہے۔ اس کا ذکر ہم آئندہ چل کر کریں گے یہاں تو ناظرین فقط اتنا یاد رکھیں کہ آنحضرتؐ نے نبیذ کو حرام فرما دیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عقل و قیاس کی بناء پر اُس کو جائز رکھا اور استعمال فرماتے رہے۔

حضرت عمرؓ کو بڑھانے کے لئے آنحضرتؐ کی شان و عظمت کو ان بزرگواروں نے اتنا گرایا کہ عام انسانوں کی سطح پر لے آئے۔ بلکہ عام انسانوں سے بھی کمتر ہی ظاہر کیا۔ بہت سے لیڈر دنیاوی اور دینی ایسے ہوئے ہیں کہ جو اصول و قواعد انہوں نے مقرر کر دئے اُن پر خود بھی کار بند ہوتے تھے اور خود کار بند ہونے کے بعد لوگوں سے عمل کراتے تھے۔ آنحضرتؐ نے خود نبیذ کو حرام کر دیا۔ خدا کے حکم سے حرام کیا۔ لیکن خود دیکھو کیسی چوری سے پی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ان لوگوں نے کتنا عظیم الشان بہتان آنحضرتؐ پر باندھا۔ حضرت عمرؓ کی شان کو دیکھئے کتنا بڑھا پایا ہے۔ آنحضرتؐ کی غفلت دیکھو کہ اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ اسی خیال میں غلطان و پیچان رہا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کا کیا کہنا۔ اکثر قرآن شریف اُن کی رائے کے مطابق نازل ہوتا تھا۔ جناب سول خداؐ کو یہ فخر حاصل نہ ہوا۔ جب کبھی آنحضرتؐ میں اور حضرت عمرؓ میں اختلاف رائے ہوا تو قرآن شریف نے نازل ہو کر حضرت عمرؓ کو حق بجانب ٹھہرایا اور آنحضرتؐ کو تنبیہ اور تہدید کی۔ اس ضمن میں قیدیان بدر کی مثال خاص طور سے پیش کی جاتی ہے۔ قرآن شریف تو خاص طور سے آنحضرتؐ کی نبوت سے وابستہ ہے۔ اُس سے بھی معاذ اللہ اتنی غفلت آنحضرتؐ نے برتی کہ نہ خود جمع کیا اور نہ اُس کے جمع کرنے کا فرض کسی کے ذمہ لگایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن شریف تو مفقود و معدوم ہو ہی چکا تھا اگر حضرت عمرؓ اسلام کی مدد کو نہ پہنچتے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کو اُس کے جمع کرنے پر اصرار

حضرت عمرؓ کی شان کو بڑھانے کے لئے آنحضرتؐ کی شان کو گرایا گیا

کے ساتھ آمادہ نہ کرتے۔ فقہ اسلامی میں جو حصہ خلاف عقل و قیاس تھا اس کو حضرت  
 عمرؓ نے نکال دیا۔ اور فقہ و شریعت اسلامی کی ترمیم اس خوبی سے کی کہ وہ سب عقل  
 کے مطابق ہو گیا اور ایسا مطابق ہوا کہ باوجود حالات بدل جانے کے، صدیاں  
 گزر جانے کے، باوجود سائنس کی موجودہ ترقی کے حضرت عمرؓ کی ترمیمات اب تک  
 حالات موجودہ پر حاوی ہوتی چلی آرہی ہیں۔ آنحضرتؐ کے احکام و اقسام کے  
 ہوتے تھے۔ ایک نبوت کے اندر، دوسرے نبوت کے باہر۔ جو نبوت کے باہر  
 تھے ان میں تو نقائص تھے ہی۔ منجملہ دیگر نقائص کے خلاف عقل ہونا ان کا بڑا  
 نقص تھا۔ لیکن جو احکام و فرائض نبوت کے اندر تھے ان میں بھی معاذ اللہ آنحضرتؐ  
 سے کوئی تاہی ہوئی۔ قرآن شریف تو نبوت سے وابستہ تھا۔ اس کی جمع کا انتظام  
 نہ فرمایا۔ جہاد کرنا تو آپؐ کی نبوت میں شامل تھا۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر  
 ہے۔ اس میں قیام برور صلح حدیبیہ وغیرہ کے امور میں آنحضرتؐ نے غلطی کی  
 یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا تبلیغ کریں اور کیا تبلیغ نہ کریں۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کی برکت  
 کو تبلیغ کرنے بیٹھ گئے۔ وہ تو حضرت عمرؓ نے وقت پر بچا لیا ورنہ اسلام میں خرابی تو  
 پڑ ہی گئی تھی۔ خدا وندا! میں مجبوراً ان خرافات کو نقل کر رہا ہوں، تو میری گرفت  
 یکجہی۔ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی خواہش سے جو کفار کے ڈر پر مبنی تھی قرآن شریف  
 تغیر و تبدل کر دیا اور تلك الغسوان سبق العلیٰ کہ دیا۔

حضرت عمرؓ کے شائع کردہ اسلام میں نبوت اور نبی کی یہ شان ہے جو آپؐ نے  
 ملاحظہ فرمائی۔ ان بزرگواروں کے مقدس اجماع نے خدا وند تعالیٰ کی غلطی کو بھی  
 صحیح کر دیا۔ قابلیت اور استعداد کو دیکھتے ہوئے نبی تو حضرت عمرؓ کو بنانا چاہئے  
 تھا۔ خدا نے جناب محمد مصطفیٰؐ کو نبی بنا دیا۔ اب ان بزرگواروں کے اجماع نے  
 حضرت عمرؓ کو مسترد نبوت پر بٹھا کر اس غلطی کو صحیح کر دیا۔

# باب دہم

عقائد جو تفریق و تحریف فقہ و شریعت سے پیدا ہوئے

انہوں نے مسخِ اسلام کو مکمل کر دیا

تقسیم و تحریف فقہ و شریعت کی اوّل غرض و غایت ایسے عقائد پیدا کرنا تھا جو حکام وقت کو ان کی سیاسی ضرورتوں میں مدد دیں۔ اس کے لئے انہوں نے چند اصول و قواعد مقرر کئے۔ امور فقہ و شریعت میں اپنی مداخلت کو جائز دکھانے کے لئے انہوں نے پہلا اصول یہ مقرر کیا کہ آنحضرت کے احکام فقہ و قسم کے تھے۔ ایک تو وہ جو دائرہ نبوت کے باہر تھے اور دوسرے وہ جو دائرہ نبوت کے اندر تھے۔ اوّل الذکر قسم کے احکام کو انہوں نے قابلِ فسوخی و ترمیم قرار دیا اور آخر الذکر قسم کے احکام کو انہوں نے ظاہر کیا کہ ان کی مداخلت میں نہیں آتے لیکن اپنے عمل سے انہوں نے دائرہ نبوت کو اتنا تنگ کیا کہ تمام امور فقہ و شریعت اُس کے باہر ہو گئے اور اس طرح تمام فقہ اسلامی پر قبضہ کر کے انہوں نے اُس کو قابلِ ترمیم و نسخ قرار دے دیا۔

دوسرا اصول جو قائم کیا گیا اور جس کو حضرت عمر نے اپنے حکم کی صورت میں اپنے عمال کے پاس بغرض تعمیل بھیجا وہ یہ تھا کہ جب کسی امر پر تم کو حکم قرآن و صحیح حدیث نبوی نہ ملے تو تم اپنے عقل و قیاس سے کام لے۔ لیکن عملاً اس میں بھی حضرت عمر نے اپنے تئیں ہر ایک قید سے بالاتر کر دیا۔ یعنی انہوں نے خود وہاں بھی مداخلت کی جہاں صریح حکم رسولِ موبود تھا۔ اور اُس حکم کے خلاف مداخلت کی، مثلاً رمل، قصر نماز، تحریم بید، برکتِ کلمہ توحید

عقائد جو اس تفریق و تحریف فقہ و شریعت سے پیدا ہوئے

وغیرہ وغیرہ اور ان کے متعلق اپنی عقل کے مطابق ایک نیا دین ایجاد کیا جس کا نام مولوی شبلی نے اسرار الدین رکھا ہے ۔

ان دونوں اصولوں کی غلطی روزِ روشن کی طرح ایسی واضح ہے کہ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت عمرؓ جیسے صاحبِ فہم و ذکا و فراست نے اس غلطی کو نہ دیکھا۔ یہی کہنا بڑے گاکہ سیاسی ضروریات کی وجہ سے ان اصولوں کے نقائص اور خطرناک نتائج سے عمداً چشم پوشی کی گئی۔ ان اصولوں کی غلطی ثابت کرنے کے لئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں، غلطی بالکل سطح پر نمایاں ہے۔ جبکہ قرآن شریف میں ان تمام امور کے اوپر احکام موجود ہیں جن کو حضرت عمرؓ اور ان کے مقلدین نبوت کے دائرہ سے باہر سمجھتے ہیں، مثلاً حکومت، معاشرت اخلاقیات تو وہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ امور آنحضرتؐ کی نبوت سے باہر تھے قرآن مجید و عہدہ نبوت ہے اور جو اس کے اندر ہے وہ نبوت کے اندر ہے نبوت اور اس کے احکام کا تجزیہ کرنا محض ایک بے معنی شے ہے۔ ابھی ابھی تو آپ کہہ چکے ہیں کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ قرآن شریف ہمارے سارے امور کے لئے کافی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ہدایت نبوتی کی بھی ضرورت نہیں۔ تو اب یہ امکان کہاں سے پیدا ہو گیا کہ کوئی امر اس کے باہر ہو سکتا ہے ۔

ان دونوں غلط اصولوں سے جو خطرناک عقائد پیدا ہوئے اور مفسرِ نتائج نکلے وہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جب چند اصول و قواعد امور دین میں قائم ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے نتائج کو ان ہی امور تک محدود نہیں رکھ سکتے جن کے لئے وہ اصول و قواعد مقرر کئے تھے خصوصاً جبکہ اصول و قواعد مقرر کرنے والے زمانہ اولیٰ کے وہ لوگ تھے جو بانی جماعت کے پاس بیٹھنے اٹھنے والے تھے۔ اور پھر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر انہوں نے اپنے اصول و قواعد کو حکومت کے زور سے تمام مملکتِ اسلامیہ میں پھیلایا۔ بعد میں آنے والے

لوگ ہر ایک ممکن طریقہ منطق و استعمالِ عقل سے تمام وہ نتیجے نکالتے ہیں جو ان اصول و قواعد سے نکل سکتے ہیں اور جب یہ اصول و قواعد ان کی خواہش نفسانی و میلانِ فطرتِ حیوانی کے مطابق ہوتے ہیں تو وہ ہر ایک کو چھوڑ کر انہیں کو پکڑ لیتے ہیں۔ چنانچہ ان قواعد و اصول کے متعلق آنے والی نسلیوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ خواہشِ نفسانی اور میلانِ فطرتِ حیوانی کے اثر کا ذکر آگیا تو ہم ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف دلاتے ہیں کہ اُمتِ اسلامیہ کو ڈونہایت اہم سبق پڑھاٹے گئے، ایک سقیفہ بنی ساعدہ والے دن، دوسرا کر بلا والے دن، پہلا سبق دنیادہی و جاہت و ثروت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتا تھا۔ دوسرا سبق حق کی راہ میں قربانیاں کرنے کا حکم دیتا تھا۔ چوتھے پہلا سبق خواہشِ نفسانی کے مطابق تھا کیسا یاد رہا ہے کہ تیرہ صدیوں کے گزرنے کے بعد بھی اُس کے اثر میں کمی نہیں ہوئی۔ دوسرا سبق مشکل تھا، خواہشِ نفسانی کے خلاف تھا اُسے اُمتِ اسلامیہ ایسی بھولی کہ گویا کبھی پڑھا ہی نہ تھا۔ اُس فرقہ کی اکثریت بھی کر بلا کے اُس سبق کو بھول گئی جو تمسکِ ثقلین کا دعویٰ کرتا ہے اور حسین علیہ السلام پر رونے کو موجبِ نجات سمجھتا ہے۔ ہاں مستثنیات ہر ایک قاعدہ میں ہوتی ہیں۔ ہم ظلمِ صریح کے مرتکب ہوں گے اگر یہ نہ بتائیں کہ بہت سے بزرگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ والے سبق کو نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا اور کر بلا کے عمل کی پیروی میں اپنا سب کچھ لٹا دیا لیکن الشاذ کا معدوم ہے۔

ہاں، تو ہم کہہ رہے تھے کہ جب ایسے خوشنما اور طبیعتِ حیوانیہ کے لئے ولا و بیز اصول قائم ہو جاتے ہیں تو پھر تمام فرقہ کی اکثریت اُدھر ہی جھکت جاتی ہے اور عقل و قیاس کو زیرِ عمل لانے کے موجبات اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے کہ خواہشِ نفس پیدا کر سکے۔ اس تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ فقہِ اسلامی کی وسعت جو تمام انسانی زندگی پر حاوی ہے پیشمار

ایسے امور انسان کے عقل و قیاس کے تحت مشق بننے کے لئے پیش کرتی ہے۔ انہوں  
صورت تعجب یہ نہیں ہے کہ اسلام میں تہتر فرقے کیوں پیدا ہو گئے۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے  
کہ اس سے بہت زیادہ فرقے کیوں نہ بنے۔ جب یہ اصول مان لیا گیا کہ فقہ اسلامی  
پر انسانی عقل و قیاس حاوی ہو سکتا ہے تو پھر تقسیم و تفریق کی کوئی حد ہی نہیں  
رہتی۔ وہ مرکزیت جس کے لئے جناب رسول خدا نے اتنا انتظام فرمایا تھا  
بالکل برباد ہو گئی۔ کاش حضرت عمر یہ ہی حکم صادر فرمادیتے کہ جب تمہاری عقل  
علم کے مطابق قرآن شریف و احادیث میں کوئی حکم کسی مقدمہ زیر نظر کے  
لئے نہ ملے تو اس کو خلیفہ ہی کے پاس بھیج دیا کرو تاکہ وہ اپنی عقل و قیاس کے  
مطابق حکم صادر کر دے۔ اور عام عقل و قیاس کے استعمال کی اجازت نہ  
دیتے۔ صرف خلیفہ ہی کو اجازت ہوتی کہ وہ اپنے عقل و قیاس سے ایسے امور پر  
فیصلہ دے۔ اس طرح مرکزیت تو قائم رہ جاتی۔

اس آزادی عقل و قیاس سے دو قسم کے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا  
اور وہ ہی تفریق اسلام کے زیادہ باعث ہوئے۔ ایک تو وہ جو جاہت پسند  
علماء اور دوسرے عیش پسند امراء۔ ہم ضمیمہ البلاغ المبین میں ثابت کر چکے ہیں  
کہ علماء اہل سنت و جماعت کا اول مقصد حیات یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ بادشاہ کے  
دربار میں رسوخ حاصل کریں۔ ان میں سے بڑے سے بڑا عالم بھی کوئی ایسا نہ  
تھا کہ جو شاہی درباری یا وظیفہ خوار نہ ہو۔ اگر دو چار علماء ہوئے بھی تو مستثنیات  
ہمیشہ عام قاعدے کو ثابت کرتی ہیں۔ بادشاہ کو یہ ناراض نہیں کر سکتے تھے  
اگر ناراض کرتے تو پھر درباری کیونکر رہتے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تمام تاریخ  
اسلامی میں، ہر ملک و ہر زمانہ میں علماء کا رسوخ کبھی بادشاہت پر حاوی  
نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ہمیشہ بادشاہت کے زیر اثر اور دست نگر رہے۔ ہاں ایران  
کی تاریخ میں ایک زمانہ ہے ان کے علماء کا طبقہ بادشاہت پر حاوی ہو گیا تھا۔  
لیکن وہ شیعہ ملک تھا اور ہم اہل سنت و جماعت کے فقہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

حکومت پرستی

فقہ شیعہ میں تو مجتہدِ اعظم نائیبِ امام سمجھا جاتا ہے۔ اور امام کے سب محکوم ہوتے ہیں۔ بادشاہ تک بھی امام کی اطاعت کو اپنا فرض جانتے ہیں۔ لہذا نائبانِ امام کا رسوخ و اثر بسا اوقات بادشاہ کے برابر ہوا کرتا تھا۔ لیکن فقہ اہل سنت و جماعت میں کوئی عالم یا مجتہد نائیبِ پیغمبر نہیں سمجھا جاتا۔ امام تیران کے یہاں ہوتے ہی نہیں لہذا ان کے علماء ہمیشہ بادشاہ کے دست نگر رہے۔ اور بادشاہ کی مرضی کے مطابق فقہ اسلامی کو اپنی عقل و قیاس سے توڑ مروڑ کر فتویٰ دیتا ان کا مقصد حیات ہو جاتا تھا۔ ضمیر کو خاموش کرنے کے لئے حضرت عمر کی نظیر اور ان کا حکم و عمل موجود ہی تھے۔ پھر کیوں نہ بادشاہ کو خوش کر کے انعام و اکرام حاصل کریں یہ تنازعہ فیہ امر نہیں ہے۔ تاریخ کے صفحے کے صفحے علماء کے ایسے فتویوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ذیل کی عبارت ہم تاریخ الخلفاء سیوطی کے اردو ترجمہ سے نقل کرتے ہیں۔ اصل عربی کی تاریخ بھی ہمارے پاس ہے۔ حوالہ اُس کا بھی دیں گے:-

ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اُس کا دل حمدی کی ایک کنیز پر آگیا۔ اور اس کو طلب کیا لیکن اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں تمہارے والد کی ہنچوا بہ رہ چکی ہوں اس لئے تم مجھ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن ہارون الرشید دل کے ہاتھیں مجبور تھا اُس نے فوراً قاضی ابویوسف کو بلایا اور ان سے چارہ کار پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین یہ فرض کر لینا کہ تمام کنیزیں سچ بولا کرتی ہیں صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولتی ہو۔ اُس کو آپ سچا نہ مانئے اور کا اِدل حاصل کیجئے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس واقعہ میں کن کن باتوں پر تعجب کروں۔ آیا ایسے بادشاہ پر جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کے جان و مال دیئے گئے ہیں۔ اور وہ باپ کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتا۔ یا اُس کنیز پر جس نے بادشاہ تک سے کنارہ کیا۔ یا اُس فقیہ زمانہ و قاضی ممالکِ اسلامی پر جس نے بادشاہ کو مشورہ

و یا کہ باپ کی حرمت کی توہین کر اور اپنے باپ کی ہنجواہ سے قضاء شہوت کر  
اور گناہ میری گردن پر رکھ ۔

عبداللہ ابن یوسف کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف سے  
کہا کہ میں نے ایک کنیز خریدی ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اُس سے  
قبل از استبراء صحبت کروں۔ اگر کوئی جیلہ ہو تو بتلائیے۔ قاضی ابو یوسف  
نے کہا اس کو اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیجئے اور پھر اُس سے نکاح  
کر لیجئے ۔

اُردو ترجمہ تاریخ الخلفاء سید طی ص ۱۵۷، ۱۵۸ ۔

تاریخ الخلفاء عربی مطبوعہ مجتہبی پریس دہلی ص ۲۰۱، ۲۰۲ ۔

قاضی ابو یوسف صاحب امام ابو حنیفہ کے بڑے شاگرد ہیں۔ دراصل  
فقہ حنفی ان ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ مولوی شبلی ان کے متعلق لکھتے ہیں :-  
ہارون رشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا  
قاضی القضاة مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی  
تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی  
احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سرشتہ  
قضا میں جو ترقیاں کیں اُن کی تفصیل خود اُن کی لائف میں لکھی جائے  
تو لکھی جاسکتی ہے ۔

(مولوی شبلی: سیرۃ النعمان ص ۲۷۳)

واقعی فقہ میں جو ترقیاں کیں وہ تو اُس نمونہ سے ظاہر ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔  
آگے چل کر مولوی شبلی کہتے ہیں :-

فقہ میں جو اُن کا پایہ ہے اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ امام  
ابو حنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار  
ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے۔ واپس آئے تو ساتھیوں سے



کہا کہ اگر خدایا خواستہ یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا ۔

رسیرۃ النعمان ص ۲۷۲

قاضی ابویوسف کے حالات سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے عہدے اسی طرح بادشاہ کی خوشامد سے ملا کرتے تھے۔ فقہ کی ناک مروڑنے میں قاضی ابویوسف تنہا نہ تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی امام محمد بن الحسن الشیبانی کے حالات میں لکھتے ہیں :-

۷۵ھ ہجری میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون رشید اُن کا سرو سامان دیکھ کر اس باختہ ہو گیا اور دیکھ کر صلح اختیار کی۔ معاہدہ قلمبند ہوا۔ اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء و فضلاء فقہاء اور محدثین نے اس پر دستخط کئے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقص عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہارون الرشید کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ صورت موجودہ میں نقص عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔ (رسیرۃ النعمان ص ۲۷۸)

سو ابھی آپ نے عقل و قیاس کی جولانیاں۔ سارے علماء نے اپنے عقل و قیاس کی مدد سے اپنے ضمیر کی تسلی دے کر ہارون الرشید کو خوش کیا۔ اگر ان سب میں سے ایک کا ضمیر اتنا مضبوط ہوا کہ حق پر جمار ہا تو الشاذ کا معدوم۔ اور یہ استثنائے ہمارے دعوے کو ثابت کرتا ہے۔ مولوی شبلی نے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہارون الرشید کا زمانہ اسلامی حکومت کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ حکومت الہیہ تھی تو اس حکومت الہیہ کے حاکم نے پہلے تو یحییٰ بن عبداللہ کو عہد نامہ لکھ کر دھوکہ میں ڈال دیا۔ بڑے بڑے علماء و فقہاء حنفیہ و شافعیہ سے اُس پر دستخط کرائے۔ اپنے دستخط بھی کئے جب حاکم حکومت الہیہ کے عہد و پیمان پر بھروسہ کر کے یحییٰ نے اپنا لشکر توڑ دیا اور

خود اُس کی امان میں بغدا و چلے آئے تو اُن کو تنہا پا کر قید کر دیا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یحییٰ نے بغاوت نہیں کی تھی۔ جب دیکھا کہ علین پر بہت ظلم ہو رہے ہیں تو اُن مظالم کو بند کرنا چاہا اور اس طرح لڑائی کا موقع آ گیا۔ دیکھئے قاضی القضاة وغیرہ کے عہدے کن لیا فتوں پر مبنی ہوتے تھے۔ قاضی ابو یوسف کا تمام مملکت اسلامیہ کا قاضی القضاة ہونا اور اس کی وجہ تو معلوم ہو چکی ہے اب دوسرا قصہ سنئے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں :-

ایک دن ہارون الرشید نے یحییٰ کو قید خانہ سے بلوایا۔ اُس روز قاضی ابو البختری اور محمد بن الحسن ابو یوسف کے دوست بھی وہاں موجود تھے رشید نے وہ عہد امان منگوا یا جو انہوں نے یحییٰ سے کیا تھا۔ اور محمد بن الحسن سے پوچھا کہ اس عہد نامہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے آیا یہ صحیح ہے، محمد بن الحسن نے کہا بے شک یہ صحیح ہے۔ اس میں کوئی قالونی سقم نہیں ہے۔ رشید اس سے محبت کرنے لگے۔ محمد نے کہا کہ یہ امان نامہ تو ایک طرف رہا اگر وہ لڑ لہ ہوتا اور اُس نے پیٹھ پھیری ہوتی تب بھی وہ مامون تھا۔ اس فتویٰ کی وجہ سے رشید محمد بن الحسن سے برداشتہ خاطر ہو گئے۔ اُس کے بعد انہوں نے ابو البختری سے کہا کہ تم اس تحریر کو غور سے پڑھ کر اپنی رائے دو۔ اس نے کہا کہ یہ عہد نامہ اس اور اس وجہ سے ناقص ہے۔ اسے سن کر رشید نے کہا کہ میں نے تم کو قاضی القضاة مقرر کیا۔ تم بے شک اس عہد نامہ کی قالونی حیثیت سے زیادہ واقف ہو۔ پھر انہوں نے اسے پھاڑ کر پُرزے پُرزے کر دیا۔ اور ابو البختری نے اُس پر تھوک دیا ۛ

اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم ص ۲۱ ۛ

اصل عربی تاریخ طبری الجزء العاشر ص ۵۷ ۛ

یہ سب عقل و قیاس کے کرشمے ہیں جو انہوں نے مذہب میں مداخلت

کر کے پیدا کئے اور یہ سب ابلیس اڈل کی قیاس آرائیوں کی شاخیں ہیں۔ غالباً اس امر واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہو گا کہ اصلی اور پہلی تقسیم امت اسلامیہ کی مسئلہ امامت پر ہوئی جبکہ ساری امت دو حصوں پر تقسیم ہو گئی اس تفریق کی تاریخ سے جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ بات بہت اچھی طرح ہو پدا ہے کہ سب سے پہلے مسئلہ امامت پر امت کی تقسیم ہوئی۔ علامہ شہرستانی نے قضیہ قرطاس ہی کو پہلا تفرقہ اور اختلاف لکھا ہے۔ وہ تفرقہ محض خلافت کے معاملے پر تھا اور رسول خدا سے تھا۔ اور حضرت عمر نے پیرا کیا تھا۔ علامہ مسعودی یہ لکھنے کے بعد کہ خلافت ایک وصیت تھی جو ایک نور کی صورت میں ایک صلب سے پورے صلب تک منتقل ہوتی رہی اور جس کو حکم خدا ایک نبی اپنے جانشین کے متعلق کرتا رہا کہتے ہیں:-

فكانت الوصية جارية تنتقل من  
قرن الى قرن الى ان ادى الله  
النور الى عبد المطلب وولده  
عبد الله ابي رسول الله صلى  
الله عليه وسلم وهذا موضع تنازع  
الناس فيه من اهل الملة ممن  
قال بالنص وغيرهم من اصحاب  
الوختيار والقائلون بالنص  
هم الا باضينة اهل الامامة  
من شيعة علي بن ابي طالب رضي  
الله عنه والطاهرين من ولده  
الذين زعموا ان الله لم يخل  
عصرا من الا عصا من قائم

پس یہ وصیت خلافت جو ایک نبی یا امام اپنے جانشین کے حق میں کرتا رہا ایک زبانہ سے دوسرے زمانہ تک منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے یہ نور عبد المطلب کے صلب میں منتقل کیا اور پھر ان کے بیٹے عبد اللہ والد آنحضرت کی طرف منتقل ہوا۔ اب یہاں سے امت اسلامیہ میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ ایک فرقہ نص کا قائل ہوا اور باقی سب اختیار کے قائل ہوئے۔ نص کے قائلین میں شیعہ علی اور اولاد علی ہیں جو اس امت کے باضیہ ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ کوئی زمانہ حجۃ اللہ قائم بحق اللہ سے خالی نہیں ہوتا یا نبی ہو گا یا وصی جو خدا رسول کی طرف سے منصب ہو گا۔ صاحبان اختیار میں فقہاء امصار و عوام و معتزلہ و خوارج

و مرجیہ و اصحاب حدیث و زید یہ ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا و رسول نے امام کے منتخب کرنے کا اختیار اُمت کو تفویض کیا ہے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو امام مقرر کر لیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اکثر زمانے حجۃ اللہ سے خالی ہوتے ہیں۔ فرقہ شیعہ امام کو معصوم مانتے ہیں۔

بِحَقِّ اللَّهِ: إِمَامًا أَنْبِيَاءَ وَأَمَّا أَوْصِيَاءَ مَنْصُوصٍ عَنْ أَسْمَائِهِمْ وَأَعْيَابِهِمْ مِنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَصْحَابِهِ الْأَخْتِيَارِهِمْ فَفُقَهَاءُ الْأَوْصِيَاءِ وَالْمُعْتَزِلَةُ وَفِرْقٌ مِنَ الْخَوَارِجِ وَالْمَرْجِيَّةُ وَكَثِيرٌ مِنَ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ وَالْعَوَامِ وَفِرْقٌ مِنَ الزُّبَيْدِيَّةِ فَرَعَمَهُ هُوْلَاءُ إِنْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَرَضَ إِلَى الْأُمَّةِ أَنْ تَخْتَارَ رَجُلًا مِنْهَا فَتَنْصِبَهُ لَهَا إِمَامًا وَإِنْ بَعْضُ الْأَوْصِيَاءِ قَدْ يَخْلُو مِنْ حِجَّةِ اللَّهِ وَهُوَ الْأَمَامُ الْمَعْصُومُ حَسْبُ الشَّيْعَةِ.

مروج الذهب مسعودی

الجزء الاول ص ۲۸، ۲۹

علامہ مسعودی نے صاف بتا دیا کہ اُمتِ اسلامیہ صرف دو فرقوں میں تقسیم ہے۔ صاحبانِ نص یعنی شیعہ اور صاحبانِ اختیار جن میں باقی فرقے شامل ہیں تمام اہل سنت و جماعت و معتزلہ و خوارج و مرجیہ، اہل حدیث سب اصولِ اختیار کے معتقد ہیں۔ شیعوں میں اگرچہ ضمنی عقائد ہیں کئی فرقے ہو گئے لیکن بقول مولوی نجم الغنی "شیعہ تمام علی الاتفاق حضرت علی کو سب سے افضل جانتے ہیں اور وہ نص کے حامی ہیں" دیکھو مذاہب الاسلام ص ۲۰۲۔ علامہ شہرستانی نے ان دونوں فرقوں کے اعتقادات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔ اہل علم و شعور خود دیکھ لیں کہ کونسا اعتقاد مطابق عقل سلیم کے ہے۔ یہ تو مسلمہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے انبیاء سلف میں وصیت یعنی نص تھی اور خداوند تعالیٰ خود نور کو منتقل کرتا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں یہ سنتِ الہیہ کیوں

تبدیل ہو گئی۔ حالانکہ قرآن شریف تو بتاتا ہے کہ ولن نجدنا لسنة اللہ تبدل الا اگر حجۃ اللہ اور قائم بحق اللہ کا رکھنا سنت الہیہ میں داخل ہے اور آنحضرت کے زمانہ سے پہلے ہر زمانہ میں ایک حجۃ اللہ رہا ہے تو اب کیوں زمانہ حجۃ اللہ سے خالی ہو۔ اور اگر کوئی زمانہ حجۃ اللہ سے خالی رہا ہے تو بتایا جائے کہ وہ کونسا زمانہ تھا اور اس میں کیا مصلحت تھی ؟

اس اختیار کے اعتقاد نے اسلام میں بہت خرابیاں پیدا کیں۔ امامت کا تعلق نبوت سے ہے اور اس کی ماہیت نبوت سے ملتی جلتی ہے چنانچہ علامہ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں :-

”امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شاخہ ہے۔ اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔“ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں :- ”از میان اُمت جمعے ہستند کہ جو ہر نفس ایشاں قریب بگو ہر انبیاء مخلوق شدہ و این جماعت دراصل فطرت خلفائے انبیاء اندر اُمت۔“ الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۶۔

ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۹

اتنا تسلیم کرتے ہی عقیدہ اختیار و اجماع کی غلطی تو عیاں ہو گئی۔ فطرت جو ہر کا پیدا کرنا خدا کا کام ہے۔ اُمت اپنے اختیار و اجماع سے پیدا نہیں کر سکتی۔ لیکن باوجود غلط ہونے کے یہ سیاسی عقیدہ رائج ہو گیا کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کی جوازیت جس کے اوپر حکومت کا انحصار تھا بغیر اس عقیدہ کے قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ اس عقیدے نے نبوت و امامت دونوں کے حصول کو انسان کے اختیار میں دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں جھوٹے نبی، ہزاروں امیدوارانِ خلافت اور لاکھوں امام پیدا ہو گئے امامت کی تو یہ بے قرری ہوئی کہ ہر ایک پرھے لکھے مسلمان کے نام کے پہلے امام کا لفظ لگ گیا۔ مسئلہ اختیار نے اپنے معاینین عقل و قیاس کے ساتھ مل کر

صاحبانِ حرص و ہوا کو اپنی تمناؤں پوری کرنے کا خوب موقع دیا۔ ہر ایک امام کے شریعتِ اسلام میں عقل و قیاس کی مدد سے مداخلت کر کے اپنا ایک علیحدہ مذہب بنا لیا۔ اور اس طرح جناب رسولِ خدا کی ایک دوسری پیشینگوئی پوری ہوئی کہ تم بھی امم سابقہ کے قدم پر قدم چلیو گے۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں پائی جاتی ہے۔ امم سابقہ نے اپنے دین میں تحریف کی تھی مسلمانوں کی اکثریت نے بھی اختیارِ عقل و قیاس کے ہتھیاروں سے خوب اپنے دین کو چکنا چور کیا اور ایسی تحریف کی کہ اب پہچانا نہیں جاتا۔

ان مختلف فرقوں کے پیدا ہونے کا طریقہ بھی ہم آپ کو بتاتے ہیں اس زمانہ میں ہر حافظِ حدیث و عالمِ دین اپنے مکان پر مجلسِ درس قائم کرتا تھا۔ اُس کے درس میں حاضر ہونے والوں کی تعداد سے اُس کے عہدہ امامت کی پیمائش ہوتی تھی۔ اُس کے شاگردوں میں جو زیادہ ذکی و فہیم ہوتے تھے وہ اس بات کے کوشاں رہتے تھے کہ کسی مسئلہ پر انہیں اپنے استاد سے اختلاف کرنے کا موقع مل جائے۔ جب کوئی ایسا موقع ملتا تھا تو اول تو وہ اپنے استاد سے دُنیا کے سامنے مناظرہ کرتا تھا۔ اور جب اُس کی شہرت ہو جاتی تھی تو وہ علیحدہ اپنی مجلسِ درس قائم کر کے ایک امام بن جاتا تھا اور اپنے یا اپنے اختلافی مسئلہ کے نام پر وہ اپنی جماعت کا نام رکھ لیتا تھا۔ مورخینِ اسلام نے ان فرقوں کو شمار کیا ہے جو شخص ان فرقوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کرے:- ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری متوفی ۴۵۶ھ کی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی متوفی ۴۸۵ھ کی کتاب الملل والنحل اور ابو یوسف محمد بن محمد بن الغنی خاں کی مذاہبِ الاسلام وغیرہ وغیرہ تقریباً وہ تمام فرقے اپنے بانی کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، واصلیہ، ہندیلیہ، نظامیہ، معمریہ، جاخطیہ، جباثیہ، ضاریہ، جمبیہ، کرامیہ، حازمیہ، میمنیہ،

فروق کے پیدا ہونے کا طریقہ

شیدائیہ، ایاضیہ، چارودویہ، کرامیہ، شمیٹیہ، چارودویہ، ثویانیہ، غسانہ، عبیدیہ،  
یونسیہ، یزیدیہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمر کے وہ دو بنیادی اصول جنہوں نے اُمتِ اسلامیہ میں تفرقے کا  
بیج بو کر اسے پارہ پارہ کر دیا اور جن کا ذکر اوپر کیا گیا یہ تھے۔  
(۱) جناب رسول خدا کے احکام دو قسم کے تھے۔ ایک نبوت کے اندر دوسرے  
واثرہ نبوت سے باہر۔ ان مؤخر الذکر احکام کی اطاعت ہم پر لازم نہیں۔  
بلکہ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔

(۲) امور دین اور احکام شریعت میں ہماری عقل و قیاس کو دخل ہے۔  
ان کے بعد اور خطرناک عقیدہ قائم کیا گیا۔ اور وہ مسئلہ جبر و قدر کے  
متعلق تھا۔ ہم نے حضرت عمر کی وہ گفتگو جو انہوں نے عبداللہ ابن عباس  
سے خلافت کے بارے میں کی اس کتاب کے صفحہ ۳۹ پر نقل کی ہے۔  
دوران گفتگو میں حضرت عمر نے فرمایا: اے ابن عباس یہ تو درست  
ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے۔ لیکن  
جناب رسول خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔  
رسول خدا نے چاہا کہ خلافت علی کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا۔  
اور خدا کی مراد جاری ہو گئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔  
دیکھو۔ رسول خدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ  
ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے رسول خدا نے تو  
یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں۔  
لیکن میں نے قنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔  
رسول اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رک گئے۔ اور اللہ نے  
جو مقدر کیا تھا وہ ہی ہوا۔

یہ عبارت بہت غور کی محتاج ہے۔ اول تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے

حضرت عمر کے دو بنیادی اصول موجب التفرقہ و تحریف الاثر و تجزیہ نبوت (۲) مداخلت عقل و قیاس

مسئلہ جبر و قدر

کہ یہ بزرگوار شان نبوت کو کیا سمجھے تھے۔ ان کی رائے میں نبی و رسول تسلیمِ رضا کی صفت سے متصف نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ امرِ نبوت میں بھی خدا کی مرضی کے خلاف اپنی خواہش کرتا رہتا ہے۔ جانشینی نبی تو خالص امرِ نبوت ہے۔ اس میں بھی خدا و رسول کی مرضی و خواہش کے درمیان آپس میں تصادم ہو جاتا ہے۔ اور رسول مرتے دم تک اپنی بات پر اڑا رہتا ہے اور خدا کے آگے تسلیمِ رضا خم نہیں کرتا۔ یہ تھی شان نبوت جو حضرت عمرؓ سمجھے تھے۔ اور اس ہی فہم کی وجہ سے آنحضرتؐ کے امور میں دخل دیتے رہتے تھے۔ اور آپ کے انتقام کے بعد ان سب امور کو متغیر کر دیا۔ اور حضرت عمر کی رائے میں خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف کو ان کی مرضی کے مطابق اور رسول خدا کی خواہش کے خلاف نازل کیا۔ جناب رسول خدا نے جنازہ منافق پر حضرت عمر کے مشورے کے خلاف نماز پڑھی۔ قرآن شریف نے حضرت عمر کی تائید اور آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔ قیامین بدر کو آنحضرتؐ نے فدیہ لے کر چھوڑ دیا حالانکہ حضرت عمر ان کے قتل کا مشورہ دیتے رہے۔ اس امر میں بھی قرآن نے حضرت عمر کی تائید اور آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔ اب ایک معتمہ بغیر حل کے رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے اگر صورتِ حالت یہ تھی تو خدا نے حضرت عمر ہی کو نبی کیوں نہ بنا دیا۔ اور ان پر ہی قرآن کیوں نہ نازل کیا۔

حضرت عمر کے اسلام کا ایک اور عقیدہ جو اس عبارت سے معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ نبی و رسول بھیج دیتا ہے لیکن اس کی خواہش یہ رہتی ہے کہ فلاں شخص ایمان لائے اور فلاں شخص ایمان نہ لائے۔ پھر جو ایمان نہیں لاتے ان کا کیا قصور۔ اور جو ایمان لائے ان کے لئے کیا ثواب جیسا خدا نے چاہا ویسا ہو گیا۔ یہ تو امور دین میں جبر و قہر ہے اور لا اِکْرَاهَ فِي الدِّينِ باطل ہو گیا۔ اب روزانہ کے واقعات میں لیجئے۔ تمہیداً اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ جناب رسول خدا کی خواہش کے خلاف حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام

نفس اللہ

خدا کی خواہش کہ کون ایمان لائے اور کون ایمان نہ لائے



کو خلافت سے علیحدہ کر کے خود مندر حکومت شنبھال لی ہے۔ لوگوں کی نظروں میں اس کو ہر طرح جائز کرنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ بہت سے اصول و قواعد جو اس جواریت کو ثابت کرنے کے لئے مقرر کئے گئے وہ پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اب ایک نہایت سہل سا طریقہ جبر و قدر کا ہاتھ آ گیا۔ لہذا حضرت عمر نے لوگوں کے ضمیر کو یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش کی کہ خدا کی مرضی و خواہش ہی یہ تھی کہ حضرت عمر خلیفہ ہوں اور حضرت علی کو خلافت بلا فصل نہ ملے۔ بظاہر ان جاہلوں کے لئے یہ نہایت عمدہ بحث ہے۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ یہ بحث قطعاً غلط ہے۔

اول امور دین کو لیجئے۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ خدایا رسول بھی ہدایت کے لئے بھیجے۔ اور خواہش بھی یہ رکھے کہ لوگ ایمان نہ لائیں۔ غالباً حضرت عمر کے حامی قرآن شریف کی اس آیت کی طرف اشارہ کریں۔ **حَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشًّا** و آہر ایک کتاب کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جاوے۔ اور یہی اصول قرآن شریف کے معنی سمجھنے پر حاوی ہے۔ اس جگہ خداوند تعالیٰ ان کافروں کی حالت بیان کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ وہ خدا و رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ دل سے تو ایمان لائے نہیں۔ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ زمین میں فساد کرتے ہیں۔ جب ان سے کہا جائے کہ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی احمق ہیں جو ایمان لائیں۔ جو لوگ اسلام و ایمان کو حماقت سمجھیں اور سمجھانے پر بھی حق کی طرف رجوع نہ کریں تو ان کی حالت ایسے مریض کی سی ہو گئی ہے جو اچھا ہی نہ ہوگا۔ **فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَاذْهَبُوا** اللہ مرضاً راہ راست کی طرف جانے کے لئے کوشش اپنی ہونی چاہیے پھر خدا برکت دے گا۔ **لَا اِكْرَاهِي فِي الدِّينِ** پہلے خود تو دین کی طرف آؤ۔ اس کی عمدہ باتوں سے اثر پذیر ہو۔ جب تم نے دین کی طرف سے اس کو حماقت

سمجھ کر منہ موڑ لیا تو پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اِنَّا الَّذِیْنَ كَفَرْنَا سَوَاءٌ عَلَيْنَا عَمْ اَنَّ سَأَلْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم  
 و علی ابصارہم غشاوا ۝ خدا کی طرف وہ آنا ہی نہیں چاہتے تو خدا نے بھی ان کی طرف  
 سے منہ موڑ لیا۔ یہ معنی ہیں ختم اللہ کے۔ ہاں اگر خدا چاہے تو معجزہ کے طور پر  
 نبی کے آتے ہی سب تسلیم خم کر لیا کریں اور کوئی کفر نہ کرے۔ لیکن یہ سنت  
 الہی نہیں ہے۔ دُنیا میں اسباب و علل سے واقعات رونما ہوں گے۔ بسا اوقات  
 اُن اسباب و علل کے اثر کو خداوند تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے مثلاً  
 فرماتا ہے کہ ہم تم کو سمندر میں چلاتے ہیں، ہم زمین سے دانہ اُگاتے ہیں۔ ہم  
 تم کو رزق دیتے ہیں۔ حالانکہ ان سب اثرات کے لئے اسباب و علل ہیں۔  
 امور دین میں یہ سنت الہی جاری ہو چکی ہے کہ دُنیا پر خور کر کے، انبیاء کی  
 تعلیم کو قبول کر کے تم خدا کی طرف بڑھو یا بڑھنے کی کوشش کرو تب خدا  
 تم کو اپنی طرف بلائے گا۔ اور اگر تم خدا کی ہدایت کو حماقت سمجھ کر اُس کی  
 طرف التفات ہی نہیں کرتے تو خدا بھی تم کو چھوڑ دے گا۔ اس چھوڑنے کا  
 نام ہے ختم اللہ۔ حضرت نوح اور اُن کے ساتھیوں کی نسبت خداوند تعالیٰ  
 فرماتا ہے کہ ہم نے نوح کو اور اُن کو جو اُس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی۔  
 لیکن پہلے نوح پر ایمان لا کر کشتی پر سوار ہونا تو اُن لوگوں کا اپنا فعل تھا۔ دیکھو  
 حضرت نوح کے لڑکے نے یہ پہلی کوشش نہ کی اس لئے خدا نے اُسے نجات  
 نہیں دی۔ ہر ایک اثر کا آخری سبب تو خدا ہی ہے لیکن خواہش اور چاہنا  
 اور چیز ہے خدا کی خواہش و مرضی نہیں ہے کہ کوئی بھی گمراہ ہو۔ وہ سب کو  
 اپنی طرف بلا تا ہے۔ لیکن اگر کوئی اُس کی طرف نہیں آنا چاہتا تو خواہ مخواہ خدا  
 اُس کے پیچھے نہیں دوڑتا۔ واضح رہے کہ یہ دوڑنے کا لفظ محاورۃ استعمال  
 کیا گیا ہے یہ بھی امر واقعہ نہیں ہے کہ حضرت ابوطالب ایمان نہیں لائے۔ لیکن اس  
 یہاں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

دیگر امور میں اس عقیدہ کی غلطی اور بھی زیادہ نمایاں ہے۔ اس عقیدہ کا منشاء یہ ہے کہ جو سانحہ یا فعل واقع ہو جاتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے جو خیر و شر و نیا میں نظر آتی ہے وہ خدا کی خواہش کے مطابق ہے جس کا نتیجہ نکلا کہ جرم و گناہ کرنے والا نہ تو مجرم اور نہ مستوجب عذاب۔ اور اسی طرح نیکی کرنے والا مستحق ثواب نہیں۔ سزا و جزا جنت و جہنم سب باطل ہو گئے۔ انسان تو خدا کی خواہش کے اجراء کے لئے ایک ایجنٹ ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک گناہ کرنے کی عام اجازت مل گئی۔ بلکہ گنہگار کو ثواب ملے گا کہ اُس نے مشیتِ ایزدی کو پورا کیا۔ صرف اتنی کوشش کرو کہ تم گناہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ اگر گناہ نہ کر سکے۔ ارادہ پوری کا تھا لیکن مانک آ گیا اور تم بھاگ آئے۔ یا ارادہ زنا کا تھا لیکن موقع نہیں ملا تو تم گنہگار ہو گے۔ کیونکہ اُس صورت میں نتیجہ نکلے گا کہ وہ خدا کی طرف سے مقدر نہ تھا۔ اور اگر واقعی زنا کر لیا یا پوری کر لی تو بے گناہ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مقدر تھا۔ اس سے زیادہ غلط عقیدہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر کا ایجاد کیا ہوا ہے لہذا مسلمانوں میں بہت سے اُس کے پیرو ہو گئے۔ اور حضرت عمر کے عاشق صادق مولوی شجلی کو تو ضرور اس عقیدہ کی حمایت کرنی لازم تھی۔ آپ فرماتے ہیں:-

”دوسرے اختلاف (قدر و جبر) کا منشاء یہ تھا کہ انسان

کے افعال کو اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا

ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں۔ یہاں تک کہ

ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارا اختیاری نہیں۔ لیکن مشکل

یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو ثواب و عذاب

جو نہ سب کی جان ہے اُس کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید

میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض میں صاف تصریح

ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے

قتل من عند اللہ بعض کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے ما اصابك من سيئمة فمن نفسك اس بناء پر اسلام میں دورِ آئین قائم ہو گئیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبر یہ کہلائے۔ جو اس لفظ سے جھجکتے تھے انہوں نے کسب اور ارادہ کا پردہ رکھا۔ یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجا کیا، ورنہ قرما اس کا بھی نام نہیں لیتے۔“

رمولوی شبلی:۔ علم الکلام حصہ اول صفحہ ۲۱

مولوی شبلی کی رائے میں یہ عقیدہ زیادہ غور کا نتیجہ ہے۔ اس کے مخالف عقیدہ اگر کوئی ہو تو وہ سطحی خیال پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں کچھ قرآن شریف نے رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ مجبور ہیں دل سے تو ایمان اس عقیدہ پر ہے۔ لیکن زبان سے قرآن شریف کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ عجیب نخصہ میں پھنس گئے ہیں آخر کار قرآن شریف کی غلطی اور اس کے متضاد ہونے کی طرف اشارہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔ تصویف کی زبان میں شبلی صاحب کہہ سکتے ہیں

دیرو حرم بھی منزلِ جاناں میں آئے تھے

پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچاکے ہم

ان کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ ”قرآن شریف میں دو ذوں قسم کی آیتیں موجود ہیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبر یہ کہلائے جو اس لفظ سے جھجکتے تھے، انہوں نے ایک کمزور سا پردہ ڈال لیا اور پھر وہ بھی چاک چاک ہو گیا۔ آزاد تھے، یعنی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے، اور مذہب کی بے جا قیود کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ لیکن خود مولوی شبلی مجبور ہیں جو دل چاہتا ہے وہ زبان صاف صاف ادا نہیں کر سکتی۔ صرف اشارہ کر رہی ہے یہ قرآن شریف کا تضاد نہیں ہے۔ بلکہ اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ یہاں اتنی

گنجائش نہیں کہ ہم اس مضمون پر تفصیل سے بحث کر سکیں۔ قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے معنی اس کے سیاق و سباق سے نکالنے چاہئیں، جب اظہارِ قدرت مطلوب ہوتا ہے، تو کل من عند اللہ کہا جاتا ہے، اور ہے بھی درست خدا چاہے تو تم میں بُرائی کرنے کا ارادہ ہی نہ پیدا ہو، خدا چاہے تو کوئی کافر ہی نہ ہو، لیکن قدرت و علم اور ہے سبب اور ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ دُنیا میں کُفر باقی ہے اور خدا میں قدرت تھی کہ کُفر باقی نہ رہے۔ لہذا کُفر کا سبب خدا ہوا۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں ایک سونے کے پیالے کے نیچے کالا زہریلا سانپ بند ہے۔ مجھے اُس کا علم ہے۔ ایک شخص آتا ہے وہ پیالہ کو لینا چاہتا ہے۔ میں بتا دیتا ہوں کہ اس میں سانپ ہے۔ لیکن پھر بھی وہ پیالہ اٹھاتا ہے، سانپ کاٹتا ہے۔ وہ آدمی مر جاتا ہے، یہ کون کہے گا کہ اس آدمی کی موت کا سبب میں ہوں، اگرچہ مجھ میں طاقت و قدرت تھی۔ میں چاہتا تو اُس آدمی کو زبردستی پیالہ نہ اٹھانے دیتا۔ اور خوب اچھی طرح اُس کو پکڑ لیتا۔ لیکن کسی مصلحت سے میں نے ایسا نہیں کیا۔ باوجود اس کے میں اُس آدمی کی موت کا سبب تو نہ ہوا۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ يَتَّخِذَ اللَّهُ تَبْدِيلًا - یعنی قوانینِ قدرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ ہر ایک فعل ایک اثر پیدا کرتا ہے اور اثر کی نوعیت فعل کی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے۔ لہذا بُرے افعال کا نتیجہ مصائب و تکلیف کی صورت میں ظاہر ہونا لازمی ہوا۔ مصیبتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک امتحان کی صورت میں نازل ہوتی ہیں، دوسری عذاب کی صورت میں۔ دونوں حالتوں میں صبر کرنا باعثِ اجر ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں صبر باعثِ حصولِ درجاتِ عالیہ ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ کفارہ گناہان ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں بلا یا امتحان ارادہ خداوندی سے ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ مصائبِ انسان کے اپنے ہی افعال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قرآن شریف

ہیں دونوں حالتوں کا ذکر ہے جو لوگ صاحب فہم و ذکا ہوتے ہیں وہ اس نکتہ کو سمجھتے ہیں، جن کو سقیفہ سازی کی حمایت مطلوب ہوتی ہے وہ قرآن شریف پر تضاد کا اعتراض عائد کرتے ہیں۔ زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں، ہماری بحث کے لئے اتنا کافی ہے کہ خود مولوی شبلی مانتے ہیں کہ اس اعتقاد سے سزا و جزاء ثواب و عذاب کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔

کون ایسا احمق ہو گا کہ جو یقین کرتا ہو گا کہ حضرت عمر اس عقیدے کی بڑائیوں سے آگاہ نہ تھے اور دل سے اس کو صحیح عقیدہ سمجھتے تھے۔ لیکن مجبور تھے لوگوں کو اپنے فعل کی جوازیت بتانی تھی۔ سقیفہ والے دن جادہ مستقیم سے اس طرح انگ ہوئے کہ پھر میدھا راستہ دکھائی ہی نہ دیا۔ خود مولوی شبلی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اور سینکڑوں اس جیسے عقیدے محض ملکی ضروریات کی وجہ سے ایجاد و نشر کرنے پڑے۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں :-

”اختلاف عقائد اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتداء پالیٹیکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی، نہو امیہ کسے زمانہ میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتیں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اس کو چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہیے۔ ائنا بالقدر خیرہ وشرہ“

(مولوی شبلی :- علم الکلام حصہ اول ص ۱۷)

اس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے :- اختلاف عقائد کی بنیاد پالیٹیکس سے ہوئی۔ دیکھئے حق کس طرح سرچڑھ کر دلا ہے۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ عقیدہ محض غلط ہے محض ملکی ضرورت کے لئے اختراع کیا گیا تھا، اور وہ ضرورت یہ تھی کہ حکومت کے ظلم و جور پورہ پر نہ پڑ جائے لیکن آلا بلا بر گردن ملتا سمجھے کہ بنیاد امیہ ظلم و جور میں بدنام ہیں ان کے سرچپیک دو، سب کھپ جائے گا۔ مگر ہم نے ثابت

یہ سب عقائد سیاسی ضرورت پر مبنی تھے اور اختلاف عقائد کی ابتداء پر سیاست ملکی سے ہوئی

کر دیا ہے کہ یہ عقیدہ حضرت عمر نے ایجاد کیا تھا۔ اور اہل بیت رسول پر جو ظلم ہوا تھا اس کی پردہ پوشی کے لئے ایجاد کیا تھا، اس سے ہمارا وہ بڑا دعویٰ بھی ثابت ہو گیا کہ بنو امیہ تو محض شاگرد تھے پالیسی و سیاست تو وہ ہی حضرت عمر کی تھی جو بنو امیہ کے زمانہ میں بھی کار فرما تھی اور بنو عباس کے زمانہ میں بھی زیر عمل رہی۔ ایک اور دعویٰ ثابت ہوا کہ اسلام میں اختلاف کا باعث ان بزرگواروں کی سیاست تھی جس نے ایسے عقائد کی بنا ڈال کر اسلام کا ستیاناس کر دیا۔

ان بزرگواروں نے اپنی کتابوں میں جو روایات دیکھیں ان سے یہ صحیح نتیجہ نکالا کہ دراصل نبوت کا کام آنحضرت کی زندگی میں بھی حضرت عمر ہی کرتے تھے اور جو عقائد انہوں نے قائم کئے ان کی ہی اوپر اکثریت امت کے اسلام کی بنا پڑی بسا اوقات حضرت عمر نے آنحضرت کی غلطیوں کو درست کیا ہے۔ بسا اوقات اسلام کی ہمدردی میں انہوں نے آنحضرت کے حق میں ان اثرِ جلّیہ بھر فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس کے ان بزرگوں نے کارکنانِ ستیفہ بنی ساعدہ کے افعال و اعمال پر بھی نظر ڈالی، کہہ کچھ رہے ہیں، کہ کچھ رہے ہیں، کہتے ہیں کہ حُنبنا کتاب اللہ۔ لیکن جب عمل کا موقع آتا ہے تو کتاب اللہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ جناب فاطمہ سے نصابِ شہادت طلب کرنے میں سختی کرتے ہیں۔ منہفَس رسول پیش ہوتا ہے اُس کی گواہی رد کرتے ہیں۔ کبھی ایک صحابی کے بیان پر جو اس کے اپنے حق میں ہوتا ہے۔ کہیں بھر کر زرد جو ہرات کی دیتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہم یک سرِ مونسیتِ رسول سے تجاوز نہیں کریں گے، کبھی اس سنت کی مخالفت ایسی کرتے ہیں کہ خمس تک ذوی القربیٰ کو نہیں دیتے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا، کیونکہ امت کا حق تھا کہ خلیفہ حاکم مقرر کرے۔ کبھی اس سنت کو ترک کر کے خود اپنا جانشین مقرر کرنے لگتے ہیں، اپنی حکومت اُستوار کرنے کے لئے عورتوں تک کو رشوت دیتے ہیں، حضرت عباس تک کو رشوت کی تجویز سے اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں، نبوتِ رسول کا

گھر جلائے شریف لے جاتے ہیں، رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے نبوت تک کی تقسیم کر ڈالی، لیکن اپنے احکام کی اُمت سے یہ کہہ کر اطاعت کرتے ہیں کہ ہر ایک صحابی رسول ہدایت کا ستارہ ہے۔ جس کی چاہے اُس کی اطاعت کرو، اور اگر اُس سے اختلاف پیدا ہو تو یہ بھی رحمت ہے۔ رسول کی اطاعت سے بچنے کے لئے تو نبوت تک کے ٹکڑے کر ڈالے لیکن صحابی کی اطاعت ایسی لازمی ہو گئی کہ اگر اسلام میں تفرقہ بھی پڑ جائے تو وہ رحمت ہے، اور اگر کتاب اللہ ولا فہنا فوا کہتی ہے تو کہا کرے وہ ہماری عقل کے تابع ہے نہ کہ ہم اُس کے۔ ہم اپنے قیاس سے اُس کی تاویل کریں گے، وہ اپنے صریح الفاظ سے ہم پر حکومت نہیں کر سکتی غرض کہ اور ایسے ہی ہزاروں اعمال اور افعال ہیں۔ جب جماعت اہل حکومت نے یہ دیکھا تو اپنے تئیں بہت مشکل میں پایا۔ اور اُن کارکنانِ ستیفہ کو جتنی ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ حضرت علی سے مقابلہ تھا جن کی نسبت جناب رسول خدا فرما چکے تھے کہ علی کی محض ایک ضربت روز خندق کی میری تمام اُمت کے قیامت تک کے اعمال سے بہتر ہے۔ حضرت علی سے مساوات کس طرح ہو۔ مشکل تو بڑی تھی لیکن اس سے بڑی بڑی مشکلیں صاحبانِ حل و عقد پہلے حل کر چکے تھے اور طریقے بھی بتا گئے تھے، لہذا وہی طریقہ استعمال ہوتا ہے اور ایک عقیدہ قائم کیا جاتا ہے کہ ایمان کے لئے عمل کی ضرورت نہیں۔ لیجئے حضرت علی کے ایک فضل کو تو کم کر دیا۔ اُن کے اعمال کتنے ہی اعلیٰ ہوں۔ جب ایمان لے آئے تو ہم اور وہ سب برابر۔ ہم پھر مولوی شبلی کو شہادت میں پیش کرتے ہیں:-

”تیسرا اختلاف اس بناء پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں؟ چونکہ اکثر حدیثوں میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں کہ اذ من الایمان اس لئے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں لیکن اہل نظر نے جن میں امام ابو حنیفہ سب سے پیش کردہ تھے اس سے اختلاف کیا، اور اعتقادِ عمل میں تفریق کی۔ محدثین نے ان لوگوں کا



نام مرجیہ رکھا چنانچہ امام ابو حنیفہ کو بھی بہت سے محدثین مرجیہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں،

(مولوی شبلی: الکلام حصہ اول ص ۲۲)

دیکھئے کیسا مفید عقیدہ ہے۔ ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ مومن کابل بھی کہلاؤ، جنت بھی مل جائے۔ کیونکہ جنت ہنٹے ہی مومنوں کے لئے اور خوب عیش و عشرت بھی کر لو، غرضکہ حصول دنیا ہی کو مقصد زندگی سمجھ کر اس کے لئے ہر طرح سے راستہ صاف ہو رہا ہے، پہلے تو ایک عقیدہ قائم ہوا کہ جو ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ہم بری الذمہ ہیں، خوب آزادی ملی، اب یہ نکلے پردہ ہلا آیا اعمالوں کی ضرورت ہی نہیں ایمان کے لئے۔ اور ان نسب کا مخرج ہے وہ ہی سقیفہ بنی ساعدہ اور یہ سب حضرت عمر کے ایجاد کردہ قیاس کی نیرنگیاں ہیں۔ جیسی جیسی ضرورت درپیش آتی ہے عقائد مرتب ہوتے جاتے ہیں، قیاس کئے جاؤ اور مذہب کو اپنے خواہشات کے سانچے میں ڈھالتے جاؤ، حبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے پھر کتاب اللہ کو نظر انداز کر دیا، قرآن شریف میں جہاں جہاں جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ - معنی یہ ہیں کہ اے وہ لوگو جو ایمان بھی لئے ہو اور جنہوں نے عمل نیک بھی کئے ہیں۔ تمہارے لئے جنت ہے ایک جگہ بھی ایمان کو عمل سے جدا کر کے جنت کے حصول کے لئے کافی نہیں قرار دیا، لیکن کارکنان سقیفہ کی محبت نے مجبور کر دیا کہ ایمان کو عمل سے جدا کرتے ضرور اسلام کو مسخ کریں، زبانی اعتقاد ہی کو جنت کے حصول کے لئے کافی سمجھا گیا حالانکہ قرآن شریف کا ارشاد ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخْرِجُوكَ فِيمَا شِئْتُمْ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا - پارہ ۵ سورۃ النساء ۹۔ یعنی قسم ہے تیرے پروردگار کی جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں تب تک یہ مومن نہ ہوں گے +

دیکھئے کتنی عظیم الشان قسم کے ساتھ کہ جس کے آگے کوئی اور قسم ہی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تم کو حاکم نہ بنائیں یہ مومن ہی نہیں۔ یہ ایمان کی شرط اڈل ہے اُمت کہتی ہے کہ نہیں، حکومت تو نبوت میں شامل ہی نہیں۔ نتیجہ نکلا کہ اس طرح کہنے والے مومن نہیں۔ اس آیت سے قطعاً ثابت ہوا کہ اطاعت بھی جو کہ عمل ہے جزو ایمان ہے اور حکومت سقیفہ کا عقیدہ جو ایمان سے عمل کو جدا کرتا ہے باطل ہے۔ دیکھئے حُضُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کس طرح کتاب اللہ سے روگردانی کر رہے ہیں۔

حکام سقیفہ کا ایک اور عقیدہ اس سے ملتا جلتا ہے اور وہ یہ ہے۔ اگر گھبراہٹ مقصد نیک ہے تو اُس کے حاصل کرنے کے لئے بد ذرائع مثلاً دھوکہ دہی۔ فساد۔ قتل۔ جعل سازی وغیرہ استعمال کر سکتے ہو۔ ساری سقیفہ سازی اس ہی عقیدہ پر مبنی ہے۔ ان بزرگواروں کی رائے میں حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا اور خود حکومت پر قبضہ کرنا ایک نیک مقصد تھا۔ دیکھئے اُس کے حصول کے لئے کیا کیا کیا۔ رسول کی نافرمانی کی، رسول کی طرف ہدیان کو نسیب کیا، رسول کی اکلوتی بیٹی پڑوسلم و تعدی کی، آل رسول پر ظلم دستم کیا۔ نااہلوں کو اُن کے مقابلہ پر بڑھایا۔ یہ سب کچھ اُس مقصد نیک کے حصول کے لئے ردا رکھا گیا۔ کیونکہ حضرت عمر کا خیال تھا کہ اگر علی خلیفہ ہوئے تو زمین و آسمان کے درمیان ایک فساد عظیم رونما ہو جائے گا۔ اس عقیدے کی ایک اور بہین مثال ہم بتاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے اپنے مرض اخیر کے اخیر روزوں میں حضرت عثمان کو بجا کر حضرت عمر کے حق میں وصیت خلافت لکھوانی شروع کی تھی۔ ابھی حضرت عمر کا نام نہیں لکھا تھا کہ حضرت ابو بکر بے ہوش ہو گئے اور حضرت عثمان نے اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام لکھ لیا۔ جب دیر کے بعد ہوش میں آئے تو وصیت جتنی لکھی گئی تھی پڑھوانی اُس میں حضرت عمر کا نام آیا۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ میں نے تو عمر کا نام

نیک مقصد کے لئے بے مزرائع استعمال ہو سکتے ہیں

نہیں لکھو یا تھا۔ تم نے کیونکر لکھ لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ کا انتقال ہو جاتا اور یہاں عمر کا نام نہ ہوتا تو ایک فساد عظیم ہو جاتا۔ لہذا میں نے آپ کے دل کی بات معلوم کر کے عمر کا نام لکھ لیا۔ اس پر حضرت ابو بکر نے ان کی تعریف کی۔ یعنی اگر حضرت ابو بکر کو ہوش نہ آتا اور وہ انتقال کر جاتے تو یہ جلی و ستاویز ہی اُمت پر پیش کر دی جاتی۔ حضرت ابو بکر نے اس مجلس کی تعریف کی۔ ایسے ایسے واقعات سے حکام سقیفہ کی ذہنیت بہت اچھی طرح نمایاں ہوتی ہے۔

غالباً اس ہی عقیدہ کو مد نظر رکھ کر حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ کو یہ ہدایت کی تھی کہ اگر تم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہوں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا۔ اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان دو کو قتل کر دینا۔ اور اگر تمہاری مساوی رائیں ہوں، تین ایک طرف اور تین دوسری طرف تو سرتیج میرا لڑکا عبداللہ ہو گا ان تین میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہ خلیفہ ہو گا۔ اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو ان تینوں کو قتل کر ڈالنا۔

ان ہدایات پر غور کرنا چاہیے۔ چونکہ یہ چھٹا آدمی وہ تھے جن سے بتاب رسول خدا بقول حضرت عمر اپنے مرتے دم تک راضی تھے اور چونکہ یہ لوگ تمام مومنین سے افضل تھے جب ہی تو امیدواران عہدہ امیر المومنین مقرر کئے گئے تھے۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ وہ مومن تھے۔ ان ہدایات نے قرآن مجید کی آیت **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فِجْدَاءً جَهَنَّمَ كُوفَسُوخٍ كَرِيْمًا** یا یوں کہو کہ حضرت عمر کا آیات قرآنی پر ایمان نہ تھا اور جہنم کو محض بچوں کے ڈرانے کا ہتھیار سمجھتے تھے۔ حضرت عمر کے سیارح حیات اور ان کے افعال و اقوال تو یہی بتاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کی حمایت میں کہا جائے کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت بھی تو ہے کہ **فَنذَنُتْهُ اَشَدَّ مِنَ الْقَتْلِ** حضرت عمر نے

اُس فتنہ کو بچانے کے لئے یہ ہدایت جاری کی تو پھر ایک اور اصول قائم ہوا وہ یہ کہ اگر ہماری رائے میں یا یوں کہو کہ اکثریت کی رائے میں اپنے مخالف کی ہستی باعثِ فساد ہو سکتی ہے تو ان کا حق بلکہ فرض ہے کہ وہ اپنے مخالف کو قتل کر دیں قبل اس کے کہ وہ مخالف کوئی موجب قتل فعل کرے۔ ارتکابِ جرم سے پہلے سزا دینا اور سزا بھی قتل کی دینا فقہِ عمری ہی میں جائز ہو سکتی ہے شریعتِ اسلام بلکہ کسی قوم کے مجموعہ قوانین میں یہ جائز نہیں۔ ارتکابِ جرم سے پہلے محض احتمالِ جرم کی بناء پر دفعہ ۱۰۹ ضابطہ فوجداری عائد ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی سشن جج دفعہ ۱۰۹ کے واقعات کی بناء پر کہ ایک شخص محض ایسے وقت اور ایسی جگہ پایا گیا تھا کہ جس سے ارتکابِ جرم کا ارادہ مترشح ہوتا تھا بجائے ضمانت نیک چلنی طلب کرنے کے پھانسی کا حکم دیدے تو آپ ایسے سشن جج کو کیا کہیں گے۔ حضرت عمر نے تو حکم دے دیا۔ حضرت عمر نے اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ یہ حکم بذاتِ خود باعثِ فتنہ ہے۔ انکار کرنے والا تو فتنہ پیدا بھی نہ کرتا۔ لیکن اُس کا بے جرم قتل کیا جانا فوراً فتنہ پیدا کر دیتا اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ وقت آیا اور عملی صورت میں اس کی خرابیاں اُن لوگوں کو نظر آئیں تو انہوں نے حضرت عمر کے اُس حکم کو زیرِ عمل لانے کی جرأت نہ کی۔ یہ بات دوسری ہے کہ جب حالات بدل گئے تو جناب بیزید نے اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کا تجربہ بھی کر دیکھا۔ نتیجہ نکلا کہ فتنہ کو روکنا حضرت عمر کا مقصد تھا بلکہ اپنی جماعت کو محفوظ و مضبوط اور آلِ رسول کو قتل کرنا مطلب تھا۔ غالباً یہ ہی حکم اُن مسلمان بادشاہوں کے زیرِ نظر ہوتا تھا جو حضرت عمر کے بعد آئے اور جنہوں نے ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کی گردن مار دینا اپنی عادتِ ثانیہ بنالی۔

پسندہ کے ظلم حضرت عمر ہی کی تاسی میں ہوئے۔  
عقل کو تدبیر پر حاوی کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اُس کی وجہ محض ایک تھی۔ اور وہ یہ کہ جس عقل کو تدبیر کا حاکم بنایا گیا تھا وہ کامل عقل نہ تھی ورنہ

عقل کامل اور مذہب فطرت ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تبھی تو جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ علی و قرآن ہمیشہ قیامت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ لیکن جس عقل کو مذہب فطرت پر حکومت دی گئی وہ وہی تو عقل تھی جو مدتوں خدا میں اور پتھر میں تمیز نہ کر سکی اور پتھر کو خدا سمجھ کر پتھر جا کی اب ایک بیک یہ اُس مذہب کی حاکم بنا دی گئی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں انسان کا بنایا ہوا مذہب نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ کو خود خدا نے مرتب اور منتخب کیا ہے اور اہلیت میرا خاصہ ہے۔ جس شخص نے اپنی عقل کو ایسے مذہب کا حاکم بنایا اُس کو یا تو اسلام کے اس دعوے پر یقین نہ تھا یا الہیت کا تخیل اُس کے دماغ میں ابھی اصنام پرستی کے تاثرات سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ یہ وہی سابقہ جاہلیت کا تخیل تھا کہ انسان خدا کو بھی اپنے ہاتھوں سے بنا کر اس کی پوجا کر سکتا ہے۔ جب انسان خود خدا کو بنا سکتا ہے تو انسان کی عقل لازمی طور سے خدا کے مرتب کئے ہوئے مذہب کی حاکم بن سکتی ہے۔ اس عقل نے جو مذہب پر دستبرد کی اُس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ اور اصلی اسلام کے مستح ہونے کا یہ ہی بہت بڑا سبب ہے۔ اس کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں ایک اب ہم بیان کرتے ہیں :

متعة النساء۔ ان میں سے ایک متعة النساء ہے۔ دُنیا کے بہت مشکل اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ زن و مرد کے تعلقات کا ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے حکماء و فلاسفران ازمنہ باضیہ سے حال تک اس مسئلہ پر غور و خوض کرتے آئے ہیں اور ماسوائے محمد امی کے کوئی اس مسئلہ کو صحیح طریقہ سے حل نہ کر سکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دُنیا میں جتنا کشت و خون ہوا ہے اُس میں سے بیسی فی صدی غلط تعلقات زن و مرد کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور جتنے مصائب بنی نوع انسان نے قابیل کے زمانہ سے اب تک جھیلے ہیں۔ اُن میں سے ۹۰ فی صدی کا مخرج و سرچشمہ یہ تھا۔ عورت پر جو تنازعہ ہوا وہی قتل بائبل کا باعث تھا نہ

یہ تو ابتدائی زمانہ کا قصہ ہے۔ حال میں ایک عظیم الشان شاہنشاہ کو عورت ہی کی وجہ سے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ عظمت و شہرت آپس میں وابستہ ہیں بڑے بڑے آدمیوں ہی کا نام لیا جاتا ہے۔ ورنہ ہابیل اور اڈورڈ کے درمیان ہزار ہا ایسے قبس گزرے ہیں جن کی زندگی کی بربادی کا باعث عورت ہوئی ہے۔ پیغمبر آخر الزماں کی نبوت میں نبی نوع انسان کی معاشرت کی اصلاح اور صحیح اصول و قواعد معیشت کی تعلیم کا داخل ہونا ضروری تھا۔ لہذا انہوں نے زن و مرد کے تعلقات کو ایسے صحیح اور عمدہ اصولوں پر قائم کیا کہ ایک غور کرنے والے انسان کے لئے ان کا یہی عمل ان کی نبوت کا ثبوت ہے۔ زمانہ حال کا ایک حکیم و فلاسفر کہتا ہے کہ نبی نوع انسان کی جماعتی حالت کا ارتقاء و عروج انتسابی و عرفی حیثیت کی طرف سے معاہدہ کی طرف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ غلاموں عورتوں اور لڑکیوں کی حیثیت کو پیش کرتے ہیں جو ازمنہ سابقہ میں تھی۔ ان میں سے عورتوں کی حالت تو اب تک کسی حد تک قائم ہے۔ پہلے زمانے میں غلام کی حیثیت پیدائش کے ساتھ وابستہ تھی۔ موجودہ زمانہ میں وہ معاہدہ سے تبدیل ہو گئی۔ بغیر اقرار خدمت کے جو با معاوضہ ہونا چاہیے کوئی کسی سے کام نہیں لے سکتا۔ رومانی قانون میں جس پر تمام یورپ کے قوانین مبنی ہیں عورت کی شخصیت تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ نہ اس کی جائیداد ہوتی تھی اور نہ ملک کی حکومت کی نظروں میں اس کی کوئی ہستی تھی۔ وہ خود اپنی شادی نہیں کر سکتی تھی۔ شادی سے پہلے اپنے والدین کے خاندان میں اور شادی کے بعد اپنے خاوند کے خاندان میں مدغم ہو جاتی تھی۔ لڑکے بھی اپنے باپ کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی اپنی حیثیت کچھ نہ تھی۔ سلطنت کے قوانین اور آپس کے معاہدات محض باپ تک پہنچتے تھے۔ انہیں انگلستان میں اب تک شادی کے بعد عورت

جائداد حاصل کرنے کے ناقابل تھی۔ نہ وراثت سے اور نہ بیع و شری سے وہ  
 جائداد حاصل کر سکتی تھی۔ اس حالت کی اصلاح کسی حد تک ایکٹ جاؤاد  
 مستدیرات منکوحہ ۱۸۹۲ء نے اب کی ہے ۱۸۹۲ء ہندوؤں میں اب تک نکاح  
 کو ایک انتسابی حیثیت دی گئی ہے۔ عورت کی حیثیت بدل نہیں سکتی اگر  
 اس کا خاوند مر بھی جاوے۔ یہ الہامی قوت نہیں تھی تو اور کیا تھا کہ ایک اسی  
 شخص جس کا کوئی انسان استاد و معلم نہ تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں ایک  
 قانون بنانا ہے جس کی ہر شاخ معاہدہ پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ نکاح کو  
 محض ایک خاص قسم کا معاہدہ بنا دیا۔ یہ تہذیب انسانی میں انفرادی آزادی  
 کی آخری حد ہے۔ نکاح کی معاہدہ نہ نوعیت کو یہ حکم دے کر واضح کر دیا کہ تم  
 ایک وقت محدود و مقررہ تک بھی نکاح کر سکتے ہو۔ اس کا نام متعہ ہے وہ  
 لوگ جو غور و فکر کرنے کے عادی نہیں ہیں اس پر یہ کہہ کر اعتراض کرتے ہیں  
 کہ اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں کی عقل پر جو  
 ازواجی رشتہ کو جس میں کوئی حد بھی مقرر نہ ہو نائی نکاح کہتے ہیں۔ حالانکہ  
 وہ ایک ایسی شے ہے جو آج نکاح ہوا اور کل محض تین دفعہ ایک ہی جملہ کہنے  
 سے ختم ہو جاتا ہے۔ متعہ میں تو پھر کچھ حد تو معین ہے۔

پہلے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے بحکم خداوندی متعہ نساء کا  
 حکم دیا اور آنحضرت کے زمانہ تک بلکہ حضرت عمر کے اخیر زمانہ تک براہ  
 جاری رہا لیکن حضرت عمر نے اس کو منع کر دیا۔

حلت متعۃ النساء قرآن شریف کی آیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین  
 رازی تفسیر کبیر میں در ذیل قولہ تعالیٰ قَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ اجْرَهُنَّ  
 فَرِيضَةً (پارہ ۵۵۔ سورۃ النساء ۲۴) لکھتے ہیں :-

وَاتَّفَقُوا عَلَىٰ أَنَّهَا كَانَتْ مَبَاحَةً  
فِي ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ مَرُورِي ان  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ  
لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ فِي عَمْرَتِهِ فَشَكَّى اصْحَابُ  
الرَّسُولِ طَوْلَ الْغُرُوبِ فَقَالَ  
اسْتَمْتَعُوا مِنْ هَذِهِ النَّسَاءِ

جمع امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ  
ابتداء اسلام میں متعة النساء جائز و مباح  
تھا، روایت ہے کہ جب جناب رسول خدا ﷺ  
معظمہ تشریف لائے تو اصحاب رسول نے  
آپ سے عورت کی جدائی کی شکایت کی تو  
آپ نے فرمایا کہ یہاں کی عورتوں سے متعه کر لو۔

اس ہی آیت کی تفسیر میں علامہ جبار اللہ محمود بن عمر الزمخشری تفسیر کشاف میں  
لکھتے ہیں :-

نزلت في المتعة التي كانت  
ثلاثة ايام عین فتح الله مكة  
على رسول عليه الصلوة والسلام  
ثم نسخت ..... وعن ابن  
عباس هي حكمة یعنی لم تنسخ  
كان يقراء فما استمتعتم  
به منهن الى اجل مسمى

یہ آیت متعه کے متعلق نازل ہوئی تھی جو  
تین دن تک جاری رہا۔ جب خداوند تعالیٰ  
نے اپنے رسول کو فتح نصیب کی۔ پھر  
فسوخ ہو گئی ..... لیکن ابن  
عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے  
یعنی فسوخ نہیں ہوئی اور وہ اس آیت  
کو الفاظ الی اجل مسمى کے ساتھ پڑھا کرتے  
تھے جس کے معنی ہیں کہ مدت مقررہ تک  
کے لئے متعه کر لو۔

تفسیر کشاف - الجزء الاول ص ۳۶۰ -  
تفسیر بیضاوی در ذیل آیت فما استمتعتم  
تفسیر معالم التنزیل -  
تفسیر ثعلبی -

ابن جریر اس آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں سدی سے یہ روایت بیان کرتے ہیں :-

قال هذه المتعة الرجل ينكح  
المروءة بشرط الى اجل مسمى  
فاذا انقضت المدة فليس له

کہا کہ یہ آیت متعه کے متعلق نازل ہوئی ہے  
متعه یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ وقت معین کے  
لئے مقرر شدہ اجرت پر نکاح کرے پس جب



عليها سبيل وهي منه بريئة  
وعليها ان تستأني سرحها و  
ليس بينهما ميراث وليس  
يرث واحد منهما صاحبه .

یہ نہیں اس مرد و زن کے درمیان میراث نہیں ہے، اور ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔  
ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حبیب ابن ثابت سے روایت کی ہے۔

قال اعطاني عبد الله بن عباس  
مصحفاً فقال هذا علي قراءة  
ابي بن كعب فقرأت في المصحف  
فما استمتعتم به منهن الي  
اجل مسمي .

راوی کہتا ہے کہ عبد اللہ بن عباس نے مجھے  
ایک نسخہ قرآن دیا اور کہا کہ ابی بن کعب کی  
قرأت کے مطابق ہے بس میں نے اس قرآن میں  
آیہ نما استمتعتم الایہ کے الفاظ الی اجل مسمی کے  
ساتھ دیکھے یعنی وقت مقررہ کے لئے عمتہ کر لو۔

قال سألت ابن عباس عن المتعة  
قال اما تقرأ سورة النساء قلت  
بلى قال قال اما تقرأ فما استمتعتم  
به منهن الي اجل مسمي قلت لا  
اقروها هكذا قال ابن عباس  
والله هكذا انزلها الله  
ثلاثة امرأة .

نیز ثعلبی نے ابونصرہ سے روایت کی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس سے متعہ  
کی نسبت دریافت کیا انہوں نے جواب دیا  
کہ کیا تم نے سورۃ النساء نہیں پڑھی یعنی کہا کہ پڑھی  
ہے اس پر ابن عباس نے کہا کہ کیا تم اس میں یہ  
نہیں پڑھتے کہ غیروا یوں سے مقررہ وقت کے لئے عمتہ  
کر لیا کرو میں نے کہا کہ اس آیت میں الفاظ الی  
اجل مسمی (وقت مقررہ تک) نہیں ہیں ابن  
عباس نے میں دفعہ کہا کہ واللہ یہ آیت ان الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی۔

جلال الدین سیوطی تفسیر در المنثور میں در ذیل آیہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ  
الآیہ لکھتے ہیں :-

اخرج عبد الرزاق وابوداؤدوني  
عبد الرزاق نے اور ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں

ناصحہ و ابن جریر عن الحسن کہ انہ  
سئل عن ہذا الاية امنسوخة  
قال لا و قال علی لولا ان عسر نھی  
عن المتعة ما زنی الا شقی و انصرف  
عبد الرزاق و ابن المنذر من  
طریق عطاء عن ابن عباس قال  
یرحم الله عسر ما كانت المتعة الا  
رحمة من الله رحم الله بها امة  
محبب و لولا غیبہ عنہا ما احتاج  
الی الزنا الا شقی قال وہی التي فی  
سورة النساء فما استمتعتم به  
منهن الی کذا و کذا من الوجل علی  
کن او کذا قال و لیس بینہما وراثۃ  
جلال الدین سیوطی تفسیر در المنثور -

اور ابن جریر نے حکم سے روایت کی ہے۔ حکم سے  
پوچھا گیا کہ کیا آیہ متعہ منسوخ شدہ ہے  
اس نے کہا کہ ہرگز نہیں اور حضرت علیؑ کہا کرتے  
تھے کہ عمر نے متعہ سے منع کیا ہوتا تو پھر کوئی  
شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا، عبد الرزاق و ابن المنذر  
نے عطا کے سلسلہ سے ابن عباس سے روایت  
کی ہے، ابن عباس کہا کرتے تھے کہ خرا عمر پر  
رحمت کرے متعہ تو ایک رحمت تھی خدا کی طرف سے  
اُمّتِ محمدیہ کے لئے اور اگر عمر اس سے منع نہ  
کرتے تو پھر کوئی شقی ہی ہوتا جو زنا کرتا۔ ابن عباس  
کہتے ہیں وہ حکم خداوندی سورۃ النساء میں ہے  
کہ عورتوں سے وقت مقررہ کے لئے رقم مقررہ کیئے  
متعہ کر لو۔ فریقین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حکم خداوندی سے متعہ النساء جاری ہوا تھا تو اب ہم  
بتاتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے اس کو جاری کیا۔ اصحاب نے اس پر عمل کیا  
اور زمانہ حضرت عمر تک برابر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے منع کر دیا۔  
را سماء رواة عربی میں دیکھو۔

جابر بن عبد اللہ اور سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں  
کہ ایک دن ہماری طرف جناب رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آیا اور ندا کی

حدیثاً عبد اللہ حدیثی ابی ثنا  
محمد بن جعفر ثنا شعبہ عن عمی و  
بن دینار قال سمعت الحسن  
بن محمد یحدث عن جابر بن  
عبد اللہ و سلمہ بن الاکوع قال  
خرج علينا منادی رسول الله صلی

کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو متعہ زنان کی اجازت دی ہے

یعنی متعہ النساء مندا امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۵۱

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا میں متعہ کیا کرتے تھے۔ جناب رسول خدا نے کبھی منع نہیں کیا۔ اور نہ اس کی منع کرنے والی کوئی آیت نازل ہوئی۔

(مند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۴۳۹)

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور ان کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے کوئی آیت اس کی ناسخ اتاری۔

مند امام احمد حنبل الجزء الرابع ص ۴۳۸

ابو سعید خدری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے تھے۔ لباس کے عوض میں۔

مند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۲۲

جابر ابن عبد اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں متعہ کیا کرتے

اللہ علیہ وسلم فنادی ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قد اذن لکم فاستمتعوا

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا عفان ثنا حماد لنا حميد عن الحسن

عن عمران بن حصين قال تمتعنا على عهد النبي صلی اللہ علیہ وسلم

فلم ينهنا عنها ولم ينزل فيها نهي

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا مؤيد ثنا حماد لنا حميد عن الحسن

عن عمران بن حصين انه قال تمتعنا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلم ينهنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

عليه وسلم بعد ذلك عندها ولم ينزل من الله عز وجل فيها نهي

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبه عن زيد ابي الحوار

قال سمعت ابا الصديق ليجد شعث ابي سعيد الخدري قال كنا نتمتع على عهد

رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالثوب حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا

اسحاق ثنا عبد الملك عن جابر بن عبد الله قال كنا نتمتع على

عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم و ابی بکر و عمر رضی  
عنه حتى نهانا عمر رضی اللہ  
عنه اخيرا یعنی النساء

مسند امام احمد حنبل - الجزء الثالث ص ۳۰۱ و ۳۲۵ و ۳۵۶ -

حدثنا عبد الله حدثني ابي حدثنا  
يونس ثنا احمد يعني ابن سلمة عن علي بن زيد  
وعاصم الاحول عن ابي نصره عن جابر ابن  
عبد الله قال تمتعنا متعتين على عهد  
النبي صلى الله عليه وسلم الحج والنساء

فنهانا عمر عنهما فانتبهنا - مسند امام احمد حنبل - الجزء الثالث ص ۳۵۶، ۳۶۳  
حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا  
عبد الرزاق انا ابن جريج قال  
عطاء حين قدم جابر بن عبد الله  
معترا فحجنا في منزله فسأله  
القوم عن اشياء ثم ذكر وال المتع  
فقال نعم استمتعنا على عهد  
رسول الله صلى الله عليه وسلم  
وابي بکر و عمر حتى اذا كان في  
الخرخلة ففة عمر رضی اللہ عنه -

مسند امام احمد حنبل الجزء الثالث ص ۳۸۰

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا  
حجاج ثنا شريك عن الامام

تھے اور زمانہ ابو بکر و عمر میں بھی  
متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے آخر  
زمانہ خلافت میں حضرت عمر نے اس  
سے منع کر دیا۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ زمانہ  
رسول خدا میں ہم دونوں متعہ کرتے  
تھے۔ متعہ النساء اور متعہ الحج پس  
عمر نے دونوں سے منع کر دیا اور ہم نے  
پھر ان کو چھوڑ دیا۔

عطاء سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ جب جابر  
بن عبد اللہ عمرہ میں آئے تو ہم  
ان کے مکان پر آئے، لوگوں نے بہت سی  
باتیں ان سے دریافت کیں۔ پھر  
متعہ النساء کا ذکر کیا تو جابر بن عبد اللہ نے  
کہا کہ ہاں ہم زمانہ رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر و عمر میں متعہ  
کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی خلافت کے  
آخر زمانہ میں عمر نے ہم کو اس سے روکا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے  
متعہ کیا تھا۔ پس عروہ بن زبیر نے کہا

عن الفخزئیل بن عمر وقال اذا  
عن سعید بن جبیر عن ابن  
عباس قال تمتع النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم فقال عروة بن الزبیر  
غنی ابوبکر وعمر عن المتعة فقال  
ابن عباس ما يقول عریشہ  
قال يقول غنی ابوبکر وعمر عن المتعة  
فقال ابن عباس اراہم  
سیدھا کون اقول قال النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم ویقول غنی

ابوبکر وعمر نے متعہ سے لوگوں کو روکا اس پر  
ابن عباس نے کہا کہ عروہ کیا کہتا ہے  
کہا گیا کہ وہ کہتا ہے کہ ابوبکر وعمر  
نے متعہ سے منع کیا اس پر ابن عباس  
نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ عنقریب  
یہ لوگ ہلاک ہوں گے۔ میں تو کہتا  
ہوں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم نے متعہ کا حکم دیا۔ اور یہ  
لوگ کہتے ہیں کہ ابوعمر نے منع کیا

ابوبکر وعمر منہما حمد بنہل۔ الجزء الاول ص ۳۳۷۔

حدیثنا عبد اللہ حدیثی ابی ثناء بہز  
قال وثنا عفان قال ثنا ہمام ثنا قتادہ  
عن ابی نصرۃ قال قلت لجاہر بن عبد اللہ  
ان ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ینہی عن  
المتعہ وان ابن عباس یامر بہا قال  
فقال لی علی یدای جری الحدیث تمتعنا  
مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
قال عفان ومع ابی بکر فہما ولی عمر رضی  
اللہ عنہما خطبنا قال ان القرآن  
هو القرآن وان رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم هو الرسول وانہما کانتا متعنا  
علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ابی نصرہ کہتے ہیں کہ میں نے جاہر ابن  
عبد اللہ سے کہا کہ ابن زبیر لوگوں  
کو متعہ سے روکتا ہے اور ابن عباس  
اس کی اجازت دیتے ہیں۔ پس جاہر  
ابن عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ زمانہ  
رسول خدا میں اور نیز زمانہ ابی بکر  
میں ہم متعہ کیا کرتے تھے۔ پس جب  
عمر حاکم ہوئے تو انہوں نے خطبہ دیا  
جس میں فرمایا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے  
اور رسول ہے تو ہوا کرے (اگرچہ دونوں  
متعہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں جاری  
تھے یعنی متعہ صحیح اور متعہ النساء

وسئلوا أحدا هباً متعة الحج والأخرى  
متعة النساء -  
لیکن میں تم کو ان دونوں سے منع کرتا  
(ہوں)

رشد احمد خلیل الجزء الاول ص ۵۲

اس جرات کو ملاحظہ کیجئے، قرآن ہے تو ہوا کرے رسول ہے تو ہوا کرے  
ہم ان کے احکام کو نہیں مانتے، انہوں نے دونوں متعہ یعنی متعہ حج و متعہ نساء  
جاری کئے لیکن ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں اور دونوں سے اپنی رعایا کو روکتے  
ہیں۔ یہ ہے وہ ذہنیت جس نے اسلام پر اثر پذیر ہو کر اس کو مسخ کر دیا۔  
علامہ ثعلبی اپنی تفسیر میں در ذیل آیت متعہ یعنی نما استمتعتم یہ منہن  
فانوهن اجورهن فریضة میں لکھتے ہیں:-

(اسمائے راویان عربی میں ملاحظہ فرمائیے)

اخبرنا الحسين بن محمد بن الحسين  
بن عبد الله انا موسى بن محمد  
بن علي بن عبد الله انا موسى بن  
هارون بن عبد الله الحمال انا  
محمد بن الصباح انا عبد الله بن  
رجاء عن عمران بن سليمان  
عن ابي رجااء العطار س وني  
عن عمران بن حصين قال نزلت  
اية المتعة في كتاب الله تعالى و  
لم ينزل اية بعدها تنسينها  
فامرنا بها رسول الله و تمتعنا  
مع رسول الله و مات ولم  
ينهننا عنه قال رجل براء ما  
شاء قلت فلم يرخص في

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ آیت متعہ کتاب اللہ  
میں نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی آیت  
نازل نہیں ہوئی جو اس کو نسخ کرتی۔  
پس جناب رسول خدا نے ہم کو متعہ کا حکم دیا اور  
ہم عہد رسول خدا میں متعہ کرتے تھے اور  
جناب رسول خدا بھی متعہ کرتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت نے  
انتقال کیا اور ہم کو متعہ سے نہ روکا۔ اس کے بعد

نکاح المتعة الاعمران بن حصین و عبد اللہ بن عباس و بعض اصحاب و طائفة من اهل البيت -  
 ایک آدمی نے (حضرت عمر نے) اپنی رائے سے وہ کیا جو اس نے چاہا۔ میں کہتا ہوں کہ نکاح المتعة کو جائز سمجھا، عمران بن حصین، عبد اللہ بن عباس اور بعض اصحاب رسول نے اور اہلبیت کی ایک جماعت نے حضرت عمر کی اولیات میں شمار ہوتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یعنی بہ مخالفت سنت آنحضرت متعة کو بند کر دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی حضرت عمر کی اولیات میں لکھتے ہیں :-

اول من حرم المتعة و اول من نهي عن بيع الاقدمات و اول من جمع الناس في صلوة الجنائز على اربع تكبيرات ..... و اول من اخذ زكوة الخيل -  
 حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعة کو حرام کیا، اُہتات اولاد کی بیع سے منع کیا جنازہ پر چار تکبیریں مقرر کیں اور وہ سب سے پہلے ہیں جنہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی۔

جلال الدین سیوطی :- تاریخ الخلفاء مطبوعہ مطبع مجتہبی شامہ ص ۹۰

یہ ثبوت جو ہم نے پیش کیا ہے اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :-

- ۱) متعة النساء کا اجراء احکام قرآنی کی رو سے ہوا
- ۲) جناب رسول خدا نے ہر ربيع عام منادی متعة النساء کی حلیت کا اعلان کر دیا
- ۳) جناب رسول خدا نے خود متعة کیا۔ آپ کے اصحاب نے کیا
- ۴) کوئی آیت اس کی ناسخ نہیں ہے
- ۵) جناب رسول خدا و حضرت ابوبکر کے پورے زمانہ تک اور حضرت عمر کے خلافت کے آخری زمانہ تک متعة النساء و متعة الحج جاری تھے
- ۶) حضرت عمر نے یہ کہہ کر کہ قرآن ہے تو ہوا کرنے رسول ہے تو ہوا کرے میں ان دونوں متعة کو روکنا ہوں، ان کو بند کر دیا
- ۷) آیت متعة النساء میں الفاظ الی اجل مسمى را ایک میعاد مقررہ کے لئے

بھی موجود تھے جو اب نہیں پائے جاتے ۔

۱۸) حضرت عمر امیر دین میں مداخلت کرتے ہیں اور نہایت دلیری کے ساتھ کتاب اللہ اور رسول خدا کی نافرمانی فرماتے ہیں ۔

امروا قہ تو اتنا ہی ہے مگر دکلاٹے اہل حکومت یعنی علماء اہل سنت و جماعت کا فرض تھا کہ وہ حضرت عمر کی مدد کو آئیں لہذا ان کی بھی کج سکتی بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ متعة النساء صرف جنگ و طاس میں تین دن کے لئے مباح ہوا تھا۔ پھر ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار پایا۔ چنانچہ آیت متعة کی ناسخہ آیت یہ بتاتے ہیں، اس ذیل میں کہ مومنین کون کون ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْتَابِهِمْ حَافِظُونَ ۗ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا

مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۱۸﴾ پارہ ۵۵ سورۃ المؤمنین ع ۱

واقعی محبت و تعصب انسان کو اندھا کر دیتے ہیں، سورۃ مومنین مکیہ ہے جس میں یہ آیت ناسخہ ہے اور سورۃ النساء جس میں یہ آیت متعة منسوخہ ہے وہ مدنیہ ہے، گویا متعة جاری تو بعد میں ہوا منسوخ پہلے ہی ہو گیا، اگر ناسخ و منسوخ کا عمل جاری کرتے ہو تو ہم کہیں گے کہ آیت جو سورۃ مومنین میں ہے وہ اثر پذیر ہوتی ہے آیت متعة سے جو اس کی تفصیل کرتی ہے، علاوہ اس کے یہ کہاں سے نتیجہ نکالا کہ یہ آیت متعة کو منسوخ کرتی ہے۔ متعة النساء میں بھی تو عورت، منزلہ نہ وجہ کے ہوتی ہے۔ یہاں تو مومنین کی نشانیاں بتائی جا رہی ہیں۔ لہذا مجمل ذکر اندواج کا کر دیا، اگر یہ آیت ناسخہ تھی تو حضرت عمر کی آخر خلافت تک کیوں متعة جاری رہا۔ کیا جناب رسول خدا اور حضرت ابو بکر کو معلوم ہی نہ ہوا، کہ یہ آیت ناسخہ متعة ہے ۔

حدیث متعة کے لئے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو خدا اور رسول خدا نے جاری فرمایا اور اس کو کبھی منع نہیں کیا۔ یہ ایک مثال ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بسا اوقات اپنی عقل کو غلط طریقہ سے



استعمال فرمایا کرتے تھے۔ صحیح عقلی بحث اب درج کی جاتی ہے۔

فقد اسلامی میں نکاح محض ایک معاہدہ ہے، اس میں اور عام معاہدوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ عام معاہدے تو فسخ نہیں ہو سکتے، جب تک کہ فریقین کی مرضی ہو یا اس میں شرائط ہی ایسی ہوں کہ ان کے واقع ہونے پر وہ معاہدے خود بخود فسخ ہو جائیں لیکن نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ جس کو ایک فریق محض اپنی مرضی سے جب جی چاہے فسخ کر سکتا ہے، لفظ طَلَّقْتُ کہا اور معاہدہ فسخ، جس کو آپ نکاح دائمی کہتے ہیں وہ دراصل دائمی تو کیا اس میں تو ایک لمحہ کی بھی مدت یقینی نہیں ہے بغیر وجہ بتائے ہوئے اور بغیر کسی وجہ کی موجودگی کے خاوند طلاق سے سکتا ہے متعہ میں عورت کو اتنا تو یقین ہو سکتا ہے کہ زمانہ متعہ تک وہ امن میں ہے۔ متعہ تو دراصل مرد کی اس آزادی طلاق پر ایک قید ہے، وہ ہی قہر، وہ ہی عدت، وہ ہی فرائض و حقوق پرورش اولاد، صرف تعین مدت و عدم میراث کا فرق ہے۔ سو اتنی آزادی رحمتِ خداوندی ہے، جو فریقین کے لئے مفید ہے، اس میں اتنی خوبیاں ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں، تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں :-

افعال ذمہ کی بُرائی دو وجہ سے ہوتی ہے ایک بالذات جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے، جیسے اعلام، کفر، ناشکر گزاری، منافقت، ظلم اور دوسرے بالنسبت یعنی ان کی بُرائی، ان کے باہر کے صورتِ حالات کی وجہ سے ہے مثلاً زنا، کذب، عریانی وغیرہ۔ کذب کو لہذا انسان تنہا بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتیں کیا کرے اور اس میں سچ و غلط سب کچھ بیان کر دے کوئی موانعہ نہیں لیکن ماں اگر اور لوگوں کے سامنے یا وجودِ علم کے علم اُچھوٹا لے لے تو بُرا ہے، کیونکہ سننے والے اس کے بیانات پر عمل کر کے نقصان اٹھائیں گے۔ کذب سے دوسرے لوگوں کو نقصان نہیں ہوتا اگر وہ بغیر کسی سبب کے بولا گیا ہے تو فعلِ عیث کہا جاسکتا ہے فعلِ مخرنہ ہو گا۔ اب زنا کو لہذا خداوند تعالیٰ نے عورت کی پیدائش کی غرض غایت ہی یہ رکھی ہے کہ وہ مرد کے لئے باعثِ تسکین ہو، اس کو تسکین دے کر

اس کے خیالات پریشاں کو رفع کر کے اس کی صحت و خوشی کے اسباب ہم پہنچا کر اسے اس قابل کرے کہ وہ دنیا کی مکر و ہات و مصائب و مشکلات کا مقابلہ کر سکے اور نہی نوع انسان کی آگے کی ترقی کا باعث بنے، نہی نوع انسان کی ترقی منوط و مربوط ہے محض مرد سے اور اس کے اوپر ہی منحصر ہے لیکن عورت بیکار نہیں، وہ مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ اس کو اس کشمکش عظیم کے لئے تیار کرے۔ ملاحظہ ہو:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا نَوْحًا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

پارہ ۲۲ - سورة الاعراف ۲۲ - یعنی خداوند تعالیٰ نے تم کو ایک جان واحد میں سے پیدا کیا، اور اس جان واحد ہی میں سے اس کی زوجہ پیدا کی تاکہ وہ رادم میں سے تسکین پاوے۔ اس آیت میں ہم ناظرین کی توجہ نفس و احدیۃ، منہا، لیسکن کی طرف دلاتے ہیں۔ یعنی تمام نہی نوع انسان کی نسبت محض مرد یعنی آدم کی طرف ہے، نہی نوع انسان کی ترقی مرد پر منحصر ہوئی۔ منہا یعنی عورت اس ہی نفس واحدہ میں سے پیدا کی گئی۔ آدم کی مٹی نہ ہوتی تو عورت پیدا ہی نہ ہوتی، عورت کی ہستی مرد کے اوپر منحصر ہوئی، مرد کا حق ہوا کہ عورت پر حکومت کرے۔

التَّجَالُّ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ اور چونکہ عورت کی ہست و بود ہی مرد کی جہ سے ہے لہذا عورت کی زندگی محض مرد کے لئے ہونا چاہیے، مرد اس سے کیا فائدہ اٹھاتا ہے لیسکن الیہا یعنی مرد کو عورت سے تسکین حاصل ہوتی ہے وہ آدمی جس کو تسکین ہی حاصل نہ ہو ہر وقت خیالات پر اگندہ و پریشاں رہیں وہ دنیا میں کیا کام کر سکتا ہے یا کیا ترقی کر سکتا ہے۔ صحیح تندرستی اور جوانی کی حالت میں مرد کی خواہشات کا جذبہ عورت کی طرف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا کوئی کام اچھی طرح نہیں کر سکتا، جب تک اسے اس کی طرف سے تسکین حاصل نہ ہو، چونکہ اسلام مذہب فطرت ہے، اسی وجہ سے اس نے اس جذبے کا خاص طور سے خیال رکھا ہے، زوجگان کی تعداد میں ایک حد مقرر کرنی ضروری تھی، وہ بھی چار تک مقرر کی ہے ایک پر انحصار نہیں کیا، اس کے علاوہ لونڈیوں کے

طریقے کو جاری رکھا گیا ہے جس کے بعد پھر انسان کو اس کی طرف سے بالکل اطمینان  
تسلی ہو جاتی ہے، ازمنہ سابقہ میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی مسافروں کی  
خاطر و نادرات کرنے میں لوڈی کا پیش کرنا بھی تھا تا کہ اگر مسافر کو یہ تسکین حاصل  
کئے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے اور اس کے خیالات پر اگندہ رہنے لگے ہیں تو وہ یہ  
راحت بھی اپنے میزبان کے گھر میں حاصل کر لے، تعجب ہے حضرت عمر سے کہ  
متنعہ کو تو زنا سمجھ گئے اور اس لوڈیوں کے استعمال کو کچھ نہ سمجھا۔ خیر، عورت کی  
پیدائش کی غرض و غایت ہی جب یہ ہوئی تو اب مرد و عورت کا تعلق تو عین  
حسب فشاء و خلا و ندری ہو گیا، اس میں بُرائی کا مختصر یہ ہو سکتا ہے کہ فساد ہو یا  
رشتہ ایسا قریب ہو کہ ان کا یہ تعلق مکروہ معلوم ہو، لہذا اسلام نے چند حدود قائم کیں  
لیکن بہت کم، فقط اتنی ہی کہ جتنی مناسب ہو سکتی ہیں۔ محرمات کی تعداد بہت کم  
ہے، ہندوؤں میں دیکھو وہاں تو ذرا سا بھی خون کے رشتہ کا شائبہ ہوگا  
تو عورت حرام ہو جائے گی۔ اسلام نے اس کو روا نہیں رکھا، زنا اس وقت زنا  
ہے کہ جب محرمات کے اندر ہو یا اس سے فساد کا اندیشہ ہو، نکاح کی غرض غایت ہی  
ہے کہ ان دو امور سے پرہیز کیا جائے۔ اور یہی غرض و غایت متنعہ میں بھی مد نظر ہے  
نکاح کے علاوہ اس میں جو بیاں بہت ہیں اور کوئی بُرائی متنعہ میں نہیں، جو نکاح میں نہ  
ہو، سفر میں گئے، یا تو زنا کرو، یا خیالات پریشاں سے اپنے تئیں خراب کرو یا  
نکاح کر کے طلاق کی ناخوش گواری پیدا کرو، متنعہ وہ ہی عورت کرے گی جس کے  
حالات اس کے مقتضی ہوں گے۔ مدت پہلے ہی سے معلوم ہے، لہذا جدائی بُری نہ  
معلوم ہوگی، عورت کو اتنے ایام کے لئے فائدہ حاصل ہو گیا۔ بڑھاپے میں مرد  
کو عورت کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اور خصوصاً کم عمر عورت کی، لوگ اس  
بات کا مذاق اڑاتے ہیں اور اب تو اس کو اتنا معیوب سمجھا گیا ہے کہ اگر کوئی  
بڑھاپے میں عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو کانگریس کے والدین پرانے  
پر آن کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم نکاح نہ کرنے دیں گے۔ یہ ضعیف العمر

آدمیوں پر ظلم ہوا کیونکہ ان کی یہ خواہش جس میں وہ ہیں پر محمول نہیں کی جاسکتی بلکہ طبعی اور فطرتی ہوتی ہے، اندر سے ان کا سارا جسم جوان اور طاقتور خون و حرارت غریبی سے مل کر اپنی کمزوری کو دور کرنا چاہتا ہے اور اس سر لہ طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے، یہ طبی اصول ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ آجکل بہت سی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ کس طرح جوانی از سر نو حاصل کی جائے۔ بہت سی دوائیاں نکل آئی ہیں، بندروں کے غدود کی تلاش ہے۔ وہ ساری دوائیاں ایک طرف اور یہ فطری و سہل نسخہ ایک طرف، اگر مرد میں عقل سلیم باقی ہے اور کم سن عورت کا استعمال دوا کے طریقے پر، عیش و عشرت کے لئے نہیں کرنا چاہتا ہے تو یہ نسخہ کبھی خطا نہ کرے گا، پہلے زمانہ میں یہ دوا عام تھی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے جب کہ ان کی عمر پچھن سال کی حضرت ام کلثوم سے نکاح کیا جن کی عمر زیادہ سے زیادہ نو سال کی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے کانگریس کے خدائی فوجدار بھی کچھ غلط نہیں کہتے تھے، تم اپنے بڑھاپے کو تو دور کرنا چاہتے ہو لیکن وہی بڑھاپا ایک کم سن لڑکی کے حوالے کرنا چاہتے ہو، تمہارے لئے تو یہ مفید ہے لیکن عورت کے لئے اگر ہمیشہ جاری رہا تو یہ رشتہ مضر ہوگا گویا وہ تو کبھی جوان مرد کی صحبت سے آشنا ہی نہ ہوگی۔ تم نے تو اس کو دوا کی طرح استعمال کیا، اور اس نے جوانی کا لطف ہی نہ اٹھایا، یہ اس پر ظلم ہے فرمائیے کیا کیا جائے کہ نہ مرد پر ظلم ہو، اور نہ عورت پر، مرد کی بھی خواہش پوری ہو جائے اور عورت کی بھی، کس خوبصورتی سے اور کس عقلمندی کے ساتھ اسلام نے اس مشکل مسئلہ کا حل کیا ہے متعہ کر لو، تھوڑے عرصہ کے لئے تم اس دوا کو استعمال کرو، پھر اس کو چھوڑ دو، عورت کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ متعہ کی قیمت اتنی رکھے گی کہ اس کے لئے عرصہ تک کافی ہو، پھر جوان مرد سے شادی بھی کر سکتی ہے۔ ظلم کسی پر نہ ہوا۔ دونوں کا مطلب حاصل ہو گیا۔ افسوس ہے کہ حضرت عمر نے کیسی غلط جگہ اپنی محدود عقل کا استعمال کیا ہے۔ اس سے

اسلام میں بھی اتنا ہی زنا ہو گیا کہ جتنا دیگر ممالک اور مذاہب میں ہے اور اب سینما نکل آئے ہیں جذبات کا ہیجان تو پیدا کر دیتے ہیں، اس ہیجان کی تسکین کے لئے عورت نہیں ملتی، یا تو پیشہ ور سے تعلق پیدا کر کے امراض مول لو، یا خفیہ زنا کرو، اصول طب کے ماہر ہمارے اس قول کی تصدیق کریں گے کہ اس طرح ہیجان کا پیدا ہو جانا اور پھر اس کا تسکین نہ پانا جسم انسانی پر ہمیشہ کے لئے نہایت مضر اثر چھوڑ جاتا ہے، اور اگر بار بار اعاذہ ہوتا رہے تو لا علاج امراض پیدا ہو جاتے ہیں، عورتیں بھی اب سینما کی بہت شائق نظر آتی ہیں، اور جب ہی اس ہیجان دائمی کی وجہ سے ہسٹریا کا مرض عورتوں میں عام ہو گیا ہے، یورپ کے ممالک کا تو ذکر نہیں، وہاں زنا زنا ہی نہ رہا وہاں تو نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ متعہ کی، عورتیں عام بیل جاتی ہیں خرابی ہنر وستان جیسے ملکوں کی ہے۔ سینما کا پیدا کیا ہوا ہیجان، سکول، اور کالج کے لڑکوں کو خراب کر رہا ہے، عورتیں ملتی نہیں، لونڈیوں کا رواج نہ رہا کچھ بازاری عورتوں کے شائق ہو جاتے ہیں، جو شر میلے ہیں وہ غیر طبعی طریقے سے اخراج مادہ کی کوشش کرتے ہیں، اس غیر تسکین شدہ ہیجان کا اثر دماغ کو مختل کر دیتا ہے، آج کل لوگ یہ کہتے سناٹی دیتے ہیں کہ اب لڑکوں میں جنون کا مرض زیادہ ہوتا جاتا ہے، اس کی اصلی وجہ پر غور نہیں کرتے، ساری نسل خراب ہو رہی ہے، قوم مٹ رہی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس صورت حال کی ذمہ داری بڑی حد تک اُس شخص پر ہے کہ جس نے سنت کو روک دیا۔

وہ مسلمان جو اسلام کی صداقت کو یورپ کے معیار سے پرکھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے بہت اچھا کیا کہ متعہ کو روک کر اسلام کو یورپ کے اعتراض سے بچا لیا، ان بزرگوں کی رائے میں اسلام ایک محدود و وقتی مذہب تھا، خاص زمانہ اور خاص ملک کے لئے نازل ہوا تھا، اس کے اصول معاشرت

قواعد سیاست زمانہ کی ترقی کے دوش بدوش چلنے سے قاصر ہیں۔ ہر ایک  
ضد ہی ہے۔ سر پر ایک سچھڑے کے آنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسلام کے پرانے و  
زائد المیعاد اصول و قواعد چھٹتے رہیں اور ان کی جگہ زمانہ کے فیشن کے مطابق  
رسم و رواج ایجاد ہوتے رہیں لیکن یہ قطعاً غلط ہے، اسلام نے ایک ایسا  
مستقل و دائمی طرز معاشرت قائم کر دیا ہے کہ جس کو زمانہ کی تبدیلیاں اور تہذیب کی  
قلا بازیاں مؤثر کرنے سے قاصر ہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اور لوگوں  
کی آنکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں سائنس ترقی کرتا جاتا ہے وہی اسلام  
کے پرانے اصول و قواعد نئے جوبن دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں اب اس  
جنگ عظیم کے بعد جب لوگوں کے سامنے مشکل مسائل معاشرت و معیشت  
آ رہے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ عورتیں بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ  
ہو گئی ہیں، ان کا پرورش کرنے والا، ان کانگراں کوئی نہیں رہا اور وہ مردوں  
میں مل کر ان کی طرح روزی کمانے پر مجبور ہیں اور اس خلط ملط نازیبا سے  
جو صنف نازک کے جوہر نسوانیت پر مضر اثر پڑ رہا ہے اس کی تفصیل کے لئے  
ترک کی فصاحت و بلاغت اور مافی و بہرہ داد کی مصوری چاہیے۔ ایسی حالت میں  
کیا اسلام کا تعداد ازواج و متعہ خدا کی طرف سے رحمت نہیں ہے، اس ذہنی غلامی  
کو رانہ تقلید کے قربان جانیے کہ تہذیب فرنگ کی خرابیاں اپنی آنکھوں سے  
دیکھنے کے باوجود بھی یہ لوگ اس ہی کو قابل تقلید سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی رائے میں  
یہ تہذیب انسانی تہذیب کے ارتقائی منازل میں سے آخری منزل ہے، اس  
آخری منزل کے انتہائی عروج کا نمونہ موجود وہ جنگ عظیم ہے۔ جس تہذیب میں  
ایک ہی دین رکھنے والے انسان آپس میں ایک دوسرے کا گلا اس بے رحمی  
سے کاٹیں کہ بندر اور کتوں کو بھی شرم آئے۔ کروڑہا جوان جانیں جو اصلی ترقی دنیا کا  
باعث ہوئیں اس طرح ضائع ہو رہی ہیں اور اس اندھے پن کو دیکھئے کہ ان  
قوموں کے رہنماؤں اور کارفرماؤں کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہم بُرا کر رہے ہیں، کروڑوں

بچے، عورتیں بے گناہ بڑھے، اندھے بچوں کا شکار ہو رہے ہیں، جس تہذیب سے بچے اور عورتیں اور بڑھے اپنی جانیں بچانے کے لئے جانوروں کے پھٹ پھٹ میں گھس رہے ہیں اور وہاں بھی پناہ نہیں ملتی۔ جس تہذیب نے ایسی دنیا پیدا کی ہے کہ اس میں آسمان سے آگ برس رہی ہے، زمین سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ پانی میں آگ لگ رہی ہے۔ عقل سلیم کہتی ہے کہ ایسی تہذیب کے وہ اصول و قواعد معاشرت جن کی بناء پر یہ معاشرت قائم ہے سب غلط ہیں کیونکہ نتیجہ غلط ہے احمق محض ہیں وہ لوگ جو رفتارِ زمانہ ہی میں ترقی کو مضمحل جانتے ہیں، زمانہ کوئی چال چلے وہ ہی ان کے لئے بہترین نمونہ ہوگا، وہ ابھی یہی کہے جاتے ہیں کہ باوجود اس تہذیب کے ان ہیبت ناک مناظر کے ہی تہذیب قابل تقلید ہے اب تو پلٹو اور اپنے صحیح اسلام کی معاشرت کی طرف آؤ جو باوجود بگڑنے کے بھی ایسی نہ بگڑی۔ اس جنگِ عظیم نے فرنگی تہذیب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اب موقع ہے مسلمانوں کے لئے کہ اپنے صحیح اسلام کی تہذیب سے دنیا کو آشنا کریں۔

متہ سے اسلام کے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی بدلتی ہوئی معاشرت کے ہر ایک تغیر و تبدل پر حاوی ہے۔ چنانچہ آج کل یورپ خصوصاً روس کی تعلیم کے زیر اثر لوگوں میں نکاح کی بندشوں کو قید سمجھا جاتا ہے بعض لوگ اس قدر غریب ہوتے ہیں کہ وہ بیوی اور بچوں کی پرورش کے متکفل نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں کرتے۔ ان سب لوگوں کے لئے متعہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جو ان کو زنا کی فضیحت سے بچا کر ان کی اندرونی قوتوں کے نشوونما میں حاضری ہو کر تسکینِ طبیعت کا باعث ہوتا ہے بہت سی عورتیں اس طبیعت کی ہوتی ہیں کہ وہ مرد کے تحکم کو پسند نہیں کرتیں آزادی سے زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی عورتیں اکثر صاحبِ ثروت ہوتی ہیں وہ اپنی پسند کے مردوں سے مساویانہ طرز پر زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں وہ اپنی اولاد کی بھی متکفل ہو سکتی ہیں۔ اور مرد کو بھی غربت سے بچا سکتی ہیں۔ بہت سے صاحبِ ثروت مرد

ایسی آزاد طبیعت کے ہوتے ہیں کہ ایک عورت کے ساتھ بسر کرنے میں اُن کو  
 حظ نہیں آتا۔ اُن کی بے شمار دولت کا اس طرح غریب باجیا شریف عورتوں  
 میں تقسیم ہوتا رہنا سوسائٹی کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے۔ غرضکہ کسی حیثیت  
 کسی درجہ، کسی مزاج، کسی طبیعت کا کوئی ہو، خواہ مرد یا عورت اس کے لئے  
 متعہ نہایت مفید قانون نکاح ہے۔ جو بے شمار مصیبت و غم کے مارے زنجور  
 انسانوں کے لئے پیغام خوشی و انبساط لاتا ہے۔ متعہ پر غور کرنے میں اکثر ایک  
 امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ متعہ میں ماسوائے تعین مدت کے  
 اور سب وہ شرطیں ہوتی ہیں جو نکاح و اہلی کے لئے ضروری ہیں۔

## باب یازدہم

### مسلمانوں کی موجودہ حالت کا جائزہ

تاریخ اسلامی کے ان واقعات و حالات کو معلوم کرنے کے بعد ہم مسلمانوں کی  
 موجودہ حالت پر نظر ڈالتے ہیں۔ پھر ہم کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ ہماری موجودہ  
 نکتہ، ذلت اور پستی کا باعث کیا ہے۔  
 دنیاوی و جاہلت و عروج عموماً لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے اور اس کی  
 چکاچوند میں بہت سی چیزیں نظر آنے سے رہ جاتی ہیں۔ اور جو بڑی بڑی چیزیں  
 دکھائی بھی دیتی ہیں وہ اپنے صحیح تناسب میں نظر نہیں آتیں۔ مسلمانوں کے  
 سرسبز اور عظیم الشان فتوحات و وسعت سلطنت کو دیکھ کر ہر ایک نے دست و دشمن  
 یہ کہنے لگا کہ یہ اسلام کی فتوحات ہیں۔ اور بحسب یہ کہیں بگڑا اور سلطنت غلامی  
 سے، اور ثروت نکتہ سے بدل گئی تو دوست تو کہنے لگے کہ چونکہ مسلمانوں نے



قرآنی احکام کی اطاعت چھوڑ دی لہذا ان پر ذلت غالب آئی اور دشمن کہنے لگے کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ اسلامی اصول ہی ایسے ہیں کہ سوائے نکتہ کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلام پھیلنا تو تلوار سے اور رگڑا اپنی کمزوری سے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نہ دشمن سچ کہتے ہیں اور نہ دوست۔ مسلمانوں کی سلطنت میں کب اسلام کی حکومت تھی۔ کب انہوں نے قرآنی و اسلامی اصول پر عمل کیا تھا، قرآن شریف کب ان کا ضابطہ عمل رہا تھا جو ہم اب کہیں کہ اسلامی اصول کو ترک کرنے کی وجہ سے یہ مصیبت پڑی۔ قرآن شریف میں سب سے زیادہ جس کی مذمت کی گئی ہے وہ ظلم ہے۔ شرک کو بھی ظلم عظیم ہی کہا گیا ہے اقرب للتقویٰ جس کو بتایا ہے وہ عدل ہے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان فتوحات مملکی کے زمانہ کو دیکھو، ان کی وسعت سلطنت کے زمانہ پر نظر ڈالو۔ وہ کونسا سال تھا بلکہ کونسا مہینہ تھا۔ ہم کہتے ہیں وہ کونسا دن تھا جو مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت میں حکام و عمال سلطنت کی طرف سے ظلم نہ ہوتا، جو سلطنت قائم ہوئی وہ ظلم پر قائم ہوئی جو بادشاہ تخت نشین ہوا وہ ظلم کی بنا پر ہوا۔ ان کے افعال جو تھے وہ ظلم کا جامہ پہنے ہوئے ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بہت زیادہ فتوحات حضرت عمر کے زمانہ میں ہوئیں۔ اور بہت زیادہ تو سب سے سلطنت حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوئی۔ اور یہ دونوں سلطنتیں اسلامی اصول کے خلاف قائم ہوئیں۔ جمہور مسلمین کا اعتقاد ہے کہ جناب رسول خدا نے خود اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اور اپنا حاکم خود مقرر کرنے کا حق امت کو دیا لیکن حضرت ابو بکر نے لوگوں کا یہ حق چھین لیا اور حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ حضرت عمر نے بھی سنت رسول کے خلاف ایک نہایت ٹیڑھی تجویز سے جس کا ذکر باب چہارم میں کیا گیا ہے حضرت عثمان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لہذا یہ دونوں سلطنتیں اسلامی اصول کے خلاف قائم ہوئیں۔ دنیاوی نقطہ نظر سے کچھ ہی فائدہ ہوا یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سلطنت الہیہ تھی۔ بنو امیہ

دنیوی عباس کا تو کیا کہنا وہ تو سب مانتے ہیں کہ دنیاوی حکمتیں تھیں پھر جو کشت  
 نمن ان سلطنتوں میں ہوا وہ ہر ایک تاریخ پر پڑھنے والے پر ہر ایسے مفکرین  
 اسلام مانتے ہیں کہ اسلام اپنے گھر میں پر ویسی اور اپنے انتہائی دنیاوی شکر عروج  
 و حکومت کے زمانہ میں بیکس تھا۔ وینا رجبہ اقلیت میں تھا اور اہل حق گنہ نشین  
 تھے اور ان کی حالت بالکل ذمیوں کی سی تھی۔ خلافت امویہ یا عباسیہ کے  
 عروج کا زمانہ، پارون، مامون و عبدالرحمن ناصر کا عہد اصل حثیت سے معیار  
 اور مستند نہیں ہے۔ اسلام کی ترقی کو اس دنیاوی عروج سے کچھ لگاؤ نہیں ہے  
 دہشتوں کا یہ کہنا کہ اسلام تو اس سے پھیلا قطعاً غلط ہے۔ ہم ابھی ثابت کر چکے  
 ہیں کہ یہ فتوحات اسلامی اصول کے خلاف ظلم پر منحصر احکام سول کی خلاف ورزی  
 پر مبنی تھیں۔ نہ اسلامی اصول پر یہ فتوحات ہوئیں نہ ان کی غرض اسلام کو  
 پھیلا نا تھی اور نہ اصلی اسلام ان سے پھیلا۔ جب حالت یہ ہے تو ہم کیونکر  
 کہیں کہ مسلمانوں کا عروج اسلامی اصول کی پابندی کی وجہ سے ہوا اور اب ان کا  
 تنزل اسلامی ذابطنہ زندگی کو چھوڑنے کی وجہ سے ہوا۔

کسی قوم کے عروج و زوال کو اس قوم کے مذہب کا عروج و زوال سمجھنا محض  
 اسلام ہی کی قسمت میں لکھا تھا۔ ورنہ کوئی نہیں کہتا کہ جو یس سیریا ہنسی بال کا  
 عروج کفر کا عروج تھا یا ان کی ترقی ان کی لائڈ ہیبت کی ترقی ہے یا انگریزوں کا  
 اقبال عیسائیت کی فتح ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ چند مقررہ اور اٹل قوانین ہیں  
 جن پر عمل کر کے دنیا کی قومیں خواہ کسی مذہب کی پیرو ہوں ملکی فتوحات و  
 دنیاوی عروج و ثروت حاصل کرتی ہیں۔ اور اسی طرح چند اسباب ہیں  
 جن کے جمع ہو جانے کی وجہ سے قومیں اپنے مقام عروج سے گر پڑتی ہیں  
 جب کسی خاص قوم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کے عروج کے یہ اسباب  
 اور اس کے تنزل کے یہ باعث تھے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان مقررہ و

اٹل تو انہیں عروج و زوال کو اُس خاص قوم میں کن امیور نے کار فرما کر دیا۔ ان اسباب کی فہرست میں مذہب کو بھی ایک جگہ مل جاتی ہے۔ لیکن اس میں بہت نمایاں مقام اُس قوم کی صدیوں کی تاریخ کا ہوتا ہے۔ اور اُن لوگوں کے کارناموں کا ہوتا ہے جن کو اس قوم نے اپنا راہنما سمجھ کر اُن کے طرز عمل کو اپنا چراغِ راہ ہدایت بنایا ہوا ہے۔ وجہ صاف ہے۔ محض مذہبی اعتقادات، بہت کم محرک عمل ہوتے ہیں۔ کام جو ایک قوم صدیوں سے کرتی آئی ہے، ان لوگوں کے نظائر جن کو وہ قابل تقلید سمجھتے رہے ہیں اور جن کی پیروی کرنا یہ اپنا جُز و ایمان سمجھتے ہیں اصلی محرک عمل یہ ہوتے ہیں اور اگر زیر تقلید اُن لوگوں کے افعال ہیں جن کا مطمح نظر دُنیاوی و جاہلت حاصل کرنا تھا، اور اُن کے افعال سے دُنیاوی و جاہلت و ثروت حاصل بھی ہوئی تو پھر اُن کی تقلید ان کی اپنی فطرت کے تقاضے سے مل کر بہت زیادہ محرک عمل ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس پر انتیازی طرہ یہ بھی لگ گیا ہے کہ اُن پیشرو بزرگوں کو سیاسی واقعات و تاریخی حالات کی وجہ سے یہ لوگ اپنا مذہب ہی پیشہ ابھی سمجھنے لگے ہیں تو بس اُن کا عمل ان کے لئے پتھر کی لکیر ہو گیا۔

تمام اقوام عالم کے عروج و زوال کے لئے فطرت نے ایک ہی قانون بنائے ہیں اور ان کے عروج و زوال کی تاریخ یکساں ہے۔ ہر ایک جنگجو اور فاتح قوم شروع میں غریب ہوتی ہے اور وہ ضرورت بقا کے لئے لڑائی شروع کرتی ہے غریبی کی وجہ سے اُس کے افراد میں محنت و جفاکشی کی عادت، مصیبت و تکلیف میں صبر و استقلال، دشمن سے مقابلہ کرنے کا عزم بالجزم، موت سے نہ ڈرنا، آپس میں ہمدردی و اخوت، خطروں کا مقابلہ کرنا، یہ ساری صفات اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اپنے میں یہ صفات نہ پیدا کریں تو انہیں اُن کی بقا ناممکن نظر آتی ہے۔ اور یہ ہی صفات فتح و کامیابی کے اسباب بن جاتے ہیں اور جب فتح و کامیابی کے ساتھ دولت و ثروت زیادہ ہوتی ہے تو اپنی موجودہ زندگی اور موجودہ حالت انہیں بہت دلآویز معلوم ہونے لگتی ہے عیش و عشرت

کے سامان انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اب انہیں میدان جنگ کی سختیاں بہت بڑھی معلوم ہوتی ہیں۔ موت کے خیال سے ڈر لگتا ہے۔ ذرا سی تکلیف میں گھبرا جاتے ہیں۔ صبر و استقلال جاتا رہتا ہے۔ لگاتار محنت کرنے سے دل چراتے ہیں۔ جنگ کے امکان کو پیسہ دے کر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دشمن سے کسی قیمت پر ہو مصالحت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تنزول کے اسباب ہیں اور جب کسی قوم کے افراد میں یہ صفات پیدا ہو جائیں تو پھر اُس کا گرنا ایک یقینی امر ہوتا ہے۔ یہ اہل قوانین فطرت ہیں۔ ان میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ یہ اُن قوانین میں سے ہیں جن کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ ولین اتجد لسنتر اللہ تبدیلا یہ کسی خاص قوم و مذہب کے لئے محدود نہیں ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کفار و بت پرست اقوام نے بھی ان پر عمل کر کے اسی طرح عالمگیر فتوحات حاصل کیں جس طرح محدود خدا پرست لوگوں نے اس راستہ پر چل کر کامیابی حاصل کی۔ جب آریوں کے لئے بوجہ قلت آب و گیاہ و زیادتی آبادی وسط ایشیا میں رہنا ناممکن ہو گیا تو انہوں نے بڑھنے کی کوشش کی اور دنیا کے چاروں طرف پھیل گئے۔ روم نے کار تاج کو اتنا دباننا شروع کیا کہ اب اُس کے لئے بغیر جنگ کرنے کے بقا ناممکن نظر آنے لگی۔ لہذا امر تا کیا نہ کرتا کہ اصول پر عمل کر کے میدان میں اتر آئے اور کامیابی حاصل کی۔ تاتاریوں اور ترکوں کی فتوحات بھی ان ہی اصول پر مبنی تھیں۔ آبادی زیادہ ہو گئی۔ باہر نکل کر بڑھنے کے امکانات آسان نظر آئے۔ لہذا کامیابی فتح کی راہ پر لگ گئے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی تک یورپ کی اقوام کچھ تو ترکوں کی دست برد سے عاجز آن کر کچھ یورپ میں اسباب زندگی نایاب ہوتے ہوئے دیکھ کر اور یورپ کو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ناکافی پا کر دنیا میں پھیلنے پر مجبور ہوئیں۔ سولھویں صدی کے بڑی و بھری سیاحوں کے دستوں کی کوششیں یورپ کی فتوحات و کامیابی کا باعث ہوئیں اور ملکہ الزبتھ انگلستان، فلپ ثانی، ہسپانیہ اور لوئی

چہار دہم فرانس کی عظمت و ثروت نے دُنیا کی آنکھوں میں چمکا چوندہ پیدا کر دی  
کل کی بات ہے کہ معاشرتی و سیاسی حالات سے تنگ آ کر فرانس جو انقلاب  
پیدا کرنے پر مجبور ہوا اُس نے فرانس کو نپولین بونا پارٹ کی سرکردگی میں  
دُنیا کا حاکم بنا دیا۔ دُور کیوں جاؤ۔ ہٹلر کی جرمنی کو دیکھو۔ یہ تو تمہاری نظروں کا  
واقعہ ہے سیاسی و معاشرتی ضروریات سے تنگ آ کر جرمنی تمام دُنیا کا مقابلہ کرنے  
کو تیار ہو گیا۔ شکست و فتح تو حکیم مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے ساری دُنیا ہی  
ایک کے خلاف ہو جائے تو وہ کیا کرے۔ لیکن یہ دیکھ لو کہ ایک آدمی نے  
ساری دُنیا کو لرزہ براندام کر دیا۔ کتنی غلطی ہو گی اگر ان سب فتوحات کی  
نسبت کہا جائے کہ وہ مذہب عیسائیت کی فتح تھی یا عیسائیت کے اصولوں کی  
بنیاد پر فتح کی بنیاد تھی جب ان فتوحات کا طرہ امتیاز تم عیسائیت کو دینے  
کے لئے تیار نہیں تو اسلام کے لئے وہ امتیازی نشان کس منہ سے مانگتے ہو۔  
امر واقعہ یہ ہے کہ بوجہ بات چند در چند جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں، خلافت صدر  
اؤل نے یہ مناسب سمجھا کہ عربوں کو باہر کی فتوحات پر لگایا جائے۔ اگرچہ یہ  
اصول اسلام و سنت رسول کے خلاف تھا اور اُس ظلم پر مبنی تھا جس کی مذمت  
قرآن شریف میں اس شد و مد کے ساتھ کی گئی ہے کیونکہ روم و ایران خود  
اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے اسلام کے خلاف کوئی جدوجہد  
نہیں کی تھی۔ بغیر وجہ کے اُن پر حملہ کرنا ظلم نہیں تو اور کیا تھا۔ لیکن ارکان خلافت  
مجبور تھے سیاسی ضرورتیں انہیں مجبور کر رہی تھیں لہذا انہوں نے یہ راستہ  
اختیار کیا اب جو فتوحات حاصل ہوئیں اُن کے اسباب ایسے صریح ہیں، آنکھوں  
کے سامنے نظر آ رہے ہیں کہ اُن کو نہ دیکھنا اور ان فتوحات کو خالص اسلامی  
اصول کا نتیجہ سمجھنا مورخ کو اُس کی اعلیٰ سند سے اتار کر متعصب کی صف  
فعال میں لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ عرب قوم غریب قوم تھی۔ زندگی کے  
عیش و عشرت کے سامان سے نا آشنا، یہ لگ جنگجو تھے۔ بہادر تھے۔ زندگی سے

زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ موت سے ڈرنے کو مار سمجھتے تھے۔ جفاکشی و محنت و لڑائی کے بغیر ان کا گزارہ نہ تھا۔ زندگی کا زیادہ تر سہارا لیٹ مار پر تھا۔ آدمیوں کو قتل کرنا ایک معمولی بات تھی۔ ان کے یہاں زیادہ تر موت قتل کی وجہ سے ہوتی تھی۔ یہ ہی وہ صفات ہیں جو کسی قوم کو فتح مندی کی طرف لے جاتی ہیں۔ ادھر تو یہ حالت تھی۔ غنیمت کی محبت اور جہالت کی جنگجویی کو عیش و آسائش کی قلت، زندگی سے تغافل، موت سے آشنائی، فتح کے سارے سامان موجود۔ قوم کو جوانی کی اُمنگیں، اور شباب کے ولولے ابھار رہے تھے اور ہرجن ہمسایہ قوموں پر حملہ کیا وہ اپنے تنزیل کے دور سے گزر رہی تھیں۔ ان میں وہ اسباب کار فرما تھے جو قوموں کو گراتے ہیں۔ عیش پرستی، آرام طلبی، موت سے ڈرنا۔ ہمت چھوڑ بیٹھنا۔ جفاکشی سے دور بھاگنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ قومیں اپنے بڑھاپے کے دور سے گزر رہی تھیں۔ واقعہ سے پہلے نتیجہ ظاہر تھا۔ جوان اور بڑھے کی کشتی کیا۔ ایک ہی ٹنگری میں بچت ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ عروج و زوال کے درمیان کا زمانہ کم و بیش ہو سکتا ہے اسباب عروج دیر تک کار فرما رکھے جاسکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے مستقل کر لئے جائیں۔ اسباب تنزیل کو بہت عرصہ کے لئے روکا جاسکتا ہے۔ یہ ممکنات میں سے ہے کہ ان کا داخلہ ہمیشہ کے لئے بند کیا جاسکے۔ اب یہاں مذہب، تجربہ، تاریخ گزشتہ، طرز حکومت، طور معیشت و معاشرت، پیروی رفتگان وغیرہ وغیرہ امور کار فرما ہو سکتے ہیں اور یہ سب طریق ملک رانی پر منحصر ہیں۔ اسلامی سلطنت میں ملک گیری تو اسلامی اصول کے مطابق نہ ہوتی دیکھنے کی بات یہ رہ گئی کہ ملک رانی بھی اسلامی اصول کے مطابق ہوتی یا نہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے ہم ناظرین کی توجہ حضرت عمر کی کتاب مناقب کی طرف دلاتے ہیں جو مولوی شبلی نے الفاروق کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ سلطنت کا سارا ڈھانچہ حضرت عمر نے روم و ایران سے

نقل کیا ہے۔ قیام افواج مُستقلہ، بیت المال، محکمہ دیوانی، محکمہ خراج وغیرہ یہ سب وہیں سے نقل کئے گئے۔ اور اُس نظام سے بالکل مختلف ہیں جو جناب رسول خدا نے قائم کیا تھا۔ ان سب امور پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نظام میں جناب رسول خدا کی جگہ حضرت عمر نے لے لی۔ لہذا اُس مذہب کا بالکل دخل نہیں رہا جو جناب رسول خدا نے جاری کیا تھا۔ بلکہ اکثریت اُمت میں اسلام کے نام سے وہ مذہب جاری ہوا جو حضرت عمر نے اپنی عقل کے مطابق قرآن شریف کی تاویل کر کے اور سیاسی حالات کو مد نظر رکھ کر قائم کیا تھا۔

اس طرح باقی مذہب کے طریقہ و تعلیم کو چھوڑ کر اُس کے بعد کے آنے والے لوگوں کی پیروی میں اپنی طبیعت و خواہشات کے مطابق ایک مختلف مذہب بنا لینا کوئی نئی بات نہ تھی۔ زمانہ ماضی میں عیسائیت اور زمانہ حال میں سکھ پنڈت اس کی نہایت پین مشالیں ہیں۔ اور ہم تو ہر ایک مذہب کو ایسا ہی پاتے ہیں۔ کون کہہ دے گا کہ بدھ مت وہ ہی ہے جو گوتم بدھ نے قائم کیا تھا۔ بلکہ ہمارا جہ اشوک نے جیسا مناسب سمجھا اُس کو بنایا۔ کیا کوئی صاحب عقل و فہم مان لے گا کہ موجودہ مردوہ ہندو مذہب وہ ہی ویدوں کا قائم کیا ہوا ہے۔ بلکہ بعد کے آنے والے منی و رشیوں و ہرمنوں اور ان کے پوراؤں نے اپنی خواہشات اور اپنے حالات کو مد نظر رکھ کر جیسا چاہا اسے بنا لیا۔ مذہب عیسائیت کو لو۔ موجودہ انجیل کو یہ اپنے مذہب کی اساس سمجھتے ہیں خود انجیل بتا رہی ہے کہ میں کس کی بنائی ہوئی ہوں۔ انجیل یا بائبل مقدس میں دو کتابیں ہیں ایک تو (Old testament) (عہد عتیق) اور ایک (New testament) یعنی عہد جدید۔ یہ دونوں کتابیں اگرچہ کہنے کو الہامی کتابیں کہلاتی ہیں لیکن دراصل مختلف آدمیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ عہد عتیق اگرچہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء سابقہ کے متعلق ہے اُس کو توراہ

باقی مذہب کی طریقہ اور تعلیم کو چھوڑ کر اسکے بعد کے آنے والے جینوں کی تقلید کرنا اور ان کے عقائد میں بھی ہر جگہ سے

کہنا چاہیے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ لیکن مورخین اور محققین اس امر پر متفق ہیں کہ اُس میں بہت تخریف ہے۔ یہاں تک کہ اس میں بہت سے عیسائیوں کی تخریروں داخل ہیں۔ ۷۵۔ حضرت موسیٰ تو حضرت عیسیٰ سے پانچ صد سے زیادہ سالوں پہلے ہوئے تھے۔ لیکن عہد عتیق کا سب سے پرانا حصہ ۱۵۰۰ قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ہے۔ ۷۶۔ عہد جدید کے بہت سے حصے ہیں۔ لیکن چار ان میں سے ایسے ہیں جو بائبل کا دل و دماغ ہیں اور وہ ہی اصلی گوسپل (Gospel) یا انجیل یعنی الہامی کتابیں کہلاتی ہیں۔ یعنی انجیل لوقا، انجیل میتھو، انجیل مارک، اور انجیل جان۔ ان کے متعلق عیسائی مورخین و محققین کی رائے ہے کہ یہ سب حضرت عیسیٰ کے مرنے کے بعد کی صدی میں لکھی گئیں۔ ان میں سے سب سے پرانی یعنی انجیل لوقا حضرت عیسیٰ کے انتقال کے پچاس سال بعد لکھی گئی۔ ان سب کو مختلف حواریین نے لکھا۔ ۷۹۔

سکھ پخت کو لیجئے۔ کون نہیں جانتا کہ اس مذہب کے بانی باؤگرو نائک سنگھ جی ہاراج ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق ہندوستان کے لئے توحید کا یہ مذہب ہندو دھرم اور اسلام کے اصولوں میں سے نکال کر قائم کیا تھا لیکن بہت جلد ہی ان کے انتقال کے بعد دراصل سکھ مذہب وہ ہو گیا جو ان کے بعد میں آنے والے گروؤں نے زیادہ تر سیاسی حالات کو مد نظر رکھ کر مرتب کیا۔ سکھوں کو جو نفرت و عناد مسلمانوں سے ہے وہ ایک غیر جانب دار حج منصف کے لئے جس نے گرو نائک سنگھ جی کی لکھی ہوئی گرو گرتھ صاحب پڑھی ہے بہت تعجب انگیز معلوم ہوگا۔ گرو نائک کا مذہب اسلام سے بہت نزدیک اور

۷۶ Remans Life of Jesus p. 9 R.P.A. series

۷۷ Ibid.

۷۸ Reman's Life of Jesus. p. 11



برہمنی مذہب سے بہت دُور تھا۔ لیکن بعد میں جو گرو ہوئے اُن کے سیاسی اخلاقاً  
مُغلوں سے بڑھتے گئے۔ اور پھر انہوں نے اپنے مذہب کے سانچے کو اس طرح  
ڈھالا کہ سکھوں کی جماعت خُدا پرست مسلمانوں سے دُور اور بت پرست برہمنوں کے  
نزدیک ہو گئی۔

جناب رسول خدا کے انتقال کے بعد مسلمان بھی اس ہی دُور میں سے گزرے۔  
اسلام میں معمولی اسباب کے ساتھ سیاسی اغراض بھی مل گئے اور سیاسی  
اغراض کے ساتھ ذاتی مفاد وابستہ ہو گئے۔ لہذا جو تغیر و تبدل دیگر مذاہب  
میں کچھ عرصہ کے بعد ہوا اسلام میں وہ فوراً آنحضرت صلعم کے رحلت کے  
بعد شروع ہو گیا۔

اس بحث کو ہم اُس کے دُوسرے سرے سے لے کر بحث کرتے ہیں۔ اگر نتیجہ  
وہ ہی نکلا تو ہم سمجھیں گے کہ یہ بحث صحیح اصولوں پر قائم ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں  
کہ مسلمان آج کل تنزیل کی آخری حد میں گرے ہوئے ہیں۔ اسباب تنزیل عرصہ  
ہوا کہ ان میں کار فرما ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کن چیزوں نے اسباب تنزیل  
پیدا کئے اور ان کو سرعت کے ساتھ جاری کیا۔ وہ یہ امور ہیں:-

(۱) آپس میں فرقہ بندی۔

(۲) کسی کی اطاعت نہ کرنا اور اپنے تئیں سب کا لیڈر سمجھنا۔

(۳) اغیاروں کے ہاتھ بہت کم قیمت پر فروخت ہو جانا۔

(۴) اپنے عہد و قول کی پرواہ نہ کرنا۔ کہنا کچھ۔ کرنا کچھ۔

(۵) مرتکب ظلم ہونا۔ اور عدل کو چھوڑ دینا۔

(۶) اپنی عقل کو اپنے مذہب پر ترجیح دینا۔ مذہب کو چھوڑ کر اپنی عقل کے مطابق عمل کرنا۔

(۷) تصنع و تقلید۔

(۸) احساسِ اخوتِ اسلامی کا معدوم ہونا۔

(۹) دین کو وجاہت و ثروتِ دنیوی کے لئے چھوڑنا۔ حُبِ ملک و جاہ۔

۱) ترکیب ایثارِ نفس۔ خود غرضی

ہندوستان ایک ایسا بڑا عظیم ممالک ہے جس میں جمادات و نباتات سے لے کر حیوانات کے ہر طبقہ تک جو بھی تمام دنیا میں مل سکتے ہیں وہ اس میں پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام مناظر قدرت کے نمونے اس میں ہیں۔ پہاڑی مناظر دریا کی وادیاں، سمندر، برفستان، ریگستان، جنگل، صحرا، سرما، گرما، برسات سب اس میں ملتے ہیں۔ ہر رنگ کے انسان اس میں ہیں۔ اسی طرح دنیا کی ہر گوشہ کی تہذیب و تمدن کا نمونہ اس میں ملتا ہے۔ بنی نوع انسان کی معاشرت و معیشت کا ہر نمونہ اس میں ملتا ہے۔ ننگے پھرنے والے وحشیوں سے لے کر یورپ کے اعلیٰ ترین لباس کے نمونے یہاں ملیں گے۔ دنیا کی کسی قسم کی سیاست اس کے پیر و آپ کو ہندوستان میں مل جائیں گے، بادشاہت، جمہوریت، ڈکٹیٹر شپ، ڈیموکریسی، اور جو کچھ ان کے مابین سیاست کے مراحل ہیں یہاں تک کہ روس کے بولشویک خیالات رکھنے والے انسان سب آپ کو یہاں ملیں گے۔ اسلامی فقہ کے بھی ہر فرقے کے آدمی یہاں موجود ہیں۔ لہذا ہم نے جو مسلمانوں کی خرابیوں کی فہرست اُدپر لکھی ہے اس کی تشریح ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کا بھانڈا لینے سے اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ اور وہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر حاوی ہو سکتی ہے۔

حکومت کی طرف چلنے اور حاکموں کی نظروں میں وقعت پانے کے لئے یہ لوگ کیا کیا کوشش کرتے ہیں۔ جس کی بُرائی سُننے سے حاکم خوش ہو گا یا پر خیال کریں گے کہ اُس کی بُرائی سُننے سے حاکم خوش ہوتے ہیں تو اُس کی پراہیک خوبی کو نظر انداز کر کے اُس کا ذکر حاکم کے سامنے بیان کریں گے خواہ وہ ان کا دوست اور ہم مذہب ہی کیوں نہ ہو۔ حاکم کی خوشنودی حاصل کرنا ان کا نصب العین حیات ہوتا ہے۔ اُس کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ہر قسم کا جھوٹ، لٹے لٹے تیار ہیں۔ اپنے بہترین دوست کو پھسانے

لے لئے تیار ہیں۔ اگر پھولے طبقے کے لوگ ہیں تو ان کے لئے حاکم تھانے آ  
یا تحصیلدار ہیں اور اگر بڑے طبقہ کے لوگ ہیں تو ان کے لئے حاکم ڈپٹی کمشنر  
کمشنر یا ڈائریکٹر ہے۔ لیکن ہر ایک طبقہ کے لوگوں کا طرز عمل اس ایک ہی  
اصول پر مبنی ہے کہ کسی طرح حاکم کی خوشنودی حاصل کر کے اس کی نظروں میں  
وعدت حاصل کریں۔ اور ایسی جگہ وہاں مل جائے کہ دوسرا کوئی آدمی اس کی  
نظروں میں وہ جگہ حاصل نہ کرے۔ کسی سرکاری جلسہ میں آپ چلے جائیں  
جہاں ہندو مسلمان و موٹو کام جمع ہیں۔ وہاں آپ مسلمان رؤساء و علماء کی گفتگو  
اور طرز عمل کا غور سے مطالعہ کریں۔ حاکم کی جڑ میں گھسے جائیں گے کہ کسی طرح  
ہماری طرف وہ دیکھ لے۔ اگر بات کر لی تو کیا کہنے ہیں۔ کبھی آپ نے کسی مسلمان  
رئیس کے چہرے کی طرف دیکھا ہے جب ایسے مرحلہ میں وہ حاکم سے بات کر کے  
آتا ہے خوشی سے باچھیں کھلی ہوتی ہیں تسلی اور اطمینان قلب کا اثر چہرہ سے نمایاں  
ہوتا ہے۔ دوسروں پر اس طرح نظر ڈالتا ہے کہ گویا کہتا ہے کہ جو میرے پاس  
راجہ کے نہیں۔ ان کی آپس کی گفتگو بھی ہوتی ہے کہ مجھ سے صاحب نے یہ کہا۔ میں نے  
یہ جواب دیا۔ صاحب میری بہت عزت کرتا ہے۔ میں جو اس سے ملنے گیا تو اٹھ کھڑا  
ہوا۔ اور ہاتھ ملا یا۔ جب میں چلنے لگا تو دروازہ تک مجھے پہنچانے آیا۔ صاحب نے  
یہ بھی کہا کہ ہمیں آپ کی ضرورت رہتی ہے آپ ہم سے ملتے رہا کریں۔ عرض کہ ان لوگوں  
وہ وقت جو سونے یا تاش و دیگر امور و لعب میں نہیں گزرتا وہ ان ہی باتوں میں  
خرچ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی معترض کہے کہ اب ہندوستان میں صاحب ہی نہیں  
رہے تو یہ صاحب کی باتیں کہاں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت بدلی ہے اور  
بدلنے والی ہے۔ محکم نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے ان کی وہی ذہنیت رہے گی۔ یہ  
بات دوسری ہے کہ صاحب کی بجائے کوئی دوسرا لفظ آجائے۔ آج کل دیکھئے کیا  
حالت ہے۔ ملک میں قتل عام جاری ہے۔ ہر ایک قوم اپنے مستقبل پر غور کر رہی  
ہے۔ عام مسلمان وہ ہی کنکریے اڑانے اور تاش کھیلنے میں مشغول ہیں۔ جب

اس سے فرصت ملتی ہے اور مختلف رہنما بیان ملت اپنی رہنمائی قائم کرنے کے لئے تقریریں کر کے اپنے ارادہ گرد جمع جمع کر لیتے ہیں تو ان فرمایاں ملک و ملت کی قوت عمل فلاں زردہ باد اور فلاں مردہ باد سے آگے نہیں بڑھتی۔ صاحبان غور و فکر کو رنج ہوتا ہے کہ جب اٹنا ہی کرنے پر یا کر فیو کے وقت کے بعد باہر نکلنے پر ان کے گروہ کے گرفتار کئے جاتے ہیں تو ان کو ضمانت نہیں دلتے جو ضمانت دے کر انہیں لے آئیں۔ برعکس اس کے جب کبھی دوسری قوم کا کمترین و ذلیل ترین شخص گرفتار ہوتا ہے تو اس کے بڑے بڑے آدمی کبھی تو یہ کہہ کر کہ یہ ہمارا لڑکر ہے اور کبھی ضمانت دے کر اسے فوراً لے آتے ہیں۔ آجکل کے فسادات میں ان مسلمان فرمایاں ملت کی یہ شکایت اکثر سُننے میں آتی ہے کہ مسلمان تو گروہ در گروہ گرفتار کر لئے جاتے ہیں اور دوسری قوم کے بہت کم لوگ گرفتار ہوتے ہیں۔ اور اس کو وہ حکام کے تعصب پر مبنی کرتے ہیں۔ اصلی بات کچھ اور ہی ہے۔ دراصل امر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خود ان کے مسلمان بھائی شکایت کر کے اور گواہی دے کر ان کے گھروں سے گرفتار کراتے ہیں۔ موقع پر تو کم پکڑے جاتے ہیں۔ گھروں پر اب یہ مسلمان گواہان کے بیانات پر گرفتاریاں ہوتی ہیں۔ برعکس اس کے دوسری قوم کے لوگوں میں سے کوئی بھی اپنی قوم کے آدمی کے خلاف شہادت نہیں دیتا۔ فرقہ دارانہ فساد میں مسلمان کی شہادت مسلمان کے خلاف قطعی سمجھی جاتی ہے وہ گرفتار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے فرقے کے لوگوں کے خلاف ایسی مضبوط شہادت نہیں ملتی اس میں بچارے حاکم کا کیا قصور ہے۔ ہندوستان کیا کتنا ساری دنیا بھر میں ایک ہندو ایسا نہیں ہے جو کانگریس کے خلاف ہو اور اسے برا کہے ایک ہندو ایسا نہیں جو مسٹر گاندھی یا جواہر لال نہرو کو برا کہے اور ان میں اخلاقی کمزوریاں بیان کرے اور انہیں اپنا لیڈر نہ مانے۔ مسلمانوں میں ہزاروں ایسے ہیں جو مسلم لیگ کو اور مسٹر جناح کو برا کہتے ہیں۔ اس میں اخلاقی کمزوریاں بتاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسٹر جناح کو مسلم لیگ اور کانگریس کے تنازعہ میں بہت دقیق

درپیش آرہی ہیں۔ کانگریس کی بڑی بحث یہ ہے کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی بھی نمائندہ نہیں۔ دیکھو فلاں فلاں مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کو نہیں مانتی اور مسٹر جناح کو برا کہتی ہے۔ آجکل اس سیاسی تنازعہ میں مسلم لیگ کے راہ بین چہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے کہ وہ یہی ہے کہ بہت سی اسلامی جماعتیں اس کے خلاف ہیں اور کئی مسلمان کانگریس کے ممبر ہیں۔ لیکن یہ کیوں ایسا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کا اعتراض نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اعتراض کرنے والے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اعتراض کریں تو پھر خود ہی شرمندہ ہو جائیں اور اعتراض منہ سے نہ نکلے مسلمانوں کی بے شمار جماعتیں ہیں جن میں اشتراک عمل کچھ نہیں۔ احرار، خاکسار، جمعیت العلماء، شیعوں کی ایک مختصر جماعت جو مسلم لیگ کے خلاف ہے، سرخوش، مودودے، آل انڈیا مسلم جماعت، تنظیم المؤمنین، وغیرہ وغیرہ۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور مسلمانوں کی کس جماعت کی اقتداء کرنی چاہیے۔ یہ کتاب سیاسی رسالہ نہیں ہے۔ ہماری تو ساری بحث یہ ہے کہ مسلمانوں کی حُب جاہ و ثروت و ریاست نے ان کو منتشر کر دیا ہے۔ اور وہ ایک مرکز پر انہیں جمع نہیں ہونے دیں۔ اور یہ بات مسلمانوں کی اس حالت سے ثابت ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ ملک کی آج کل کی حالت ایسی ہے کہ انہیں ایک مرکز پر متحد ہو جانا چاہیے۔ صحیح طرز عمل ایک ہی ہو سکتا ہے۔ مختلف و متفرق طریقے حق پر نتیج نہیں ہو سکتے جو ایک ہوتا ہے۔ اچھا مان لیا کہ مسلم لیگ غلطی پر ہے تم سب تو حق پر ہو جو اس کی مخالفت کرتے ہو۔ تم سب ہی مل کر ایک ہو جاؤ۔ لیکن سب کو مل کر ایک ہونے میں ہر ایک جماعت کی سرداری جاتی ہے۔ اس جماعت کے سردار دوسروں کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ اطاعت کرنی پڑتی ہے، اور یہ منظور نہیں یہی سارے فساد اور انتشار کی جڑ ہے۔ سوائے اپنے تئیں سرداری کے مقام پر لانے کے اور اپنی جماعت کے لئے ایک نمایاں حیثیت قائم کرنے کے ان سے پوچھو کہ انہوں نے کچھ اور بھی کام کیا ہے کوئی عملی قدم قوم کی معاشرتی، تعلیمی، رواجی، اصلاح کے لئے اٹھایا ہے۔ کبھی اپنی جماعت کے علاوہ

عام مسلمانوں کا خیال بھی آیا ہے۔ اور اپنی جماعت کا بھی محض اتنا خیال ان کو رہتا ہے کہ اس جماعت میں اطاعت کی اہلیت راسخ ہو جائے تاکہ ہمارے مطیع بنے رہیں ان کے سرداروں کی کتابیں آپ پڑھیں۔ سب میں یہ لکھا ہو گا کہ سردار کی اطاعت ضروری ہے۔ اطاعت کے بغیر مسلمان نہیں۔ اسلام مذہب تسلیم و رضا بھی ہے اور مذہب جنگجوئی بھی ہے۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ اطاعت اچھی شے ہے۔ اسلام مذہب تسلیم و رضا ہے۔ تم بتاؤ تم کس کی اطاعت کرتے ہو۔ یا تم اطاعت سے بالاتر ہو۔ تم جو اتنے متعدد سردار بن گئے۔ ایک کی اطاعت میں آ جاؤ۔ ایک مرکز بنا لو۔ دیکھو تم میں سے کون سردار اعلیٰ بننے کے قابل ہے۔ اس کو مرکزی حاکم مقرر کر لو۔ سقیفہ نبی ساعدہ سے اب تک کار و نالو یہی ہے کہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ہماری سب اطاعت کریں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ہمیں بھی کسی کی اطاعت کرنی چاہیے جو ہم سے افضل بہتر ہو اس کی ہم اطاعت کریں۔

ایک بات جو خاص طور سے دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان بہت جلدی اور نہایت کم قیمت پر بک جاتا ہے۔ دوسری قوم کے لیڈر ذرا ہنس کر بولے دو جا الفاظ کہہ دئے۔ چند حسین لیڈرز کے ہاتھوں سے ان کے گلے میں ہار ڈلا دئے۔ چند خوش گلو، خوش خو، خوش رو، خوش پوش لڑکیوں سے میزک سنوا دیا اپنے لوگوں میں ذرا ظاہری عزت دیدی۔ اور پھر جب کام کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔ علیٰ قدر مراتب و وظائف بھی مقرر ہو گئے۔ بس اور کیا چاہیے عمر بھر کے لئے غلام ہیں۔ نہ عاقبت کا اندیشہ نہ اپنے اصولوں کی پرواہ، اور اسلام کو توڑ مروڑ لیں گے۔ اپنی عقل و ذہن سلامت چاہیے۔ یہ اصول تو پہلے قائم ہو ہی چکا ہے کہ جو کچھ ہے دنیا کی دولت و ثروت ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے جب تہمیر و تکفین رسول کو نظر انداز کر دیا گیا تو یہ چند اصول کیا ہیں۔

آپس میں مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھو۔ کسی کے قول کا اعتبار نہیں۔ خود غرضی عام ہے۔ ایثار نفس جانتے نہیں کس کو کہتے ہیں۔ جو مد نظر رہتا ہے۔ وہ محض اپنا فائدہ ہے

قوم کے وہ لوگ جو تکالیف میں ہیں یا جن پر ظلم ہو رہا ہے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ ہمدردی قومی تو کیا ہمدردی انسانی تک نہیں رہی۔ جب تک اپنے پاس تک مصیبت نہیں آتی۔ ظلم نہیں پہنچتا۔ مسطہٹن ہیں۔ خواہ سارے مسلمان مرٹ جائیں۔ ہاں جب آگ اپنی طرف آنے لگتی ہے تو گھبراتے ہیں۔ لیکن پھر کیا ہو سکتا ہے۔ جب تم نے اوروں کی مدد نہ کی تو اب تمہاری کون مدد نہ کرے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری اقوام ان کے افراد پر زیادتی و ظلم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اور یہ بیٹھے دیکھا کرتے ہیں وہ بات ہی نہیں کہ

چو غصہ سے برد آور روزگار وگر غصہ ہا رانسا ندر قرار

یہ خود غرضی، بے حسیتی ہے اس ہی ناجائز حبت دولت و جاہ دنیوی کا۔ وعدہ کرتے ہیں محض وقت کو ٹالنے کے لئے یا اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے کبھی اس کے ایفاء کرنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ کبھی آپ نے عدالتوں کی بھی سیر کی ہے۔ اگر نہیں کی تو اب کریں۔ وہاں آپ کو تین قسم کے لوگ خاص طور پر نظر آئیں گے یعنی پیشہ ور گواہ، پیشہ ور ضامن اور ملزمان۔ نوٹے فی صدی گواہ رقم لے کر یا اپنا کوئی اور فائدہ نظر رکھ کر گواہی دیتے ہیں۔ ان جھوٹے گواہوں میں آپ کو اسی فی صدی مسلمان ملیں گے۔ جو دو دو یا چار چار روپے لے کر بے گناہ آدمی کو جیل یا پھانسی بھجوانے کے لئے تیار ہوں گے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہندو فریقین ہیں۔ لیکن گواہی دینے کے لئے مسلمان چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح روپیہ لے کر ضمانت دینے والوں میں زیادہ تر مسلمان ہی نظر آئیں گے۔ ملزموں کی طرف چلئے، اگر چہ ملک میں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن چوری، ڈاکہ، غبن، دنگہ و فساد، جوا، لوٹ مار، زنا بالجبر، اغوا وغیرہ جرائم کرنے والوں میں ماشاء اللہ یہ نوٹے فی صدی اتریں گے۔ مسلمانوں کی حالت کا پورا نقشہ کھینچنے کے لئے تو ایک ضخیم کتاب چاہئے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ ان کی تمام بیماریوں اور خرابیوں کا منبع ایک ہی ہے اور وہ بیجا حبت، جاہ و ثروت دنیوی ہے۔ اسی لئے جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں اپنے

تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیاوی دولت و جاہت کے دروازے کھل جائیں گے اور تم دنیا کو اختیار کر لو گے نہ ۹۰ اور یہ حُب و جاہ و دولت قطعی، لازمی، صریح اور براہ راست نتیجہ ہے کارکنان سقیفہ نبی ساعدہ کے طرز عمل کا اور اس کی تقلید کا۔ اپنے پیغمبر کے منہ سے قومو اعنی سُننا اور پھر اس پیغمبر کے جسدا طہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر حکومت حاصل کرنے چلے جانا ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترجیح دے کر دین کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے محسن اعظم سے اس طرح بے رُخی کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ لوگ دنیاوی و جاہت حاصل کرنے کے لئے ہر ایک صفتِ ممدوحہ و کریمہ، اخلاقیہ کو دنیا کے پیچھے چھوڑ سکتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں زمانہ حال کے دو نہایت زبردست مفکرین اسلام موجود ہیں یعنی علامہ مشرقی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ان دونوں کا تخیل نہایت زبردست ہے۔ اور اپنے آبائی مذہب کے اصول و اعتقادات سے جو منطقی نتائج نکلتے ہیں ان کے اظہار و انتشار میں نہایت جرأت اور قابلِ تعریف دلیری سے کام لیتے ہیں۔ اور اسی لئے میرے دل میں ان دونوں کی بڑی عزت ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ قرآن تو کچھ کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد و بزرگان دین کا طرز عمل کچھ اور ہی بنا رہا ہے لہذا انہوں نے صحیح نتیجہ نکالا کہ ہمارے مفسرین میں سے کسی نے صحیح تفسیر قرآن نہیں لکھی اور اب تک کسی نے صحیح تاویل و معانی قرآن نہیں سمجھے اتنی ضخیم تفسیروں کی کتابیں محض ردی کا ڈھیر ہیں لہذا انہوں نے دیکھا کہ ہمارے بزرگان دین نے دولت و حکومت و جاہت دنیاوی حاصل کرنے کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ دین کو چھوڑا، احکام رسول کی

۹۰ منداحمد حنبلی الجزء الثالث ص ۹۱، الجزء الخامس ص ۱۷۸

صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلاة علی الشہداء الجزء الاول ص ۱۶۱

۹۱ علامہ مشرقی: تذکرہ۔ دیباچہ ص ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵

تفاسیر کیا ہیں؟ قصاب خانہ فہم و عقل ص ۵۵



نافرمانی کی، خود رسول کی گستاخی کی اُن کی ہدایت کو ہدیان سمجھا، رحلت کے بعد اُن کے جنازہ کو بے غسل و کفن چھوڑ دیا۔ اور خود حکومت حاصل کرنے کے لئے چلے گئے لہذا انہوں نے نتیجہ نکالا اور واقعی اس طرز عمل سے یہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ جو کچھ ہے وہ دنیا کی حکومت و وجاہت و ثروت ہے اصلی مسلمان وہ ہیں جن کو یہ حاصل ہے خواہ اعتقاداً وہ تین خدا مانتے ہوں یا تیس ہزار خداؤں کے قائل ہوں۔ جن کو یہ حاصل نہیں وہ کافر ہیں خواہ اعتقاداً وہ موحد مسلمان ہوں۔ اصلی اسلام، اصلی دین دنیا کی حکومت و ثروت ہے۔ خدا کی عبادت وہ کرتے ہیں جو دنیا کی وجاہت و حکومت حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہوں۔ جو یہ کوشش نہیں کرتے وہ خدا کی عبادت نہیں کرتے خواہ صائم النہار و قائم اللیل ہی کیوں نہ ہوں اُن کا مسجدوں میں خدائے وحدہ لا شریک کو سجدہ کرنا محض اوندھے پڑھ کر غیوں غیوں کرنے کے مترادف ہے ۹۲ یہ امر واقعہ ہے کہ کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ اور اُن کے مقلدین کے قول و عمل سے یہی نتیجہ نکلتا ہے جو علامہ مشرقی نے نکالا ہے۔ اور اس جماعت کے دیگر علماء بھی جانتے ہیں کہ اُن بزرگواروں کے طرز عمل سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور یہ علماء جانتے ہی نہیں بلکہ اس نتیجہ پر عمل پیرا بھی ہیں۔ لیکن ان میں اور علامہ مشرقی میں یہ فرق ہے کہ علامہ مشرقی میں تو اپنے اعتقادات کے ظاہر کرنے کی جرأت ہے اور یہ علماء حضرات اس صفت سے عاری ہیں زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہیں گے جو علامہ مشرقی نے کہی ہے۔ لیکن دل سے مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ علامہ مودودی کے بھی یہی خیالات ہیں۔ اگرچہ اس زور و صراحت کے ساتھ نہیں بیان کئے گئے ۹۳۔ آج کل کے مسلمانوں کا نہیں بلکہ ”عروج اسلام“ کے زمانہ کے مسلمانوں کا نقشہ علامہ مودودی اس طرح کھینچتے ہیں:-

”بغداد، دمشق، دہلی، اور غرناطہ کے مترفین مسلمان ہونے کی وجہ سے خدا اور آخرت کے منکر نہ تھے، مگر اُن کی زندگی کا سارا پروگرام

۹۲ علامہ مشرقی:- تذکرہ- دیباچہ ص ۱۲۲ -

۹۳ ابوالاعلیٰ مودودی- تجدید و اچھے دین ص ۲۱ \*

اس طرح بنتا تھا کہ گویا نہ خدا ہے، نہ آخرت، نہ کسی کی جواب دہی ہے، نہ کہیں سے ہدایت لینی ہے، جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں۔ ان خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے میں ہم آزاد ہیں اور دنیا میں جینے کی جتنی مہلت ملتی ہے اس کا بہترین مصرف بس یہ ہے کہ

”بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست“ ۹۴

جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا اس نظریہ کی عین فطرت یہی ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک خالص مادہ پرستانہ نظام اخلاق بنتا ہے خواہ وہ کتابوں میں مدون ہو یا صرف ذہنیتوں ہی میں مرتب ہو کر رہ جائے پھر اسی ذہنیت سے علوم و فنون اور افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پورے نظام تعلیم و تربیت میں الحاد و مادیت کی روح سرایت کر جاتی ہے۔ پھر انفرادی سیرتیں اسی سناپنے میں ڈھلتی ہیں انسان اور انسان کے درمیان تعلقات و معاملات کی تمام صورتیں اسی نقشہ پر بنتی ہیں اور قوانین کا نشوونما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے۔ پھر اس طرز کی سوسائٹی میں سطح پر وہ لوگ ابھرتے ہیں جو سب سے زیادہ مکار، بددیانت، جھوٹے، دغا باز، سنگدل اور خبیث النفس ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمام کار ان ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ شہر بے ہمار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مہمراغہ سے بے پرواہ ہو کر خلق خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں میکا و دیلی (Machiavelli) کے اصول سیاست پر ان کی ساری حکمت عملی مبنی ہوتی ہے۔ ان کی کتاب آئین میں زور کا

نام حق اور بے زورزی کا نام باطل ہوتا ہے۔ جہاں کوئی مادی رکاوٹ  
حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ ظلم مملکت  
کے دائرہ میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقتور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو  
کھاتے اور دباتے ہیں اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی امپریلیزم  
اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے۔ ۹۵

علامہ مودودی کی رائے میں جناب رسول خدا نے خالص اسلامی نظام حکومت و  
معیشت و معاشرت قائم کیا وہ نظام اپنی صحیح حالت میں آنحضرت کے بعد فقط  
حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ تک بوجہ ان دونوں حضرات کی جامع کمالات  
شخصیتوں کے قائم رہا۔ لیکن ان کے بعد ہی جاہلیت یعنی کفر کو اسلامی نظام  
اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو  
حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت اور دوسرے حضرت عثمان کا ان خصوصیات کا  
حامل نہ ہونا جو حضرات شیخین کو عطا ہوئی تھیں۔ اگرچہ حضرت عثمان و حضرت علی نے  
جاہلیت کے اس حملہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ رکا اور آخر کار حضرت  
علی کے بعد خلافت علی منہاج النبوة کا دور ختم ہو گیا اور ملک عضو ض یعنی  
Tyrant Kingdom نے اس کی جگہ لے لی۔ اور اس طرح  
حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی اور آخر دم تک اسی پر  
قائم رہی ۹۶

آگے چل کر علامہ مودودی فرماتے ہیں :-

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا  
نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر ابن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے

۹۵ ابوالاعلیٰ مودودی :- تجدید و احیائے دین ص ۱۰

۹۶ ابوالاعلیٰ مودودی :- تجدید و احیائے دین ص ۲۲، ۲۳

مگروہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اُن کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجددِ کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اسی کا نام الامام المہدی ہے۔ جس کے بارے میں صاف پیشین گوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں۔ ۹۷

دیکھئے علامہ مودودی اپنے ذہن رسا و صحیح قوتِ غور و فکر کی وجہ سے کتنے صحیح نتائج پر پہنچے ہیں۔ جو تھوڑی سی سی کمی رہ گئی وہ محض آبائی عقائد کی وجہ سے ہے۔ جناب رسولِ خدا کے بعد جو حکومتِ اسلامیہ ساڑھے تیرہ سو سال سے چلی آئی ہے اُس میں صرف تقریباً دو سو سال تو حضرت ابو بکر کی حکومت کے اور دس سال حضرت عمر کی حکومت کے ایسے تھے جن میں اسلامی اصول کے مطابق حکومت ہوئی۔ باقی تمام عرصہ طویل تک اور اب تک سلطنتِ اسلامیہ پوکفر کا اثر بلکہ قبضہ رہا دراصل تو کفر کا اثر زائل نہیں ہوا تھا۔ صرف حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی شخصیتوں نے اُسے اُبھرنے نہ دیا اور اب یہ اثر زائل نہ ہوگا جب تک امامِ ہدی علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سقیفہ سازی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی حکومتِ اسلامیہ نے اسلامی اصول چھوڑ دیے۔ اور یہ بارہ سال بھی ایسے ہی گزرے جیسے کہ آگے آنے والا زمانہ۔ اور اب صحیح اسلام رائج نہ ہوگا جب تک امامِ ہدی کا ظہور نہیں ہوتا۔ دیکھئے ہم میں اور علامہ مودودی میں صرف ۱۲ سال ہی کی حیثیت کا فرق رہ گیا۔ ہماری بحث میں تو منطوق ہی ہے۔ علامہ مودودی ان بارہ سالوں کو رکنِ واقعات کی وجہ سے ٹھیک کرتے ہیں۔ ہم تو یہ کہتے

ہیں کہ جناب رسول خدا کے انتقال کے بعد اُس تحریک نے انقلاب پیدا کر دیا جو آنحضرت کی زندگی میں اُن کے قائم کردہ نظام کے خلاف عمل کر رہی تھی۔ اور حکومت پر قبضہ کرنا اس کا مقصد تھا۔ خاندان رسالت سے حکومت کو نکالنا اُس کا مدعا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ اُس کا آخری میدان عمل تھا۔ فرمائیے حضرت عمر کے مرنے کے بعد کونسا انقلاب رونما ہوا جو اُن کی زندگی میں شروع ہو چکا تھا۔ جس طرح اور جہاں اُنہیں نے حکومت کو بھیجنا چاہا وہ چلی گئی۔ خاندان رسالت سے حکومت کو نکالنے کا جو مقصد تھا وہ اب بھی زیر عمل تھا۔ جب ڈرنے اُن کی قوت کمزور ہو کر سلب کر لیا تو حضرت علی کی طرف رجوع کیا۔ جب خوف کے چلے جانے کے بعد وہ قوت عود کر آئی تو وہ ہی پہلی سی کوششیں حضرت عمر کے جانشینوں نے شروع کر دیں اور آخر کار وہ کامیاب ہوئیں اور حضرت عمر کی سیاست کا مقصد ہمیشہ کے لئے پورا ہو گیا۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کیا اس دو از دوہ سالہ معشورہ و حکومت کے چہرہ میں کہیں بھی خلافت الہیہ کے خدو خال نظر آتے ہیں۔ اس حکومت کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ ایک مسلمان جنرل ایک مسلمان کی منکوحہ عورت پر عاشق ہو جاتا ہے اور ہر ایک ممکن بہانہ سے اُس مسلمان کو قتل کر کے اُسی رات اُس کی زوجہ سے ہمبستری کرتا ہے۔ زمانہ عدت کا قانون نسوخت۔ حکومت اُسے سزا نہیں دیتی۔ بلکہ بچاتی ہے۔ مغیرہ ابن شعبہ زنا کرتے ہیں۔ ہر ممکن طریقہ سے حضرت عمر انہیں بچاتے ہیں۔ سیاسی ترکیبوں کے زیر نظر حدیث کے شائع ہونے کو روکا جاتا ہے۔ قرآن شریف بچوں سے جمع کرایا جاتا ہے۔ باوجود جناب فاطمہ کے حقوق کے علم کے فاک اُن سے چھین لیا جاتا ہے۔ جب وہ فریاد کرتی ہیں تو انہیں جھوٹا قرار دیا جاتا ہے۔ دُختر رسول کے گھر جلانے کو اُمت آگ جمع کر کے تمام دُنیا کو تعلیم دیتی ہے کہ اپنے پیغمبر، اپنے محسن کی اکلوتی بیٹی کو اُس کے باپ کے مرنے کا پُرسا اس طرح دیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون اخلاقیات میں احسان فراموشی، اور ظلم کے

دو باب ایسے کھلتے ہیں کہ جو کبھی ختم ہی نہ ہوئے۔ یہ دو باب کیا ہیں بلکہ دو ورق ہیں اُس کتابِ حُب و جاہِ دُنویٰ کے جو آنحضرتؐ کے زمانہٴ حیات ہی میں اُمت کھول چکی تھی۔ مسلمانوں کی پہلی اور عظیم الشان شکست کا باعث یہی حُبِ دولت ہوئی لوٹ کے لالچ نے اُن تیر اندازوں کو آنحضرتؐ کے حکم کی نافرمانی کرنے پر آمادہ کر دیا جن کو آنحضرتؐ نے کو جو اُحد کے درہ پر معمور کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ تم کسی حالت میں، خواہ شکست ہو، خواہ فتح، اس درہ کو نہ چھوڑنا۔ لیکن انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور خالد بن ولید نے موقع پا کر مسلمانوں کی فتح کو شکست سے مبدل کر دیا۔ یہ حُبِ دولت ہی تھی جس نے ان لوگوں کو جنابِ رسولؐ کی خواہش و حکم کے خلاف حکومت کو خاندان رسالت میں سے نکلنے پر آمادہ کیا۔ جسداقدس رسولؐ کو اس ہی محبتِ دُنیا نے چھٹوایا امر واقعہ یہ ہے کہ اس دو زوہ سالہ حکومت کے دوران ہی میں وہ اصولِ سیاست قائم ہو چکے تھے۔ وہ قواعدِ معیشت و آئین معاشرت مرتب ہو چکے تھے، وہ قوانینِ اخلاقیات منظور ہو چکے تھے، وہ ضوابطِ فقہ و دین رواج پا چکے تھے، جن کے اُپر آئندہ اسلامی سلطنتوں کا مدار رہا اور جو آئندہ اسلامی نسلوں کے لئے نمونہٴ عمل رہے اور جو آج کل زیر کار ہیں، ان تمام اصول و قواعد و قوانین و ضوابط کا منبع و مخرج محض ایک کلیہ تھا اور وہ یہ کہ حکومت و خلافت خاندان رسالت میں نہ جانے پائے۔ یہ خیال کیوں پیدا ہوا۔ حُبِ دولت و جاہِ دُنویٰ کی وجہ سے تمام موجودہ و سابقہ امراض و عوارض اُمتِ اسلامیہ کی جڑ آپ کو بہیں ملے گی۔ جناب رسولؐ خدا کے مقرر کردہ نظام کو نظر انداز کر کے اُس کے مخالف اپنا نظام قائم کرنے کی کشمکش جو اُمت نے شروع کر دی یہ جملہ امراض و عوارض اُس کا ہی نتیجہ ہیں۔ اس کشمکش سے یہ امراض کس طرح پیدا ہوتے رہے

ہم آپ کو گذشتہ ادراق میں بتا چکے ہیں۔ اور اس طرح جناب رسول خدا کی حدیث ثقلین والی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو آپ نے اپنے اہل بیت و قرآن کریم کی نسبت فرمائی تھی اور جس کے آخری الفاظ یہ تھے:-

انہما لن یتفرا قاحتی یروا علی العوض سالت  
ساری ذلک لہما فلا تقدموہما فتھلکوا  
ولا تقصروا عنہما فتھلکوا ولا تغلبوہم فانکم اعدائکم

عبدالکریم صاحب  
ابو بلعہ صدیق اقدس عظیمی کے بارے میں جو باتیں اس کتاب  
میں درج ہیں وہ قرآن کے فدائی ہیں کیونکہ 24 سوارہ  
والذی جاء بالصدق وصدق بہ کی آیت صدیق اکبر علیہ السلام  
کی شان اقدس میں آئی ہے اور سورہ قحط میں ان کا لہجہ معنی ہے  
جناب رسول خدا اہل جناب صدیق نے حق میں ہیں اعدائہ  
صرف اعد صرف متفقین، صلابت کے ساتھ ہے۔ ظالم و جاہل سے نہیں  
اعد کی بجاری و صحیح مسلم میں جناب صدیق اہل جناب عظیمی  
نے حق میں جو احادیث اقدس ہیں وہ بھی مد نظر رکھنا بیت ضروری ہے  
یونکہ رسول اللہ کی زبان قرآن خدا ہے۔ یعنی وہ احادیث بالکل اللہ ہی  
نے قرآن بھیجا ہے اور سیدہ ظہیرہ راکوہ منورہ اعدائہ اللہ ہی  
ہر قسم کی کتب مذہب شیعہ کے رکنے کا پتہ

کے فدیہ کی بات سورہ احزاب  
میں آیت کہ کوئی مرد کو اللہ نے  
رسول بنا دیا تو اس کی بات میں  
کرتے کی اجازت  
نہیں ہے نہ وہ

یہ کتب خانہ اثناء عشری لاہور (مجلد اول) میں موجود ہے اور اس کی اجازت

خانہ لاہور

# سیرۃ فاطمہ الزہراء صلوات اللہ علیہا

مؤلفہ آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ڈسٹرکٹ سیشن جج ریٹائرڈ

کتاب مندرجہ بالا کا تیسرا ایڈیشن بعد نظر ثانی مؤلف ممدوح بمعہ اضافہ جات کے طبع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہو چکی ہے۔ کہ قوم میں اسکے خاص تعارف کی ضرورت نہیں۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں:- اول خصوصیت تو اس کے مؤلف ممدوح کا طرز تحریر ہے۔ جناب فاطمہ کے زمانہ کی دنیا کے حالات اس زمانہ کی طرز ہائیش۔ اثبات اسلام حضرت ابوطالب تنقید و جرح اموی روایت کہ حضرت علی نے دوران حیات جناب فاطمہ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا۔ تاریخی و قالونی نقطہ نظر سے مقدمہ فدک پر بحث۔ حضرت فاطمہ اور حضرت امام حسن کے خطبات۔ حضرت زینب۔ حضرت اُم کلثوم۔ حضرت فاطمہ بنت الحسین کے تمام خطبات و مراثی سکینہ بنت الحسین کی مفروضہ محفل آرائیں کی تردید مسلمانوں کی ازواج خرابیوں۔ بے پردگیوں کی برائیاں اور فاطمہ کی زندگی سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا تذکرہ یہ اس کی چند خصوصیات ہیں۔ اس کی بہت کم جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ لہذا اگر فوراً ہی آرڈر روانہ کیا گیا۔ تو پھر انتظار کی مدت بہت طویل ہو جائے گی۔ لکھائی چھپائی کا غد عمدہ۔ سرورق رنگین۔ قیمت صرف چھ روپے مجلد و لائٹی ڈائری سنہری سوا سات روپے علاوہ محصلہ ڈاک

ملنے کا پتہ:-

## امامیہ کتب خانہ لاہور

اندرون موجودہ واڑہ مغل جوبلی

علی پور ٹنگ پریس بابائے نام شیخ نیال احمد پرنٹر طبع شد



نوٹ: سرورق ثانی کی پشت یعنی صفحہ ۱ پر بطور کتاب پہلے اطلاع عام ضروری ہے۔

اور سب سے پہلے اس کتاب کی رائیت کی گئی تھی جو کہ مکتوب پیکر سے رہنا اور متفرق نہ ہونا اس لیے آل عمران - ۱۱۲ بارہ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

# کتاب

## التفریق والتخالف

### فی الاسلام

جس میں

اس تاریخی مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ امت اسلامیہ اتنے فرقوں میں کیوں تقسیم ہو گئی جبکہ اسلام کا مقصد دنیا کو ایک دیکر پر متحد کرنا تھا اس تقسیم تفریق کے برابر مثال کیا تھے۔ کس شخص یا جماعت نے اختلاف کی ابتداء کی کب کی؟ کیوں کی؟ اور کس کی؟ اصل جماعتیہ اسلام اور اس کی جماعت کون ہیں؟ اس جماعت کے جدا ہونے والے کون ہیں؟ اصل جماعت اسلامیہ کی تقسیم کیا ہے اور کس بنا پر ہے۔

### تصنیف

خان صاحب آغا محمد شہباز سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹریکٹ سیشن جج ریٹائرڈ۔ مؤلف ابلاغ البین، عمراط، مستقیم نور المشرقین من حیاتیہ الصادقین، کتاب بیقرہ فی طبع الزہراء علیہا السلام، حب وطن، تاریخ ارتقاء تحفہ جلیبہ حب وطن، قدیم انگریزی، وغیرہ وغیرہ سابق صدر شیعہ مجلس وقاف دہلی سابق پریزیڈنٹ انجمن فائدہ الصفا پراویش شیعہ کانفرنس، سابق ممبر اوکوشا ریونیورسٹی دہلی، سابق ممبر جنرل کونسل انگریز عربک کالج اینڈ سکول سوسائٹی دہلی سابق سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول باختیارات دفعہ ۱۰۰ ضابطہ فوجاری، سابق آنریری سکریٹری پراویش سول سروس ایسوسی ایشن جوڈیشل پرائیج وغیرہ وغیرہ۔

مارچ ۱۹۵۹ء

پبلشر: خان صاحب محمد امجد علی پورہ

قیمت: سات روپے مجدد لاہوری ڈاچمن سٹریٹ ساٹھ آٹھ روپے صرف

پرنٹر: محمد امجد علی پورہ

تفریق کے لئے کلمہ میں اللہ بنی ما وصى بیدعنا والذکر جیتا الیاء و ما و صی صا لہ و ما و صی صا لہ و ما و صی صا لہ

اور ان کی رائیت کی گئی تھی جو کہ مکتوب پیکر سے رہنا اور متفرق نہ ہونا اس لیے آل عمران - ۱۱۲ بارہ